سلسلۂ نصابِ تعلیمِ جامعۂ عثمانیہ

تاریخ یونان

پروفیسر بیوری کی کتاب "ہسٹری اوف گریس" (خورد) کا اردو ترجمہ

انٹرمیڈیٹ کے لئے

مترجمہ

مولوی سیّد ہاشمی صاحب فرید آبادی

رکن سررشتہ تالیف و ترجمہ

جامعۂ عثمانیہ

۱۳۳۷ھ م ۱۳۲۸ف م ۱۹۱۹ء

'یہ کتاب میکملن کمپنی کی اجازت سے
جن کو حقوق کاپی رائٹ حاصل ہیں'
طبع کی گئی ہے'۔

نہیں سکتا اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی قوم دیگر اقوام عالم سے بے نیاز ہو کر پھولے پھلے اور ترقی پائے۔ جس طرح ہوا کے جھونکے اور ادنیٰ پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کے اثر سے وہ مقامات تک ہرے بھرے رہتے ہیں جہاں انسان کی دسترس نہیں اسی طرح انسانوں اور قوموں کے اثر بھی ایک دوسرے تک اڑ کر پہنچتے ہیں۔ جس طرح **یونان** کا اثر روم اور دیگر اقوام **یورپ** پر پڑا جس طرح **عرب** نے **عجم** کو اور **عجم** نے **عرب** کو اپنا فیض پہنچایا' جس طرح اسلام نے **یورپ** میں تاریکی اور جہالت کو مٹا کر علم کی روشنی پہنچائی اسی طرح آج ہم بھی بہت سی باتوں میں مغرب کے محتاج ہیں۔ یہ قانون عالم ہے جو یوں ہی جاری رہا اور جاری رہیگا۔

"دئے سے دیا یوں ہی جلتا رہا ہے"

جب کسی قوم کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور وہ آگے قدم بڑھانے کی سعی کرتی ہے تو ادبیات کے میدان میں پہلی منزل ترجمہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب قوم میں جدت اور اپج نہیں رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی تصانیف معمولی' ادھوری' کم مایہ اور ادنیٰ ہونگی۔ اُس وقت قوم کی بڑی خدمت یہی ہے کہ ترجمہ کے ذریعہ سے دنیا کی اعلیٰ درجہ کی تصانیف اپنی زبان میں لائی جائیں۔ یہی ترجمے خیالات میں تغیر اور معلومات میں اضافہ کریں گے' جمود کو توڑیں گے اور قوم میں ایک نئی حرکت پیدا کریں گے اور پھر آخر یہی ترجمے تصنیف و تالیف

کے جدید اسلوب اور ڈھنگ سمجھائیں گے۔ ایسے وقت میں ترجمہ تصنیف سے زیاد قابل قدر، زیادہ مفید اور زیادہ فیض رساں ہوتا ہے۔

اسی اصول کی بنا پر جب عثمانیہ یونیورسٹی کی تجویز پیش ہوئی تو ہز اکزالٹڈ ہائینس رستمِ دوراں ارسطوئے زماں سپہ سالار آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ نوّاب میر عثمان علیخان بہادر فتح جنگ جی۔سی۔ اس۔آئی۔جی۔سی۔بی۔ای۔ والی حیدرآباد دکن خلّد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ نے جن کی علمی قدردانی اور علمی سرپرستی اس زمانہ میں احیائے علوم کے حق میں آب حیات کا کام کر رہی ہے، بہ تقاضائے مصلحت و دوربینی سب سے اول سررشتۂ تالیف و ترجمہ کے قیام کی منظوری عطا فرمائی، جو نہ صرف یونیورسٹی کے لئے نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کریگا بلکہ ملک میں نشر و اشاعتِ علوم و فنون کا کام بھی انجام دیگا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی یہ کام ہندوستان کے مختلف مقامات میں تھوڑا تھوڑا انجام پایا مثلاً فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں زیر نگرانی ڈاکٹر گِلکرسٹ، دہلی سوسائٹی میں، انجمن پنجاب میں زیر نگرانی ڈاکٹر لائٹنر و کرنل ہالرائڈ، علی گڑھ سائنٹفک انسٹیوٹ میں جس کی بنا سر سیّد احمد خاں مرحوم نے ڈالی۔ مگر یہ کوششیں سب وقتی اور عارضی تھیں۔ نہ اُنکے پاس کافی سرمایہ اور سامان تھا نہ انہیں یہ موقع حاصل تھا

اور نہ انہیں اعلیٰحضرت و اقدس جیسے علم پرور فرمانروا کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا۔ یہ پہلا وقت ہے کہ اردو زبان کو علوم و فنون سے مالا مال کرنے کے لئے باقاعدہ اور مستقل کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ پہلا وقت ہے کہ اردو زبان کو یہ رتبہ ملا ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار پائی ہے۔ احیائے علوم کے لئے جو کام آگسٹس نے رومہ میں، خلافت عباسیہ میں ہارون الرشید و مامون الرشید نے ہسپانیہ میں عبدالرحمٰن ثالث نے، بکرماجیت و اکبر نے ہندوستان میں، الفرڈ نے انگلستان میں، پیٹر اعظم و کیتھرائن نے روس میں اور مُت شی ہٹو نے جاپان میں کیا، وہی فرمانروائے دولت آصفیہ نے اس ملک کے لئے کیا۔ اعلیٰحضرت واقدس کا یہ کارنامہ ہندوستان کی علمی تاریخ میں ہمیشہ فخر و مباہات کے ساتھ ذکر کیا جائیگا۔

منجملہ اُن اسباب کے جو قومی ترقی کا موجب ہوتے ہیں ایک بڑا سبب زبان کی تکمیل ہے۔ جس قدر جو قوم زیادہ ترقی یافتہ ہے اُسی قدر اُس کی زبان وسیع اور اس میں نازک خیالات اور علمی مطالب کے ادا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے، اور جس قدر جس قوم کی زبان محدود ہوتی ہے اُسی قدر تہذیب و شایستگی بلکہ انسانیت میں اس کا درجہ کم ہوتا ہے۔ چنانچہ وحشی اقوام میں الفاظ کا ذخیرہ بہت ہی کم پایا گیا ہے۔ علمائے فلسفہ و علم اللسان نے یہ ثابت کیا ہے کہ زبان، خیال اور

خیال، زبان ہے اور ایک مدت کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انسانی دماغ کے صحیح تاریخی ارتقا کا علم، زبان کی تاریخ کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ الفاظ ہمیں سوچنے میں ویسی ہی مدد دیتے ہیں جیسی آنکھیں دیکھنے میں۔ اس لئے زبان کی ترقی درحقیقت عقل کی ترقی ہے۔

علم ادب اسی قدر وسیع ہے جس قدر حیاتِ انسانی۔ اور اس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ پر پڑتا ہے۔ وہ نہ صرف انسان کی ذہنی، معاشرتی، سیاسی ترقی میں مدد دیتا، اور نظر میں وسعت، دماغ میں روشنی، دلوں میں حرکت اور خیالات میں تغیر پیدا کرتا ہے بلکہ قوموں کے بنانے میں ایک قوی آلہ ہے۔ قومیت کے لئے ہم خیالی شرط ہے اور ہم خیالی کے لئے ہم زبانی لازم۔ گویا یک زبانی قومیت کا شیرازہ ہے جو اسے منتشر ہونے سے بچائے رکھتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب کہ مسلمان اقطاع عالم میں پھیلے ہوئے تھے لیکن اُن کے علم ادب اور زبان نے انہیں ہر جگہ ایک کر رکھا تھا۔ اس زمانے میں انگریز ایک دنیا پر چھائے ہوئے ہیں لیکن باوجود بُعدِ مسافت و اختلافِ حالات یک زبانی کی بدولت قومیت کے ایک سلسلے میں منسلک ہیں، زبان میں جادو کا سا اثر ہے اور صرف افراد ہی پر نہیں بلکہ اقوام پر بھی اُس کا وہی تسلط ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تعلیم کا صحیح اور فطرتی ذریعہ اپنی ہی زبان ہو سکتی ہے۔ اس امر کو اعلیٰحضرت واقدس نے

پہچانا اور جامعۂ عثمانیہ کی بنیاد ڈالی ۔ جامعۂ عثمانیہ ہندوستان میں پہلی یونیورسٹی ہے جس میں ابتدا سے انتہا تک ذریعۂ تعلیم ایک دیسی زبان ہوگا ۔ اور یہ زبان اردو ہوگی۔ ایک ایسے ملک میں جہاں "بھانت بھانت کی بولیاں" بولی جاتی ہیں، جہاں ہر صوبہ ایک نیا عالم ہے، صرف اردو ہی ایک عام اور مشترک زبان ہو سکتی ہے ۔ یہ اہل ہند کے میل جول سے پیدا ہوئی اور اب بھی یہی اس فرض کو انجام دیگی ۔ یہ اس کے خمیر اور وضع و ترکیب میں ہے ۔ اس لئے یہی تعلیم اور تبادلہ خیالات کا واسطہ بن سکتی اور قومی زبان کا دعوے کر سکتی ہے ۔

جب تعلیم کا ذریعہ اردو قرار دیا گیا تو یہ کھلا اعتراض تھا کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کتابوں کا ذخیرہ کہاں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اردو میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ اس میں علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم ہو سکے ۔ یہ صحیح ہے کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کافی ذخیرہ نہیں ۔ اور اردو ہی پر کیا منحصر ہے، ہندوستان کی کسی زبان میں بھی نہیں ۔ یہ طلب و رسد کا عام مسئلہ ہے ۔ جب مانگ ہی نہ تھی تو رسد کہاں سے آتی ۔ جب ضرورت ہی نہ تھی تو کتابیں کیونکر مہیّا ہوتیں ۔ ہماری اعلیٰ تعلیم غیر زبان میں ہوتی تھی، تو علوم و فنون کا ذخیرہ ہماری زبان میں کہاں سے آتا ۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے ۔ اب ضرورت محسوس ہوئی ہے تو کتابیں بھی

مہیّا ہو جائیں گی۔ اسی کمی کو پورا کرنے اور اسی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے سررشتۂ تالیف و ترجمہ قائم کیا گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ اردو زبان میں اس کی صلاحیت نہیں۔ اس کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں۔ سررشتۂ تالیف و ترجمہ کا وجود اس کا شافی جواب ہے۔ یہ سررشتہ یہی کام کر رہا ہے۔ کتابیں تالیف و ترجمہ ہو رہی ہیں اور چند روز میں عثمانیہ یونیورسٹی کالج کے طالب علموں کے ہاتھوں میں ہونگی اور رفتہ رفتہ عام شائقینِ علم تک پہنچ جائیں گی۔

لیکن اس میں سب سے کٹھن اور سنگلاخ مرحلہ وضع اصطلاحات کا تھا۔ اس میں بہت کچھ اختلاف اور بحث کی گنجائش ہے۔ اس بارے مین ایک مدت کے تجربہ اور کامل غور و فکر اور مشورہ کے بعد میری یہ رائے قرار پائی ہے کہ تنہا نہ تو ماہرِ علم صحیح طور سے اصطلاحات وضع کر سکتا ہے اور نہ ماہرِ لسان۔ ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے۔ اور ایک کی کمی دوسرا پورا کرتا ہے۔ اس لئے اس اہم کام کو صحیح طور سے انجام دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں یک جا جمع کئے جائیں تاکہ وہ ایک دوسرے کے مشورہ اور مدد سے ایسی اصطلاحیں بنائیں جو نہ اہل علم کو ناگوار ہوں نہ اہل زبان کو۔ چنانچہ اسی اصول پر ہم نے وضع اصطلاحات کے لئے ایک ایسی مجلس بنائی جس میں دونوں، جماعتوں کے اصحاب شریک ہیں۔ علاوہ اِن کے

ہم نے اُن اہلِ علم سے بھی مشورہ کیا جو اس کی خاص اہلیت رکھتے ہیں اور بُعدِ مسافت کی وجہ سے ہماری مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے ۔ اس میں شک نہیں کہ بعض الفاظ غیر مانوس معلوم ہوں گے اور اہلِ زبان انہیں دیکھ کر ناک بھوں چڑھائیں گے ۔ لیکن اس سے گزیر نہیں ۔ ہمیں بعض ایسے علوم سے واسطہ ہے جن کی ہوا تک ہماری زبان کو نہیں لگی ۔ ایسی صورت میں سوائے اس کے چارہ نہیں کہ جب ہماری زبان کے موجودہ الفاظ خاص خاص مفہوم کے ادا کرنے سے قاصر ہوں تو ہم جدید الفاظ وضع کریں ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم نے محض ٹالنے کے لئے زبردستی الفاظ گھڑ کر رکھ دئے ہیں، بلکہ جس نہج پر اب تک الفاظ بنتے چلے آئے ہیں اور جن اصولِ ترکیب و اشتقاق پر اب تک ہماری زبان کاربند رہی ہے، اس کی پوری پابندی ہم نے کی ہے ۔ ہم نے اُس وقت تک کسی لفظ کے بنانے کی جرأت نہیں کی جب تک اُسی قسم کی متعدّد مثالیں ہمارے پیشِ نظر نہ رہی ہوں ۔ ہماری رائے میں جدید الفاظ کے وضع کرنے کی اس سے بہتر اور صحیح کوئی صورت نہیں ۔ اب اگر کوئی لفظ غیر مانوس یا اجنبی معلوم ہو تو اس میں ہمارا قصور نہیں ۔ جو زبان زیادہ تر شعر و شاعری اور قصص تک محدود ہو، وہاں ایسا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں ۔ جس ملک سے ایجاد و اختراع کا مادّہ سلب ہو گیا ہو جہاں لوگ نئی چیزوں کے بنانے اور دیکھنے کے عادی نہ ہوں، وہاں جدید الفاظ کا

غیر مانوس اور اجنبی معلوم ہونا موجب حیرت نہیں ۔ الفاظ کی حالت بھی انسانوں کی سی ہے ۔ اجنبی شخص بھی رفتہ رفتہ مانوس ہو جاتے ہیں ۔ اول اول الفاظ کا بھی یہی حال ہے ۔ استعمال آہستہ آہستہ غیر مانوس کو مانوس کر دیتا ہے اور صحت و غیر صحت کا فیصلہ زمانہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے ۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ لفظ تجویز کرتے وقت ہر پہلو پر کامل غور کرلیں، آئندہ چل کر اگر وہ استعمال اور زمانہ کی کسوٹی پر پورا اترا تو خود ٹکسالی ہو جائیگا اور اپنی جگہ آپ پیدا کرلیگا ۔ علاوہ اس کے جو الفاظ پیش کئے گئے ہیں وہ الہامی نہیں کہ جن میں ردّ و بدل نہ ہو سکے، بلکہ **فرہنگِ اصطلاحاتِ عثمانیہ** جو زیر ترتیب ہے پہلے اس کا مسودہ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جائے گا اور جہاں تک ممکن ہوگا اس کی اصلاح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جائے گا ۔

لیکن ہماری مشکلات صرف **اصطلاحات علمیہ** تک ہی محدود نہیں ہیں ۔ ہمیں ایک ایسی زبان سے ترجمہ کرنا پڑتا ہے جو ہمارے لئے بالکل اجنبی ہے، اس میں اور ہماری زبان میں کسی قسم کا کوئی رشتہ یا تعلق نہیں ۔ اس کا طرز بیان، ادائے مطلب کے اسلوب، محاورات وغیرہ بالکل جدا ہیں ۔ جو الفاظ اور جملے انگریزی زبان میں بالکل معمولی اور روز مرہ کے استعمال میں آتے ہیں، اُن کا ترجمہ جب ہم اپنی زبان میں کرنے بیٹھتے ہیں تو سخت دشواری پیش آتی ہے ۔ ان تمام دشواریوں پر

غالب آنے کے لئے مترجم کو کیسا کچھ خونِ جگر کھانا نہیں پڑتا۔ ترجمہ کا کام، جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے، کچھ آسان کام نہیں ہے۔ بہت خاک چھاننی پڑتی ہے تب کہیں گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے۔

اس سررشتہ کا کام صرف یہی نہ ہوگا (اگرچہ یہ اس کا فرضِ اولین ہے) کہ وہ نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کرے، بلکہ اس کے علاوہ وہ ہر علم پر متعدّد اور کثرت سے کتابیں تالیف و ترجمہ کرائے گا، تاکہ لوگوں میں علم کا شوق بڑھے، ملک میں روشنی پھیلے، خیالات و قلوب پر اثر پیدا ہو، جہالت کا استیصال ہو۔ جہالت کے معنی اب لاعلمی ہی کے نہیں بلکہ اس میں افلاس، کم ہمتی، تنگ دلی، کوتہ نظری، بے غیرتی، بد اخلاقی سب کچھ آجاتا ہے۔ جہالت کا مقابلہ کرکے اسے پس پا کرنا سب سے بڑا کام ہے۔ انسانی دماغ کی ترقی علم کی ترقی ہے۔ انسانی ترقی کی تاریخ علم کی اشاعت و ترقی کی تاریخ ہے۔ ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک انسان نے جو کچھ کیا ہے، اگر اس پر ایک وسیع نظر ڈالی جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جوں جوں علم میں اضافہ ہوتا گیا، پچھلی غلطیوں کی صحت ہوتی گئی، تاریکی گھٹتی گئی، روشنی بڑھتی گئی، انسان میدانِ ترقی میں قدم آگے بڑھاتا گیا۔ اسی مقدس فرض کے ادا کرنے کے لئے یہ سررشتہ قائم کیا گیا ہے اور وہ اپنی بساط کے موافق اس کے انجام دینے میں کوتاہی نہ کرے گا۔

لیکن غلطی، تحقیق و جستجو کی گھات میں لگی رہتی ہے۔ ادب کا

کامل ذوق سلیم ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے نقاد اور مبصر فاش غلطیاں کر جاتے ہیں۔ لیکن اس سے ان کے کام پر حرف نہیں آتا۔ غلطی ترقی کے مانع نہیں ہے، بلکہ وہ صحت کی طرف رہنمائی کرتی ہے پچھلوں کی بھول چوک آنے والے مسافر کو رستہ بھٹکنے سے بچا دیتی ہے۔ ایک جاپانی ماہر تعلیم (بیرن کی کوچی) نے اپنے ملک کا تعلیمی حال لکھتے ہوئے اس صحیح کیفیت کا ذکر کیا ہے جو ہونہار اور ترقی کرنے والے افراد اور اقوام پر گزرتی ہے۔

"ہم نے بہت سے تجربے کئے اور بہت سی ناکامیاں اور غلطیاں ہوئیں، لیکن ہم نے ان سے نئے سبق سیکھے اور فائدہ اٹھایا۔ رفتہ رفتہ ہمیں اپنے ملک کی تعلیمی ضروریات اور امکانات کا صحیح اور بہتر علم ہوتا گیا اور ایسے تعلیمی طریقے معلوم ہوتے گئے جو ہمارے اہل وطن کے لئے زیادہ موزوں تھے۔ ابھی بہت سے ایسے مسائل ہیں جو ہمیں حل کرنے ہیں، بہت سی ایسی اصلاحیں ہیں جو ہمیں عمل میں لانی ہیں، ہم نے اب تک کوشش کی اور ابھی کوشش کر رہے ہیں اور مختلف طریقوں کی برائیاں اور بھلائیاں دریافت کرنے کے درپے ہیں، تاکہ اپنے ملک کے فائدے کے لئے اچھی باتوں کو اختیار کریں اور رواج دیں اور برائیوں سے بچیں۔"

اس لئے جو حضرات ہمارے کام پر تنقیدی نظر ڈالیں انہیں وقت کی تنگی، کام کا ہجوم اور اس کی اہمیت اور ہماری مشکلات پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ یہ پہلی سعی ہے اور پہلی سعی میں کچھ نہ کچھ خامیاں

ضرور رہ جاتی ہیں، لیکن آگے چل کر یہی خامیاں ہماری رہنما بنیں گی اور پختگی اور اصلاح تک پہنچائیں گی۔ یہ نقش اول ہے نقش ثانی اس سے بہتر ہوگا۔ ضرورت کا احساس علم کا شوق، حقیقت کی لگن، صحت کی ٹوہ، جد و جہد کی رسائی خود بخود ترقی کے مدارج طے کرلے گی۔

جاپانی بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیس چالیس سال کے عرصے میں وہ کچھ کر دکھایا جس کے انجام دینے میں یورپ کو اتنی ہی صدیاں صرف کرنی پڑیں۔ کیا کوئی دن ایسا آئے گا کہ ہم بھی یہ کہنے کے قابل ہوں گے؟ ہم نے پہلی شرط پوری کردی ہے یعنی بیجا قیود سے آزاد ہوکر اپنی زبان کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ لوگ ابھی ہمارے کام کو تذبذب کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور ہماری زبان کی قابلیت کی طرف مشتبہ نظریں ڈال رہے ہیں۔ لیکن وہ دن آنے والا ہے کہ اس ذرے کا بھی ستارہ چمکے گا، یہ زبان علم و حکمت سے مالا مال ہوگی اور اعلیٰحضرت واقدس کی نظر کیمیا اثر کی بدولت یہ دنیا کی مہذب و شایستہ زبانوں کی ہمسری کا دعوے کرے گی۔ اگرچہ اُس وقت ہماری سعی اور محنت حقیر معلوم ہوگی، مگر یہی شامِ غربت صبح وطن کی آمد کی خبر دے رہی ہے، یہی شب بیداریاں روزِ روشن کا جلوہ دکھائیں گی، اور یہی مشقت اُس قصر رفیع الشان کی بنیاد ہوگی جو آئندہ تعمیر ہونے والا ہے۔ اس وقت ہمارا کام صبر و استقلال سے میدان صاف کرنا،

داغ بیل ڈالنا اور نیو کھودنا ہے، اور فرہاد وار شیرینِ حکمت کی خاطر سنگلاخ پہاڑوں کو کھود کھود کر جوئے علم لانے کی سعی کرنا ہے۔ اور گو ہم نہ ہوں گے مگر ایک زمانہ آئیگا جب کہ اس میں علم و حکمت کے دریا بہیں گے اور ادبیات کی افتادہ زمین سرسبز و شاداب نظر آئے گی۔

آخر میں میں سررشتہ کے مترجمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے فرض کو بڑی مستعدی اور شوق سے انجام دیا۔ نیز میں ارکانِ مجلسِ وضعِ اصطلاحات کا شکر گزار ہوں کہ اِن کے مفید مشورے اور تحقیق کی مدد سے یہ مشکل کام بخوبی انجام پا رہا ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ یہ سررشتہ جناب مسٹر محمد اکبر حیدری بی۔ اے معتمد عدالت و تعلیمات و کوتوالی و امور عامّہ سرکار عالی کا ممنون ہے جنہیں ابتدا سے قیام و انتظام جامعۂ عثمانیہ میں خاص انہماک رہا ہے۔ اور اگر ان کی توجہ اور امداد ہمارے شریک حال نہ ہوتی تو یہ عظیم الشان کام صورت پذیر نہ ہوتا۔ میں سید راس مسعود صاحب بی۔ اے (آکسن) آئی۔ اِی۔ ایس۔ ناظمِ تعلیمات سرکار عالی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی توجہ اور عنایت ہمارے حال پر مبذول رہی اور ضرورت کے وقت ہمیشہ بلا تکلف خوشی کے ساتھ ہمیں مدد دی۔

عبدالحق

ناظمِ سررشتۂ تالیف و ترجمہ (عثمانیہ یونیورسٹی)

مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ناظم۔
قاضی محمد حسین صاحب۔ ایم۔ اے۔ ریفگلر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم ریاضیات
چودھری برکت علی صاحب بی۔ یس۔ سی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم سائینس
مولوی سید ہاشمی صاحب۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم تاریخ۔
مولوی محمد الیاس صاحب برنی ایم۔ اے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم معاشیات
قاضی تلمذ حسین صاحب یم۔ اے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم سیاسیات
مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم تاریخ۔
مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم فلسفہ و منطق
مولوی عبدالحلیم صاحب شرر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مولف تاریخ اسلام
مولوی سید علی رضا صاحب بی۔ اے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم قانون۔
مولوی عبداللہ العمادی صاحب۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم کتب عربی

علاوہ ان مذکورۂ بالا مترجمین کے مولوی حاجی صفی الدین صاحب ترجمہ شدہ کتابوں کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے لئے اور نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طبا طبائی) ترجموں پر نظر ثانی کرنے کے لئے مقرر فرمائے گئے ہیں۔

مولوی مرزا مہدی خاں صاحب کوکب وظیفہ یاب سرکار عالی (سابق ناظم مردم شماری)

مولوی حمیدالدین صاحب بی۔اے صدر دارالعلوم

نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی)

مولوی وحیدالدین صاحب سلیم

مولوی عبدالحق بی۔اے ناظم سررشتۂ تالیف و ترجمہ

علاوہ ان مستقل ارکان کے، مترجمین سررشتۂ تالیف و ترجمہ نیز دوسرے اصحاب سے بلحاظ اُنکے فن کے مشورہ کیا گیا۔ مثلاً

خان فضل محمّد خانصاحب ایم۔اے رنیگلر (پرنسپل سٹی ہائی اسکول حیدرآباد)

مولوی عبدالواسع صاحب (پروفیسر دارالعلوم حیدرآباد)

پروفیسر عبدالرحمٰن صاحب۔بی۔ایس۔سی (نظام کالج)

مرزا محمّد ہادی صاحب۔بی۔اے (پروفیسر کرسچن کالج لکھنؤ)

مولوی سلیمان صاحب ندوی

سید راس مسعود صاحب بی۔اے (ناظم تعلیمات حیدرآباد) وغیرہ

۷۸۶

فہرست مضامین

باب اوّل
آغاز تاریخ و عہد شجاعت

صفحہ

صفحہ

بَابُ دُوم

یُونَانَ کی وُسعَت

بَابُ سُوم

اسپارٹہ کا فروغ، شرفا کا زوال

باب چہارم

اتحاد ایٹی کا اور جمہوریہ ایتھنز کی بنا

باب پنجم

ایتھنز کا فروغ چھٹی صدی میں

صفحہ

باب ششم

ایرانکی پیش قدمی ایجین کیطرف

باب ہفتم

ابتلائے یونان، ایران و فنیقیہ کی یورش

صفحہ

باب ہشتم

سلطنت اتھنز کی بنا

صفحہ

بابِ نہم

سلطنت ایتھنز پری کلیس کے عہد اقتدار میں

بابِ دہم

محاربہ ایتھنز و پلوپنی سس

صفحہ

بابِ یازدہم

سلطنت ایتھنز کا زوال اور خاتمہ

صفحہ

بابِ دُوازدہم

اقتدار اسپارٹہ اور جنگ ایران

بابِ سیزدہم

صفحہ

ایتھنز کا دوبارہ فروغ اور دوسری ہیئت اتحاد

باب چہاردہم

ریاست تھبنز کی سیادت

باب پانزدہم

سیراکیوز کی سلطنت

صفحہ

بابُ شانزدہمُ

مقدونیہ کا عروج

بابُ ہفدہمُ

صفحہ

ایران کی تسخیر

باب ہجدہم
مشرق اقصیٰ کی فتوحات

صفحہ

باب اوّل

آغازِ تاریخ اور عہدِ شجاعت

۱۔ یونان اور بحیرۂ ایجین

اس داستان کی ورق گردانی رفتہ رفتہ ہمارے ناظرین کو ملک یونان کے جزایر و امصار، جبال و انہار کے ناموں سے گوش آشنا کردے گی۔ لیکن آغاز ہی میں چند عام اسباب و حالات کا ذہن نشین کرلینا مناسب ہے کہ انہی کا ناگزیر اثر یونانیوں کی تاریخ کو ایک خاص سانچے میں ڈھالتا چلا گیا تھا؛ جن اقطاع و جزایر میں وہ لوگ آباد تھے اُس کی خصوصیاتِ طبعی۔ کا ان کی تاریخ سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ اگر یونان کے جغرافیے سے قطع نظر کرلی جاے تو یونان کی تاریخ مطلق سمجھ میں نہ آے گی کیونکہ وہ قوم، جو جزیروں میں یا ایسی سرزمین پر آباد ہو جس میں جابجا راسیں اور گہری خلیجیں ہوں، سمندر ہی کے راستے اطراف و اکناف

میں پھیل سکتی تھی۔ گویا خود قضا و قدر نے اُسے سمندر کی گود میں ڈال دیا تھا۔

جزیرہ نمائے یونان میں سب سے نمایاں شئے، وہ گہری خلیج ہے جس نے اس ملک کو قریب قریب مساوی دو حصّوں میں چیر دیا ہے۔ اور انتہاے مشرق میں اگر خشکی کا ایک تنگ تسمہ نہ لگا رہ جاتا تو جنوبی حصّہ بالکل علٰحدہ ایک جزیرہ ہوتا۔ اور خود اس کے یونانی نام (پلوپی سس) کے معنی بھی "قوم پلوپ کا جزیرہ" ہیں! بہر حال، سمندر کا اس طرح ملک میں دور تک آجانا، قدیم یونان کی تاریخ پر بہت بڑا اثر رکھتا ہے اور اس کا اندازہ تین پہلوؤں سے نظر ڈال کر ہوسکتا ہے یعنی اول تو خود ایک فاصل خلیج کا ملک میں ہونا دوسرے جنوبی اور شمالی یونان کے درمیان، محض ایک خاکنائے کا تعلق۔ اور تیسرے اس خاکنائے کا انتہاے مغرب میں نہ ہونا بلکہ انتہائے مشرق میں واقع ہونا۔

(۱) خود خلیج کا دو گونہ اثر تو پہلی ہی نظر میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس نے ایک طرف تو بہت سے ایسے باشندوں تک سمندر کو پہنچا دیا کہ اگر یہ خلیج نہ ہوتی، تو وہ اندرون ملک کے محض کوہستانی باشندے رہ جاتے۔ نیز یہ کہ اس خلیج کی بدولت یونان کا ساحل زیادہ دراز ہوگیا! اس کے علاوہ دوسرا کام خلیج نے یہ کیا کہ جنوبی یونان کو بجائے خود ایک مستقل اور جداگانہ عالم بنا دیا جسے شمالی یونان سے بالکل علٰحدہ ملک سمجھا جا سکتا تھا۔

(۲) لیکن اگر فی الواقع یہ جنوبی حصّہ ایک علٰحدہ جزیرہ ہوتا اور یہ

تنگ خاکنائے بھی موجود نہوتی تو یونان کے مشرقی اور مغربی علاقے
ایک دوسرے سے اتنی دُور نہ رہتے یعنی بحیرۂ ایجین اور بحیرۂ آیونیان
کے ساحلوں میں زمانۂ قدیم سے مسلسل آمد و رفت اور تعلق باہمی کا ایک سیدھا
راستہ نکل آتا اور جہازوں کو، خواہ سوداگری کے لئے ہوں خواہ
جنگ جوئی کے لئے، سارے جزیرہ نمائے پلوپنی سس کے گرد
چکر کھانے کی دِقّت نہ اٹھانی پڑتی بلکہ وہ مشرق سے چلتے اور
سیدھے وسطِ یونان سے گزر کر مغربی ساحل تک پہنچ جاتے؛
دوسرے اگر خاکنائے نہ ہوتی تو خشکی کے راستوں کا نقشہ بالکل
بدلا ہوا ہوتا اور تجارت کے مرکز بھی اور ہی ہوتے۔ نیز تاریخ
یونان کی جن لڑائیوں کا حال ہم اب پڑھتے ہیں ان کی نوعیت
کچھ اور ہوتی + اس خاکنائے کی اہمیت کا اندازہ بڑے پیمانے
پر، اس زمانے کی ایک مثال سے یوں ہوسکتا ہے کہ اگر آج
اس قدرتی پُل یعنی خاکنائے کو دور کردیا جائے، جو شمالی امریکہ
کو جنوبی امریکہ سے ملائے ہے۔ تو خیال کرو کہ بحرہائے اعظم
کے تجارتی راستوں میں اور بحری جنگ کے موقعوں میں کتنا بڑا
انقلاب پیدا ہوجائے گا +

(۳) پھر یہ کہ وہ قدرتی پُل جس نے پلوپنی سس کو ملک یونان
سے ملا رکھا ہے، اگر مشرق کی بجائے خلیج کے مغربی سرے
پر ہوتا تو اس صورت میں بھی بحیرۂ ایجین اور ممالک مشرقی سے
بحری تجارت کا آسان اور قریبی راستہ ان یونانی علاقوں کیلئے
نکل آتا جو خلیج کے دونوں جانب واقع تھے۔ اور اس طرح

بالکل ممکن تھا کہ شمال مغربی یونان پر بھی تمدّن کا جلد اور زیادہ گہرا اثر پڑتا۔ نیز یہ کہ پلوپنی سس سے منقطع رہنے کی حالت میں علاقہ بیوشیہ اور اٹی کا کی تاریخ کا رنگ ہی دوسرا ہوتا*

اس خلیج کے بعد دوسرے درجے پر، بحیرہ ایجین کے محلِّ وقوع اور اس کے حالات طبعی کا تاریخ یونان پر اثر پڑنا مقدر تھا۔ اس میں بے شمار جزیروں کے بکھرے ہونے کی گویا غایت یہی تھی کہ اُن کے باشندے آپس میں ایک دوسرے سے روابط بڑھائیں اور وہ مجمع الجزایر جسے یونانی سای کلیڈیز (یعنی حلقے) کہتے تھے، آگے بڑھ کر اس طرح جزیرہ بہ جزیرہ ساحلِ ایشیا کے قریبی جزایر تک پہنچ گیا ہے کہ وہ اُن سے جُدا اور غیر متعلق نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ یونان سے ایشیا تک جہازوں کے گزرنے کیواسطے گویا جزیروں کا ایک پُل قدرت نے بنادیا ہے۔ سچ پوچھئے تو ایشیاے کوچک کے مغربی ساحل کا، برّاعظم ایشیا کی بجاے یورپ سے قدرتی تعلق بھی زیادہ ہے اور یہ بہت جلد عالم یونانی کا ایک گوشہ بنگیا تھا۔ پس بحیرہ ایجین کو اگر یونان کا اصلی مرکز قرار دیا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا*

مغربی ساحل یونان کو بھی قدرت نے عمدہ بندرگاہیں عطا کردی تھیں۔ اور جزیرہ کرکایرا (موجودہ کارفو) سے ملکِ اطالیہ کی ایڑی تک، کوئی بعید مسافت نہ تھی۔ لہذا مغربی یونان کے باشندوں کے سامنے اُدھر بھی سیر و سیاحت کے لئے ایک دُنیا موجود تھی۔ مگر اس دنیا کے لوگ عہدِ قدیم میں بالکل وحشی تھے اور تہذیب و تمدّن

کا کوئی تحفہ ان کے پاس نہ تھا جسے وہ اپنے یونانی معاصرین کی نذر کرتے پس مشرقی ساحلِ یونان کے باشندوں کی جب نگاہ اُٹھتی، ممالکِ ایشیا کے رُخ اُٹھتی۔ اور وہ مشرق کے سب سے قدیم تمدنوں کی جانب کھنچتے اور اُن سے مستفیض ہوتے تھے۔ گویا زمانہ اولیٰ میں مغربی یونانیوں کی اپنے مشرقی ہم وطنوں سے پس ماندگی کی وجہ یہ نہ تھی کہ مغربی ساحل کی ساخت مشرقی ساحل جیسی اچھی نہ تھی۔ بلکہ اس کا اصلی سبب یہی تھا کہ وہ ایشیا کی طرف واقع تھے اور ان کا رخ اُدھر نہ تھا۔ چنانچہ ایک عرصے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ اسی مغربی ساحل **آیونیان** پر تجارت کی گرم بازاری ہے، اور بہت سے خوش حال شہر آباد اور تہذیب و شائستگی کے میدان میں سب سے آگے قدم زن ہیں +

یونان، پہاڑوں اور چھوٹی چھوٹی وادیوں کی سرزمین ہے جن میں نہ بڑی بڑی ندیاں ہیں نہ میدان۔ گنتی کے چند میدانی علاقے ہیں بھی تو وہ رقبے میں زیادہ وسیع نہیں۔ یہی سبب ہے کہ یہ ملک الگ الگ بستیاں بسانے کے لئے، جنہیں کوہستانی دیواروں نے ہمسایوں کی دست بُرد سے محفوظ کردیا ہے، قدرتاً موزوں تھا چنانچہ یونان کی تاریخ، حقیقت میں چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں کی تاریخ ہے + یوں تو ہر ملک کی تاریخ پر وہاں کے جغرافی حالات کا کسی نہ کسی حد تک اثر ہوتا ہے لیکن یونان میں ان کا اثر بہت زیادہ اور نمایاں نظر آتا تھا اور یونانیوں کی قومی شیرازہ بندی میں جہاں اور اسباب مانع تھے اُنہی میں ان جغرافی حالات کو بھی اتحادِ ملکی کا ایک

دشمنِ قوی سمجھنا چاہئے ۔ اور ہر چند جزیروں میں الگ الگ ریاستیں قایم تھیں لیکن سمندر اگر پہاڑوں کی طرح باعثِ فصل و افتراق ہوسکتا ہے تو اسی کے ساتھ وہ ذریعۂ اتحاد و ارتباط بھی بن سکتا ہے مگر پہاڑوں میں یہ صلاحیت نہیں ۔ اور اسی لئے یونان میں ایک بحری سلطنت قایم کرنا بڑی سلطنت قایم کرنے کے برابر دشوار کام نہ تھا ۔ اسی طرح ، پہاڑیاں زیادہ آمد و رفت اور اُن کے وسایل کی ترقی کے مانع تھیں ۔ حالانکہ ساحل کا جا بجا سے خمیدہ ہونا اور جزیروں کی کثرت ، بحری آمد و رفت میں اور سہولت پیدا کردیتی تھی جس کا ہم اُوپر ذکر کر آئے ہیں ؞

بحیرۂ افشین یا اسود سے جو ہوائیں ساحلِ یونان کی جانب آتی ہیں اُن کے راستے میں کوئی روک نہیں کہ ان کے زور کو کم کردے اور یہی سبب ہے کہ یونان کا موسم کسی قدر شدید اور نشاط بخش ہے جو وہاں کے باشندوں میں جفاکشی اور چستی و چالاکی پیدا کردیتا تھا ۔ اس کے علاوہ یونان کی زمین شاداب و حاصل خیز بھی نہیں ہے ۔ اس میں وسیع و سیراب میدان صرف چند ہیں اور جن وادیوں میں زراعت ہوتی ہے وہاں کی پیداوار اُس رقبے کی وسعت کے لحاظ سے خاطر خواہ نہیں ہوتی ۔ یہاں کی مٹّی میں جَو خوب ہوسکتا ہے ۔ مگر اتنی قوت نہیں کہ گیہوں بھی بخوبی بار آور ہوسکے ۔ غرض اول سے یہاں کے کسانوں کو بڑی محنت اُٹھانی پڑتی تھی اور اس ملکی خصوصیت کا بھی ایک نتیجہ یہ تھا کہ وہ سمندروں میں قسمت آزمائی کرنے پر مایل ہوئے خاص کر جب

افزایشِ آبادی نے وسایلِ معاش میں تنگی پیدا کی تو اِدھر سمندر پار کی زرخیز زمینوں نے انہیں اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔ اور دوسرے ملکی پیداوار کی کمی پورا کرنے کے لئے باہر سے غلّہ منگانا بھی رفتہ رفتہ ناگزیر ہوگیا۔ بایں ہمہ، گو دیمیتر[1] دیوی نے اپنی اعلیٰ نعمتوں سے یونان کو محروم رکھا تھا، لیکن انگور و زیتون کی ملک کے اکثر حصّوں میں کچھ کمی نہ تھی اور ان کی وسیع پیمانے پر کاشت بھی قدیم یونان کی معاشی خصوصیات میں داخل تھی +

۲ تمدّن ایجین (تیسری ہزاری قبل مسیح)

تھسالیہ (یا تھسلی) اور اپیرس وہ علاقے ہیں جہاں ہمیں اول ہی اوّل ایک دھندلی جھلک یونانیوں کی نظر آتی ہے کہ وہ اپنے منصبِ ازلی کی انجام دہی اور مغربی تمدّن و افکار کے نقشِ اوّل کی اختراع و تشکیل میں مصروف ہیں۔ اُن کے سب سے بڑے دیوتا زئیس کی کُہن ترین درگاہ بھی جہاں تک تحقیق ہوا، اِپی رس ہی میں موضع ودونا کے درختانِ بلوط میں تھی۔ لیکن تاریخ قدیم میں اس سے بھی بڑا حصّہ تھسالیہ نے لیا جس کے سب سے پہلے آباد کار، قومیت کے اعتبار سے اکائیانی اور نسلاً یونانی تھے اور قصبہ آرگس* کے میدانوں اور گرد و نواح کے پہاڑوں پر بسنے کے بعد انہی نے وہ داستانیں اور قصّے تراشے جو بعد میں اہلِ

---

[1] DEMETER زرعی پیداوار اور پیدائش یا شادی بیاہ کی دیوی + مترجم * یہ آرگس، تھسالیہ کی جنوب مغربی ساحل کے قریب واقع تھا + م

یورپ کے تخیل کا مایۂ ناز بنے۔ اسی علاقے میں انھوں نے کوہ اولمپس کو آباد کیا اور اس کی بلندیوں کے زیر سایہ آسمانی ہستیوں کے ساتھ آکر رہے، جن کی بدولت یہ پہاڑی ہمیشہ کے لئے مقدس و ربانی کہلانے لگی۔ اسی علاقے میں انہوں نے ۶ رُکن کی بحر میں اپنے گیت بنائے اور قیاس غالب یہ ہے کہ خود یہ نادر بحر بھی اُنہی کی جدت آفرینی کا نتیجہ تھی۔ لیکن یہ اکائیانی لوگ تھسالیہ کے اصلی باشندے نہ تھے بلکہ ایک اور سرزمین یعنی الیریہ کے پہاڑوں سے یہاں آئے تھے اور اُن کے بعض قبایل کچھ عرصے بعد یہاں سے دوبارہ اُٹھکر دوسرے علاقوں میں جابسے تھے۔ یعنی اُس زمانے میں جبکہ بحرِ مذکور مکمل نہ ہوئی تھی اور نہ اُس کی وہ نظمیں امرا کی ضیافتوں میں گائی جاتی تھیں کہ جن کے طفیل ہومر کی شاعری میں اُن قدیم آریائی رسوم و آئین کی پہلی تصویر نظر آتی ہے، جو اہلِ انگلستان اور یونانیوں میں مشترک ہیں۔

مزید برآں جب یونانی مہاجرین، بحیرۂ ایجین کے ساحل پر پہنچے تو انہیں وہاں ایک گورے رنگ کی قوم آباد ملی جو تمدن میں اُن سے آگے تھی۔ یہ قوم جسے نسلِ ایجین سے منسوب کرسکتے ہیں، تجارت پیشہ تھی اور بہت سے ملکوں کے ساتھ اس کے روابط تھے۔ وہ اطالیہ کی لگوری اور ہسپانیہ کی ایبیری قوم کی مانند یونان میں بھی، آریہ نسل کے آنے والوں سے پہلے آباد تھی۔ اس کے تمدن کے آثار باقیہ سے جو ٹروائے[۱] جزایر میلوس و امرگوس

---

[۱] اس لفظ میں "وا" کی آواز ایسی ہے جیسے فارسی لفظ "خواست" میں۔ م

و کریت میں دریافت ہوئے، حال ہی میں اس قوم کی معاشرت کے بہت کچھ حالات ہمارے علم میں آئے ہیں +

اُس زمانے میں جب کہ مصر میں خاندانِ دوازدہم کی حکومت تھی کریت یا قریطش میں بہت سی خوش حال بستیاں آباد تھیں (۲۵۶۵ تا ۲۰۰۰ قبل مسیح ؟) اور اُس کی بحری قوّت خاصی مضبوط ہوگئی تھی یا ہوتی جاتی تھی۔ اور غالبًا قبل مسیح دوسری ہزاری کے آغاز میں شہر ناسوس کریت کے سب سے مستحکم اور دولتمند شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اسی شہر کے شاہی محل کے کھنڈر تھوڑے دن ہوئے کہ زمین میں دبے ہوئے نکلے ہیں۔ اگرچہ پہلی تعمیر کے بعد اس کی بہت کچھ صورت ضرور بدل گئی تھی اور بعد کے بادشاہوں نے اُسے زیادہ آرام دہ اور پُر تکلف و شاندار بنالیا تھا۔ محل کے پتّھر جن پر لابیر یعنی دو زبان تبر کی شکلیں کندہ ہیں، گواہی دیتے ہیں کہ اس محل کے شاہی مکین خدائے لابیر کے عقیدت مند پرستار تھے اور اسی نام سے کریت میں "لابیرنت" یعنی (بھول بھلیّاں) کا افسانہ اختراع کرلیا گیا تھا۔ اور قیاس چاہتا ہے کہ یہی شاہی محل جو ناسوس کی پہاڑی پر تعمیر کیا گیا تھا، اوّل اوّل لابیرنت کے نام سے موسوم ہوا اور بعد میں اوہام پرستی نے اُسے دوالوس[1] کی بھول بھلیّاں بنادیا جس میں منوتور[2] کا مامن تھا +

---

[1] یونانی دیو مالا میں یہ شخص اتھنیز کا ایک معمار تھا جسے کریت میں جلا وطن کردیا گیا اور وہاں اس نے وہ مشہور بھول بھلیاں تیار کی۔ مینوس شاہ کریت نے جان لینے کیلئے خود اسے اسی قید خانہ میں ڈال دیا تھا مگر وہ وہاں سے پر لگا کے اڑ گیا؛

[2] یہ ایک انسان چہرہ سانڈ تھا جسے کریت کی بھول بھلیاں میں رکھا گیا اور اتھنیز سے سالانہ جو سات مرد اور سات کنواریاں خراج کے طریق پر یہاں بھیجی جاتیں انہیں یہی بلا مار کر کھا جاتی تھی آخر میں شاہ تھی سیس نے اسے ہلاک کیا؛ مترجم

جدید تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایشیاے کوچک کے شمالی مغربی گوشے پر جہاں ترکی قلعہ حصارلک واقع ہے اسی عہد میں ٹرواے کی پہاڑی پر ایک بڑا شہر آباد تھا۔ اُس کی تعمیر میں دھوپ کی پکی اینٹ لگائی گئی تھی اور خود وہ ایک قدیم تر شہر کے کھنڈروں پر ابسا تھا جس کی تعمیر پتھر سے ہوی تھی۔ اس شہرِ خشت کے تین پھاٹک تھے اور فصیلوں کے گوشوں کو بروج سے مورچہ بند کیا گیا تھا۔ وہاں کے باشندے اُس عہد ظلمت کے رہنے والے تھے جس میں انسان صرف پتھر اور تانبے کا استعمال جانتا تھا۔ کانسہ یا پیتل اُن کے ہاں ابھی تک معدوم تھا۔ لیکن یہاں کا محل جس کے آثار کا سُراغ لگایا جاسکتا ہے، نقشے کے اعتبار سے مجموعی طور پر اسی طرز کا بنا ہوا مکان ہے جس طرز کو ہومر نے اپنی نظموں میں شاید پندرہ سو برس بعد بیان کیا ہے۔ یعنی باہر کے پھاٹک سے، ہم پہلے ایک صحن میں پہنچتے ہیں جس میں قربان گاہ بنی ہوتی تھی۔ اور صحن سے گزر کر پہلے ہمیں ایک مربع کمرہ ملتا ہے اور وہاں سے اندر کے بڑے دالان یا ایوان میں ہم داخل ہوتے ہیں جس میں آتشدان بنا ہوتا تھا۔ بس، اس طرز کے مکان ہوتے تھے جن کا حال ہومر نے لکھا ہے اور جو ایجینی نسل کے لوگ، یونانیوں کے آنے سے کہیں پہلے بنایا کرتے تھے ✿

اس عظیم شہرِ خشت کو غالبًا بعثتِ مسیح سے دو ہزار برس

پہلے آگ نے تباہ کیا اور اسی کی بنیادوں پر تین شہر اور تعمیر ہو ہوکر برباد ہوئے۔ اس عرصے میں تمدّن نے ترقی کی۔ پتھر کے دروازوں کی جگہ پیتل کا استعمال ہونے لگا کیونکہ ٹین کی مقدارِ کثیر اب ممالکِ مغرب سے آنے لگی تھی؛ اور یہی وہ غیر آریائی تمدّن ہے جس کا جلوہ ہم کو پندرھویں صدی قبل مسیح کے قریب، پلوپنی سس کے یونانیوں میں نظر آتا ہے۔ اگرچہ یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ لوگ یہاں کس زمانے میں حملہ آور ہوئے۔ اور حکومتوں کے مرکزوں اور مستقروں میں کون کونسی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ بہر حال مذکورہ بالا معاشرت کی حجری یادگاریں جو ابھی تک زمین کے اُوپر باقی ہیں، تین ہزار برس سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔ اور وہ اشیا جو اُس زمانے کی روز مرّہ ضروریات اور نیز تکلفات کا لازمہ تھیں، مرنے والوں کے مکانات کھود کھود کر برآمد کرلی گئی ہیں۔ ان یادگاروں کا زیادہ حصّہ شہر ارگوس (یا ارگسؔ[1]) کے میدان سے، جہاں سمندر کے قریب قدیم ترِنز واقع تھا، اور شہر مای کینی سے دستیاب ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مای کینی، اُس عہد میں، ساحلِ ایجین کے علاقوں میں سب سے دولتمند اور مضبوط شہر تھا کہ ہومر اسے "زرنگار" کا لقب دیتا ہے۔ اور اس کے زمانۂ فروغ کی ساری تہذیب یا تمدّن کو بھی اُس کے نام پر مای کینی تمدّن کہنے لگے ہیں +

---

[1] یہ آرگوس، جزیرہ نمائے پیلوپنی سس کا ایک شہر اور علاقہ آرگولس کا صدر مقام تھا۔

سمندر سے کوئی ڈیڑھ میل فاصلے سے، ایک نیچی اور لمبی پہاڑی پر ترنز کے آثار ہیں۔ شہر کے اردگرد کسی زمانے میں دلدل تھی۔ اس کی پہاڑی شمال سے جنوب کی طرف بلند ہوتی گئی ہے اور اسی کو انسانی دستکاری نے تین چبوتروں کی شکل میں کاٹ دیا ہے جس کے جنوبی اور سب سے بلند چبوترے پر محل شاہی واقع تھا۔ اس کُل شہر یا قلعے کے گرد نہایت مستحکم حصار بنایا تھا جن میں بہت بڑے بڑے پتھر باقاعدہ چُنے ہوئے تھے مگر اُن کی تراش بھدّی اور رخنہ بندی صرف چکنی مٹّی کے گارے سے کی تھی۔ اس طرز تعمیر کو "سای کلوپین" یعنی جناتی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نسبت یہ افسانہ مشہور تھا کہ ترنز کی فصیل چننے کے لئے ریاست لیسیہ کے "سای کلوپ"[1] بلائے گئے تھے۔

ساحل سے ۱۲ میل کے قریب اندر ہٹ کر، ارگوسی میدان کے شمال مشرقی کونے پر مای کینی کا مضبوط قلعہ ایک کوہستانی وادی میں، سطح سمندر سے ۹ سو فیٹ اونچا واقع تھا۔ اس کی شکل مثلث نما ہے اور فصیل کے حصّہ اعظم کی طرزِ تعمیر ترِنز کی مثل "جناتی" ہے۔ مگر اس میں پتھر اتنے بڑے نہیں ہیں۔ دوسرے ایک بڑا فرق جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ترِنز کے بعد کی تعمیر تھی، یہ ہے کہ ردّوں میں جو

---

[1] قدیم یونانیوں کے خیال میں یہ عفریت یا جنات کی قوم تھی اور ان کی پیشانی کے بیچ میں صرف ایک گول آنکھ ہوتی تھی۔ م

پتھر چنے ہیں، انہیں احتیاط سے تراش کر چوکور بنالیا ہے *
قلعے کے شمال مشرقی پہلو پر، فصیل کے نیچے سنگین تہ خانہ
بنایا ہے اور وہاں سے ایک سرنگ اندر ہی اندر پہاڑی کے
دامن تک پہنچتی ہے۔ اور فصیلوں کے باہر سے ایک بارہ
ماسی چشمے کا یہاں منہ اور اس کا پانی جمع رکھنے کے لئے
چَرَبا حوض بنا ہوا ہے کہ محاصرے کی حالت میں قلعہ بند
فوج کی آبرسانی کرتا رہے۔ اس قلعے کے دو دروازے تھے
صدر دروازے میں سرول کی بجائے ایک بڑی چٹان کو لگایا
ہے اور پایوں پر بوجھ کم کرنے کے لئے، اوپر دونوں جانب
سے مثلث نما فصل چھوڑ دیا ہے۔ مگر بیچ میں جو جگہ باقی
رہی اس پر پتھر لگا کے بُت تراشی کا ہنر دکھایا ہے۔یعنی
دو شیرنیوں کی مورت، بالمقابل، اُبھری ہوی ہے اور ان کے
بیچ میں ایک ستون کی تصویر ہے جس کے بیل پایے پر انھوں
نے اگلے پنجے ٹکا رکھے ہیں۔ گویا یہ قلعے کی چوکیدار تھیں۔
انہی کے نام پر اب اس دروازے کو "شیر دروازہ" کہنے لگے ہیں *
ترنز کی پہاڑی پر جو کھنڈر ہیں، اُن سے شاہی محلات
کے نقشے کا سراغ چل سکتا ہے اور معلوم ہوتا ہے اس عہد
کی عمارتوں میں ایک خاص اصول یہ مدّ نظر رکھا جاتا تھا کہ
مکان کے مردانہ اور زنانہ حصّے ایک دوسرے سے جدا رہیں۔ اور یہ
وہ اصول ہے کہ تاریخی زمانے میں بھی اہل یونان کی خانگی
عمارات میں اس کی پابندی کی جاتی تھی * بادشاہ اور بادشاہ بیگم

کے ایوانات کا نقشہ وہی ہے جس کے مطابق ٹروائے کے محل اور وہ محلّات بنے ہوئے ہیں جن کو ہومر نے اپنی نظموں میں بیان کیا ہے - مردانہ حصّہ مکان میں ہر طرف ستونوں کے دالان اور صحن میں قربان گاہ ہوتی تھی۔ مکان کے دروازے کے سامنے ہی جو دالان ہوتا وہ گویا عام نشست گاہ یا دیوان خانہ تھا اور اس میں دو پٹ کے دروازے کمرے میں جانے کے واسطے بنے ہوتے تھے - اور اس سے دوسرے کمرے میں راستہ جاتا تھا جس کے دروازے پر پردہ پڑا رہتا - یہ اندر کی ڈیوڑھی تھی جس کا فرش پختہ ہوتا اور جس سے گزر کر دیوان خانے کے اندرونی کمرے میں پہنچتے تھے - اس کمرے کے بیچ میں بلکہ کُل مکان کے وسط میں ایک گول آتش دان بنا ہوتا تھا اور اسی کے گرد چار چوبی ستون ہوتے، جن پر چھت ٹکی رہتی تھی + مای کینی کے محل کی بھی (جو پہاڑی کے سب سے بلند حصّے پر بنایا گیا تھا) وضع اور اکثر اندرونی حصّے اسی قسم کے تھے۔ سنگ تراشی اور نقاشی سے دیواروں کی تزئین، اُس زمانے کا دستور تھا اور ترنز کے دیوان خانے کے اگلے دالان میں بھی بے جرم سنگ مرمر کا حاشیہ لگایا تھا جس میں نیلی کانچ کے ٹکڑے جڑے ہوئے تھے - اور دیوار پر تصویروں سے دونوں شہروں کے دیوان خانوں کو زینت دی گئی تھی +

قلعے اور محل کے علاوہ، شاہانِ مای کینی کے آثارِ باقیہ

میں سب سے زیادہ قابل توجہ چیز، اُن کے مقبرے ہیں۔ اس شاہی قبرستان کا احاطہ، شیر دروازے کے جنوب میں مغربی فصیل کے قریب دریافت ہوا ہے اور اس میں چٹانوں کے اندر ہی اندر ۶ قبریں عمود وار کاٹی ہیں۔ اور آخری مُردے رکھے جانے کے بعد سے کسی انسان نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ مَردوں کی نعشوں کے ساتھ ہتیار بھی رکھ دیئے ہیں اور بعض کے چہرے زرّین نقابوں سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ عورتوں کے ساتھ ان کے قیمتی زیور اور اشیائے خانہ داری مدفون ہیں اور اُن کے سروں کو سونے کے ٹکٹ سے سجایا ہے۔ لیکن یہ قبریں پھر سیدھی سادی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں دولتمند شاہانِ مای کینی کو ان سے زیادہ شاندار مدفن بنانے کا خیال پیدا ہوا یا ایک دوسرے قیاس کے بموجب، وہ قدیم بادشاہ ہی ایک دوسری قوم کے بادشاہوں سے مغلوب ہوگئے اور نئے آنے والوں کے ساتھ ان کے مقابر کی وضع بھی اور ہوگئی۔ ان مقبروں کے گنبد، پہاڑی کے دوسرے پہلو میں قلعے سے قریب اندر ہی اندر پتھر تراش کر بنائے گئے ہیں اور ان میں سب سے وسیع "اَت ریوس کا خزانہ" کہلانے لگا ہے حالانکہ اُسے خزانہ سمجھنا درست نہ تھا۔

مگر بادشاہوں کے شاندار مقابر کے علاوہ، اُن سے کم درجے کے لوگوں کی بھی قبریں چوکور خانوں کی صورت میں

پہاڑی کے اندر ترشی ہوئی نکلی ہیں۔ قلعہ کے نیچے **مای کینی** کی آبادی اصل میں کئی دیہات کا مجموعہ تھی جن میں سے ہر گانوں کا نام نشان اور نیز قبرستان جدا گانہ تھا گویا گانوں سے ترقی کرکے رفتہ رفتہ شہر بننے سے بیشتر، تمدن کی یہ وسطی منزلِ ارتقا تھی جس کا نمونہ **مای کینی** اور غالباً اس عہد کی اور بستیوں میں، نظر آتا ہے۔ یعنی یہ کہ چھوٹے چھوٹے کئی گانوں کسی قلعے کی حفاظت میں ایک دوسرے سے متصل آباد ہوجاتے تھے*

قلعے کی پہاڑی پر، بادشاہی قبروں کے اندر جو طلائی ساز و سامان مدفون و مخفی تھا، اس کا ذکر ہم اُوپر کر آئے ہیں کہ وہ ریاستِ مای کینی کی کثرت مال ثابت کرتا ہے۔ عجب نہیں کہ اسی قسم کی گراں بہا چیزیں، اگر بعد کی دستبرُد سے بچی رہتیں تو آج بعض بیرونی گنبدوں کے اندر بھی ہمیں دستیاب ہوتیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قدیم تمدن کے مطالعہ کے لئے ہماری نظر میں کمہاروں کے برتن اور برنج گر کی دستکاری یعنی آلاتِ امن و جنگ، قیمتی زیوروں سے زیادہ بکارآمد ہیں۔ اور روز مرہ ضروریات کی یہ چیزیں غریبوں کی سنگ دوز قبروں اور بادشاہوں کے مقبروں سے ہمیں دستیاب ہوگئی ہیں اور ان آلات کو دیکھکر جو اُس عہد کے لوگ استعمال کرتے تھے یا اُن کے صنّاعوں کی مصنوعات سامنے رکھکر ہم اُن کے لباس، اسلحہ اور زیورات کی ایک مٹی مٹی تصویر اپنے ذہن

میں کھینچ سکتے ہیں اور فی الجملہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اُن لوگوں میں صنعت و فن کی استعداد کتنی تھی ؂

اس دَور کی ایک اور یادگار جس کی تاریخی منزلت، مای کینی کے قلعے سے بھی دعوٰی ہمسری کرسکتی ہے، کریت کے شہر ناسوس کا محل ہے جس کی بنیادیں حال میں کھود کر نکالی گئی ہیں؂ دولت و تعیّش کے اعتبار سے ناسوس کے مالک بھی ضرور خداوندانِ مای کینی کے برابر ممتاز ہونگے لیکن آرگوسی قلعے اور اس کریتی محل میں ایک فرق ہے جو مورّخ کی نظر میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ترنز اور مای کینی کی طرح کوئی جنگی فصیل ناسوس کو گھیرے ہوے نہیں ہے۔ دروازوں کے علاوہ اس میں کوئی استحکامات نہیں بنائے گئے تھے جس کے معنی یہ ہیں کہ تخت نشینانِ ناسوس، بحری بادشاہ تھے اور اُن کی اصلی قوّت، جہاز تھے؛ شاہی ساز و سامان اور خزانہ رکھنے کے لئے، اس محل میں پہلو بہ پہلو کوٹھڑیوں کا سلسلہ بنا ہوا تھا اور گراں بہا اشیاء کیواسطے پتھر کے صندوق اور اجناس کے لئے بڑے بڑے بہت سے گھڑے یہاں دستیاب ہوے ہیں؛ اپنی اِملاک کی صحیح فرد اور حساب کتاب بھی یہاں کے بادشاہ رکھا کرتے تھے کیونکہ فنِ کتابت سے اہلِ کریت پوری طرح شناسا ہو چکے تھے اور حقیقت میں یہی اُنکا وہ عہدِ عروج ہے جس میں زیادہ سے زیادہ حصّہ جو کسی وقت بھی تاریخ عالم میں اُنہیں

لینا مقدر تھا، وہ لے رہے تھے۔ غرض ناسوسؔ کے محل سے اُن کے سینکڑوں نوشتے نکلے ہیں۔ لکھنے کے لئے چھوٹی چھوٹی مٹی کی تختیاں تھیں جنہیں چوبی صندوقوں میں بحفاظت رکھکر مہر لگادی جاتی تھی۔ یہ تحریریں جس خط میں منقوش یا مکتوب ہیں اُس میں لکیریں سی بنی ہوتی ہیں اور وہ اب تک سمجھ میں نہیں آسکا ہے لیکن اتنا معلوم کرلیا گیا ہے کہ اس میں کُل ستّر حروف یا علامتیں ہوتی تھیں +

ان لوگوں کا تمدّن جن کی یادگاروں کے متعلق ہم بحث کررہے ہیں عصرالنحاس یعنی اُس دَور سے تعلق رکھتا ہے جس میں انسان کانسے اور تانبے سے کام لینا سیکھ گیا تھا لیکن اِس دَور کے اواخر تک لوہا اس قدر نایاب اور قیمتی شئے تھا کہ وہ صرف زیورات (مثلاً انگوٹھی، چھلّا) یا شاید سِکّہ بنانے کے کام آتا تھا۔ اسلحہ میں، اہل مای کینی حملہ کرتے وقت، تلوار برچھی اور کمان استعمال کرتے تھے اور بچاؤ کے لئے ان کے پاس بڑے بڑے خود ہوتے تھے جنہیں غالباً چمڑے سے تیار کیا جاتا تھا۔ اور نیز چرم گاؤ، گردن سے قریب پانوں تک، ان کی سپر کا کام دیتا تھا اس سے بہمہ وجوہ حفاظت ہوجاتی تھی لیکن وہ اس قدر بھنگم ہوتا تھا کہ اسے قابو میں رکھنا ہی جنگی تعلیم کا بڑا ہُنر تھا۔ بادشاہ دو گھوڑے کی جنگی رتھ میں لڑنے نکلتے تھے جس میں کھڑے ہونے کے لئے ایک تختہ اور اِدھر اُدھر

کنگورہ دار کٹہرا لگا رہتا تھا۔ نقرئی کشتی کے ایک ٹکڑے پر جو مای کینی کے کسی پہاڑی مقبرے سے برآمد ہوا ہے اُس عہد کی لڑائی کا نقشہ دکھایا گیا ہے۔ لڑائی کسی پہاڑی شہر کی فصیلوں کے سامنے ہو رہی ہے جس کے مورچوں سے عورتیں کھڑی تماشا دیکھتی اور ہاتھ ہلا رہی ہیں +

لوگ بڑے بڑے بال رکھتے تھے مگر یہ کھُلے ہوئے نہ چھوڑے جاتے تھے بلکہ جُوڑا باندھ لیا جاتا یا زلفیں گوندھ لی جاتی تھیں۔ اوّل اوّل وہ ڈاڑھی مونچھیں بڑھنے دیتے تھے لیکن بعد میں یہ شعار بدل گیا اور جیسا کہ ان کی تصویروں سے ظاہر ہوتا ہے، وہ لبیں منڈوانے لگے تھے۔ اور ان کی قبروں میں اُسترے بھی پائے گئے ہیں۔ ان کا لباس سیدھا سادا ہوتا تھا۔ یعنی ایک تہ بند اور اوپر لبادہ جس میں بکسُوا لگا لیتے تھے۔ بعد میں اس کی جگہ کُرتے نے لے لی تھی۔ اونچے گھروں کی عورتیں تنگ انگیا اور ڈھیلے لہنگے پہنتی تھیں۔ اور پیشانی پر ایک سر پیچ باندھنا، ان کے لباس کو اور ممتاز کر دیتا تھا اور بالوں میں چھلے یا اُوپر اُٹھے ہوئے چاند بنانا، جن کے سرے پیچھے پڑے رہتے تھے اُن کا خاص بناو تھا۔ مای کینی کے شاہی مقابر سے جو سامانِ آرائش نکلا ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ وہاں کی بادشاہ زادیاں زرتار و درخشاں لباس پہنتی تھیں +

ہم نے مای کینی، ترنز اور ناسوس کے آثارِ قدیمہ کا مفصل

حال اس لئے بیان کیا کہ وہ ایجینی تمدّن کی، جس کا اثر دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا، سب سے زیادہ سبق آموز یادگار ہیں اور اوّل الذکر دونوں مقامات کے سوا اور کہیں جزیرہ نمائے پلوپنی سس میں قلعے یا بڑے بڑے محلّات نہیں دریافت ہوئے۔ اگرچہ اسی نمونے کے بعض بڑے بڑے قبہ دار پہاڑی مقبرے ظاہر کرتے ہیں کہ ان مقامات پر بھی کسی زمانے میں بستیاں ہونگی۔ مثلاً ایک شہر امیکلی ہے جو یونانی اسپارٹہ کے عروج سے قبل وادئی لقونیہ میں عروس البلاد سمجھا جاتا تھا۔ اُس کے بادشاہوں نے اپنے لئے ایک بلند و رفیع مقبرہ پہاڑی میں ترشوایا تھا اور "خزانہ ات ریوس" کی طرح اس پر کسی رہزن نے ڈاکہ بھی نہیں ڈالا۔ چنانچہ اس کے گنبد سے اور خزاین کے ساتھ مای کینی صناعی کے وہ نمونے بھی نکلے ہیں جو برآمد شدہ اشیا میں سب سے بیش بہا ہیں۔ یعنی سونے کے دو پیالے، جن پر زرگر نے اپنی بے مثل ہنر مندی سے جنگلی سانڈ کے دام میں لانے اور پھاندنے کی مجلّی تصویریں دکھائی ہیں +

علاقہ اٹیکا میں بھی بہت سی یادگاریں ہیں۔ شہر ایثنہ یا ایتھنز کے قلعے کے بعض پتھروں کو کسی نہایت قدیم محل کی یادگار بتایا جاتا ہے لیکن فصیل کی قدیم بنیادوں کی نسبت ہم زیادہ یقین کے ساتھ کہ سکتے ہیں کہ اُسے اہل ایتھنز پلارجی یا پلاس جو ی فصیل کہتے تھے اور

کچھ عجب نہیں کہ اس لفظ نے در اصل فصیل بنانے والوں کا نام زندہ رکھا ہو جو اس مقام کے پہلے بسنے والے اور پلاس جوی قوم کے نام سے موسوم تھے ؛

مگر یہاں سے بڑھکر قابلِ دید یادگاریں علاقہ بیوشیہ میں باقی ہیں۔ اس کے مغربی ساحل پر دلدلی علاقوں میں جو لوگ بستے تھے ان کی دولتمندی ضرب المثل تھی اور اُن کے شہر ارکومنوس کو بھی مای کینی کی مثل ہومر نے "زرنگار" کے لقب سے ممتاز کیا ہے ؛ یہاں کے ایک بادشاہ نے قلعہ کی پہاڑی کے نیچے گنبدوار مقبرہ بنایا تھا جسے زمانۂ ما بعد میں لوگوں نے خزانہ سمجھ لیا۔ وسعت کے اعتبار سے بھی وہ اگر برابر نہیں تو "خزانہ ات ریوس" کے قریب وسیع تھا ؛

لیکن ایجینی تہذیب کے آخری عہد فروغ میں جو شہر اس تمدن میں شریک و سہیم تھے اُن میں اُس شہر سے زیادہ وسیع کوئی نہ تھا نہ کسی کے نصیب میں اُس سے زیادہ مشہور ہونا لکھا تھا جتنا کہ آنبائے دردانیال کی جنوبی پہاڑی کا شہر ٹروائے مشہور ہوا۔ اسی پہاڑی پر پانچ شہر پہلے بس کر اُجڑ چکے تھے اور انہی کے کھنڈر برابر کراکے نیا ٹروائے آباد ہوا تھا جس کی شہرت کے طفیل خود اس مقام کے نام کو یورپ کے شہرو دیار میں ہمیشہ کے لئے بچے بچے کی زبان پر ہونا مقدر تھا ـــ نئے

شہر کا دَور سابقہ شہروں کی نسبت کہیں زیادہ وسیع تھا۔ مضبوط سنگی فصیل کے اندر کئی کئی کرسیاں دے کر سب سے بلند مقام پر قلعے کی عمارت بنائی تھی اور مای کینی کی طرح، ضرور ہے کہ اسی چوٹی پر یہاں کا شاہی محل ہوگا فصیلوں کے اندر جن مکانات کی بنیادیں نکالی جاچکی ہیں ان کا سیدھا سادہ طرز وہی ہے جس کا نمونہ ہم مای کینی، ترنز اور قدیم شہرِ خشت کی عمارات میں دیکھ چکے ہیں۔ فصیل میں تین یا چار دروازے چھوڑے گئے تھے اور صدر دروازہ جنوب مشرقی پہلو پر تھا جس کی حفاظت ایک بغلی برج بناکر کی گئی تھی۔ اس کے معمار، ارگولسی قلعے بنانیوالوں کی نسبت زیادہ ہنرمند تھے اور ان کی تعمیر دیکھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ فصیلیں کسی بعد کے زمانے کی بنی ہوی ہیں یا ابتدا ہی سے اہلِ ٹروا نے فنِ تعمیر میں اس قدر ترقی حاصل کرچکے تھے؟ لیکن اگر جنگی استحکامات کی تیاری میں ان لوگوں کی فوقیت ظاہر ہوتی ہے تو اور کئی لحاظ سے اُن کا تمدن آرگولس کے برابر ترقی یافتہ نہیں نظر آتا گو وہ ایجینی تمدن سے رابطہ ضرور رکھتے تھے اور مای کینی کے روغن کئے برتن اُن کے ہاں دساور آتے تھے بایں ہمہ ٹروا ایک حد تک "مای کینی دنیا" سے الگ اور باہر ہے۔ یعنی گو اس سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتا ہے مگر اس کے حلقے میں شمار نہیں ہوتا؛ اور یہ قدرتی

بات تھی - کیونکہ نسل و زبان کے لحاظ سے اہل ٹروائے بالکل غیر تھے - ان کی اصلی نسل کی ہمیں پوری تحقیق ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ ملک (فرغیہ یا) افروجیہ (شمالی ایشیائے کوچک) کی ایک قوم تھے اور وہ زبان بولتے تھے جو انگریزی زبان سے فی الجملہ ہم اصل تھی +

۳- تمدن ایجینی کی باقیات سے کیا نتائج اخذ ہوتے ہیں +

مای کینی تہذیب کے حلقہ اثر اور آثارِ خصوصی پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ آیا مٹی اور پتھر، سونے اور کانسے کے ان "مکتوبات" میں کوئی ایسی شہادت موجود ہے جس سے اس تمدن کے آغاز و فروغ اور زوال کے زمانے کا تعین کیا جا سکے ؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ تمدن اُس عہدِ قدیم سے تعلق رکھتا ہے جبکہ انسان کانسے کا استعمال سیکھ گیا تھا اور عصر الحدید یعنی لوہے کے اوزاروں کا زمانہ ابھی شروع نہ ہوا تھا - چنانچہ تمدن مذکور کے اواخر تک لوہا ایک قیمتی اور کم یاب دھات تھی - اس کی انگوٹھیاں بننے لگی تھیں مگر اسلحہ ابھی تک اس سے نہیں بنائے جاتے تھے ؛ اب جہاں تک تحقیق ہوا، یونان میں یہ عصر الحدید دس صدی قبل مسیح سے کچھ بہت پہلے شروع نہیں ہوتا اور اگر عصر النحاس

کا آغاز، ۲ ہزار سال قبل مسیح کے قریب مان لیا جائے تو ہم سرسری طور سے اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ مای کینی تہذیب کا عروج و زوال، اسی قبل مسیح دوسری ہزاری میں ہوا ہے ٭

کریت والوں کو فنِ کتابت سے واقفیت تھی مگر ہم ان کے حروف اور زبان نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن ملک مصر میں جو شواہد ملے ہیں وہ اُس عہد کا سراغ دیتے ہیں جس میں ایجینی کمہار برتن بنا بناکر سمندر پار ملکوں میں بھیجنے لگے تھے۔ مصر کے قدیم شہر تھیبز میں، سولھویں صدی قبل مسیحی کی بنی ہوئی ایک تصویر نکلی ہے جس میں ایجینی وضع کے لوگ مای کینی ظروف ہاتھ میں لئے، دکھائے گئے ہیں۔ ایک اور شہر گورب سے متعدّد صراحیاں برآمد ہوئی ہیں جو ممالک ایجین ہی سے بن کر یہاں دساور آئی تھیں۔ اور یہ گورب پندرھویں صدی قبل مسیحی میں بنا اور دو تین سو برس کے بعد برباد ہوگیا تھا۔ یہ بھی ثابت ہے کہ وہ صراحیاں مای کینی تمدّن کے عہدِ آغاز کی یادگار نہیں ہیں بلکہ آخری عہد میں تیار کی گئی تھیں ٭

پھر یہ کہ مصر کی شہادت، خود سرزمینِ مصر تک محدود نہیں بلکہ بحیرۂ ایجین کے دونوں طرف دستیاب ہوئی ہے چنانچہ تمن جینی کے برتن ملے ہیں جن میں سے ایک پر امن ہوتپ ثالث، شاہِ مصر (پندرہویں صدی ق م) کا

نام اور دو پرُاسی کے نام کی "کارتوشی لوح" بنی ہوئی ہے
ایک اُس کی بیگم کے نام کا تعویذ مای کینی کے مقبروں
سے اور ایک خود اُس کے نام کا جزیرہ رودس میں قصبہ
لالی سوس کے قبرستان سے نکلا ہے۔ اور ان سب کا بدیہی
نتیجہ یہ ہے کہ اگر پہلے نہیں تو کم از کم پندرہویں صدی
ق م میں یہاں پٹے ہوے اور گنبد نما مقبرے بننے
لگے تھے *

غرض یہ اور بعض اُن سے بالکل جُدا گانہ شواہد کو
ملاکر ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمدّن جس کے مای کینی اور
ناسوس بڑے مرکز تھے، سولہویں سے تیرہویں صدی
قبل مسیح تک اپنے عین عروج پر تھا * اور سواحلِ ایجینی
پر یہی تمدّن تھا جس میں یونانی قوم شرکت اور پھر قلبِ
ماہیت کرنے کے واسطے آئی۔ اس تمدّن کو جن لوگوں
نے پیدا کیا وہ مغربی نسل سے تھے اور قدیم زمانے
سے کرۂ ارض کا یہ گوشہ ان کی مِلک تھا۔ اور یہ اعادہ
کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ انہی کا ابتدائی تمدّن، جس
کی جھلک عصرالنحاس شروع ہونے سے پہلے ہم دیکھ چکے
ہیں، یونانیوں نے اختیار کیا اور وہی بہ تسلسل ترقی پاکر
"یونانی تمدّن" کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ بہر حال، یہ فرض
کرنے کا کوئی قرینہ نہیں کہ یہ قدیم باشندے کسی واحد و

ملہ کارتوشی لوح سے مراد ایسا نقش ہے جس کے کنارے مڑے ہوئے بنائے گئے ہوں

مشترک نام سے موسوم تھے ۔ بلکہ کچھ شبہ نہیں کہ مختلف مقامات پر جو قومیں یا فرقے آباد تھے ان کے نام بھی جداگانہ ہونگے چنانچہ اتنا تو متحقق ہے کہ تھسالیہ اور اٹیکا میں پلاس جی قوم آباد تھی اور اہل ارکیدیہ کی نسبت بھی روایت کی جاتی ہے کہ وہ اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ لیکن الگ الگ نام ہونے کے باوجود، قیاس غالب یہ ہے کہ جزائرِ ایجین اور سرزمینِ یونان کے یہ پُرانے باشندے نسلاً کسی ایک اور سانولے رنگ کی غیر آریا قوم سے تھے اور ایشیائے کوچک کے اضلاعِ میسیہ، لدیہ، کاریہ، کے باشندے (اور شاید اہل ساحل) بھی اسی کے ہم خاندان تھے ؛

اس میں کچھ شک نہیں معلوم ہوتا کہ یہ قدیم اور ماقبلِ تاریخ زمانے کے ایجینی باشندے، بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹے ہوئے تھے ۔ مگر ان کے باہمی تعلقات یا اُس عہد کے سیاسی واقعات کا ہمیں مطلق علم نہیں ۔ البتہ یہ بات قریب قریب درجۂ یقین تک پہنچ گئی ہے کہ ان قدیم ریاستوں میں "زرنگار مای کینی" خاص امتیاز رکھتا تھا ۔ اُس کے مقبروں سے جو دفینے نکلے ہیں وہ ایجین کے اور تمام دفاین سے زیادہ ہیں جس سے اپنے معاصرین کے مقابلے میں اس کی ثروت کا پتہ چلتا ہے ۔ پھر یہ کہ وہاں کے سردار محض دولتمند ہی نہ تھے بلکہ اپنے قرب و جوار کے علاوہ دُور دُور تک ان کا تسلط تھا ؛

۱۷

اس واقعہ کا ثبوت ان شاہراہوں سے ملتا ہے جو
مائی کینی سے کورنتھ تک بنی ہوئی تھیں اور جنہیں یقیناً وہیں
کے کسی بادشاہ نے تیار کرایا تھا۔ ایسے تین اتنگ اور سنگین

راستوں کا سراغ لگا ہے جن میں سے دو کلیونی پر آکر مل جاتے تھے اور مشرقی یعنے تیسرا راستہ تینیہ سے گزرتا تھا۔ ان تینوں کے نیچے وہی "جناتی" طرز کا فرش بنا ہوا ہے۔ راستے کی ندیوں پر پل باندھے ہیں اور چٹانوں کو بیچ میں سے کاٹ دیا ہے۔ چونکہ یہ سڑکیں اتنی چوڑی نہیں ہیں کہ چھکڑے یا گاڑیاں اُن پر سے گزر سکیں لہذا گمان غالب یہ ہے کہ مای کینی کے ظروف خچروں کی پیٹھ پر لد لد کر خاکنائے کورنتھ تک پہنچتے تھے ❊

بحیرۂ ایجین میں بحری تجارت کو فروغ تھا اور مصر و ٹروائے تک جہازوں کی خوب آمد و رفت تھی لیکن مای کینی کے بحری قوت ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور تمام قراین یہی کہتے ہیں کہ اُس عہد میں کریت ہی سمندر کا بادشاہ تھا، اور وہیں کے تاجر سواحلِ ایجین کے باربردار تھے۔ شاہِ مینوس کا تذکرہ بھی کریت کے اس بحری تفوق کی یاد دلاتا ہے۔ اور کہانیوں میں اُسے نہایت طاقتور بحری بادشاہ بتایا گیا ہے جس نے ایجین کو بحری قزاقوں سے پاک کیا اور سمندری سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی ❊

ناسوس کی پہاڑی پر زمین کھدوانے سے جو اشیا برآمد ہوی ہیں ان سے پایا جاتا ہے کہ یہ کہانیاں تاریخی واقعیت سے خالی نہیں ہیں۔ وہاں کے بڑے محل کے کھنڈر، جن کا اُوپر ذکر آچکا ہے، گواہی دیتے ہیں کہ دو سو تین سو برس تک وہ ایک دولتمند خاندان شاہی کا تخت گاہ رہا جو بحری بادشاہ

تھے۔ یہ سوال دوسرا ہے، کہ آیا اس خاندان کے مورث اعلیٰ اور اس بحری بادشاہت کے بانی مبانی کا نام بھی مینوس تھا یا نہیں؟ اگرچہ محض یہ حقیقت، کہ یونانی دیو مالا میں مینوس کو زیئس دیوتا کا بیٹا بتایا گیا ہے، ہماری نظر میں اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ ہم اس کے تاریخی وجود ہی سے انکار کردیں۔ تاہم قیاسِ غالب یہ ہے کہ در اصل مینوس، شہرِ ناسوس کے قدیم بادشاہوں کا معبود تھا اور جب یونانی حملہ آوروں نے ان بادشاہوں کو مغلوب کیا تو ان کا دیوتا بھی یونانی فاتحین کے خدا، زیئس سے مغلوب اور معزول ہوگیا اور بعد میں اُس خُدائے غاصب کی فرزندی پر اُسے قناعت کرنی پڑی۔ بہر حال شاہ مینوس، آدمی تھا یا دیوتا، یا دونوں، اِس میں کلام نہیں کہ بعد میں جو واقعات اُس کے افسانے کے ساتھ الحاق کردئے گئے، مقامی واقعات و حالات میں ان کی کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہوگی۔ مثلاً بہت ممکن ہے کہ لابیرنت (جسے افسانے میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ بھول بھلیاں دِدالوس جیسے عجیب کاریگر نے مینوس کے لئے تعمیر کی تھی) اصل میں "قصر لابیر" (بمعنی تبر دو زبان) ہو اور مینوس، یا اُس شخصِ اصلی کو جو اس نام سے مشہور ہوگیا ہے، یہ قصر شاہانِ متقدمین سے ترکے میں پہنچا ہو۔

یونانی افسانوں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مینوس نہ صرف بحری بادشاہ تھا بلکہ قوانین بھی اُسی نے بنائے تھے اور اپنے باپ زیئس سے وہ ان کی تعلیم حاصل کرنے پہلے دکتی کے

غار کے اندر گیا تھا"۔ یہ وکتی وہ مقام ہے جو شہر ناسوس کے جنوب میں ایک قطعۂ مرتفعہ پر واقع تھا اور وہ مقدس غار بھی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ خود زئیس دیوتا کی پرورش ہوئی تھی زمانۂ جدید کی تلاش سے نہیں بچا ہے بلکہ وہ سب چڑھاوے جو اتنک اس کے تنگ و تار گوشوں میں مخفی پڑے تھے نکال لئے گئے ہیں۔ یہ تحائفِ نذر و نیاز پہلی مرتبہ ناسوس کے اُسی عہد عروج میں یہاں چڑھائے گئے ہوں گے جس عہد سے فسانۂ مینوس کا تعلق ہے + دولتِ ناسوس کے آغاز کا زمانہ پندرہویں صدی قبل مسیح اور قیام شاید تیرہویں صدی تک رہا۔کم سے کم یہ قیاس تو ضرور درست معلوم ہوتا ہے کہ شہر ناسوس، مای کینی سے پہلے تباہ ہوا +

اُن کے جو کچھ آثار باقی رہ گئے ہیں ان کی بناء پر ریاستہائے ایجین کے سازو سامان اور قوت کے متعلق کوئی قطعی رائے قایم کرنی دشوار ہے البتہ وسعت کے اعتبار سے ہم بیان کرچکے ہیں کہ یہ ریاستیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ وہ زمانہ ایسی ریاستوں کا تھا کہ "جو کوئی چاہے تو ایک دل میں ایک سلطنت کو طے کرسکتا تھا" اور گو یہاں کے بادشاہ یا رئیسوں کے ہاں بھی مشقت کا کام کرنے کے واسطے غلام موجود تھے اور بے شبہ اُن کے بڑے بڑے مقبرے اور قلعے انہی بندگان مجبور کے ہاتھوں تعمیر ہوے ہونگے، تاہم ایک ہی واقعہ یہ دکھانے کے لئے کافی ہے کہ ان ریاستوں کی وسعت و بضاعت، مصر

یا مشرقی تاجداروں کے مقابلے میں کس قدر کم تھی ۔ وہ یہ کہ اگر یونان میں بھی بابل یا مصر کے بادشاہوں کی حکومت ہوتی، جن کے پاس بیگار کی کمی نہ تھی، تو کچھ شک نہیں کہ مشرقی اور مغربی سواحل میں آمد و رفت کا راستہ نکالنے کی غرض سے وہ خاکنائے کورنتھ میں نہر بنوا دیتے تاکہ بحری تجارت میں سہولت پیدا ہوجائے ۔

۴۔ یونانی قوم کا تسلط

یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ آریہ نسل کے یونانیوں نے تمام غیر آریہ اور ایجینی آبادی کو معدوم کردیا یا اپنا غلام بنالیا تھا۔ اوّل تو خود یہ آنے والے ہی بالکل آریہ نسل کے لوگ نہ تھے ۔ اگرچہ ان کے بعض افراد کی رگوں میں آریہ خون تھا اور اُنہی سے آنے والوں نے اپنی طرزِ معاشرت، زبان، اور بعض دیوتاؤں کی پرستش سیکھی تھی ۔ اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ وہ گورے رنگ کے لوگ جو یونان کے زمانہ تاریخی میں پائے جاتے ہیں ابتدا میں باہر کے حملہ آوروں کے ساتھ آئے تھے تاہم ظنِ غالب یہ ہے کہ ان آنے والوں میں اکثر افراد سیاہ مُو اور سانولے رنگ کے تھے ۔ بولی اُن سب کی آریائی تھی مگر نژاد اُن سب کا آریائی نہ تھا ۔ اس کے علاوہ، اگر قدیم (ایجینی) السنہ بالکل معدوم ہوگئیں تو اس کا

سبب جیسا کہ بعد کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے صرف یہ تھا کہ خود آنے والوں کی (یونانی) زبان میں بڑی قوت اور قدرت تھی۔ اور اسی لئے جہاں کہیں یونانی جاکر آباد ہوئے انہی کی زباں اُس علاقے بھر کی زبان بن گئی۔ چنانچہ یونان خاص میں بھی جس وقت یہ لوگ پہنچے، خواہ کثیر التعداد حریفِ غالب کی حیثیت سے، خواہ محض آباد کاروں کی مثل، ہر حال میں یہ سارا ملک انہی کے رنگ میں رنگ گیا۔ مثال کے طور پر اَیٹی کا اور ارکیدیہ وہ علاقے ہیں جہاں کی اصلی آبادی میں بہت کم انقلاب ہوئے تھے اور ان دونوں کی قدامتِ نسل کا ثبوت بہت سی کہانیوں میں مرکوز و موجود ہے بایں ہمہ زبان و معاشرت کے اعتبار سے یہ دونوں علاقے بھی بالکل یونانی بن گئے تھے +

القصہ نئے آنے والوں کا اس ملک پر ایک ہی سیلاب یا حملے میں تسلّط نہ ہوگیا تھا بلکہ حقیقت میں یہ ایک قدیم ذخیرے میں نئے کی آمیزش تھی جو رفتہ رفتہ قدیم ذخیرے میں گھُل مِل گیا اور ساتھ ہی اپنی زبان بھی لیتا آیا تھا + آنے والوں کا اصلی وطن جزیرہ نمائے بلقان کا شمال مغربی حصّہ تھا مگر بعض وجوہ سے وہ جانب جنوب پسپا ہورہے تھے اور شاید اسی قسم کی وجوہ سے اُس زمانے میں جنوبی تھرلیں اور مغربی مقدونیہ کے بسنے والے بھی جانب مشرق اور آبنائے کے پار ایشیائے کوچک کی طرف چلے جارہے تھے۔ اور جہاں تک یونانیوں کا تعلق ہے

یہ عمل صدیوں تک جاری رہا۔ بے شبہ شمالی یونان، یعنے شمال مغربی اپیرس، اکرنانیہ اور اطولیہ میں پلوپنی سس کی نسبت سالہا سال پہلے لوگوں کی زبان یونانی ہوگئی تھی اور غالباً اسی زمانے میں مقدونیہ کے یونانی مہاجر بھی ایشیائے کوچک میں (شاید افروجیہ والوں کو دھکیل کر) رودِ اک سیوس کے دہانے اور قریبی کناروں تک پہنچ گئے تھے اور ساتھ ہی ان کے بعض گروہ ان علاقوں میں آباد ہو رہے تھے جو بعد میں تھسالیہ یا تھسلی کے نام سے مشہور ہوا۔ بایں ہمہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یونانیوں نے پہلے شمالی یونان پر تسلط جمالیا اور اس کے بعد جنوبی جزیرہ نما کا رخ کیا تھا۔ اس جزیرہ نما میں اُن کے سب سے پہلے آنے والے، خلیج کورنتھ کو یقیناً مغربی کنارے سے کشتیوں میں عبور کرکے آئے اور کم سے کم ابتدا میں جزیرہ نُما کے انہی مغربی علاقوں نے، جو بعد میں اکائیہ، الیس اور مسینیہ کے نام سے موسوم ہوئے، مشرقی اضلاعِ لقونیہ و ارگولس سے قبل یونانی اثر قبول کرنا شروع کیا تھا۔ اس کے علاوہ ارگولس میں آنے والے یونانی آئے بھی دوسرے راستے سے یعنے تھسالیہ کے نئے متوطّنین نے مشرق اور جنوب کی طرف پھیلنا شروع کیا اور پہلے جزیرہ یوبیہ، سواحل ایٹی کا اور جزایر سای کلیڈیز تک پہنچے اور آخر میں جزیرہ نمائے پلوپنی سس میں مشرقی راستے سے آئے۔ اُن کے دو گروہوں نے تھسالیہ کے جنوبی کوہستان اوتیہ اور پرناسوس میں اپنا مسکن بنالیا لیکن دوسرے اسی تلاش میں پہاڑوں سے گزر کر اُس شاداب خطّے میں پہنچے جس کے ہر طرف

پہاڑ تھے اور جس کا بعد میں **بیوشیہ** نام ہوا - ان میں سے بعض شاید **مینائی** گروہ کے لوگ تھے جنہیں زمانہ شجاعت میں ہم شہر **اُرکومنوس** میں آباد پاتے ہیں - اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نام اصل میں اُنہی قدیم باشندوں کا ہو جنہیں یونانیوں نے اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا * اس سے اور آگے **اٹی کا** کے ضلعے میں معلوم ہوتا ہے کہ بعض نوآبادیاں **آی اونی** یا **آیونیائی** [1] گروہ نے بسائی تھیں اور یہی علاقۂ **ارگولس** میں آکر آباد ہوے تھے *

مگر یہ صورت سالہائے دراز میں اور تدریجاً وقوع پذیر ہوی کیونکہ آنے کے بعد بھی یونانیوں کو قدیم باشندوں کے ساتھ گھُل مِل جانے میں اور اپنے نوآباد ممالک کو یونانیت کا رنگ دینے میں ایک عرصہ درکار تھا۔ مشرقی یونان، ایجینی تمدن کا مولد و منشاء تھا اس لئے وہاں دونوں گروہوں کا اثر ایک دوسرے پر پڑا - یعنے اگر آنے والے یونانیوں نے ملک کے اصلی باشندوں کو اپنا ہمزبان بنا کے چھوڑا تو اسی کے ساتھ خود بھی اُن سے تمدن کا سبق لیا جس میں وہ یونانیوں سے کہیں آگے تھے - اسی طرح آنے والوں کی تعداد اور قدیم باشندوں کی قوت و شایستگی کے اعتبار سے، مختلف اقطاعِ یونان میں مختلف نتایج رُونما ہوئے - بعض مقامات میں نووارد یونانیوں کی محض تعدادِ قلیل نے علاقے بھر کو یونانی جامہ پہنا دیا اور اپنی زبان پھیلادی۔ جیسا کہ بظاہر **اٹی کا** میں ہوا - جس کی آبادی کا بڑا حصہ، قدیم اور

---

[1] اہل مشرق نے "یونانی" اور "یونان" کا لفظ اسی گروہ کے نام پر اس تمام ملک کو دے دیا ہے * مترجم

اصلی باشندوں کی اولاد تھا مگر نو وارد یونانیوں نے اُسے بالکل اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا۔ بعض دیگر اقطاع میں یہ نو وارد کثیر تعداد میں حملہ آور ہوئے تھے اور وہاں کے اصلی باشندوں کو مجبوراً اُنہیں جگہ دینی پڑی تھی۔ تھسالیہ میں بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے پلاسجی یا قدیم باشندوں کو یونانیوں نے ایک کونے میں الگ ڈھکیل دیا تھا اور باقی سارے علاقے پر خود پھیل گئے تھے بہر حال یہ نتیجہ نکالنا بالکل بجا ہوگا کہ ایک زمانے میں یونان کا زیادہ علاقہ ایسا تھا جس میں نو وارد یونانی اور قدیم آبادی دوش بدوش زندگی بسر کرتی اور اپنی اپنی بولی بولتی تھی اور ایک دوسرے پر اپنا اثر ڈال رہی تھی۔ اور وہ امتزاجِ خون جس سے زمانۂ تاریخی کی یونانی قوم پیدا ہوئی اسی اختلاط و ارتباط کا نتیجہ تھا۔

سنین کا کوئی حساب ہو اس نتیجہ پر پہنچائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یونانیوں کی ایجین کے علاقوں میں آمد اسی عصرالنحاس میں شروع ہو چکی تھی جب کہ ایجینی تمدن پورے عروج پر تھا۔ (سنہ ۱۵۰۰ تا سنہ ۱۰۰۰ ق م) اور اگر آنے والے تعداد کثیر میں یورش کرتے یا دو تین ہی زبردست حملوں میں سارا ملک فتح اور وہاں کی آبادی کو معدوم کر دیتے یا اپنا غلام بنا لیتے تو وہ کسی طرح وہاں کے قدیم تمدن سے مستفید نہ ہو سکتے تھے۔ یہ بات صرف اسی صورت میں ممکن ہوئی کہ اُن کے چھوٹے چھوٹے گروہ ملک میں آتے اور گھل مِل جاتے تھے۔ یہ سوال دوسرا ہے کہ جس وقت شاہانِ مای کینی وارکومنوس وغیرہ نے کوہستانی مقبروں کی تعمیر کی، اس وقت یہ اختلاط

باہمی کس حد تک پہنچ چکا تھا۔ نیز یہ سوال کہ آیا ان بادشاہوں میں سے کوئی نو وارد یونانیوں کی نسل میں تو نہ تھا، بالکل دوسری نوعیت رکھتا ہے۔ ان دونوں باتوں کا کوئی قطعی جواب ہمارے پاس نہیں ہے۔ البتہ اس قدر ہم جانتے ہیں کہ اگر پہلے نہیں تو بارھویں (۱۲) صدی قبل مسیح میں ضرور یونانی قوم سمندر کے پار، ایک نئی سمت میں پھیل رہی تھی اور ایشیا کے سواحل تک جہاں جاتی اپنی تمدّن کی مشعل بردار بن کے جاتی تھی۔ اور یونانی عہدِ شجاعت کی جو داستانیں ہمارے سامنے ہیں وہ بھی ہمیں اسی قدیم تمدّن کی تصویریں دکھاتی رہیں +

۵- یونانیوں کا مشرقی ایجین میں پھیلنا

یونانیوں میں سب سے اوّل اکائیانی (یا اکائی) گروہ نے بحیرہ ایجین کو عبور کیا تھا۔ یہ گروہ تھسالیہ کے میدانوں اور پہاڑوں میں آباد تھا اور اسی کے حلیف و رفیق کی حیثیت سے یولیائی گروہ کے لوگ بھی اس کے ساتھ ہوگئے تھے؛ وطن کو خیرباد کہنے کے بعد ان اولی العزم مسافروں کی کشتیاں سب سے پہلے شمالی ایشیائے کوچک، جزیرہ لس بوس اور اس کے بالمقابل سواحل سے جا کر لگیں اور وہیں سرزمینِ ایشیا میں پہلی یونانی نوآبادیوں کی داغ بیل پڑی۔ قدرتی طور پر بھی ایشیائے کوچک کے یہ مغربی سواحل ساحلِ یونان کی طرح ایک جہازران قوم کی سکونت کے لئے

موزوں ہیں۔ کیونکہ وہاں کوہستانی سلسلوں میں متعدد دریائی وادیاں بن گئی ہیں اور خود یہ پہاڑ سمندر میں بڑھکر گہری خلیجیں بناتے ہیں، اور انہی کے سرے جزیروں کی صورت میں سمندر سے اُوپر اُبھرے ہوئے ہیں۔ ہرموس اور کیکوس ندیوں کے شمال میں پہاڑیوں کا جو سلسلہ ہے وہی آگے چلکر جزیرہ لس بوس میں پھیل گیا ہے اور اسی طرح جن پہاڑوں نے کیستر ندی کو ہرموس سے جُدا کیا ہے وہی آگے بڑھکر جزیرہ خیوس میں سر اُبھارتی ہیں۔ اور کیستر و میاندر ندی کا فاصل سلسلۂ کوہ جزیرہ ساموس میں منتہی ہوتا ہے۔ الغرض یونانی حملہ آوروں نے میسیہ کے باشندوں سے ساحلی علاقے چھین لئے اور بعض ایسے مستحکم مقامات پر (جیسے کیمہ اگیہ اور سمرنہ قدیم) جن کی وہ حفاظت کرسکتے تھے، قابض ہوگئے پھر ندیوں کے کنارے کنارے وہ آگے بڑھے اور لبِ ہرموس انہوں نے کوہِ سیپی لوس کے دامن میں شہر مگنیشیہ کی بنا ڈالی۔ یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ یہ تمام واقعات کوئی ایک دو دن کی بات نہ تھی اس میں سالہاے دراز صرف ہوے ہونگے اور یونان سے پے بہ پے یورشوں کی کمک پہنچتی رہی ہوگی مگر ان واقعات کی تاریخی تفصیل پردۂ عدم میں ہے۔ ایک افسانے میں سچی روایت کا ایک ٹکڑا باقی رہ گیا ہے جس سے ہم صرف ایک ہی واقعہ معلوم کرسکتے ہیں اور وہ لس بوس کے شہر بریسہ کی تسخیر ہے کیونکہ بریسہ کی اُس حسین دوشیزہ کا افسانہ جسے شاہِ اگامنن نے مشہور بطل یونان، اکی لیس کے

علی الرّغم چھین لیا تھا، ہماری نظر میں صرف یونانی تسخیر لس بوس کی شہادت ہے۔

سرزمینِ **ترود** میں یونانیوں نے کوئی بستی نہیں بسائی تھی لیکن اس کے جنوبی علاقے پر قبضہ کرنے کے باعث ملک **افروجیہ** کے نامی شہر ٹروا سے بھی اُن کا تصادم ہوگیا۔ ٹرویِ کا دوسرا نام شاید بانئ شہر، شاہ **الیوس** کے نام پر الیوس بھی تھا اور اسی کے ساتھ عرصۂ دراز تک یونانی لوگ اُلجھتے اور لڑائیاں کرتے رہے۔حتیٰ کہ یہ قلعہ بند شہر مسخر ہوگیا۔ اس کہانی کی صداقت میں شبہ کرنا کہ اسے یونانیوں نے فریب یا شجاعت سے فتح کیا تھا، فضول ہے۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس رفیع الشان و مقدّس شہر نے یونانی حملہ آوروں کے دِل پر اپنی سطوت کا وہ نقش چھوڑا تھا جو پھر نہ مٹا۔ اور اس محاربے نے، خواہ وہ کسی پیمانے پر تھا، ان دیوتاؤں کے افسانوں اور خوارق کے ساتھ مِل کر جو پہلے سے اُن کے دماغ میں بسے ہوئے تھے، اکائیائی بھاٹوں کے تخیّل کو جِلادی اور اس مضمون کے نئے نئے گیت گائے جانے لگے۔انہی کے طفیل یہ جنگ، افروجیہ اور یونان والوں کے درمیان ایک قومی جنگ بن گئی جس میں یونان کا ہر گروہ شریک و سہیم بنادیا گیا۔ اور یونانیوں کے ذہن میں یہ بات جم گئی کہ مشرق و مغرب کی دائمی کشمکش میں سب سے پہلا عظیم الشان واقعہ یہی جنگِ ٹروآ ہے!

۲۵

ملحوظ خاطر رہے کہ اس عہد میں یونان اور افروجیہ کے لوگ بظاہر یہ محسوس نہ کرتے تھے کہ نسل و معاشرت کے اعتبار سے اُن میں کوئی بڑا فرق یا غیریت ہے۔ دونوں حریفوں کے تمدن

میں کوئی فرق نہ تھا اور غالباً وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اُن کی بولیاں کچھ نہ کچھ ملتی ہوئی ہیں؛ چنانچہ ہوؔمر کے کلام سے اسبات کی تصدیق ہوتی ہے جس میں اہل افروجیہ کی بعض مابہ الامتیاز خصوصیات کے ساتھ، پایا جاتا ہے کہ شاید اہلِ[1] ٹروائے بھی نسلاً یونانی تھے۔ ان کے بعض مشاہیر کے نام یونانی ہیں۔ اور یہ اس امر کی شہادت ہے کہ اکائیانی آباد کاروں اور ان کے افروجی ہمسایوں میں برابر آمد و رفت اور باہمی ارتباط کا سلسلہ جاری تھا۔

اکائیانی مہاجرین کے بعد، دوسرا سیلاب ایونیانی یا آئی اونی تارکان وطن کا تھا جو ایٹی کا و ارگولس کے سواحل سے امنڈا اور اکائی نو آبادیوں کے جنوب میں انہوں نے بستیاں بسائیں۔ ہرموس وکیسٹر ندیوں کے درمیان ایک دو شاخہ جزیرہ نما بن گیا ہے جس کے سامنے جزیرہ خیوس واقع ہے اور اسی طرح کیسٹر و میاندر کے درمیان کوہِ لتموس کے جنوب میں ایک جزیرہ نما ہے جس کے بالمقابل جزیرہ ساموس واقع ہے اور یہی دونوں علاقے تھے جن کے چپّے چپّے پر نئے گروہ نے اپنی بستیاں آباد کردیں، اور پُرانے گروہ سے جو شمال میں پھیلا ہوا تھا، ایک علیٰحدہ جتھا یہاں بن گیا۔ یونانی بستیوں کے ان مجموعوں کا نام بھی الگ الگ تھا۔ اور ہر چند شمالی علاقے میں سب سے نامی گروہ اکائیانی آباد کاروں کا تھا لیکن کسی وجہ سے وہ علاقہ ان کے ساتھ منسوب ہونے کی بجائے یولیانی گروہ سے منسوب ہوگیا۔ بالکل اسی طرح

[1] مثلاً "پیرس الگزنڈر" اس دُہرے نام کا پہلا جزو افروجیہ اور دوسرا یونان کی زبان کا ہے۔

جیسے ملک انگلستان سکسن قوم سے منسوب ہونے کی بجائے انگل قوم سے منسوب ہوا اور انگلستان کہلاتا ہے۔ لیکن جنوبی نو آبادیوں کا مجموعہ جو وسعت میں بھی شمالی مجموعے سے بڑا تھا، آیونیائی گروہ کے نام سے موسوم ہوا جو پہلے "یوؤں" اور بعد میں "و" حذف ہوجانے سے، اپنے تئیں خالی "یون" کہتے تھے۔ ان کے متعلق ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اوّل اوّل یہ گروہ سواحلِ ارگولس و ایٹی کا پر آباد ہوا تھا۔ لیکن وہاں اس نام کا استعمال چھوٹ گیا اور عجب نہیں کہ وہ لوگوں کے حافظے سے محو ہوگیا ہو۔ یہاں تک کہ ایشیا کی سرزمین پر پہنچ کر اُسے شہرت و ناموری حاصل ہوئی اور وہیں اپنے قدیم وطن کے نام کو اس نے دوبارہ زندہ کیا۔

مگر ان آیونی یا آیونیائی شہروں کی بنا، اور باعتبار سنین اُن کی ترتیب، نیز اصلی باشندوں کے ساتھ ان یونانی مہاجرین کے تعلقات کا حال ہمیں بہت کم معلوم ہے۔ اُس جزیرہ نما کے پیٹے پر، جو گو یا خیوس کی پا بوسی کے لئے آگے بڑھا ہوا ہے شمال میں کلازومینہ اور جنوب میں تیوس کی بستیاں آباد ہوئیں اور سرے پر عین خیوس کے بالمقابل "ارغوانی" اریثرہ آباد ہوا۔ ارغوانی، اس لئے کہ وہاں سمندر کے نیلے پانی میں سرخی گھُلی ہوئی تھی اور ماہی گیری کی وجہ سے وہ شہر صوؔر کے شامی تجّار کا مشہور مرجع تھا۔ تیوس کے مشرق میں جہاں ساحل گھونگٹ کھا کے پیچھے ہٹ گیا ہے، لِبدُوس اور کولوفون واقع تھے اور جہاں ساحل کا خم، کیسٹر کے دہانے پر منتہی ہوتا ہے وہاں

اَرتمیز دیوی کا شہر افی سوس آباد کیا گیا تھا۔ اسی کے جنوب میں کوہِ مای کیل کی شمالی ڈھلانیں اور اُن پر اہل آیونیہ یا آی اونیہ کے تیرتھ کا مقام، یعنی پوسی ڈن دیوتا کا مندر بنا ہوا تھا۔ اور جس زمانے میں آیونیہ والوں میں قومیت کا کچھ شعور و احساس اور اپنے ہم نام ہونے کا ناز پیدا ہوا تو شمال میں فوکیہ اور جنوب میں ملی طوس یا ملطہ تک تمام آیونی شہروں میں یہی مندر جذبۂ اتحاد و اشتراک کو تقویت دیتا تھا۔ میُوس اور پری ینہ کی جائے وقوع رودِ میاندر کے کنارے، مای کیل کے جنوب میں تھی۔ یہاں سے پھر ساحل نے خم کھایا ہے اور جنوب میں وہ راس بن گئی ہے جس کے سرے پر ملطہ کی آبادی اور کسی زمانے میں مشہور و شاندار بندرگاہ واقع تھی۔ اندرونِ ملک میں لبِ میاندر بھی ایک بڑا شہر مگنیشیہ واقع تھا اور اس کے جائے وقوع کا بہ احتیاط لحاظ و امتیاز رکھنا چاہیے کیونکہ ہرموس کے کنارے اسی نام کا ایک اور یولیانی شہر بھی اندرون ملک میں آباد تھا۔

سواحل ایشیا کے یہ سب نووارد یونانی اپنے وطن کی شاعری اور طرزِ تمدّن اپنے ساتھ لائے تھے۔ اُن کے تمدّن سے بھی ہم اُن کی شاعری کے طفیل روشناس ہوئے اور اِس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ اصول میں یہ اُسی تمدّن سے مشابہ تھا جس کے آثار باقیہ مای کینی اور قدیم یونان کے دوسرے شہروں میں مدفون ملے ہیں۔ گویا اُسی عہد شجاعت کی آخری منزلیں ہیں جن کا ہومر افسانہ سنا رہا ہے۔

اُس کی نظموں میں شاہی محلات کا جو نقشہ بیان ہوا ہے وہ مجموعی طور پر وہی ہے جس پر مای کینی، ترنز اور ٹروایے کے محل تعمیر کئے گئے تھے۔ ترنز کے دیوان خانے میں جو نیلی کانچ کے بیل بوٹے دیواروں میں جڑے ہیں وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ شاعر نے قصرِ الکی نوس[1] کے نقش و نگار بیان کرنے میں محض خیالی گُل کاری نہیں کی ہے اور نِسٹور[2] کے جس طلائی ساغر کی اُس نے تصویر دکھائی ہے کہ اُس کے کُنڈے پر دونوں طرف قمری بنی ہوئی تھی بالکل اُسی وضع کا پیالہ مای کینی کے ایک شاہی مقبرے سے نکلا ہے۔ البتہ ان دونوں زمانوں کی ایک رسم میں نمایاں فرق یہ ہے کہ مای کینی مقبروں سے کوئی سُراغ اِس بات کا نہیں چلتا کہ وہاں کے لوگ اپنے مُردے جلایا کرتے تھے حالانکہ عہد ہومر کے یونانی اسی رواج کے پابند تھے، اور اس کی نظموں میں تدفین موتیٰ کا مطلق ذکر نہیں آتا۔ البتہ زمانۂ مابعد میں یہ دونوں رسمیں یونان میں جاری ہوگئی تھیں +

پہلا نتیجہ اس تمام بیان کا یہ ہے کہ بارہویں صدی (ق م) تک یونانی قوم نے ایجینی تمدّن کو بخوبی اختیار کرلیا تھا۔ اور دوسرے یہ کہ اس قدیم تہذیب و معاشرت کا وطن اصلی میں جو کچھ بھی

---

[1] الکی نوس، جزیرۂ اسکی ریا کے شہر فیاکیس کا بادشاہ تھا۔ اور قدیم افسانوں میں سامانِ عیش و تموّل میں ضرب المثل مانا جاتا تھا۔

[2] نِسٹور، شہر پیلوس کا بادشاہ اور ٹروایے کے حملہ آور یونانی بادشاہوں میں سب سے معمّر و جہاں دیدہ سردار تھا۔ ہومر نے اس کی تدبیر و دانش، علم و کارروائی اور عدل گستری کے بہت سے افسانے لکھے ہیں + مترجم

حشر ہوا ہو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سمندر پار اس نئے یونان میں جہاں یونانی اب آکر بسے تھے، وہی تمدّن رائج و قایم رہا، اور آیونیانی تہذیب کے جو تکلفات چند صدی بعد ہماری نظر سے گزرینگے وہ حقیقت میں اُسی مای کینی معاشرت کی ترقی یافتہ صورت ہوگی۔

اس نئی تہذیب کے مرتّب ہونے سے قبل اس میں بعض نئی چیزیں بھی شامل ہوگئی تھیں۔ مثلاً شام وافروجیہ سے میل جول کا ضرور کچھ نہ کچھ اثر پڑا ہوگا۔ بایں ہمہ اس تصویر کا چوکھٹا وہی رہا جسے یونانیوں نے قدیم ایجینی باشندوں سے میراث میں پایا تھا۔

۶۔ یونانی حملہ آوروں کی آخری یورش

جزایر و سواحلِ ایشیا پر نوآبادیاں قایم ہونے میں کئی صدیوں سے زیادہ عرصہ لگا اور بے شبہ اس میں وقتاً فوقتاً اس ہل چل سے تحریک پہنچتی رہی جو وطن اصلی میں ہورہی تھی۔ اس تمام انقلاب کا سبب اولیٰ جس نے شمال سے جنوب تک سارے ملک یونان کو ہلا دیا، غالباً الیرّیہ والوں کی پیش قدمی تھی۔

اور اسی دباؤ نے جو شمال سے بڑھ رہا تھا، کم سے کم اطولیہ کا ناس کردیا۔ ہومر کی نظموں میں وہاں کی چند طاقتور بستیوں کا اور وہ لبِ ساحل پلُورن اور کوہستانی کلیدُن" کا ذکر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر عہد شجاعت کی مدنی ترقی میں آگے آگے قدمزن تھے۔ اور ملیاجر کا شہر کلیدُن کے جنگلی سوّر کو مارنا، اُن

افسانہ ہائے شجاعت میں داخل تھا جو یونانیوں کا قومی ورثہ بن گئے تھے۔ برایں ہم چند صدیوں کے بعد زمانہ تاریخی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اطولیہ ایسے نیم وحشی باشندوں کا ملک سمجھا جانے لگا ہے جو اگرچہ یونانی زبان بولتے ہیں لیکن علم و فن یا تمدّن و معاشرت میں انہیں دیگر اقطاعِ یونان سے کوئی نسبت نہیں اور وہ نہایت زبون و پسماندہ حالت میں پڑے ہیں۔ اور یہی حال ان کے ہمسایہ علاقوں کا ہے۔ اپیرس کی یکایک قلب ماہیت ہوجاتی ہے وہاں کا تمدّن بھی وحشت و بدویت سے بدل جاتا ہے اور اس کی قدیم معاشرت کی یادگار میں دودونا کی عبادت گاہ کے سوائے اور کچھ باقی نہیں رہتا! تو حقیقت میں اس اُفتاد کا سبب صرف یہی نظر آتا ہے کہ الّیریہ کے وحشی ترکتاز ان اقطاع میں بلائے ناگہانی کی طرح آئے اور قابض ہوتے ہی یونانی تہذیب میں رنگ جانے کی بجائے انہوں نے اُسے خراب کردیا۔ اور زیادہ تر انہی فتحمندوں کی اولاد ہے جسے زمانہ تاریخی میں ہم اطولیہ اور اپیرس کے علاقوں میں آباد پاتے ہیں +

بہرکیف اِس یورش کا قدرتی نتیجہ تھا کہ کچھ یونانی باشندے وہاں سے نکل گئے اور اطولیہ والوں نے خلیج کے پار پن یوس ندی کے کناروں پر توطّن اختیار کیا اور اپنے تئیں الیانی (یعنی اہل وادی) کہنے لگے۔ کیونکہ ان کی یہ سکونت وادیوں کی سرزمین میں تھی اور وہ ال فیوس ندی تک پھیل کر ساحلِ بحر سے بالکل الگ ہوگئے تھے اور آئندہ بھی جہازرانی میں انہوں نے کوئی ناموری حاصل نہ کی +

مگر اپی رس میں الّیریہ والوں کے اقدام سے جو ہل چل پیدا ہوئی اس کا اہم نتیجہ، تھسالیہ اور بیوشیہ والوں کی ہجرت ہوا۔ یہ بات کہ ان دونوں انقلابات میں کوئی باہمی تعلق تھا یا وہ ایک ہی زمانے میں واقع ہوئے قطعی طور پر کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔ صرف اس قدر ہمیں معلوم ہے کہ قبائل تپالوی، جنہیں دوسری زبان والے تھسالوی کہتے تھے پہاڑوں کو اُتر کر آئے اور یونان کے اُس مغربی گوشے میں آباد ہوگئے جو کوہِ پلیون و پندوس کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ اس تمام علاقے میں اُن کا غلبہ اور شمالی آرگس پر بھی تسلّط ہوگیا۔ اکائیانوں کو انہوں نے جانب جنوب تھَیا کے پہاڑوں میں دھکیل دیا اور ایسا ذلیل و گمنام کردیا تھا کہ آئندہ تاریخِ یونان میں اس کا کوئی نمایاں حصّہ نہیں رہا۔ اس انقلاب کے بعد یہ سارا علاقہ تھسالوی قوم کے نام سے موسوم ہوگیا اور آج کے دن تک تھسلی یا تھسالیہ کہلاتا ہے۔ اس میں بلادِ کرانّن، پگاسہ، لاریسا اور فرایہ صدر مقامات تھے جہاں کے رئیس قرب و جوار کے اضلاع پر حکمرانی کرتے تھے۔ مفتوحہ قبایل اَن کی "رعیت" ہوگئے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی حالت قریب قریب غلاموں جیسی تھی اور اُن کا نام بھی "پنستای" یعنے مزدور (یا شودر) ہوگیا تھا۔ ان کا کام کاشتکاری تھا اور اُن کے مالک ایک مقرّرہ سالیانہ ان سے وصول کرلیا کرتے تھے خواہ پیداوار میں کسان کو نفع رہے یا نقصان۔ بعض دیگر حقوق کے علاوہ غلاموں سے اُنہیں اس امر میں بھی امتیاز تھا کہ نہ اُنہیں فروخت کیا

جاسکتا تھا اور نہ یہ جائز تھا کہ مالک جب جی چاہے انہیں قتل کرڈالے۔ مگر واضح ہو کہ کل تھسالیہ کا چار اضلاع میں منقسم ہونا بہت بعد کی تاریخ سے ثابت ہوا ہے ورنہ اس سے پہلے وہاں کے ملوکِ طوائف کے مفصّل و مستند حالات کا ہمیں علم نہیں ہے۔ البتہ بعد کے چار بڑے بڑے علاقوں کا ہم حال جانتے ہیں کہ شمال مغرب میں تھسالیوتی آباد تھے۔ جنوب میں اکائیانی نسل کے قبائل تیوتی کا علاقہ تھا ایک ٹکڑے کا نام، یونان کے بہت قدیم پلاس جوی باشندوں کی یادگار میں پلاس جیوتیس باقی رہ گیا تھا اور چوتھا ٹکڑا ہس تیوتیس، یعنی قبائلِ ہستیا کی زمین کہلاتا تھا جن کا تاریخ میں علیحدہ کوئی ذکر نہیں آتا۔ ملک میں جتنے رؤسا تھے اُن کی شیرازہ بندی کا نظام بہت ناقص تھا اور زمانۂ امن میں اس کی کوئی پابندی نہ کی جاتی تھی لیکن جنگ کے وقت اسی کے طفیل وہ متحد ہوکر ایک فوجی سردار کا انتخاب کرلیتے تھے جس کا لقب تاگوس ہوتا تھا +

بایں ہمہ تھسالیہ کے تمام اکائیانی باشندے نو وارد فاتحین کی ذلیل رعایا نہ بن گئے تھے بلکہ ان کا ایک گروہ جانبِ جنوب، پلوپنی سس کے علاقے میں ہجرت کرآیا تھا اور غالبًا اس کے ہمسایہ قبائلِ ہِل لنیز بھی اس کے ہمراہ ہوگئے تھے جو رود اسپرکیوس کے بالائی کِناروں پر بسے ہوئے تھے۔ انہی دونوں گروہوں نے خلیج کورنتھ کے جنوبی سواحل پر اپنی بستیاں بسائیں اور یہ ساری پٹی، اکائیانیوں کے نام سے "اُکائیہ" کہلانے لگی۔اس طرح یونان میں

اکائیانیوں کے اب دو علاقے ہوگئے۔ ایک تو قدیم اکائیہ، جو سمٹ کر تھیسا کی پہاڑیوں میں محصور رہ گیا تھا اور دوسرا جدید اکائیہ کا یہ علاقہ، جو، پلوپنی سس میں خلیج کورنتھ کے سواحل پر اب آباد ہوا۔ لیکن سچ پوچھئے تو ان دونوں سے شان و عظمت میں کہیں بڑا اکائیانی علاقہ، وہ ہونا چاہیئے جو ایشیائے کوچک میں تھا اور جہاں یورپ کی شاعری کا نقش اوّل تیار ہوا۔ مگر اتفاق سے وہیں ایولیس جیسے غیر مشہور نام کے آگے اکائیہ کا لفظ فروغ نہ پاسکا اور محو و گمنام ہوگیا۔

اولمپس[۱] اور اتریس[۱] کے علاقوں میں جس طرح مذکورہ بالا انقلاب واقع ہوئے تھے اسی طرح ہلی کن[۲] اور ستھی رن[۲] کی سرزمین میں بھی اسی قسم کا بھونچال آیا اور تمام آبادی میں ہل چل پیدا ہوگئی کیونکہ اب وہاں بیوشی قبایل آکر قابض ہوگئے۔ یونانی بیان کے بموجب یہ قوم تھسالیہ میں آباد تھی اور اس کے مفتوح ہونے کے بعد، جنوبی علاقوں میں نقل مکان کرآئی چنانچہ پہلے اُس نے مغربی علاقوں پر تصرّف کیا جو آگے چل کر بالکل اُسی کا قومی علاقہ بن گیا۔ پھر شیرونیہ اور کرونیہ سے بڑھ کر اس نے شہر تھیبز کو فتح کرلیا جس پر قدیم باشندوں کے ایک گروہ، کادمی کا قبضہ تھا۔ اس کے بعد یہ نو وارد سارے علاقے پر چھا گئے اور انہی کے نام پر یہ

---

[۱] یہ دونوں جنوب تھسالیہ کے پہاڑ ہیں۔

[۲] ہلی کن کے پہاڑوں کا برف پوش سلسلہ بیوشیہ کے وسط میں پھیلا ہوا ہے اور کوہ ستھی رن (یا ستھران) بیوشیہ اور اٹیکا کی حدِ فاصل ہے۔ مترجم

علاقہ بیوشیہ کہلانے لگا۔ اگرچہ یہاں اتنی جلد وہ تسلّط نہ کر سکے تھے جتنی جلد کہ تھسالوی قوم نے سرزمین تھسالیہ پر اپنا عمل دخل کرلیا تھا۔ بلکہ بیوشیہ کے قدیم روسائے اُرکومینوس نے عرصۂ دراز تک اجانب سے اپنی آزادی محفوظ رکھی اور چھٹی صدی قبل مسیح سے پہلے تمام بیوشیہ کو قومی اِتحاد نصیب نہ ہوسکا۔ اس کے علاوہ قبائلِ بیوشی کا جو فاتحینِ تھسالیہ کی نسبت تعداد میں غالباً کم تھے، طرزِ عمل بھی تھسالیہ والوں جیسا نہ تھا اور انہوں نے مغلوب باشندگانِ قدیم کو اُس طرح اپنی رعیّت یا غلام نہ بنالیا تھا۔

بیوشیہ کے مغرب میں کوہستانِ پرناسوس کا خطّہ اور قبائل فوسیانی کا علاقہ تھا۔ مگر یہاں کی آبادی میں کچھ زیادہ دیرپا انقلاب نہ ہوا۔ کیونکہ ڈورئین قبائل جو اس علاقے میں آے اور غالباً یونانیوں کی اسی "شمال مغربی" شاخ میں تھے جس میں تھسالوی اور بیوشی قبائل داخل ہیں، ان علاقوں میں زیادہ نہ ٹھیرے بلکہ اُن کی بڑی تعداد اچھے علاقوں کی تلاش میں بہت دُور نکل چلی گئی تاہم ایک قلیل تعداد کوہستانِ پرناسوس اور اوئیتہ کے درمیان طاس نما قطعے میں پیچھے رہ گئی تھی جہاں انہوں نے اپنا نامی گرامی قومی نام، تاریخِ یونان کے سارے دَور میں محفوظ رکھا اگرچہ خود اس تاریخ میں انہوں نے یہاں رہ کر کوئی حصّہ نہیں لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی قبائل اپالو[۱] دیوتا

---

[۱] یونانی دیو مالا کا مشہور دیوتا اپالو زئیس کا بیٹا اور سورج کا مالک ہے کہانت، موسیقی، اور شہروں کے بنا و قیام کا بھی وہی محافظ مانا جاتا تھا۔ مترجم۔

کے "سنگِ آستان" یعنی دلفی (ڈیلفی) پر بھی قابض ہوگئے تھے اور یہاں انہوں نے اپنے بعض خاندان بسادیئے تھے جنہوں نے دیوتا کی خدمت گزاری کے لئے اپنے تیئں وقف کردیا تھا +

مگر اقطاعِ پرناسوس سے ڈوریئن قبائل کی روانگی غالباً تدریجی، اور سمندر کی راہ عمل میں آئی تھی، پہلے انہوں نے جہاز بنائے - اور شاید شہر نوپاک توُس، جس کے معنی ہیں "جہاز سازی کا مقام" ان کی اسی صناعت کی یادگار تھا - اور پھر وہ سواحل پلوپنی سس کے گرد چکّر کھاکر یونان کے جنوب مشرقی اقطاع تک پہنچے - ان کا پہلا گروہ جزیرۂ کریت پہنچا جہاں پیشتر ہی بہت سی نسلیں آباد تھیں جن میں اس ڈوریئن عنصر کا اور اضافہ ہوگیا بعض گروہوں نے جزایرِ میلوس اور تھیرا میں سکونت اختیار کی - مگر باقی ماندہ جہازوں کا لنگر اٹھائے ہوئے، جانبِ مشرق حدودِ ایجین سے گزر گئے اور ایشیائے کوچک کے جنوبی سواحل پر اُترے اور وہیں آباد ہوگئے - اُن کی یہ بستیاں غیر اقوام سے گھری ہوئی تھیں - دُوری کی وجہ سے دُنیائے یونان نے انہیں بُھلادیا اور وہ بھی اُن سے اور یونان کے معاملات سے بالکل الگ ہوگئے - البتہ انہوں نے اپنی یونانی بولی کو فراموش نہ کیا اور پم فِلیانی نام بھی قایم رکھا جو ان کے ڈوریئن نژاد کی شہادت دیتا تھا کیونکہ اُن تین گوت یا قبایل میں جس سے یہ قوم ہرجگہ پہچان لی جاتی تھی ایک پم فیلی تھا +

اس کے بعد ڈوریئن تارکانِ وطن نے خاص پلوپنی سس کا رُخ کیا اور ایک ایک کرکے لقونیہ، ارگولس اور کورنتھ کے علاقے

فتح کیے - خداوندانِ امیکلی کا تختہ اُلٹ کر انہوں نے زرخیز وادیٔ یوروتاس پر قبضہ کرلیا اور اپنی ڈورئین نسل کو اغیار کے خون سے بالکل پاک و محفوظ رکھنے کی غرض سے، وہاں کے جتنے باشندے تھے اُن سب کو اپنی محکوم رعایا بنادیا - غالباً یہاں ان حملہ آوروں کی تعداد بھی اور مقامات کے ڈورئین فاتحین کی نسبت زیادہ تھی - اور اس قوم کی وہ خصوصیت جس کی بدولت وہ یونانیوں کی دوسری شاخوں سے امتیاز رکھتی ہے، یعنی وضعداری یا قومی سیرت بھی اسی علاقہ لقونیہ میں تکمیل و نمود حاصل کر سکی کیونکہ بظاہر یہاں یہ نو وارد ہر قسم کی آمیزش سے نسبتاً محفوظ اور آخر تک خالص ڈورئین رہے تھے *

علاقہ ارگوس میں حالات نے دوسری صورت اختیار کی - حملہ آور تمی نس نامی ایک بادشاہ کی زیر ہدایت ساحل پر اُترے اور بے شبہ قدیم باشندوں سے ان کی سخت لڑائی ہوئی - اور پھر فتح بھی اُنہیں ایسی کامل نہ حاصل ہوئی تھی کہ اصلی باشندوں کی حکومت و آزادی مٹ جاتی - اس کے برخلاف، اُن کی فتح کا نتیجہ اختلاط و اتحاد کی صورت میں رُونما ہوا اور گو نظام حکومت بالکل ڈورئین ہوگیا اور ہلیس، پم فیلی اور ڈی مانیس نام کے تینوں ڈورئین قبیلے بھی اس میں موجود رہے لیکن اس تبدیلی کے علاوہ اور کوئی فتح کا نشان باقی نہ رہا - بہر حال بہترین قرائن کی رو سے یہی زمانہ سمجھنا چاہیے کہ جس میں شہر مای کینی کی تسخیر و بربادی ہوئی اگرچہ بربادی کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ شہر امیکلی کی مثل یہاں بھی

حکومت میں پہلے سے انقلاب ہوچکا تھا اور قدیم خاندانِ شاہی کی بجاے یونانی فاتحین کی فرمانروائی تھی۔ اصلیت جو کچھ بھی ہو، اس میں شبہ نہیں کہ مای کینی اور ترنز دونوں کو دفعتہً غارتگروں نے برباد کیا اور آگ لگادی تھی۔ اور اسی واقعے کے بعد سے رفیع الشان قلعہ آرگوس اس تمام میدان کا فرمانروا ہوگیا اور اب اس کا کوئی حریف باقی نہ رہا تھا ٭

ڈورئین جہازوں کی پتوار سے خلیج سارونی بھی نہ بچی رہی؛ اِدھر ایک شہزادہ مُہم لایا تھا جس کا نام افسانوں میں الی ریس بتایا گیا ہے وہ خاکنائے پر لنگر انداز ہوا اور جزیرہ نما کی کلید یعنی اکروکورنتھ کی بلند پہاڑی پر قابض ہوگیا۔ یہی واقعہ ریاست کورنتھ کا آغاز ہے آرگوس کی طرح یہاں بھی اطاعت و محکومی کا سوال، یعنی فاتح و مفتوح کا فرق نہیں پیدا ہوا؛ سمندروں کے درمیان کورنتھ کا محلّ وقوع ایسا تھا کہ جس سے وہاں کے باشندوں کا بحری تجارت پر مایل ہونا بالکل قدرتی بات تھی اور تاریخ سے ثابت ہے کہ ڈورئین قوم میں تاجرانہ ہُنر و حوصلہ مندی، دونوں وصف موجود تھے۔ تاہم سیاسی اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ عرصے تک کورنتھ، آرگوس کے ماتحت تھا، جو تین صدی سے زیادہ زمانے تک مشرقی پلوپنی سس کی دولت عظمیٰ مانا جاتا رہا ٭

آرگوس کے ڈورئین فاتحین نے شمال میں اسوپوس ندّی کے کنارے دو مشہور نوآبادیاں اور بسائیں، جنوبی کنارے پر سکیان اور شمال میں فلیوس۔ کوہِ جرانیہ کے پار ان کا ایک اور شہر مگارا

آباد ہوا جس کے معنی "قصر" کے ہیں یہ اس بلند پہاڑی پر واقع تھا جہاں سے سلامیس کا مغربی کنارہ تک زیر نگاہ آجاتا ہے خود یہ جزیرہ سلامیس بھی جس کی مخروطی پہاڑیاں اردگرد کے سواحل سے سمندر کے نیلے نیلے پانی میں ابھری نظر آتی ہیں، ڈورئین قوم کی ملک ہوگیا۔ اور اس کے قریب کے دوسرے جزیرے اِجی نا کو بھی انہی کے ہم قوموں نے جو شہر اِپی ڈُروس میں آبسے تھے فتح کرلیا +

تمام مشرقی پلوپنی سس کو آباد کرنے کے بعد ڈورئین مہاجرین نے دوبارہ سواحلِ ایشیا کا رخ کیا اور لقونیہ، کورنتھ، ارگوس اور کریت کے متوطن اُٹھ اُٹھ کر جزایر کوس و رودس اور بندر مِلی طوس کے جنوب میں راس ہائے بلند پر آباد ہوگئے۔ اندرون ملک میں ان کی سب سے مشہور نو آبادیاں ہالی کرناسوس کے علاقے میں تھیں مگر ان کے بسانے میں صوبہ کاریہ کے دیسی باشندے بھی اُن کے شریک ہوگئے تھے اور اس لئے انہیں "نیم کاریادی" سمجھنا چاہیئے +

اس طرح ایشیاے کوچک کے مغربی کنارے پر یونانی نوآبادیوں کی جھالر شمال سے جنوب تک پوری ہوگئی تھی لیکن وہ ڈورس (یا ڈوریانیہ) سے کیکری بناتی ہوئی پم فیلیہ کے درمیانی شہروں تک نہ پہنچ سکی کیونکہ بیچ میں لیسیہ کی ناگزار سدّ حایل تھی جہاں کے باشندے زبان کے اعتبار سے غیر آریہ اور کاریہ والوں کے ہم خاندان تھے۔ لیکن گو یونانی آباد کاروں کا قدم لیسیہ

میں نہ آسکا، تاہم بجز شمالی حصّوں کے جہاں بحیرہ ایجین اُن کے حلقۂ اثر میں نہ آیا تھا اور آیندہ بھی اُن کی جرأت آزمائی کے لئے ایک دشوار گزار میدان بننے والا تھا، اس سمندر پر ان کا تسلط ہوجانے میں اب کوئی کسر نہ رہی تھی۔ ایشیاے کوچک کی ان ساحلی نوآبادیوں کا سلسلہ ختم ہونے نہ پایا تھا کہ پلوپنی سس کے سواحل سے مہاجرین کا ایک اور گروہ روانہ ہوا اور دُور سمندر میں قبرس (سای پرس) پہنچا جہاں بالکل قریبی زمانے میں اہلِ فنیقیہ (یا کنعانی) بھی آن آن کر بسنے لگے تھے اور جس طرح ایشیائے کوچک میں یونانی اور کاریاوی آباد کار شریک ہوگئے تھے اسی طرح معلوم ہوتا ہے قبرس کے بعض مقامات بھی فنیقیہ اور یونان والوں نے ملکر آباد کئے۔ وہ ایجینی تمدن جو یونانی مہاجرین اپنے ساتھ یہاں لیکر آے، اب بہت پُرانا ہوچکا تھا جیسا کہ یہاں کے بیشمار آثار قدیمہ سے ظاہر ہے۔ لیکن اہل فنیقیہ کے ساتھ ملنے سے بہت جلد ایک جدید تمدن صورت پذیر ہونے لگا اور اہل فنیقیہ کے اثر میں آتے ہی یونانیوں کو افرودیت[1] کی پوجا میں وہ غلو ہوا کہ یہ صنمِ مشرقی، عام طور پر قبرس کی دیوی مشہور ہوگیا۔

مذکورہ بالا آبادی کے انقلاب جو درحقیقت زمانۂ تاریخ کے یونان کی صورت گری کررہے تھے، سنین سے متعین نہیں کئے جاسکتے۔ اور اس بارہ میں ہمیں صرف ظن وتخمین پر قناعت کرنی پڑیگی۔

---

[1] یعنی حُسن وعشق کی دیوی زہرہ۔ یونانی دیو مالا میں جلاد فلک یا خدائے جنگ مریخ کی بیوفا بیوی تھی جس نے اور دیوتاوں کے ساتھ رشتہ محبت قایم کرلیا تھا۔ مترجم۔

اکائیائی استعمار (یعنی نوآبادیاں بسانے) کا زمانہ

تسخیر ناسوس	۱۳ تا دسویں صدی قبل مسیح
تسخیر ٹروائے	
آیونیائی استعمار کا آغاز	
تھسالیائی فتوحات	
بیوشیائی فتوحات	
کریت و جزایر پر ڈوریئین قوم کا قبضہ	
مشرقی پلوپنی سس پر "	
تھریس کی آباد کاری	۱۱ویں صدی
آیونیائی استعمار کا تسلسل	۱۰ ویں صدی
ایشائے کوچک میں ڈوریئین قوم کی نوآبادیاں	۱۰ ویں صدی

۷- ہومر

براعظم یورپ پر کسی یونانی قوم کا بارِ احسان اس قدر نہیں ہے جس قدر کہ اکائیائی قوم کا، کہ بیانیہ یا رزمیہ نظم انہی کی طبعِ جدت آفرین کا کرشمہ تھی اور اس لئے یورپ کے علمِ ادب کا سرچشمہ انہی کو سمجھنا چاہیئے۔ لیکن مغربی شاعری کا یہ سوتا ایشیای سرزمین سے پھوٹا تھا۔ وہیں سے اکائیائی، مشرق کی وہ قدیم شاعرانہ کہانیاں

سیکھ کر آئے تھے جن میں دن اور رات، اور جاڑے اور گرمی کی لڑائی یا دیگر مظاہرِ فطرت کا بیان کیا گیا ہے۔ نئی جگہ میں آنے اور وہاں کے صعوبات و عجائبات دیکھنے سے اُن کی طبیعت میں وہ ولولے پیدا ہوئے کہ انہی پرانی کہانیوں کو انہوں نے تاریخی افسانوں کا رنگ دے دیکر دُہرانا شروع کیا۔ مثلاً، یہ بیان کرتے کرتے کہ سمندر کا دیوتا اکی لیس تھا اور اُسے اکاش دیوتا اگامِمنن اور سورج دیوتا مِمنن سے دشمنی تھی چنانچہ مِمنن کو اُس نے مارڈالا، ایک ٹکڑا حقیقی تاریخ کا بھی اسی افسانے میں الحاق کردیا ہے کہ اکی لیس کا یہ غصّہ جزیرہ لس بوس کے ایک کپتان "برِیسئیس" کی طرفداری کی وجہ سے تھا؛ جس میں تسخیر برِیسہ کا اشارہ نکلتا ہے جو ایک سچّا واقعہ تھا۔

لیکن جب افسانوں میں تاریخ کی آمیزش ہونے لگی تو آخر میں اسی کا رنگ جم گیا اور عوامل فطرت کی کہانیاں نظر انداز ہوگئیں۔ چنانچہ ٹروآے کی داستان کا اوّل اوّل خاتمہ ہکٹر[۱] کی موت پر بیان ہوا کرتا تھا۔ اور ابتدا میں خود اس کہانی کا اصلی موضوع، ٹروآے کا محاصرہ نہ تھا جس کی تسخیر بعد میں داستان کا آخری باب بنگئی تھی بلکہ اِس محاصرے کی بساط پر غالبًا اکی لیس اور اگامِمنن کی زور آزمائیاں اور اکی لیس و ہکٹر کی باہمی کشمکش دکھانی مقصود تھی

---

[۱] پریام شاہِ ٹروآے کا سب سے شجاع اور نامی فرزند ہکٹر تھا جس کی شجاعت و شرافت کا ہومر نے نہایت دلاویز پیرائے میں بیان کیا ہے۔

ٹروا ے کی تسخیر اور کاٹھ کا گھوڑا[1]، یہ سب قصّے بعد کی تصنیف ہیں ؛
یہ شاید گیارھویں صدی قبل مسیح کی بات ہے کہ سمرنا یا اور کسی ایولیائی شہر میں ایک شاعر نے جسے ہم ہومر اوّل کہہ سکتے ہیں ایلیڈ نامی مثنوی کا ڈھانچہ تیار کیا اور اس کی بنیاد اُنہی پُرانی گیتوں پر رکھی جو قدیم سے وہاں متداول تھے۔ یہ مثنوی اکائیائی یا، جیسا کہ رفتہ رفتہ مشہور ہوگیا، ایولیائی زبان میں تھی اور اکی لیس کا اظہار غضب اور ہکٹر کی موت اس کا موضوع تھا؛ مگر واضح ہو کہ یہ امر زرا بھی یقینی نہیں ہے کہ اِس ابتدائی نظم کے لکھنے والے کا نام ہومر تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک خود یہ مثنوی محض نقش اوّل تھی اور نویں صدی (ق م) سے پہلے مکمّل نہ ہوئی تھی۔ یہ البتہ ممکن ہے کہ اس آخری زمانے یعنے نویں صدی میں جس بلند پرواز صاحبِ فکر نے اُسے تکمیل کو پہنچایا، اس کا نام ہومر ہو؛ بہر حال یہ بعد کی شاعری جزیرۂ خیوس کی پہاڑی سرزمین سے تعلق رکھتی ہے اور شاعر نے سمندر سے نکلتے ہوئے سورج کی جو تصویر اُتاری ہے وہ اس کا خاص مقامی مشاہدہ ہے ؛ جدید نظم میں شاعر نے اسی پُرانی مثنوی کے موضوع کو اُٹھایا ہے اور پھیلاکر ایلیڈ

---

[1] جب شہر ٹروئے کسی طرح فتح نہ ہوسکا تو کہتے ہیں کہ محاصر یونانیوں نے ایک بڑا کاٹھ کا گھوڑا بنایا اور اس کے اندر بہت سے سپاہی چھپ کر بیٹھ گئے۔ یہ گھوڑا اہل ٹروائے بطور مال غنیمت کھینچ کر شہر کے اندر لے گئے اور وہاں یک بہ یک سپاہیوں نے اندر سے نکل کے اہل شہر پر حملہ کیا اور آخر میں اُسے مسخّر کرلیا ؛ مترجم۔

کے بڑے حصّے کو مرتب و مُشکّل کیا ہے۔ اور مثنوی کی ایک نہایت دلاویز داستان، یعنے پریام کا فدیہ دے کے ہکٹر کو آزاد کرانا، اُسی کی جدّت آفرینی ہے۔ مگر روایت نے ایلیڈ کی طرح دوسری مثنوی "اُڈیسے" کی تصنیف کو بھی ہوؔمر سے منسوب کردیا ہے جس کا کوئی قرینہ نہیں نظر آتا کیونکہ شاہِ اُڈی سیس کی سرگردانی اور اپنے رقیبوں کو قتل کرنے کے گیت[1]، بظاہر آٹھویں صدی سے پہلے نہ جمع ہوسکتے تھے اور نہ ایک بڑی نظم کی صورت میں منسلک ہوسکتے تھے۔

غرض ہوؔمر کی نسبت اس قدر فرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ نویں صدی کا، خیوس کا باشندہ اور ایلیڈ کا حقیقی مصنّف تھا۔ جس شکل میں یہ مثنوی بالآخر مدوّن ہوئی بعینہٖ اُس حالت میں ہوؔمر نے اُسے نہ چھوڑا تھا۔ بلکہ اُس کے بعد کے شعرا بھی اس میں الحاق و اضافہ کرتے رہے تھے اگرچہ ان کی یہ طبع آزمائی نفسِ مثنوی کے حق میں ہر پہلو سے مُفید نہ تھی۔ بہرکیف ایک پرشوکت رزمیہ نظم لکھنے کا خیال باحوالِ ظاہر سب سے اوّل ہوؔمر کو آیا اور اُسی نے اس کو عملی صورت دی۔ اور یہی نہیں کہ پُرانے بھجن یا گیت اُس نے محض ایک لڑی میں منسلک کردئیے ہوں۔ بلکہ حقیقت میں وہ قدیم شاعری اور منظوم افسانوں کی تہ تک پہنچا۔ اُن کی

---

[1] اِتاکا کا شہزادہ اڈی سیس یا الیاسس مہم ٹروآے کا بہت نامور سورما ہے اور اکی لیس کی موت کے بعد وہی اُس کا جانشین مانا گیا تھا۔ لیکن تسخیر ٹروآے کے بعد واپسی میں اُسے بہت سے مصائب برداشت کرنے پڑے انہی کا "اڈیسے" میں بیان کیا گیا ہے۔ وطن پہنچ کر اُس نے اپنے تمام رقیبوں کو قتل کیا جو اُس کی عفّت شعار بیوی پنی لوپ کے عشق کا دم بھرتے تھے۔ مترجم۔

اصل و غایت کو سمجھا اور پھر اسی مسالے سے خود ایک نئی عمارت تعمیر کی۔ مگر اسی کے ساتھ وہ خدا داد ایجاد و اختراع بھی ہومر کے حصّے میں آئی تھی جس سے قدما متّصف تھے۔ اور اصنافِ شعر میں ایک ایسی بیانیہ یا رزمیہ نظم کی ایجاد کا سہرا اُسی کے سر ہے جس میں ایک ہی موضوع کو معمولی گیت سے کہیں بڑھاکر بیان کیا جائے۔ پھر جب یہ نظم، ہومر اور اس کے جانشین آیونیہ کے علاقوں میں لائے تو انہیں یہاں کے روز مرّہ میں اسی کو دوبارہ لکھنا پڑا اگرچہ وزنِ شعر کی وجہ سے کہیں کہیں مجبور ہوکر انہوں نے قدیم ایولیانی زبان کو بجنسہٖ رہنے دیا۔ لیکن اِس تجدید میں بھی انہوں نے اپنے عہد کے حالاتِ گرد و پیش سے کوئی سروکار نہ رکھا بلکہ یہی کوشش کی کہ جو کچھ لکھا جائے وہ انہی خصوصیات اور حالات کو پیش نظر رکھکر لکھا جائے جن سے قدیم گیت بنانے والے مانوس و متاثر تھے۔ مثال کے طور پر یہ متاخرین جن لباس و اسلحہ کا ذکر کرتے ہیں وہ سب عصر النحاس کی یادگاریں ہیں۔ اگرچہ بعض بعض باتیں ان کے قلم سے بے اختیار ایسی تحریر ہوگئی ہیں جن سے اُن کا تاخر آشکار ہوجاتا ہے، اور اُڈیسے لکھنے والے کے بعض اقوال سے جو بلا ارادہ اس کی زبان سے نکل گئے ہیں، کُھل جاتا ہے کہ وہ عصرِ حدید کا آدمی تھا۔ مثلاً یہی کہاوت جو اُڈیسے میں مذکور ہے، کہ "محض لوہے کی چمک، آدمی کو جنگ کی طمع دلاتی ہے" اس وقت تک کہ آہنی اسلحہ عرصہ دراز سے مستعمل نہ ہوں، روز مرّہ میں داخل نہ ہوسکتی تھی۔

ایک زمانہ گزرنے کے بعد، جنگ ٹروائے نے رفتہ رفتہ ایک عظیم قومی کارنامے کی شکل اختیار کرلی۔ تمام یونانیوں کو اس پر فخر و ناز ہونے لگا اور سب کے دِل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی اس عزّت و نیکنامی میں شریک سمجھے جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف بستیوں میں بے شمار، افسانے گھڑ لئے گئے جن کا مقصود ٹروائے کی مہم کے سلسلے میں اپنے اپنے بزرگوں کو شامل کردینا تھا۔ ساتھ ہی ایلیئڈ کی قدر بھی بیش از بیش ہوتی گئی اور محض آیونیائی مثنوی کی بجائے وہ ایک قومی نظم تسلیم کی جانے لگی۔ اور جہاں تک مقاصد و خیالات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا تعلق ہے، اس مثنوی نے قومی اتحاد کو ترقی دینے میں ابتدا سے بڑا کام کیا؛ وجود میں آنے کے دو سو برس بعد تک اس میں برابر الحاق و اضافہ ہوتا رہا تھا اور جن امیروں یا سرداروں کے دربار میں وہ گاکر سنائی جاتی تھی انہیں خوش کرنے کی غرض سے گانے والے بھی اس میں کچھ اضافہ کردینے سے نہ چُوکتے تھے۔ یہاں تک کہ ساتویں صدی میں یونانی لشکر کی وہ فہرست تیار ہوئی جس کا مقصدِ واضح یہ دکھانا تھا کہ ٹروائے کی مہم تمام یونانیوں کا ایک مشترکہ اور متحدہ کارنامہ ہے +

دوسری مثنوی، اُڈیسے، بھی جس کا ٹروائے کی داستان ہی سے تعلّق تھا، قومی نظم بن گئی۔ اور حقیقت یہ کہ اہل یونان کے لئے ٹروائے کی داستان میں کچھ ایسی دلکشی تھی کہ اس مضمون کے سِلسلے میں بیسیوں رزمیہ نظمیں اور لکھی گئیں جن میں ٹروائے کے

محاصرے کے پہلے اور بعد کے واقعات کا بیان تھا اور یا اُن یونانی سورماؤں کے حالاتِ مابعد تھے جنہیں الیئڈ نے معروف و مشہور کردیا تھا؛ ان نظموں کے لکھنے والوں کے نام کی کسی کو خبر نہ تھی اور اس لئے وہ بھی عام طور پر ہومر ہی سے منسوب کردی جاتی تھیں۔ اس طرح الیئڈ اور اوڈیسے کے ساتھ ساتھ ایک تاریخ وار سلسلہ ان رزمیہ نظموں کا بن گیا تھا جسے بعد میں دورِ رزمیہ کے مجموعی نام سے موسوم کرنے لگے۔

۸۔ قدیم یونانیوں کا ملکی اور تمدنی نظام

ہومر کی نظموں میں ہمیں سب سے پہلی جھلک اُن ملکی آئین و نظام کی نظر آتی ہے جو یورپ کے موجودہ آئین کی بنیاد ہیں۔ ان نظموں میں بادشاہ کا اس طرح ذکر آتا ہے کہ وہ لوگوں کا سردار ہے۔ لیکن یہ نہیں کہ وہ محض اپنی ذاتی رائے سے حکومت کرتا ہو بلکہ یہ کہ اس کی رہ نمائی کے واسطے بزرگانِ قوم کی ایک مجلس یا جماعت موجود ہے جس سے وہ مشورہ کرتا ہے اور پھر بادشاہ اور یہ جماعت باہمی غور و بحث سے جو کچھ طے کرتے ہیں وہ ساری قوم یا کُل باشندوں کے جلسے میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور یہی تین اجزائے ترکیبی (یعنی بادشاہ، مجلس اور جمہور) ہیں جن کے ملنے سے یورپ کے تمام ملکی آئین کا نشو و نما ہوا ہے۔ اور انہی کو بادشاہی اور حکومتِ شرفا اور جمہوریت کی مختلف صورتوں کا پہلا

تخم سمجھنا چاہیئے +

مگر نہایت قدیم زمانے میں یہ ملکی نظام کمزور و ناقص تھا اور قوت کا اصلی مرکز گھر یا خاندان ہوتا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے جن یونانیوں کے حالات ہم تک پہنچے ہیں وہ انہیں خاندانوں یا برادریوں کی صورت میں رہتے سہتے تھے۔ ان کے گانوں سے بھی ایک ”جی نوس“ یعنی ایک بڑے خاندان یا برادری کی بستی، مُراد ہوتی تھی جس کے تمام باشندے ایک ہی جدّ کی اولاد اور باہم رشتے دار ہوتے تھے۔ اوّل اوّل بزرگِ خاندان کو اپنے تمام اہل خاندان کی مرگ و زیست کا پورا اختیار ہوتا تھا، اور یہ اختیار بتدریج اس وقت کم ہوا جب کہ سلطنت کی قوّت بڑھی اور خود خاندانوں کی وہ آزادی قایم نہ رہی۔ لیکن آزادی کے زمانے میں بھی دیہات کی یہ برادریاں بالکل خود مختار اور سب سے بے تعلق نہ تھیں بلکہ ایک بڑی برادری کا جزو ہوتی تھیں جسے ”فیلہ“ یعنی قبیلہ کہتے تھے اور یہی بڑا قبیلہ بجائے خود ایک حکومت ہوتا تھا گویا سلطنت کی سب سے ابتدائی اور سادہ صورت یہی تھی۔ اور وہ تمام زمین جس پر یہ قبیلہ آباد ہوا اس کی ”دیموس“ یا ”دجی“ یعنی میراث قومی یا آبائی علاقہ سمجھی جاتی تھی۔ اگر کوئی بادشاہ زیادہ طاقتور ہوگیا اور اُس نے آس پاس کے بادشاہوں کا علاقہ بھی اپنے زیر نگیں کرلیا تو کئی کئی قبیلے مِلکر ایک قوم بن جاتی تھی +

یہ بھی ایک عام دستور تھا کہ خاص خاص مراسم مذہبی کو مشترکہ طور سے ادا کرنے کے واسطے چند گھرانے آپس میں

مل جاتے اور ایک "فراترا" یا برادری میں شریک ہوجاتے تھے اس قسم کی دینی برادریوں کا جو زور اُس زمانے میں تھا اس کا اندازہ کسی برادری سے خارج شخص کا حال پڑھکر ہوتا ہے جیسے ہومر نے بیان کیا ہے کہ نہ اُس کا کوئی "بھائی" ہوتا تھا نہ الاؤ۔

خاندان کو جو قوّت حاصل تھی اس کا سب سے نمایاں ثبوت مفتوحہ علاقوں کی تقسیم کا طریقہ ہے۔ یعنے اس قسم کی زمین، افراد کی ذاتی مِلک نہ ہوجاتی تھی اور نہ تمام قوم کا مال مشترکہ۔ بلکہ ہر قبیلے یا قبیلوں کا بادشاہ اُس کی اُتنے حصّوں میں تقسیم کردیتا تھا جتنے کہ اُس کے علاقے میں خاندان یا گھر ہوں۔ پھر قرعہ ڈالکر ہر خاندان اُن میں سے ایک ایک حصّہ لے لیتا تھا۔ اس طرح ہر خاندان یا گھر اپنی جائیداد کا مالک ہوتا تھا مگر وہ سب بھائی بندوں کی ملکیت ہوتی تھی نہ کہ کسی فرد واحد کی۔ اور معلوم ہوتا ہے زمین کا حقِ ملکیت کسی حقِ فتح پر مبنی نہ تھا بلکہ ایک عقیدۂ مذہبی پر۔ چنانچہ ہر خاندان کے مُردے اپنی خاندانی زمین میں دفن کئے جاتے تھے اور یہ اعتقاد تھا کہ جس زمین میں مُردے دفن ہوں اُس زمین پر ہمیشہ کے لئے اُنہی کا قبضہ ہوجاتا ہے۔ لہذا قبرستان کے آس پاس کی زمین انہی مُردوں کے زندہ وارثوں کی اصلی ملکیت ہوسکتی ہے جن کا فرض ہوتا تھا کہ اپنے بزرگوں کی قبروں کی حفاظت اور نگہداشت کرتے رہیں۔

بادشاہ کی ذات میں تین حیثیتیں جمع ہوتی تھیں:۔ یعنی مذہبی پیشوا، قاضی اور سردار قبیلہ وہی ہوتا تھا۔ نسب کے اعتبار سے وہ

دیوتاؤں کی نسل میں ہونے کا دعوےٰ رکھتا تھا اور اس لئے لوگوں کے خیال میں اس کا اپنی رعایا کے ساتھ ایک محافظ دیوتا کا سا تعلّق ہوتا تھا، اور اپنی قلمرو میں اس کا اسی قدر ادب و احترام ہوتا تھا جتنا کسی دیوتا کا۔ بادشاہی، باپ سے بیٹے کو ورثے میں پہنچتی تھی مگر غالب گمان یہ ہے کہ لوگ کسی ناخلف بیٹے کو جو اپنے باپ کے فرائض بجالانے کی لیاقت نہ رکھتا ہو، بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کرسکتے تھے۔ بہرحال، ایک صاحبِ عصا بادشاہ کو خاص خاص حقوقِ امتیازی حاصل ہوتے تھے۔ مثلاً ضیافتوں میں اُسے صدر پر جگہ دی جاتی۔ مالِ غنیمت میں یا نذر و نیاز کی چیزوں میں زیادہ اور سب سے اچھا حصّہ اس کو ملتا تھا۔ زمین کا ایک قطعہ بھی اُس کی ذاتِ خاص کے واسطے محفوظ کردیا جاتا اور اُس کی خاندانی املاک سے علیٰحدہ حد بندی کردی جاتی تھی +

لیکن جمہور کے سرگروہوں کی رضامندی کے بغیر، بادشاہ اپنی رائے سے اپنے احکام کی تعمیل نہ کراسکتا تھا اُسے ہمیشہ مجلسِ بزرگان کی صلاح اور رضامندی لینی پڑتی تھی۔ اُس زمانے میں بعض خاندانوں کا مرتبہ رفتہ رفتہ دوسروں سے بڑھ گیا تھا۔ حتّٰی کہ وہ اَمارت یا شرافت کا امتیاز رکھتے اور اپنے تئیں رئیس دیوتا کی اولاد بتاتے تھے۔ انہی اُمرا سے مجلس مرکّب ہوتی تھی۔ اور اس مجلسِ بزرگاں کا یہی اقتدار خاندانی اُمرا کے آئندہ ایک ممتاز فرقہ بن جانے کی تمہید تھی +

لیکن یونان کی ترقّی کے حق میں بادشاہ اور مجلسِ اُمرا دونوں

سے بڑھکر اہم عوام الناس کا وہ **اجتماع** تھا جس سے جمہوریت کا نشوو نما ہونے والا تھا۔ قبیلے کے، یا جب کئی قبیلے مل جاتے تو قوم کے، کُل احرار جمع ہوتے۔ اگرچہ اس اجتماع کا وقت معین نہ تھا اور وہ صرف بادشاہ کے طلب کرنے پر جمع ہوتے تھے کہ اس کی اور اس کے مشیروں کی تجاویز سُنیں اور داد دیں؛ واضح رہے کہ اس طرح سننے اور آفریں و مرحبا کہنے کے سوا ابھی تک ان عوام کو بحث مباحثہ یا خود کوئی تجویز پیش کرنے کا منصب نہ تھا اور مصالحِ ملکی سنانے کے واسطے جو اجتماع ہوتے اُن میں اور ایک فوجی اجتماع میں کوئی امتیاز نہ کیا جاتا تھا۔ گویا مجلسِ عوام اور ایک فوج کے یک جا ہونے میں کوئی فرق نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شاہِ **اگامَمنن**[علہ] نے جب اپنی قرار دادیں سنانے کے واسطے تمام لشکر کو ٹروآے کے میدان میں جمع کیا تو وہ **مجلسِ عوام** کا اجتماع کہلایا۔ استعارۃً نہیں بلکہ ٹھیک اسی معنی میں کہ وہ جمہور کا عام جلسہ تھا۔ اور اس کی صورت قریب قریب وہی تھی جیسی رومی آئین میں "کمِٹیا" یا قدیم انگلستان میں "جموٹ" کی ہوتی تھی +

اگرچہ شخصی بادشاہی کی یہ ابتدائی صورت بالعموم مٹ گئی تھی یا مٹتی جاتی تھی، جیسا کہ ہومر کے اشعار خاص کر آخری زمانے کے ہومری گیتوں سے پتہ چلتا ہے تاہم بعض دُور دست علاقوں میں

علہ یہ مہم ٹروآے میں یونانی بادشاہوں کا سردار اور مای کینی کا مشہور بادشاہ تھا + مترجم۔

جو ملکی ترقی میں یونان سے پیچھے رہ گئے تھے، وہ بہت دن تک برقرار رہی چنانچہ رودِ اکسیوس کی وادئ زیریں میں جو مقدونوی یونانی آباد تھے ان کے ہاں آئینِ بادشاہی کا وہی ہومری نمونہ آخر زمانے تک قایم رہا اور بادشاہ کی قوّت برابر بڑھتی رہی +

بہر حال، ہومر کے زمانے میں یونانی ریاستوں کے ملکی نظام ایسے سیدھے سادے اور ناقص ہوتے تھے۔ نیز، بادشاہی کے آخری ایام میں ہمیں ایک اور تحریک قوت پکڑتی نظر آتی ہے جو حقیقت میں آیندہ تاریخ پر فیصلہ کُن اثر ڈالے گی۔ یعنے منتشر دیہات کے مجموعے مِل ملکر شہر کی صورت اختیار کرنے لگتے ہیں۔ میدان ووادی کے بسنے والوں کو ترغیب ہوتی ہے کہ اپنے دور افتادہ کھیڑوں کی سکونت چھوڑ کر کسی ایک جگہ اکٹھے آرہیں۔ اور جگہ، عام طور پہ قلعۂ شاہی کے زیر سایہ پسند کی جاتی تھی۔ بعض اوقات کئی کئی گانوں کے گردِ دیوار کھینچ کر انہیں ایک احاطے میں لے لیا جاتا اور بعض اوقات محض ہمسایہ قلعے کی حفاظت کافی سمجھی جاتی تھی۔ اِس تحریک کو بادشاہ بھی ترقی دیتے تھے اور عجب نہیں کہ بعض طاقتور بادشاہوں نے اس بارے میں زبردستی سے بھی کام لیا ہو مگر انہیں یہ خبر نہ تھی کہ اس تحریک کو قوت پہنچانا شخصی بادشاہت کی بیخ کنی کرنا اور خود اپنے پاؤں میں کلہاڑی مارنا تھا۔ کیونکہ مدنیت یا اس قسم کی شہری ریاستوں کا قدرتی میلان، جمہوریت کی طرف ہوتا ہے +

الغرض عہد شجاعت میں، بلکہ اس کے بہت آخری زمانے

تک جب کہ وہ نظمیں جو ہومر سے منسوب ہیں تیار ہوئیں، "سلطنت" یا "حکومت" پوری طرح "برادری" سے متمیز نہ ہوئی تھی ۔ نہ وہ قانون بناتی تھی اور نہ ان کی پابندی کراتی تھی ۔ وہ عام آداب و ضوابط جنہیں ہر شخص اپنے طریقِ عمل میں ملحوظ رکھتا تھا اور ملکر رہنے میں جن کی پابندی ناگزیر ہے ، دینی عقاید کی صورت میں واجب العمل سمجھے جاتے تھے ۔ بعض جرایم کی سزا دیوتاوں کی جانب سے ملتی تھی ۔ مگر قتل و خون کا قصاص لینا ساری قوم کا کام نہ تھا بلکہ قاتل کا خاندان فیصلہ کرتا تھا اور بادشاہ بھی حقیقت میں محض ثالثی یا پنچایت کے طریق پر داد رسی کرسکتا تھا باقی کسی اجنبی کو داد خواہی کا کوئی حق نہ تھا اور کسی غیر بستی یا قوم میں وہ قتل کردیا جائے تو کوئی باز پرس قاتل سے نہ ہوتی تھی ، بجز اُس حالت کے جب کہ وہ اس قوم کے کسی فرد کا مہمانِ عزیز اور اُس کے ساتھ سلکِ اتحاد میں وابستہ ہو ۔ اس صورت میں وہ خاص "مہمان نواز زئیس" دیوتا کے زیر حمایت آجاتا تھا ۔

اس زمانے میں مال و دولت سے مُراد ، گلّے اور ریوڑ ہوتے تھے ۔ اور مثالاً ، کسی غلام یا زرہ بکتر کی قیمت بتانی ہو تو بیلوں کی تعداد سے بتائی جاتی تھی ۔ بحری قزّاقی اس عہد کا عام پیشہ تھی اور ایسی حالت میں کہ کوئی باقاعدہ قوّت اس کا انسداد کرنے کے لئے موجود نہ ہو ۔ ایسا ہونا بھی لابد تھا ۔ چنانچہ اس پیشے پر اتنے لوگوں کی وجہِ معاش تھی کہ اُسے کچھ مذموم نہ سمجھا جاتا تھا اور جب کبھی کوئی جہاز کسی غیر ساحل پر لنگر ڈالتا تو

ملاحوں سے وہاں کے باشندوں کا قدرتی طور پر پہلا سوال یہ ہوتا "پردیسیو! تم کہاں سے آئے؟ یا تم قزّاق ہو جو سمندر چھانتے پھرتے ہو؟"

۹۔ شخصی بادشاہت کا خاتمہ اور جمہوری حکومتوں کا آغاز

جزایر و سواحلِ ایجین کو یونانیوں نے اپنے بادشاہوں کی ماتحتی کے زمانہ میں بسایا اور اسی عہد بادشاہی میں ان کی شہری ریاستیں عالم وجود میں آئیں یہ دونوں یونانی تاریخ میں شخصی بادشاہی کے بڑے کارنامے ہیں۔ آٹھویں صدی (ق م) میں شخصی بادشاہت کا زوال شروع ہوا اور یونان کے بیشتر حصّے میں ہم انہیں منقرض اور ان کی بجائے جمہوری حکومتوں کو قایم ہوتے دیکھتے ہیں۔ اس انقلاب عظیم کے اسباب کا قطعی علم نہیں ہے اور اس کے متعلق صرف قیاس و قراین سے ہم کوئی راے لگا سکتے ہیں۔ البتہ اس میں کچھ شبہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس انقلاب کی تہ میں سب سے بڑا سبب وہی طرزِ تمدّن کی تبدیلی یعنے شہری زندگی تھا؛ بعض بعض حالتوں میں ممکن ہے کہ بادشاہوں کا ظلم و ستم اُن کے جبراً معزول کئے جانے کا سبب ہوا ہو۔ یا ممکن ہے کہ کسی وارثِ سلطنت کی صغرسنی یا دنائیت نے کہیں کہیں امرا کو خود بادشاہی کے مٹا دینے پر آمادہ کردیا ہو؛ ایک اور صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کسی بادشاہ کے ناجایز اختیارات

غصب کرنے کی سزا میں اُس کے پہلے حقوق محدود کردیئے گئے ہوں اور پھر اس حد بندی کی رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچ گئی ہو کہ منصبِ بادشاہی محض برائے نام باقی رہ گیا اور اسکے اختیارات گھٹ کر معمولی عہدے دار جیسے ہوگئے اور اصلی حکومت دوسرے ہاتھوں میں منتقل ہوگئی ہو۔ چنانچہ پہلی قسم کی محدود و مشروط بادشاہی کی ایک یادگار ہمیں اسپارٹہ میں اور دوسری صورت کی مثال جس میں بادشاہ محض ایک عہدے دار رہ گیا تھا، ایتھنز میں ملتی ہے جہاں آخر میں اُس کا نام "آرکن باسی لیوس" یعنی میعادی حاکم (یا بادشاہ) ہوگیا تھا +

اس طرح جہاں کہیں شخصی بادشاہت مٹی وہاں کی حکومت اُس کے مٹانے والوں کے ہاتھ میں آگئی یعنی ریاست کے شرفا یا خاندانی اُمرا کے پاس منتقل ہوگئی۔ اور حکومت کا گروہِ شرفا کے ہاتھ میں آجانا گویا حکومتِ شرفا کا آغاز تھا۔ بعض مقامات پر امرا کے تمام خاندانوں کی بجائے، صرف خاندانِ شاہی کے افراد تھے جنہوں نے شخصی حکومت چھین لی۔ جیساکہ کورنتھ میں ہوا جہاں خاندانِ باکیوس کی موروثی بادشاہت کی بجائے اسی کے اہل خاندان نے نہایت ہی محدود قسم کی حکومتِ خواص قایم کی +

تمدّن کی اس منزل میں، عام طور پر عالی نسبی کو قابلیت کا سب سے اچھا ثبوت سمجھا جاتا تھا اور اس لئے یہ عہدِ انقلاب شرفا کی حکومت کا نہایت عمدہ نمونہ ہے کہ صاحب نسب ہونے

کی وجہ سے اُن سے بڑھکر حکومت کا اہل کوئی نہ تھا۔ فنِ ملک داری کی مشق اور تربیت انہی کو حاصل ہوتی تھی اور ان کے یہ اوصاف پُشت در پُشت منتقل ہوجاتے تھے۔ اور ہر چند اس عہد میں کوئی بڑا آدمی پیدا نہیں ہوا (اور بڑے آدمی کا پیدا ہونا حکومت شرفا کے واسطے خطرے سے بھی خالی نہیں ہے!) تاہم ریاست کا نظم و نسق واقفیت اور سلیقے کے ساتھ انجام پاتا رہا۔ گو کسی محدود و پیوستہ حکومتِ شرفا کا، جیسی کورنتھ میں تھی، جبر و تشدد کر گزرنا کچھ بعید نہ تھا، پھر بھی مجموعی طور پر عہدِ شرفا میں جمہوریت کی نشو و نما ہوتی رہی اور عنانِ حکومت بھی نہایت قابل اشخاص کے ہاتھوں میں رہی۔ چنانچہ اس دور کے دو بڑے کارنامے یہی ہیں کہ ایک تو اس زمانے میں یونانی بستیاں بحیرہ ایجین سے دُور دُور کے ملکوں میں قایم ہوئیں اور دوسرے آئین نظم و نسق میں وسعت و کشادگی پیدا ہوئی۔ ان میں امرِ اوّل کو یونانی نو آبادیوں کے اُسی سلسلے میں داخل سمجھنا چاہیئے جو پہلے بحیرہ ایجین کے گرد پھیل گئی تھیں البتہ شرفا کی حکومتوں نے اسی تحریک کو ترقی دے کر باقاعدہ اور منتظم کردیا۔ باقی سیاسی شیرازہ بندی کا کام حقیقت میں اس وقت شروع ہوچکا تھا جب کہ بادشاہی زمانے میں بکھری ہوئی آبادیاں شہری ریاستوں میں آکر جمع ہونے لگی تھیں۔ پھر جس وقت خود شخصی بادشاہت کا تختہ اُلٹا یا اُس کے وہ ہمہ گیر اختیارات چھنے تو نئے حکمرانوں کو ضرورت ہوئی کہ وہ اوقاتِ معیّنہ کے واسطے

ان کے بجائے نئے عہدہ دار بنائیں ۔ اسی ضمن میں انہیں یہ طے کرنا پڑا کہ ان عہدہ داروں کا تقرر کس اصول سے ہو۔ اُن کے اختیارات کی حد بندی کیوں کر کی جائے اور حکومت کے علٰحدہ سر رشتوں کی تقسیم کیوں کر ہو؟ پس اِن اغراض کے لئے اور قدیم نظام کے اُن اجزاے ترکیبی کی بجائے جو اب غائب ہو گئے تھے، اُنہیں نئے پُرزے ایجاد کرنے پڑے ٭

۱۰۔ اہلِ فنیقیہ کے روابط، یونان کے ساتھ

اہلِ یونان کی قسمت میں ایک نامور جہازران قوم ہونا لکھا تھا لیکن بحری تجارت کے گُر سیکھنے میں انہیں بہت عرصہ لگا۔ جزائرِ ایجین پر جب اُن کا تصرّف ہوا تو ساتھ ہی اِن جزیروں کی اور خاص کر اہلِ کریّت کی پہلی بحری فوقیت بھی زایل ہوگئی ۔ اور بیچ کے زمانے میں بہت دن تک ایجین کی مشرقی تجارت پردیسیوں کے قبضے میں رہی ۔ اس کاروبار میں سب سے زیادہ فایدہ جن لوگوں نے اٹھایا وہ سواحلِ شام یعنی صوؔر و صیدا کی شہری ریاستوں کے باشندے تھے جو اُسی نسلِ سامی سے تعلّق رکھتے تھے جس کی اولاد میں یہودی، عرب اور اہلِ اشور ہیں غرض یہ متحقّق ہے کہ یونان کے جزایر و سواحل پر ان لوگوں نے اپنی تجارتی منڈیاں بنا رکھی تھیں ۔ اور تھریس کے شہر ابدرا میں ان کا ایک تجارتی مستقر ہونا ثابت ہے ۔ بحیرہ ایجین میں شمال

سے جنوب تک اُن کے تجارتی جہاز برابرگشت لگاتے اور آتے جاتے رہتے تھے۔ ملک شام کی نفیس ململ، شہر سیدا کی کارگاہوں سے اور قبرس کے نقرہ گروں کے بنائے ہوئے خوبصورت ظروف اور انواع و اقسام کے سامانِ عیش و زیبائش ان جہازوں میں لدے ہوتے تھے۔اس طرح قریب قریب دو صدی تک اِن بحری تجار کی یونانی علاقوں میں آمد و رفت رہی اور یونان پر فنیقیہ کا جو کچھ اثر پڑا اِسے اتنے عرصے کے تجارتی تعلقات کا قدرتی نتیجہ سمجھنا چاہیئے*

روایتِ عام کی بموجب یونان اور اس لئے یورپ پر فنیقیہ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ تمدّن و شائستگی کا سب سے مفید آلہ یعنی فنِ کتابت، یونانیوں کو انہی مشرقی تاجروں نے عطا کیا۔ یہ روایت صحیح ہو تو غالب گمان یہ ہے کہ نویں صدی ہی کے آغاز میں فنیقی ابجد میں یونانی زبان کی ضرورتوں کے مطابق ردّ و بدل کرلیا گیا تھا۔ مگر اس نقل میں بھی اہل یونان نے بڑی طبّاعی دکھائی ہے۔ اہل فنیقیہ اور ان کی ہم نسل سامی اقوام کی ابجد بیشتر حروفِ صحیح سے مرکّب ہے۔ یونانیوں نے اِس میں حروفِ علّت اور بڑھا لئے؛ یعنی بعض فنیقی حروف کو جن کی آوازیں ان کی زبان میں موجود نہ تھیں انہوں نے لیکر اپنے ہاں کے حروفِ علّت قرار دے لیا؛ قیاس چاہتا ہے، کہ یہ جدّت پہلے آیونیہ کے ایشیائی علاقوں میں کی گئی۔ اور اِس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ خاص یونان والوں کی نسبت آیونیہ

کے لوگ فن کتابت سے کچھ عرصہ پہلے روشناس ہو چکے تھے اور شاید نویں صدی کے بعض شعرا نے وہاں اس فن سے کام لینا بھی شروع کر دیا تھا۔ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ فنِ کتابت کا سب سے پہلے ایلیڈ میں کنایتہً ذکر آیا ہے۔یعنی بلیروفون کی داستان میں۔جس کی نسبت شاعر نے لکھا ہے کہ وہ ارگوس سے لیسیہ چلا تو "ایک ملفوف لوح پر خوفناک نشانات" ساتھ لئے ہوئے تھا اس میں شک نہیں کہ قدیم زمانے میں حروفِ تصویر سے بھی یونان میں کام لیا جاتا تھا لیکن اس موقع پر قرینہ کہتا ہے کہ حروف تصویر کی بجائے یونانی ابجد میں لکھا ہوا خط شاعر کے خیال میں تھا جسے اُس نے مذکورہ بالا طریق سے بیان کیا ہے ؛

۱۱۔ یونانیوں کا اپنی قدیم تاریخ کو ازسرِنو ترتیب دینا

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ خود بعد کے یونانی اپنی قدیم تاریخ کی نسبت کیا خیال کرتے تھے۔ عہدِ ماضی کے متعلق اُن کے خیالات کا اثر اُن کے اپنے افکار و افعال پر پڑتا تھا۔ اور اس لئے اُن خیالات کو معلوم کرنا فایدے سے خالی نہ ہوگا۔ خاص کر اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یونانی لوگ تاریخی زمانے میں بھی اپنے اوہام اور افسانوں کو اس قدر مانتے تھے کہ اکثر اوقات انہی قصّوں پر ان کے سیاسی معاملات مبنی ہوتے اور ملکی سرحدوں

کا تصفیہ قدیم سورماؤں کی اسی قسم کی مفروضہ فتوحات یا مقبوضات کی روایتوں پر کر دیا جاتا تھا۔

تاریخی واقعات کی تلاش و جستجو کا شوق پیدا ہونے سے قبل جس چیز نے اہل یونان کو عہد ماضی کے حالات کی تحقیق کرنے پر آمادہ کیا وہ اُن کے اُمرا کی یہ خواہش تھی کہ اپنے انساب کا سلسلہ کسی دیوتا تک ملادیں اس غرض کے لئے وہ اپنے شجرے کسی قدیم سورما، خاص کر ہراکلیس (یا ہرقل) یا جنگ ٹرواے کے مردانِ جنگی تک پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔ کیونکہ جنگ ٹرواے اگر ایک قومی کارنامہ سمجھا جاتا تو اسی طرح ہراکلیس بھی تمام یونانیوں کا ایک قومی سورما شمار ہوتا تھا؛ ان کوششوں کا نتیجہ یہ تھا کہ اہل یونان نے اپنی تاریخ کی بنیاد انہی انساب پر رکھی اور سنینِ تاریخ کا حساب بھی نسل یا پیڑھیوں پر رکھا؛ اور تین پیڑھیوں کا زمانہ ایک صدی کو قرار دیا۔ اس کے بعد ساتویں صدی میں ہسیود (ہی سیڈ) اور اس کے متبعّین شعرا نے عہدِ شجاعت کے افسانوں کو ایک تاریخی سلسلے میں منسلک کرنے کی سب سے زیادہ کوشش کی۔ خود اُن کی نظمیں اب مفقود اور ناپید ہیں۔ لیکن اُن کے بعد چھٹی اور پانچویں صدی (ق۔م) کے افسانہ نویسوں نے انہی منظوم حالات کو زیادہ مبسوط و مشترح نثر میں تحریر کیا۔ اور ان میں شاید سب سے مقبول نثّار ملطہ کا ہکاتیوس اور اکوسی لوس باشندۂ آرگوس تھے۔ ان افسانہ نویسوں کی اصلی تحریریں بھی مٹ چکی ہیں لیکن اُن کے بتائے

ہوئے قصّے بعد کے لکھنے والوں کی تحریر کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں۔

ان متقدّمین کو سب سے پہلے یہ طے کرنا پڑا کہ نسلِ یونانی کی مختلف شاخوں میں کیا رشتہ ہے؟ واضح ہو کہ یونانیوں کے تمام گروہ رفتہ رفتہ ایک ہی نام ہِل لینز یا ہِلّنی سے موسوم کئے جانے لگے تھے۔ پس اسی وقت سے انہوں نے اپنا مورث اعلیٰ محض نام کی مناسبت سے ہلّن کو قرار دے لیا تھا جو تھسالیہ کا باشندہ بیان کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد دوسرا سوال یہ تھا کہ اُن کی مختلف شاخوں کی تقسیم کیوں کر ہوئی؟ بحیرۂ ایجین کی دوسری طرف وہ دیکھتے تھے کہ خود انہی کی نسل کے بڑے بڑے صرف تین گروہ آباد ہیں:۔ ایولیانی، آیونیانی اور ڈوریئن۔ یہ گویا ایک آئینہ تھا جس میں اُنہیں خود اپنی شکل نظر آتی تھی اور اسی کی بنا پر اُنہیں اپنی نسلی تقسیم میں دشواری نہ پیش آتی تھی۔ چنانچہ وہ بیان کرتے کہ ہلن کے تین بیٹے تھے:۔ ایولوس، آیون، اور ڈوروس۔ اور انہی کی اولاد مذکورۂ بالا تین ناموں سے منسوب و ممتاز ہوئی۔ لیکن اس میں وقّت یہ تھی کہ ہومر کے ممدوح اکائیانیوں کا کہیں ذکر نہ آتا تھا۔ حالانکہ خود آیونیانی، ایولیانی یا ڈوریئن گروہوں کا ایلیڈ کی داستانوں میں کوئی حصّہ نہ تھا۔ لہذا بعد میں یہ ترتیب یوں بدلی گئی کہ ہلّن کے تین بیٹے تھے ایولوس، ڈوروس اور زوتوس اور زوتوس کے دو بیٹوں کا نام آیون اور اکیوس تھا؛ اس تقسیم کے بعد یونان خاص کے مختلف فرقوں اور گروہوں کو انہی میں سے کسی کی اولاد میں داخل کرلینا، آسان بات تھی اور روایتوں اور مرتجہ

السنہ کی مدد سے تمام یونانی اقوام کو اور نیز اُن کی بولیوں کو کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر اسی مصنوعی تقسیم کے ماتحت ، ایولیانی ، ایونیانی یا ڈورئین گروہ میں داخل کرلیا گیا تھا ✦

تمام قدیم روایات اور چھوٹے بڑے واقعات کا سِلسلہ جن دواہم واقعات تک پہنچتا تھا وہ جنگ ٹرواے اور پلوپنی سس کی ڈورئین فتح تھے اس فتح کی شہرِ ارگوس میں ایک عجیب توجیہ گھڑی گئی تھی اور اسی پر لوگوں کا رفتہ رفتہ یقین جم گیا تھا۔ آرگوس میں جو تمنوسی خاندان حکمران تھا وہ، شاہِ اگی میوس کو اپنا مورث اعلیٰ بتاتا تھا۔ ۔ اور اگی میوس وہ شخص ہے جسے ڈورئین آئین و قوانین کا بانی بیان کیا گیا ہے۔ لیکن بعد میں جب ہراکلیس کی شہرت و ناموری کا غلغلہ بلند ہوا تو شاہانِ آرگوس کو اُس سے اپنا نسب ملانے کا شوق دامن گیر ہوا۔ اور اس عقدے کو انھوں نے بڑی خوبی کے ساتھ یوں حل کیا کہ اگی میوس کے جو تین بیٹے مشہور تھے[1]، اُن میں سے بڑے یعنی ہیلوس کو ہراکلیس کا فرزند قرار دیا اور یہ کہانی بنائی کہ اگی میوس کی جانب سے جو تھسالیہ کا ڈورئین بادشاہ تھا، ہراکلیس نے قوم لاپیت کے ساتھ لڑائی لڑی تھی اور ان شجاعانہ خدمات کے صلے میں یک ثلث قلمرو اُسے عطا کردی گئی تھی۔ پھر جس وقت وہ مرا تو اس کی اولاد کو اگی میوس نے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا اور اُس کے ایک بیٹے ہیلوس کو اپنا بیٹا بناکر ہراکلیس

---

[1] یعنی ہیلوس ، پام فیلوس اور دیمان ۔ اور انہی کی اولاد اور ناموں سے ڈورئین قوم کے تین فرقے جن کا پہلے کہیں ذکر آچکا ہے منسوب تھے ✦

کا جانشینِ بادشاہی تسلیم کرلیا۔ پھر اس ہیلوس کے بیٹوں نے کوشش
کی کہ اپنے دادا یعنی ہراکلیس کی اصلی میراث کو جو پلوپنی سس میں
تھی غاصبین سے چھین لیں۔ لیکن اس میں انہیں کامیابی نہ ہوئی
اور اس فتح کا سہرا ہیلوس کے پروتوں کے سر بندھا جو تمنوس،
کرس فونتیس اور ارستودموس کے ناموں سے موسوم تھے۔ ہراکلیس
کے انہی اخلافِ سعید نے بندرگاہ نوپاکتوس سے ایک ڈوریانی
لشکر لے کر پلوپنی سس پر چڑھائی کی اور اطولیہ کے ایک یک چشم
باشندے اُکسیلوس کی رہ نمائی میں، ارکیدیہ کے سوائے، تمام
جزیرہ نمائے پلوپنی سس فتح کرلیا۔ اُکسیلوس کی محنت و جان کاوی کے
صلے میں الیس کا علاقہ انہوں نے اُسے دیدیا۔ پلوپنی سس کے
وہ اکائیانی باشندے جو سمندر کے پار ہجرت نہ کرسکے پسپا ہوتے
ہوتے شمالی سواحل پر سمٹ آے یعنی اکائیہ کے تاریخی علاقے میں۔
لیکن باقی تمام جزیرہ نما انہی تین بھائیوں کے حصّے میں آگیا اور
قرعے کی رو سے مسینہ، کرس فونتیس کو ملا۔ لقونیہ ارستودموس
کو اور ارگوس، تمنوس کو۔ اسپارٹہ میں جو دو شاہی خاندان وقتِ
واحد میں حکومت کیا کرتے تھے اُس کی توجیہ بھی آخر میں بڑھادی
گئی تھی۔ وہ یہ کہ لقونیہ کا حصّہ دار یعنی ارستودموس قبل از وقت
مرگیا اور اس لئے وہاں کی بادشاہت اُس کے توام بیٹوں یُرس تنیس
اور پراکلیس[۱] میں تقسیم کردی گئی۔

---

[۱] اسپارٹہ کے شاہی خاندان جو اجیسی اور یوری پنٹی کے ناموں سے موسوم تھے اُن کے مورثوں
کو بھی روایتوں نے انہی یوریس تنیس اور پراکلیس کی اولاد قرار دے دیا تھا۔ ۱۲

مشہور یونانی داستانیں یعنی ہراکلیس کی مشقت وآزمائش ۔ جنگ ٹروائے ۔ ارگونات کا بحری سفر۔ کدموس کا قصّہ ۔ اوڈیپوس کے سوانح تھبز کا دو مرتبہ محاصرہ وغیرہ تمام کہانیوں کی جزئیات کا تعلق یونانی دیو مالا سے ہے اور وہ ہماری پیش نہاد حدود سے باہر ہیں۔ لیکن ہمیں یہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ بعد کے یونانی ان تمام قصّوں کو سچّا جانتے تھے اور معتبر واقعات تاریخی کی طرح اُن پر بحث و گفتگو کرتے تھے ۔ اس قسم کے افسانوں کی اختراع و اشاعت کے دو قوی اسباب تھے :۔ اوّل تو یہ دستور کہ ہر خاندان اور شہر کے لوگ اپنا مورث اعلیٰ کسی دیوتا کو بتاتے تھے ۔ دوسرا سبب یہ کہ مقامات ، خاص کر شہروں کو اور چشموں اور ندّیوں کو ذی روح فرض کرلینا اہل یونان کی جبلّت میں داخل تھا ؛ پھر جب لوگوں کو اتحادِ نسل و زبان کی تمیز و قدر ہوئی اور واقعاتِ گذشتہ پر قیاس آرائی کا شوق ہونے لگا تو اپنے ملک کے متفرّق افسانوں کو باہم مطابق کرنے کی کوشش کرنا قدرتی بات تھی۔ کیونکہ جب وہ سب صحیح ہیں تو ضرور ہے کہ اُن میں توافق و مطابقت پیدا کی جائے[1] ؛ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انساب کی

---

[1] ۔ پھر بھی بہت سی بے ربط اور متناقض کہانیاں باقی رہ گئیں ۔مثلاً ایک زبان زد قصّے کی بموجب تھبز کو کدموس نے آباد کیا تھا ۔ لیکن اڈیسے میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کے بانی امفیون اور زیتوس تھے ۔ یا مثلاً ایک کہانی میں کورنتھ کی بنیاد کا سُراغ سمندر کی بیٹی افیرہ تک چلایا گیا ہے اور دوسری جگہ اس واقعے کو ایولوس کے بیٹے سسی فوس سے منسوب کیا ہے ۔

بنیاد پر اُن کی سن بندی اور ترتیب کی گئی۔ اور اس ترتیب کے مطابق جو اُن میں سب سے زیادہ مقبول و مسلّم[1] تھی، ٹروائے کی تسخیر ۱۱۸۴ء (ق م) میں ہوئی اور ڈورئین قوم نے ہراکلیس کی سرداری میں پلوپنی سس کو ۱۱۰۴ء (ق م) میں فتح کیا۔ اور اس میں کلام نہیں کہ عام قراین سے مذکورہ بالا واقعات کا جس زمانے میں ہونا پایا جاتا ہے اُس سے یہ دونوں تاریخیں کچھ بعید نہیں ہیں بلکہ اُن کے طریقِ تعیّن کا لحاظ کیا جائے تو توقّع سے بڑھ کر مطابقت رکھتی ہیں؛

---

[1] یعنی وہ ترتیب جو اُرٹس تنس (۲۲۰ء ق م) نے مرتّب کی تھی؛ اس میں حسب ذیل سنین بھی شامل تھے:۔

کدموس	۱۳۱۳ ق م
پیلوپ	۱۲۸۳
ہراکلیس	۱۲۶۱ تا ۱۲۰۹
ارگوناتوس	۱۲۲۵
تھبز پر فوجکشی	۱۲۱۳
تسخیر ٹروائے	۱۱۸۴
فتح تھسالیہ	ق م ۱۱۲۴
فتح بیوشیہ	
ایولیانی ہجرت	
فتح پلوپنی سس	۱۱۰۴
کدروس کی وفات	۱۰۴۴
آیونیانی مہاجرت	۱۰۴۴
عہدِ لکرگس (اسپارٹہ میں)	۸۸۵

باب دُوم

یونان کی وسعت

ا۔ یونانی نو آبادیوں کی وجوہِ بنا اور خصوصیات

یونان خاص اور سواحلِ ایجین سے دیگر اطراف میں یونانیوں کے پھیلنے اور تھریس، بحیرۂ اسود، اطالیہ، صقالیہ (سسلی) بلکہ فرانس و ہسپانیہ کے ساحلوں تک نوآبادیاں قایم کرنے کا سلسلہ آٹھویں صدی میں شروع اور چھٹی صدی قبل مسیح میں ختم ہوا اور اگرچہ ہم دورِ قدیم کے تفصیلی حالات سے نا بلد ہیں لیکن سچ پوچھئے تو جس طرح پہلی مرتبہ یونانی قوم جزائرِ ایجین اور ایشیائے کوچک کے ساحلوں پر آبسی تھی اسی طرح اور اسی سلسلے میں، وہ اب دیگر اطراف و اکناف میں پھیلنے لگی۔ اُس کی اور اہل فنیقیہ کی نوآبادیوں میں بھی بڑا فرق یہی ہے کہ فنیقیہ والے اگر کہیں اپنی

بستیاں غیر ملکوں میں بساتے تو اس سے محض اپنی تجارت کو ترقی دینا مقصود ہوتا تھا۔ چنانچہ اُن کی نوآبادیوں میں صرف چند شہروں اور خاص کر **قرطاجنہ** کو یہ مرتبہ حاصل ہوا کہ ان کی حیثیت محض تجارتی کوٹھیوں کی سی نہ رہی؛ ان کے برخلاف، یونانی آباد کار تجارتی منافع کا خیال نہ کرتے تھے بلکہ دیگر ضروریات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اور اُن کا دُور دراز ملکوں میں پہنچنا اُس اولوالعزمی کا بھی اظہار تھا جو شاعرانہ پیرایے میں مختلف افسانوں سے ترشح ہے۔ مثلاً "ارگو کی روانگی" یا "اڈلیسیس کی مراجعت" سے۔ بالفاظ دیگر یہ اسی قسم کا جوش تھا جس نے انگریزی قوم کو بعد میں مسافت ہائے بعید پر نو آبادیاں بسانے کا شوق دلایا اور جس میں تجارتی اغراض کا کوئی واسطہ نہیں ہوسکتا تھا۔

یہ ضرور ہے کہ بعض اوقات بحری تجارت نے بھی یونانی آباد کاروں کو ممالکِ غیر کا راستہ دکھایا تھا۔ چنانچہ ملطہ کے سوداگر جنہوں نے بحیرۂ افشین (یا اسود) کے پُر خطر سمندر میں درآنے کی جسارت کی تھی، یہاں کے ساحلوں کی قدرتی بنادر اور نئے شہروں کے واسطے دلکش مواقع دیکھ گئے تھے اور اُنہی نے وطن آکر آباد کاروں کی جماعت کو مرتب کیا۔ ایسے ترکِ وطن کے لئے محتاج و دِل برداشتہ یا اولوالعزم و دلیر اشخاص ہمیشہ آمادہ ملجاتے تھے اور کم سے کم ابتدا میں، ہجرت پر جو شے لوگوں کو مجبور کرتی تھی وہ وطنی آبادی کی بیشی نہ تھی بلکہ زمین کی تقسیم کا وہ طریقہ جو اُن میں اُس وقت مروّج تھا

۵۰

مشترکہ خاندان کا دستور ہونے کے باعث، جو آزاد اور بلند حوصلہ طبائع کے واسطے موزوں نہیں ہے، مختلف اسباب ایسے پیدا ہوتے رہتے تھے جن کی بدولت خاندان کے بعض افراد جدّی جائیداد

سے محروم اور خاندان سے الگ کردئے جاتے ۔ اور ایسے بے گھرے ممالک غیر میں توطن اختیار کرنے پر بالکل تیار رہتے ۔ دوسرے آٹھویں اور ساتویں صدی (ق م) میں اکثر یونانی ریاستوں کے ملکی حالات بھی ترکِ وطن کے مساعد تھے ۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں، ہم اوپر پڑھ آئے ہیں کہ بالعموم حکومتِ شرفا کا دَور دورہ تھا ۔ اس حال میں اکثر اشخاص کو جن کی وطن میں کوئی پرسش نہ ہوتی، اپنا شہر چھوڑنے اور نئی بستی بسانے کی ترغیب ہوتی تھی کہ شاید وہاں جاکر حکومت و فرمانروائی کرسکیں ۔ غرض اس میں کچھ شک نہیں کہ اس قسم کی دل برداشتگی بھی نئی آبادیاں بسانے کا ایک قریبی سبب تھی ۔

مگر یونانی تارکانِ وطن جس مقام پر پہنچتے وہاں اپنی رسوم و زبان کو برقرار اور نئے شہر کی وضع بھی بالکل یونانی رکھتے تھے ۔ گویا وہ ملکِ یونان ہی کا ایک ٹکڑا ہے جو ایشیا کے بعید کناروں پر یا مغربِ اقصیٰ میں فرانس یا ہسپانیہ کے دُور افتادہ ساحل پر لاکر کسی نے جوڑ دیا ہے! نیا شہر بسانا لوگوں کا ذاتی کام تھا لیکن بسنے کے بعد شہرِ مادری یا وطنِ آبائی سے رشتے داری کا تعلق قائم رکھنے کا بہت خیال کیا جاتا تھا خاص کر بڑے بڑے، سالانہ تہواروں کے موقعے پر آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری رہتا اور "بیٹی" یعنی نوآبادی کی طرف سے اپنی "ماں" کی خدمت میں مختلف طریقوں سے محترمانہ آداب و اکرام کا اظہار کیا جاتا تھا ۔ اور مثالاً، مگارا کی نوآبادی بائی زنطہ کو ہم دیکھتے ہیں کہ جب خود وہ اپنی علٰحدہ نوآبادی مسمبریہ

بساتی ہے تو اس کام کے لئے یہ بھی فرض سمجھتی ہے کہ ایک ہادی یعنی نئے شہر کی بنیاد رکھنے والا، مگارا سے بلایا جائے، علاوہ ازیں نوآبادیاں بسانے کی سیاسی ضرورت کو مذہب نے بھی مباح تسلیم کرلیا تھا اور اس لئے نئی بستی کی بنیاد رکھتے وقت اس رسم کا ادا کرنا بھی ضروری تھا کہ پہلے دلفی کے دیوتا سے اس کام کی منظوری لے لی جائے، اس قسم کے الہامی اور غیب کے جواب دینے والا سب سے قدیم بُت دودونا کا زئیس تھا لیکن یہ شاہ بلوط کی خانقاہ ایپیرس کی پہاڑیوں میں اتنی دُور واقع تھی کہ وہ تمام یونان کا مرجع نہ بن سکتی تھی اور چونکہ اپالو دیوتا کا مندر یونان کے قریب قریب وسط میں واقع تھا لہذا دلفی کے عیار پجاریوں کو موقع مل گیا تھا کہ اپنے معبود کی بڑائی میں اُسی کو عالمِ یونانی کا حقیقی اور بلند مقام رہ نما ثابت کریں +

ان نوآبادیوں نے دو طریقوں سے، یونانیوں میں جذباتِ اتحاد کو بھی ترقی دی۔ ایک تو ممالک غیر کی سرحدوں پر جاجاکر آباد ہونے کی بدولت اُنہیں یونانی اور غیر یونانی کا احساس و امتیاز ہوا اور اغیار کے مقابلے میں انہیں اپنی ہم قومی نمایاں نظر آنے لگی۔ ایشیاے کوچک کے یونانی باشندوں کو اس بات کا پہلے سے احساس تھا اور وہ اتحادِ قومی کے جو معنی سمجھتے تھے وہ ایٹی کا یا بیوشیہ والوں کے خیال میں بھی نہ گزرے تھے کیونکہ یونان خاص کے یہ بسنے والے اپنے ہر طرف یونانی ہی یونانی دیکھتے اور زیادہ تر انہی میں امتیاز و تفریق کرتے تھے +

دوسری نوآبادیوں کی بدولت مختلف شہروں کے یونانیوں کو آپس میں ملنے کا موقع ملا - جب کوئی ہادی یعنی بانی شہر آبادکاروں کی جماعت تیار کرتا تو اکثر اُسے اپنے شہر میں کافی تعداد ایسے لوگوں کی نہ ملتی تھی جو خوشی سے باہر جانے پر آمادہ ہو جائیں۔ لہٰذا وہ دوسرے شہروں سے ساتھ والوں کی بھرتی کرتا اور اس طرح بہت سی نوآبادیاں مشترکہ سعی سے قائم اور مختلف اقوام یا شہروں کے باشندوں سے مرکب ہوتی تھیں +

۲- سواحلِ اکشین، اور شمالی ایجین کی نوآبادیاں

اوّل اوّل جو یونانی شہر بحیرۂ اکشین کے کناروں پر آباد ہوئے اُن کی ابتدا کا حال پردۂ خفا میں مستور ہے ۔ اس طرف رہنمائی شہر ملِطہ نے کی تھی ، اور ممکن ہے کہ وہیں کے سوداگروں نے جو ملیشیائی بھیڑوں کی اونی مصنوعات لاتے تھے، جنوبی ساحل پر تجارتی مستقر بنائے ہوں ۔ لیکن یہ باور کرنا مشکل ہے کہ قبل ازیں کہ اہلِ مگارا نے اپنی مردانہ مساعی سے آبنائے باسفورس کو محفوظ کرلیا ہو باسفورس کے پار آبادکاری کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا؟ مگارا ہی نے ساتویں صدی کے شروع میں (۶۶۰ ق م) چالکِدُن اور بای زنطہ بسانے کے لئے اپنے آدمی بھیجے اور تاریخ میں اس چھوٹی سی ریاست کا نام اسی ضمن میں ہمارے سامنے آتا ہے اور سواحلِ باسفورس کو اس طرح آباد کرنا حقیقت میں ایک

ایسا کام تھا کہ اُن عظیم و جلیل نتائج و واقعات کے اعتبار سے جو آئندہ
یہاں کی نوآبادیوں میں رونما ہوے، مگارا کے کسی ہمعصر کو اتنا بڑا کام
کرنا نصیب نہیں ہوا۔ پھر بائی زنطہ کے مغرب میں بحیرۂ مرمورہ پر
سلیمبریہ اور مشرق کی جانب بحیرۂ اسود کے کنارے ہراکلیہ کی
نوآبادیاں بھی یہیں کے باشندوں نے بسائیں ؛

۵۳
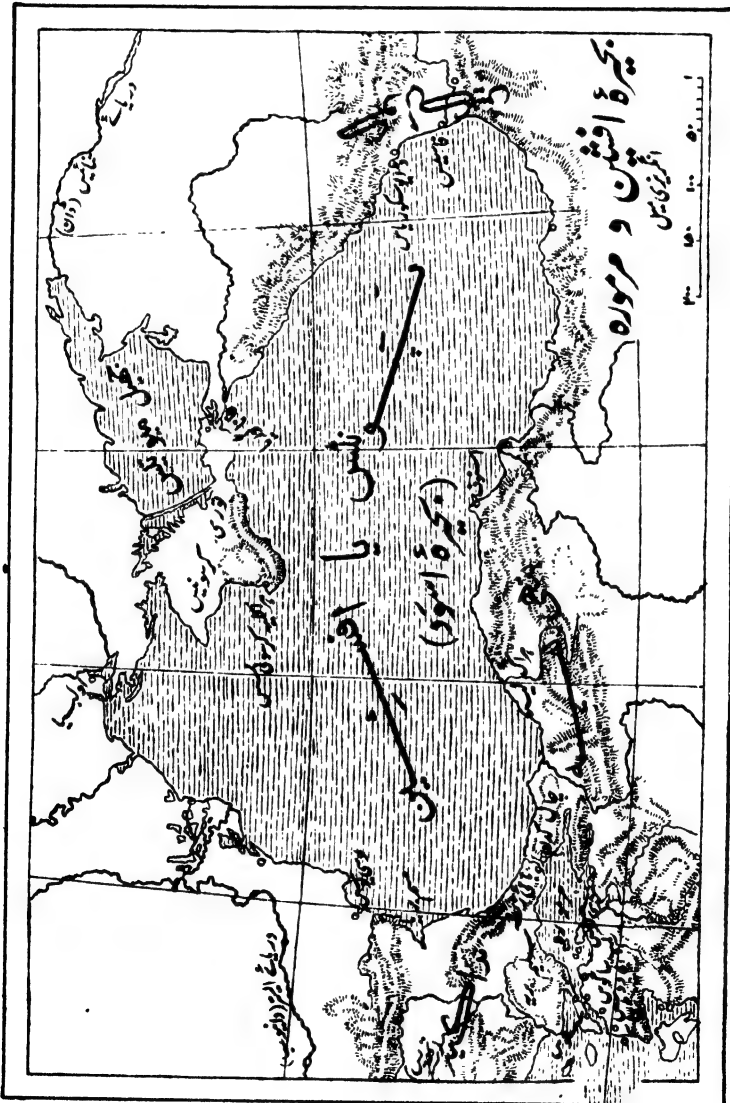
مگارا کی ان اولوالعزمیوں نے شہر ملطہ کو جوش دلایا۔ جنوبی ساحلِ اسود کی سب سے بالائی حد پر جہاں کنارہ خم کھا کر راس کی صورت میں آگے نکل آیا ہے، دو قدرتی بندرگاہیں بن گئی ہیں۔ آبادکاروں کے واسطے یہ نہایت موزوں مقام تھا اور یہیں اہل ملطہ نے شہر **اسنوف** کی بنیاد ڈالی۔ اس کے مشرق میں اور آگے بڑھکر ان کی دوسری نوآبادی **ترابزوس** (طرابزون یا طرابزندہ) قائم ہوئی۔ آبنائے باسفورس پر اہل مگارا نے پہلے ہی کوئی گنجایش نہ چھوڑی تھی لیکن ملطہ والوں نے اس کی تلافی **آبیڈوس** بسا کر کی جو آبنائے دردانیال کے سرے پر **سستوس** کے بالمقابل آباد ہوا۔ اس کے علاوہ بحیرۂ مرمورہ کے جنوبی ساحل کی اُس راس پر بھی انہوں نے تصرف کرلیا، جو سمندر میں آگے کی طرف جھکی ہوئی ہے اور جس کی پتلی گردن پر **اسنوف** کی طرح دو قدرتی بندرگاہیں بن گئی ہیں اس نوآبادی کا نام **کی زی کوس** تھا اور وہاں کے سکوں پر مچھلی کی صورت کندہ ہونے سے پتہ چلتا ہے کہ اس شہر کی خاص جنسِ تجارت کیا تھی۔ اس کے قریب زمانے میں آبنائے دردانیال کے سرے پر **لمپ سکوس** کو جہاں پہلے اہل فنیقیہ کا تجارتی کارخانہ تھا، ایک اور آیونیانی شہر، **فوکیہ** نے آباد کیا +

افشین کے زیادہ بعید حصے یعنی **کولکیس** کی سرزمینِ افسانہ وقصص میں **دیوسکوریاس** اور **فاسیس** کی نوآبادیاں بسائی گئیں اور **توری کرسونیسوس** یا "جزیرہ نما" (یعنی موجودہ کریمیہ) میں **پنتی کاپیہ** اور جانب مغرب **ہراکلیہ** یا **کرسونیسوس** نام کے شہروں کی بنیاد پڑی +

آبنائے دردانیال کی مشرقی سمت، عالم یونانی کی حدود وسیع کرنے میں

اگر مگارا اور ملطہ پیش پیش تھے تو ایجین کے شمال مغربی ممالک ، یوبیہ کا خاص میدان ہیں۔ اسی کے شہر چالکیس نے اُس سہ شاخہ جزیرہ نما پر جو رودِ اکسیوس و ستریمن کے درمیان ساحلِ مقدونیہ سے آگے کو نکلا ہوا ہے ، متعدد شہروں کی بنیاد رکھی اور یہ تمام جزیرہ نما کالسی ڈیس کہلانے لگا۔ گو یہاں کے بعض مشہور شہر دوسری ریاستوں نے آباد کئے تھے خاص کر پتی دیہ ، جسے اہلِ کورنتھ نے جزیرہ نما کی سب سے مغربی شاخ ، پالنی ، پر بسایا تھا۔ جزیرہ نما کی وسطی شاخ ستھونیہ اور مشرقی شاخ جس کے سرے پر کوہ آتھوس واقع ہے ، آکتی کے نام سے موسوم تھی ۔ پالنی پر بعض بستیاں ارِت ریہ والوں نے بسائی تھیں اور اسی کے ایک باجگزار شہر اندروس نے آکتی کا شمالی ساحل آباد کیا تھا۔ یہ سب آبادکار ، جزیرہ یوبیہ کے باشندے تھے اور اگرچہ شہر چالکیس یا کالکیس کی تخصیص نہیں کی جاسکتی جس سے یہ تمام علاقہ منسوب کردیا گیا تھا ، تاہم اس مجمعٔ بلاد کو یوبیای کہا جاسکتا ہے ؛ خلیج تھرمی کے مغربی کنارے پر یعنی مقدونیہ کی سرزمین میں بھی اہلِ یوبیہ کی دو آبادیاں ، پیدنہ اور مِتھون قائم ہوئی تھیں ۔

۳۔ مغربی بحیرۂ روم کی نوآبادیاں

یونانی کتابوں میں سب سے پہلے ، اوڈیسے کے بعض فقروں میں ممالک صقالیہ و اطالیہ کا ذکر آیا ہے ۔ اس نظم کے یہ حصے بعد کے لکھے ہوئے ہیں اور غالباً آٹھویں صدی ق م ا سے انہیں منسوب

بنا درست ہوگا۔ لیکن ساتویں صدی گزرنے نہ پائی تھی کہ صقالیہ کے شرقی ساحل اور خلیج تارنتم کے بازو یونانی ریاستوں سے معمور ہو گئے تھے۔ اور یہ نوآبادیاں قدرتی طور پر تین جماعتوں میں منقسم تھیں:۔

۱) یوبیائی ۔ جو صقالیہ اور اطالیہ دونوں ملکوں میں تھیں ۔

۲) اکائیائی ۔ جو صرف اطالیہ کی سرزمین پر آباد ہوئیں ۔

۳) ڈوریئن ۔ جو چند مستثنیات کے سوا سب کی سب صقالیہ میں تھیں

ان مغربی سمندروں کی سب سے پہلی سیاحی کا فخر ہراکلیس سے منسوب کیا جاتا تھا جو غروبِ شمس کے مقام تک پہنچا اور جس نے زمین کے کنارے پر کھڑے ہوکر اوشانوس (یعنی بحیرۂ محیط) کی روانی دیکھی ۔ چنانچہ بحیرۂ روم (یا متوسط) کے مغربی سرے (یعنی آبنائے جبل الطارق) کے دونوں طرف جو پہاڑیاں کھڑی ہوئی ہیں وہ اسی کے نام پر "ہراکلیس کے کھمبے" کہلاتی تھیں ۔ اس کے بعد کہا جاتا تھا کہ سب سے قدیم نوآبادی جو مغربی سمندروں میں یونانی ملاحوں نے قایم کی ، وہ ساحل کمپانیہ کا شہر کیمہ تھی جس کی بنا روایتوں کی رو سے ۱۰۵۰ ق م سے بھی پہلے پڑی تھی ۔ لیکن ہم اگرچہ اس کا زمانۂ آبادکاری آٹھویں صدی کو قرار دیتے ہیں ، تاہم یہ روایت کہ وہ اطالیہ میں یونانیوں کی سب سے پہلی نوآبادی تھی ، ممکن ہے کہ صحیح ہو! اس کام میں یونان کے تین شہر یعنی چالکیس ، ارتریہ اور کیمہ ، جو یوبیہ کے مشرقی ساحل کا شہر تھا ، شریک تھے اور انہوں نے مشترکہ کوشش سے ایک نئی سرزمین میں اسے آباد کرکے چھوڑا تھا ۔ اس نوآبادی کی جائے وقوع ایک پہاڑی بلندی پر اس موڑ کے قریب تھی جہاں

ساحل نے یک بہ یک چکر کھاکے خلیج نیپلز کی صورت اختیار کرلی ہے۔ پھر کچھ عرصے بعد راس کے اندرونی بندر پر بھی یونانیوں نے قبضہ کرلیا اور وہاں دکیارکیہ کی بنیاد رکھی جو بعد میں پُتِ یولی کے نام سے مشہور ہوا۔ اس سے آگے مشرق میں نیپلز یعنی "شہر نو" بھی انہی نے آباد کیا +

ان علاقوں میں کیمہ ایک گوشے میں اکیلا آباد تھا کیونکہ اِت رسکن قوم کے غلبے کی وجہ سے شمال میں تو یونانیوں کے پاؤں نہ جم سکتے تھے اور جنوب میں عرصہ دراز تک، یعنی پوسی دونیہ کے آباد ہونے تک کیمہ کا کوئی حریف و ہم چشم نہ پیدا ہوا تھا۔ پس یونانیوں کی اس نوآبادی کا بلا شور و شغب کے دُور دُور تک اثر پڑتا رہا۔ اسے کوئی ایسی جنگ یا کشمکش نہیں کرنی پڑی جو قابلِ تحریر ہو لیکن اس نے جو کچھ کیا وہ مغربی تمدن کی تاریخ میں ایک ممتاز اور نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ یورپ میں جو ابجد آج مروج ہے وہ کہا جاسکتا ہے کہ اسی شہر کیمہ کے یوبیائی آبادکاروں کا عطیہ ہے جن سے لاطینی قوم نے فنِ کتابت سیکھا تھا۔ دوسرے اطالیہ کی ہمسایہ اقوام کو یونانی اصنام و عقائد کا علم بھی انہی اہل کیمہ کے ذریعے پہنچا اور ہراکلیس، اپالو، کاستور اور پولی دیوک وہاں اس قدر زبان زد خاص و عام ہوئے کہ رفتہ رفتہ انہیں اطالیہ ہی کے اصلی دیوتا سمجھا جانے لگا تھا۔ اور کیمہ کی کاہنہ (سبیل) یا اپالو دیوتا کی نبیّہ کے الہامی اقوال پر یہ عقیدہ جم گیا تھا کہ انہی میں روما کا مستقبل مرقوم و مکنون ہے +

یوبیائی یونانیوں کی دوسری آبادی اطالیہ کی بجائے صقالیہ کی سرزمین

پر بسی - یہ جزیرہ بحیرۂ روم کا دل اور اُس کے مشرقی اور مغربی حصّوں کی حدِ فاصل ہے - اور اس طرح گویا فطرت نے اسے مختلف اقوام کے باہم دو چار ہونے کا مقام بنایا ہے اور یورپ و ایشیا کی اُس کشمکش کی جسے "نزاع دوامی" کہنے لگے ہیں، بعض میدان داریاں اسی صقالیہ کی زمین پر ہو چکی ہیں + عہد تاریخی میں خود اس جزیرے میں کوئی ملکی بادشاہت قائم نہ تھی اور اس کی جس قدر شہرت وعظمت ہے وہ سب ممالکِ غیر کی نوآبادیوں کے طفیل ہے جو تارکانِ وطن نے نہیں بلکہ آبادکاروں نے نصب کی تھیں - اور ان میں یورپ و افریقہ دونوں طرف کے لوگ کھنچ کھنچ کر یہاں آئے تھے کیونکہ صقالیہ ان بّرہائے اعظم کے بیچ کا جوڑ یا حلقۂ اتِصال ہے +

جزیرے کے سب سے قدیم باشندے سِکان کہلاتے تھے اور انہی کے نام پر اس کا پُرانا نام سِکانیہ تھا - بعد میں یہاں قوم صِقال کے لوگ آئے اور اس روایت کی تصدیق کہ وہ اطالیہ سے ہجرت کرکے آئے تھے، ہمیں اِس واقعے سے ہوتی ہے کہ اطالیہ کے انتہائے جنوب میں بھی ہم اس قوم کے لوگوں کو آباد پاتے ہیں - سِکان اور صقال یا سکال میں جو مشابہت ہے اُس سے بالطبع یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ دونوں قومیں نسل و زبان کے اعتبار سے ہمرشتہ تھیں - لیکن اس قسم کی تجنیسِ لفظی سے ہمیشہ دھوکا ہوتا ہے - اور سِکان و صقال میں یونانی لوگ ہمیشہ امتیاز اور بہ اعتبار قومیت تفریق کرتے تھے؛ بہر حال، صقالوں نے جزیرے کا مشرقی نصف سِکان باشندوں سے چھین لیا تھا اور اس طرح اُس کے دو ٹکڑے ہوگئے تھے جن میں سے

مغربی **سکانیہ** اور مشرقی حصّہ **صقالیہ** کہلاتا تھا۔ اسی عہد قدیم میں سکانیہ پر ایک اور حملہ الیمانیوں نے کیا۔ یہ پُر اسرار قوم غالباً ہسپانوی نسل سے تھی اور انہوں نے جزیرے کے شمال مغرب میں تھوڑے سے علاقے پر قبضہ کرلیا تھا اور اس طرح یہ جزیرہ ایک برّاعظم کا مرقع بن گیا تھا۔ اور عنقریب یونانی اور فنیقی سیاہ کی رزم گاہ بننے والا تھا۔ مگر واضح رہے کہ اس میں سب سے کثیر و وقیع جماعت صِقالوں ہی کی تھی +

جزیرے کے ساحل پر فنیقیہ کے سوداگروں نے بہت عرصہ پہلے سے اپنے کارخانے قائم کرلیئے تھے مگر اوّل اوّل انہوں نے یہاں اس قسم کی مستقل سکونت اختیار نہیں کی تھی کہ جسے اُن کی نو آبادی یا شہر کہا جاسکے حقیقت میں صقالیہ مغربِ اقصیٰ (ہسپانیہ) کے راستے میں جہان یہ لوگ **ترشیش** کے طلائی خزانوں پر ہاتھ مارنے جایا کرتے تھے، صرف سستانے کا مقام تھا اور انہوں نے اُسی آبنائے کے بیرونی رُخ جو یورپ و افریقیہ کو جُدا کرتی ہے، اپنی سب سے پہلی نوآبادی گادِیس (یا قادص) آباد کی تھی۔ اس کے بعد جب انہوں نے صقالیہ کے بالمقابل ساحلِ افریقہ پر بعض شہر آباد کئے تو اسی ہمسایہ نوآبادی کا جزیرۂ مذکور کے واقعات و معاملات پر حقیقی اثر پڑا۔ خود صقالیہ میں اہل فنیقیہ کی جو مستقل بستیاں آباد ہوئیں اُن کے بانی غالباً ہیپو اور یوتیکہ والے تھے جو قرطاجنہ سے بھی پہلے آباد ہوچکے تھے جزیرے کے مشرقی حصّے میں اہل فنیقیہ کے قدم مضبوطی سے نہ جم سکے اور یہاں ہرجگہ وہ محض سوداگروں کے بھیس مین نظر آتے

تھے ۔ اسی لئے جب یونانیوں نے اِدھر کا رُخ کیا اور پوری توجّہ اور دِل سے، صحیح معنی میں شہر آباد کرنے شروع کئے تو فنیقیہ والے کافور ہو گئے۔

اطالیہ کی طرح صقالیہ کی تاریخ کا آغاز بھی حقیقت میں یونانیوں کی آمد کے وقت سے ہوتا ہے۔ وہ اہل چالکیس کی رہبری اور اپالو دیوتا کی برکت و مساعدت سے یہاں پہنچے اور ان کی پہلی بستیاں قدرتی طور پر مشرقی حصّے میں آباد ہوئیں جو یونان کے رُخ واقع ہوا ہے یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ صقالیہ کا یہی مشرقی ساحل اپنی ہیئت و ساخت کے اعتبار سے یونانی ساحل سے بہت کچھ مِلتا جُلتا ہے مگر چالکیس والوں نے اور اُن کے ہمراہی آیونیائی باشندگانِ نکسوس نے جو مقام پسند کیا وہ کچھ بہت دلکش نہ تھا۔ یعنی کوہِ اتنہ کے شمال میں جو قطعۂ زمین بہ صورتِ زبان واقع ہے اس کو انہوں نے نکسوس کی بنیاد رکھنے کے لئے منتخب کیا (۷۳۵ ق م) اور جس طرح کیمہ کے معاملے میں ہم دیکھ چکے ہیں، اُسی طرح یہاں بھی نوآبادی کے نام رکھنے کا شرف، چالکیس والوں نے اپنے غیر معروف شرکا کے لئے چھوڑ دیا اور چونکہ صقالیہ میں نسل یونانی کا سب سے پہلا مسکن یہ مقام تھا لہذا بعد میں بھی اسے ہمیشہ ایک خاص قسم کی فضیلت و تقدس حاصل رہا۔ جس جگہ یونانی سب سے پہلے اُترے تھے وہاں اپالو دیوتا کی قربان گاہ تعمیر کی گئی۔ کیونکہ روایت عام کی بموجب اسی دیوتا کی توجہ سے اُنہیں جو بائی ہواؤں نے ڈھکیل کر سواحلِ صقالیہ تک پہنچایا تھا،

۵۹
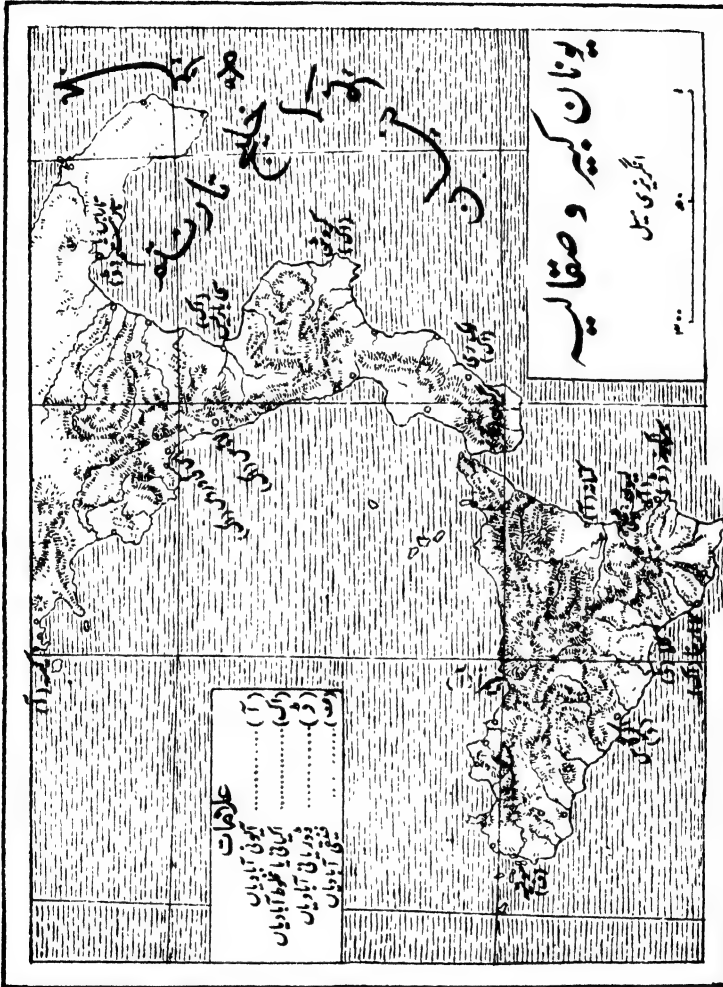
بعد میں دستور ہوگیا تھا کہ جو ایلچی یونان سے آتے تھے وہ صقالیہ
میں اُترتے ہی اس قربان گاہ پر قربانی چڑھاتے تھے، اس کے
تھوڑے ہی دن بعد، چالکیس والوں نے جنوب اتنہ کے شاداب

میدان میں سمندر سے متصل کِتانہ اور اندر بڑھکر لیون تینی کی بنیاد رکھی اور یہ دونوں موقعے صقال قوم سے چھینے گئے تھے۔ شمال مشرقی گوشے پر بھی اہل چالکیس نے قبضہ کرلیا تھا اور اس طرح جزیرہ صقلیہ اور اطالیہ کی درمیان کی آبنائے گویا اُن کے تحت میں آگئی تھی۔ یہاں کیمہ اور چالکیس والوں نے ملکر شہر زانکلہ کو ساحل کی ایک لگہ پر آباد کیا جو درانتی سے مشابہ تھی، اور یہی اس کی وجہ تسمیہ ہوگئی (درانتی کو یونانی میں زائیکلو کہتے تھے) اس کے مُڑے ہوئے چھلڑے نے لنگر اندازی کی گودی بنادی تھی اور جب بعد میں یہاں سکہ مسکوک ہونے لگا تو اس میں بھی شہر کی بندرگاہ کو درانتی کی شکل میں دکھایا گیا جس کی گودی میں تیرتی مچھلی کی صورت منقوش تھی۔ آباد ہونے کے سو سال بعد یہاں کی آبادی میں بڑا انقلاب اس وقت پیدا ہوا جب کہ مسینہ سے مہاجرین کا ایک گروہ آکر اس میں آباد ہوگیا۔ اسی کی وجہ سے آخر میں اس کا پرانا اور مقامی نام بھی اڑگیا اور اسے مِسانا کہنے لگے ۔ زانکلہ ہی سے یوبیہ والوں نے آگے چلکر ہیمرا آباد کیا تھا (سنہ ۶۴۸ ق م) اور شمالی ساحل پر یونانیوں کی صرف یہی ایک بستی تھی۔ زانکلہ کے حق میں یہ ضروری تھا کہ ساحلِ مقابل یعنی جزیرہ نمائے اطالیہ کا جنوبی سرا بھی موافق اور دوستانہ ہاتھوں میں ہو چنانچہ انھوں نے اپنے وطنِ مادری کے باشندوں کو اُبھار کر وہاں رگیون کو آباد کرایا اور اس میں مِسینیہ والے بھی اُن کے شریک تھے ۔ جس وقت شمال مشرقی صقالیہ میں چالکیس والے یہ بستیاں بسا رہے تھے، جنوب مشرقی

علاقوں میں ڈوریئن آبادکاروں نے قدم جمانے شروع کئے۔ اور اُن کی سب سے پہلی بستی ہی سب سے بڑی تھی؛۔ یعنی سیرا کیوز کو جس کی قسمت میں صقالیہ کے یونانی شہروں کا صدر بننا لکھا تھا، ارکیاؔس کی رہ نمائی میں کورنتھ کے مہاجرین نے آٹھویں صدی کے خاتمے سے پہلے آباد کیا۔ (۷۳۴ء ق م) اسی کے قریبی زمانے میں ان لوگوں نے جزیرہ کرکایرا میں نوآبادی بسائی کیونکہ بحیرۂ آیونیان کے یہی جزیرے گویا مغربی ممالک کی وسطی منزلیں تھیں۔ روایت عام نے مذکورہ بالا دونوں مقامات کی آبادی ایک سن میں قرار دی ہے۔ لیکن ان دونوں موقعوں پر اہل کورنتھ کو پہلے آبادکاروں کا قبضہ ہٹانا پڑا تھا اور دونوں جگہ یہ آبادکار یوبیہ کے آئے ہوے لوگ تھے۔ یعنی کرکایرا میں ارِٹ ریہ اور سیراکیوز میں چالکیس والے پہلے سے بسے ہوئے تھے جنہیں کورنتھی آبادکاروں نے آکر نکالا اور بے دخل کردیا +

محلِّ وقوع کے اعتبار سے سیراکیوز کی وسیع بندرگاہ، اُس کی پہاڑی اور ٹاپو، یہ سب صقالیہ کے مشرقی ساحل پر ایسی شے نہ تھی کہ قدیم آبادکاروں کی توجّہ کو سب سے پہلے اپنی جانب مائل نہ کرلیتی چنانچہ چالکیس والوں نے جزیرہ اُرتیجیا (میناؤں کے ٹاپو) پر قبضہ کر رکھا تھا اور عجب نہیں کہ کورنتھ والے انہیں عرصے تک یہاں سے بے دخل نہ کرسکے ہوں +

شروع میں اہل مگارا کے ملاحوں نے بھی نئے مسکن کی تلاش میں مغرب کا رُخ کیا تھا۔ اور کئی ناکام کوششوں کے بعد آخر

سیر اکیوز کے شمال میں ہبلا کی پہاڑیوں کے قریب شہر مگارا تعمیر کیا تھا جس کے بسانے میں شاید یہاں کے صقالی باشندے بھی اُنکے شریک ہوگئے تھے (۷۲۸ قبل مسیح) لیکن اپنے وطنِ مادری کی طرح اس ہبلائی مگارا کے نصیب میں بھی ایک اور نوآبادی بسانا تھا کہ جو شہرت و ناموری میں خود اُس سے فوق لیگئی۔ یہ بستی جو صقالیہ کے یونانی شہروں کا جانبِ مغرب سب سے آخری مورچہ بنی لبِ ساحل ایک بچی پہاڑی پر آباد تھی اور خود رو سلینوں (ایک قسم کی ترکاری) کے نام پر سلینوس کہلاتی تھی (۶۲۸ قبل مسیح)۔ مگر اس اثناء میں صقالیہ کا جنوب مشرقی گوشہ ڈورئین شہروں سے رفتہ رفتہ گلدستہ بن رہا تھا۔ گیلا کو روڈس والوں نے جن کے ہم رکاب اہل کریت بھی تھے، ساتویں صدی کے آغاز میں بسایا تھا (۶۸۸ قبل مسیح) اور ایک عرصے بعد سیراکیوز نے کمارینا کی بنیاد رکھی تھی (۵۹۵ قبل مسیح) ڈورئین گروہ کی سب سے آخری نوآبادی مرتبے میں صرف سیراکیوز سے کمتر تھی۔ اسے گیلا والوں نے اپنے شہر اور سلینوس کے بیچ میں آباد کیا تھا اور اس کی بنیاد رکھنے کے واسطے وطنِ مادری سے ایک ہادی کو طلب کیا تھا اور یہی بلند اور جدید شہر، اک رگاس بہت جلد سیراکیوز کا حریفِ مقابل اور یونانی صقالیہ میں دوسرے درجے کا شہر بن گیا تھا۔ ساحلِ سمندر سے متصل ایک بلند پہاڑی پر اس کی تعمیر کی گئی تھی۔ اس کی لنگرگاہ تنگ اور حقیر، اور قصبے سے کسی قدر فاصلے پر واقع تھی اور دوگلہ بدور اک رگاس" کو ایک بحری قوت بننے کا فخر کبھی حاصل نہ ہوا تھا*

صقالیہ میں ان شہروں کی بنا رکھتے وقت یونانیوں کو زیادہ تر قوم صقل سے معاملہ پڑا تھا۔ مغرب میں ذرا اور آگے بڑھکر جو چند بستیاں تھیں انکے بسانے میں اُن کا قوم سکان سے سابقہ ہوا۔ اور گو یہ دونوں قدیم قومیں ساحلی علاقوں سے محروم و پسپا ہوگئیں تاہم اندرونِ ملک میں وہ اپنے پہاڑی قلعوں میں آباد رہیں۔ یہ جزیرہ بھی اس قدر وسیع تھا اور اس کے اندرونی حصے سمندر سے اس قدر کافی فاصلے پر تھے کہ نووارد یونانیوں کو اسے تمام و کمال فتح کرنے کا کبھی شوق نہ ہوا۔ اہل فنیقیہ سے بھی یونانیوں کو کوئی ایذا نہ پہنچی کیونکہ ان کے تجارتی کارخانے اور معابد مستقل طور پر صقالیہ میں بنے ہوئے نہ تھے بس اُن پردیسیوں کے پہنچتے ہی جو یہاں مستقل توطن کا عزم بالجزم کئے ہوئے تھے، وہ ہنگامی کارخانے غائب ہوگئے۔ البتہ جزیرے کے مغربی گوشے کو جہاں یونانیوں نے بسنے کی کوشش نہ کی تھی، اہل فنیقیہ نے خیرباد نہ کہا اور تین مقامات پر قابض رہے جنھوں نے آخر میں مستقل شہروں کی صورت اختیار کرلی یہ شہر پنورموس، سولوس اور موتیہ تھے۔ المیانی باشندوں کا علاقہ، پنورموس اور موتیہ کے درمیان واقع تھا اور صدر مقام سِگستا (جو یونانیوں کی زبان پر اِگستا بن گیا تھا) خاص شہر کی حیثیت رکھتا تھا ورنہ اُن کی دوسری آبادی اریکس جو ذرا دور مغرب میں تھی محض مدافعت کی ایک فوجی چوکی تھی۔ وہ ساحلِ بحر پر واقع نہ تھی مگر ساحل اُس کے بلند محلِ وقوع کے نیچے تھا۔ اس قصبے میں وہ کسی مظہرِ قدرت کو دیوی بنا کے پرستش کیا کرتے تھے جو بہت جلد یونانیوں کی **افرودیت** دیوی کی شکل میں جلوہ گر ہونے لگی۔ ان لوگوں کے فنیقہ والوں سے اچھے تعلقات تھے

اور اسی لئے مغربی صقالیہ کا گوشہ اہل فنیقیہ کے تحت میں آگیا تھا
مگر وہ صرف ساحلی علاقے تھے جو اہلِ یونان و فنیقیہ کی رزمگاہ بنے ورنہ
اندرونی حصّوں پر اسی طرح اقوامِ صقال وسکان کا قبضہ باقی تھا +

جس نام سے بحیرۂ روم کا وسطی جزیرہ نما موسوم ہے (یعنی اطالیہ)
اُس کی شمالی حدود جولئیس سیزر کے زمانے میں بھی دریائے پو تک وسیع
نہ تھیں اور اس سے پہلے، ابتدا ابتدا میں درحقیقت بہت ہی چھوٹے
رقبے پر اُس کا اطلاق ہوتا تھا۔ چنانچہ مورخ توسی ڈاڈیڈیز نے پانچویں
صدی (ق م) میں لفظِ اطالیہ کو صرف اس حصّے کے واسطے استعمال کیا ہے
جو آجکل کلاب ریہ کہلاتا ہے اور اُن دو شاخوں میں سے ایک (مغربی)
شاخ ہے جن میں یہ جزیرہ نما انتہائے جنوب میں پہنچکر منقسم ہوگیا ہے
اوّل اوّل جب یونانی یہاں آئے تو اس مغربی سرے پر صقال اور
اُنوتری قوم کے لوگ آباد تھے اور غالباً انہی کے ساحل پر پلوپی سس
کے اکائیانی مہاجرین کو، آٹھویں صدی کے اواخر میں لبنے کا میدان ملا
اُنھوں نے سب سے پہلے جو بستیاں اطالیہ میں لبائیں (۷۲۱ ق م)
وہ شاید سی بارِیس اور کروٹن تھیں جن کی دولت اور باہمی رقابت
مشہور تھی۔ شہر سی باریس نے جو کراتیس ندی کے کنارے، بُری
آب و ہوا مگر نہایت زرخیز میدان میں آباد تھا، اپنا علاقہ بہت جلد
وسیع کرلیا اور اس تنگ جزیرہ نما سے آگے بڑھکر مغربی ساحل پر،
لاؤس اور اُس کی درِوس نامی دو شہر آباد کئے اور دو سمندروں پر اپنا
تسلّط قایم کرلیا، بحیرۂ روم کے مغربی ساحل پر پہنچنے کا بڑی راستہ بھی
اُس کے قبضے میں تھا اور اسی راستے وہ اہل ملیسیہ کا، (جنھیں حاسد

اہلِ چالکیس ان سمندروں میں نہ آنے دیتے تھے) قیمتی سامان بحیرۂ ترّنی کے کناروں تک بھیج سکتا تھا۔ یہی وسایلِ رسل و رسایل اور زراعت کی ترقّی اہلِ سی بارلیس کی اُس دولتمندی کا سبب تھی جس کے طفیل وہاں والوں کا عیش و نشاط ضرب المثل ہوگیا تھا۔ اسی شہر نے پوسی دونیہ نام کی ایک اور بستی مغربی ساحل پر آباد کی تھی جس کا گلاب اور مندر مشہور تھے +

سی بارلیس سے خاصے فاصلے پر جنوب میں شہر کروتن واقع تھا (۷۱۰ ق م) سی بارلیس کی طرح اس نے بھی اپنا علاقہ وسیع کیا اور اپنی بستیاں علٰحدہ بسائی تھیں، اور اکائیانی قوم کی سب سے جنوبی نوآبادی کولونیہ بھی، جو مغربی لوکری کے ہمسائے میں تھی، غالباً اسی شہر کے لوگوں نے آباد کی +

شہر لوکری کو بھی ہم آسانی سے اکائیانی شہروں میں داخل کرسکتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں قومیں ڈورئین گروہ سے اس قدر نہیں ملتیں جس قدر کہ آپس میں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ اس کے بعد اگر ڈورئین اپنی ایک نوآبادی خلیج کے سب سے شمالی نقطے پر ایک تنگ و محفوظ گودی کے کنارے قائم نہ کر دیتے تو جنوبی اطالیہ کی یہ سب بستیاں ایک ہی یونانی گروہ (اکائیائیوں) سے منسوب کی جاسکتی تھیں مگر اس ڈورئین شہر تاراس یا تارنتم نے جس کے نام پر وہ خلیج اب تک خلیج تارنتم کہلاتی ہے، اس یکرنگی کو مٹادیا تھا اور اس اعتبار سے کہ صرف یہی ایک شہر ہے جسے ڈورینوں کے سب سے نامور فرقے نے ایک غیر سرزمین پر بسایا، تارنتم کی وقعت اور زیادہ ہوجاتی ہے (۷۰۸ ق م)

اس مقام پر لقونیہ کے آباد کار کسی غیر معلوم زمانے میں قابض ہوئے اور انہی نے اسے ایک ڈوریئن شہر بنایا تھا۔ ان کی خوش حالی کا سب سے بڑا سبب تو صنعت و حرفت تھی لیکن زراعت اور زمین کی زرخیزی بھی ایک حد تک اس میں ممد ہوئی۔ یہاں کا بنا ہوا کپڑا اور رنگا ہوا اُون مشہور تھے اور ظروفِ گلی دُور دُور تک دساور جاتے تھے۔ اور مجموعی طور پر دیکھا جائے تو شہر تاراس حقیقت میں زرعی ریاست نہ تھا بلکہ اہلِ صنعت و حرفت کی آبادی بن گیا تھا؛

اس طرح خلیج تارنتم کے مغربی ساحل پر اکائیانی شہروں کی ایک قطار کھنچی ہوئی تھی، جس کے ایک بازو پر **مغربی لوکری** تھا اور دوسرے سرے پر ڈوریئن تاراس۔ چالکیس اور کورنتھ کے آباد کردہ شہروں میں اور ان اکائیانی آبادیوں میں ایک عام فرق یہ تھا کہ اکائیانی شہروں کی دولت بحری تجارت پر مبنی نہ تھی بلکہ زمین سے تعلق رکھتی تھی۔ وہاں کے خوش حال باشندے زمیندار ہوتے تھے، نہ کہ تاجر اور پہلے بھی اتنی دُور مغرب میں جس چیز کی طمع انہیں اپنے گھروں سے کھینچ کے لائی وہ عمدہ زمینیں تھیں نہ کہ تجارت۔ الغرض بحیرۂ ترّنی کے یہی یونانی شہر اور ان کے ماورائے جبال مقبوضات ہیں جو بعد میں ایک مجموعہ سمجھے جانے لگے اور یہ سارا علاقہ رفتہ رفتہ "یونان کبیر" (میگنا گریسیہ) کے نام سے موسوم ہوگیا؛

۴۔ تجارت اور جہازرانی کا فروغ

ہر چند یونانی نوآبادیاں اپنے مادری شہروں سے کوئی سیاسی تعلق

نہ رکھتی تھیں اور بالکل خود مختار ہوتی تھیں، پھر بھی مختلف ذرائع سے اُنکا اثر اُلٹ کر اپنے وطنِ اصلی پر ضرور پڑتا تھا۔ مشترکہ خاندانی ملکیت کا رواج ہونے کی وجہ سے لوگوں کو پردیس میں جاکر بسنے کی جس طرح ترغیب ہوئی اس کا حال ہم پہلے پڑھ چکے ہیں۔ پس قرینہ نہ تھا کہ وہ لوگ جن سے اس رواج کے طفیل گھر چھٹا تھا اپنی نوآبادیوں میں اسی طریقے کو رواج دیتے۔ اور قیاسِ غالب یہی ہے کہ زمین کی ذاتی اور انفرادی ملکیت کا آئین سب سے پہلے نوآبادیوں میں قایم اور منضبط ہوا اور یہ نظیر قائم ہونے کے بعد اُن کے مادری شہر متاثر ہوئے جہاں اَور قدرتی اسباب بھی مشترکہ خاندان کے رواج کی آہستہ آہستہ بیخ کنی کر رہے تھے یعنی اوّل تو سلطنت یا ریاست کی قوّت جس نسبت سے بڑھتی جاتی تھی اسی نسبت سے خاندان کا زور گھٹ رہا تھا، اور بزرگِ خاندان کا وقار و اقتدار غیر محسوس طور پر کمزور ہوتا جاتا تھا۔ دوسرے یہ دستور عام ہوگیا تھا کہ مشترکہ جائداد کا ایک حصّہ کسی خاندانی کے حوالے کردیا جاتا کہ وہ اس کا خود ہی انتظام کرے اور بلا شرکت اس سے متمتّع ہو۔ اور ضرور ہے کہ اس کے مرنے پر بالطبع یہ خیال آتا ہو کہ وہ جائداد انہی شرائط پر متوفی کے بیٹے کو سونپ دی جائے۔ غرض صاف نظر آتا ہے کہ یہ دستور بھی آخر میں ملکیتِ ذاتی کے اصُول کو قائم و استوار کرنے والا تھا! پھر یہ کہ غیرِ منقسم خاندانی جائدادوں کے پہلو بہ پہلو ذاتی املاک پیدا کرنا بھی جائز اور رائج ہوگیا تھا۔ اُس زمانے میں بہت سی لاوارث زمینیں جن میں "درندوں کا گزر" ہوتا تھا، خاص کر پہاڑی ڈھلانوں پر، افتادہ پڑی رہتی تھیں اور جب کوئی مستعد شخص اپنی محنت سے ایسا کوئی

قطعہ کاشت کے لئے صاف کرلیتا تو یہ نئے کھیت اُسی کی ذاتی مِلک بن جاتے کیونکہ وہ کسی کے مملوکہ یا مقبوضہ نہ تھے؛ مختصر یہ کہ ان سب اسباب کو مدِ نظر رکھکر ہم اس عام نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ قدیم رواج کا مٹنا اور بڑی بڑی مشترکہ جائدادوں کا ذاتی املاک کی صورت میں تقسیم ہوجانا، کس قدر ناگزیر ہوگیا تھا +

بیوشیہ کا شاعر، ہیسیود، اُس زمانے میں یونان کے دیہات کی جو معاشرت تھی اس کی ایک تصویر ہمارے لئے چھوڑ گیا ہے (نشرہ قم) وہ خود نواحِ اسکرا کا ایک کسان تھا جہاں اس کا باپ کیمہ سے آکر بسا اور ہلی کن کی ڈھلانوں پر ایک افتادہ زمین کاشت کرنے لگا تھا۔یہی قطعہ اس کے دو بیٹوں، پرسیس اور ہیسیود میں بٹ گیا اور ہیسیود اپنے بھائی کو الزام دیتا ہے کہ اُس نے علاقے کے رُوسا کو رشوت دیکر خود زیادہ حصّہ حاصل کرلیا تھا۔لیکن پرسیس سے نہ اپنے کھیت کیار کا کام اچھی طرح چل سکا نہ اس نے کچھ فلاح پائی۔ اسی پر ہیسیود نے اپنی نظم "کام" لکھی کہ ایسے فضول خرچ کسانوں کو زراعت اور کفایت شعاری کے اصول سکھائے۔ زندگی کے متعلّق شاعر کی رائے کچھ ایسی مایوسانہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے اُس زمانے میں بیوشیہ کی معاشرتی حالت نہایت ردی تھی۔ اور یقیناً اُس کا بڑا سبب اُمرا کا جبر و تشدد ہوگا جنھیں شاعر "نذرانہ خور" شہزادوں کے لقب سے ملقّب کرتا ہے۔وہ عہد ماضی کو بڑی حسرت اور تاسّف سے یاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عہد زرد نقرہ۔ عصرِ نحاس اور وہ زمانۂ شجاعت، جس میں بڑے بڑے سورما ٹروائے پر جا جا کے لڑے، سب گزر گئے۔اور اب نوع انسان عصرِ حدید میں

ہے اور شبانہ روز کی مصیبت و پریشانی سے کبھی نجات نہ پائیگی"، نظم میں کسانوں کے مقررہ کام، تخم پاشی اور درو کے اوقات اور موسم، آلاتِ زراعت، کھیتی میں محنت مشقت وغیرہ سب باتوں کے متعلق بہت تفصیلی ہدایتیں دی گئی ہیں اور دانائی کی ضرب الامثال اور کہاوتیں اُن کے سوا ہیں۔ اس اعتبار سے کہ ہسیود عوام الناس کے خیالات کا پہلا ترجمان ہے، اس کی نظم بھی خاص وقعت رکھتی ہے۔ برّاعظم یورپ کی تاریخ میں سب سے پہلے اسی نے مشقت کرنے والے گروہ سے نکلکر اپنی آواز بلند کی اور اُن کی حالت پر انسان کی توجہ منعطف کرانی چاہی ہے اگرچہ اس میں کلام نہیں کہ یہ ایک مسکین مطیع اور محکوم کی آواز ہے جو اپنے محنت کش بھائیوں کو مشورہ دیتا ہے کہ بُری بھلی جیسی کچھ بھی حالت ہے اسی کو اچھی طرح گزاردیں۔ گویا ابھی تک بغاوت و سرکشی کی نوبت نہیں آئی ہے، تاہم حرف شکایت زبان تک آگیا ہے اور اُمرا کو جابجا تاکید کی گئی ہے کہ وہ عدل و انصاف سے کام لیں کہ ملک سرسبز اور خوش حال ہو۔

بیوشیہ ہمیشہ سے کم ہمّت کاشت کاروں کا ملک تھا چنانچہ ہسیود کو بھی تجارت یا سیر و سیاحت سے رغبت نہیں ہے لیکن اس زمانے میں جو فروغ تجارت کو حاصل ہوا وہ تاریخ میں نہایت وقیع شے ہے اور اس معاملے میں بھی اپنے شہروں پر بیرونی نوآبادیوں کا اثر پڑا تھا۔ عالمِ یونانی کی حدود پھیلاکر انہوں نے یونانی تجارت کی راہیں کُشادہ کردی تھیں اور صنعت و حرفت کی ترقی کو بڑی مدد دی تھی۔ اب تک یونانی قوم محض گلّہ بانوں اور کسانوں

کی قوم تھی لیکن اب ان میں اہلِ حرفہ کا گروہ پیدا ہوتا جاتا تھا۔ انہیں اپنی مغربی نوآبادیوں کو تیل اور اون،ظروف و معدنیات کی بہم رسانی کرنی پڑتی تھی اور اسی لئے اب ان کا فینقی تاجر سے شدومد کے ساتھ مقابلہ شروع ہوگیا تھا۔

عام طور پر یونانی اسبابِ تجارت بحری راستوں سے آتا جاتا تھا اور یونان میں سڑکیں بنانے سے جو غفلت برتی جاتی تھی وہ بھی اسی کا ثبوت ہے۔ چنانچہ کسی درگاہ یا مندروں کے "مقدس راستوں" کے سوائے جیسے کہ ایتھنز سے دلفی یا الیوسیس تک یا ساحل سے اولمپیہ تک بنے ہوئے تھے، ملک میں کوئی پختہ سڑک نہ تھی۔ باایں ہمہ یونانی لوگ ابھی تک جہازرانی میں بودے تھے اور اواخر سرما سے پہلے ان سمندروں میں بھی جاتے ڈرتے تھے جن کا چپہ چپہ اُن کا دیکھا ہوا تھا۔ سمندر سے عام خوف کا اظہار ہسیود کے اس قول سے ہوتا ہے:۔ "انقلاب شمسی سے فصل کے ختم تک جہازرانی کے پچاس دن ہیں۔ اس موسم میں اگر تم گئے تو جہاز نہ ٹوٹے گا نہ سمندر تمہارے ملاحوں کو ڈبوے گا سوائے اس کے کہ پوسیڈن یا زیئس دیوتا ہی ان کی تباہی کا ارادہ کریں!"

جن ریاستوں میں لوگوں کی بحری آمد رفت زیادہ تھی، انہیں بحری قزاقوں سے بچنے کی خاطر جنگی جہاز بنانے بھی ضروری معلوم ہوے۔ قدیم جنگی جہاز عام طور پر "پینتی کُن تر" یعنی "پچاس چپو" کے جہاز ہوتے تھے جن کا عام نمونہ یہ تھا کہ ایک لمبی اور پتلی کشتی میں پچیس تختے جڑوئے جاتے تھے اور ہر تختے پر دو تپوارکش یا چپو چلانے والے

بیٹھ جاتے۔ مگر اس "بچاس چپّو" جہاز کا استعمال بھی آٹھویں صدی سے پہلے شاید ہی یونان میں شروع ہوا ہوگا ورنہ عہد ہومر میں صرف بیس چپّو کی کشتیاں اُن کے ہاں مستعمل تھیں۔ لیکن آٹھویں صدی کے اخیر حصّے میں ایک تازہ جدّت نے فنیقیہ کی جہاز سازی میں انقلاب پیدا کردیا۔ یعنی اب جہازوں کے تختے ایک دوسرے کے اوپر دوہری قطار میں جڑے جانے لگے جس سے جہاز کی لمبائی بڑھائے بغیر پتواریوں کے واسطے زیادہ جگہ نکل آئی اور جہاز کی رفتار بھی بڑھ گئی مگر یہ "دو طبقہ" جہاز یونان میں زیادہ عام نہ ہونے پائے کیونکہ تھوڑے ہی دن بعد فنیقیہ والوں نے اپنے جہازوں میں ایک تیسرا درجہ اُوپر بڑھاکر انہیں "سہ طبقہ" بنالیا[1] اور یہی سہ طبقہ جہاز جنھیں ۱۷۰ پتواری کھیتے تھے بالآخر سارے یونان میں اغراضِ جنگ کے واسطے استعمال ہونے لگے۔ اگرچہ اوّل اوّل جب کورنتھ والے یہ نمونہ یونان میں لائے تو اُس کے بعد بھی مدت تک بچاس چپّو کے جہاز کا عام رواج رہا۔ مگر سہ طبقہ جہاز ہوں یا بچاس چپّو، اُس برنجی پھالی یا کُدال سے دونوں میں کام لیا جاتا تھا جو اسی زمانے میں ایجاد ہوئی اور جہاز کے سرے یا مُہرے پر لگا دی جاتی تھی۔ یہ حملہ کرنے کا ایک نیا ہتیار تھا جس نے یونانیوں کی بحری جنگ کے فن اور طریقے پر آیندہ بہت بڑا اثر ڈالا +

یونانیوں کے نزدیک، دو یونانی طاقتوں کے درمیان سب سے

---

[1] اس قسم کی جنگی کشتی بنانے کا علم دنیا سے مفقود ہوگیا اور زمانہ حال کے جہاز ساز قدیم سہ طبقہ جہاز نہیں تیار کرسکتے۔ حالانکہ زمانہ بعد کے یونانی پانچ پانچ دس دس بلکہ چالیس طبقے تک کے جہاز بنالیا کرتے تھے +

پہلی اور باقاعدہ بحری جنگ وہ تھی جو ساتویں صدی کے وسط میں کورنتھ اور اُس کی آباد کردہ ریاست کرکایرا میں واقع ہوئی (۶۶۴ ق م) اگر یہ روایت صحیح ہے تو یقین رکھنا چاہیئے کہ یہ واقعہ بھی اسی کشمکش کے سلسلے میں داخل ہے جو اطالیہ، صقالیہ اور سواحلِ اڈریاٹک سے تجارت کے متعلق ہو رہی تھی؛ مگر اس مغربی میدان میں کورنتھ کے سب سے بڑے تجارتی حریف، یوبیہ کے دو شہر چالکیس اور ارت ریہ، تھے؛ مشرقی سمندروں کی آمد رفت میں ایک نمایاں حصّہ جزیرہ اِجینا کی ریاست نے بھی لیا۔ اگرچہ اس کی اپنی کوئی نوآبادی نہ تھی۔ تاہم بحری تجارت کے ذریعے وہ بھی یونان کی سب سے دولتمند ریاستوں میں شمار ہونے لگی تھی

۵۔ سلطنت لِدیہ کا اثر یونانیوں پر

سواحلِ ایشیا کے یونانیوں کی خوش حالی یا بد حالی کا بہت کچھ انحصار اپنے اندرونی علاقے کے ہمسایوں پر تھا۔ان ممالک سے تجارت اُن کے لئے بہت کچھ باعثِ فلاح تھی، لیکن کسی وقت بھی اگر کوئی ملیچھ[۱] سلطنت زور پکڑ جاتی تو انہیں اپنی آزادی اور سلامتی کا سخت خطرہ پیدا ہو سکتا تھا بہر حال ساتویں صدی (ق م) کے آغاز میں یونانیوں کی افروجیہ اور لِدیہ (یالود) کی ہمسایہ سلطنتوں میں خوب آمد رفت اور لین دین جاری تھا۔ افروجیہ کے بادشاہ میداس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے دلفی کے مندر میں ایک تخت بھی نذر چڑھایا تھا۔

---

[۱] یونانی لوگ غیر قوموں کو "باربیرئین" کہتے تھے۔ یعنی وحشی جن کی زبان سمجھ میں نہ آتی ہو۔ اس لفظ میں حقارت و نفرت کی بھی شان ہے اور اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ ملیچھ کرنا درست خیال کیا۔ مترجم۔

لدیہ کے علاقوں میں بھی اہل افرجیہ کی کافی جماعت پہنچ گئی تھی اور اس نے وہاں اقتدار حاصل کرلیا تھا۔ لیکن افروجی حکمرانوں میں انحطاط اور کمزوری پیدا ہوگئی اور گیجیس نامی لدیہ کے ایک باشندے نے شاہ کندولیس کو مارکر سلطنت پر اپنا قبضہ جمالیا تھا اور یہی وہ انقلاب ہے جس کے بعد سلطنت لدیہ میں ایک نیا دور شروع ہوا یعنی گیجیس نے اپنی قلمرو کو شمال میں بحیرۂ مرمورہ تک وسیع کرنے کے بعد ساحلِ ایجین کو اپنی مغربی سرحد بنانے اور یونانی شہروں کو مطیع و منقاد کرنے کا منصوبہ باندھا اور وادئ ہرموس کی طرف سے سمرنا پر، وادئ کیستر سے کلوفن پر اور وادئ میاندر کے راستے ملطہ اور میگنشیہ پر دباؤ ڈالا۔ ان میں سے ممکن ہے کہ کلوفن اور شاید میگنشیہ کو اس نے تسخیر کرلیا ہو لیکن دیگر بلادِ یونانی کے مقابلے میں غنیم کامیاب نہ ہوسکا اور مارکے ہٹادیا گیا۔ منرموس شاعر اسی زمانے کے ایک جنگ آزماکی (جو شاید خود اس کا دادا تھا) بہادری کے گیت گاتا ہے کہ کس طرح ہرموس کے میدان میں اس یونانی شمشیرزن نے لدیہ کے سواروں میں کھلبلی ڈالدی تھی۔

لیکن گیجیس کے ارادوں میں وحشی قوموں کی یورش نے یکایک خلل ڈالدیا یہ وحشی اقوام، یعنی کیمیر واسکیث یا سیتھی اپنے مسکن اصلی سے نکالدی گئی تھیں جو میوتیس جھیل کے قریب تھا (جہاں کریمیہ ابھی تک ان کے نام کی یاد دلاتا ہے) اور بحیرۂ اسود کے جنوبی کناروں پر اٹھ آئی تھیں جہاں انھوں نے اسنوف کے ملیسی آباد کاروں کو مغلوب کرلیا تھا۔ اسنوف سے نکلکر اب انھوں نے لدیہ پر حملہ کیا اور گیجیس نے مجبوراً اسوربنی بال شاہ اشور (سیریہ) کی امداد و حمایت چاہی۔ اس طرح پہلے حملے کا تدارک ہوا

اور گیجیس نے حملہ آوروں کے سرداروں کو پابہ زنجیر نینوہ بھیج دیا تھا۔ لیکن کمیریوں نے پھر یورش کی اور اس دفعہ گیجیس مارا گیا اور اس کا پایہ تخت ساردیس مفتوح ہوگیا۔ یہاں سے وحشی فتحمندوں نے یونانی شہروں پر تاخت کی اور گو افی سوس نے اُن کا حملہ روک لیا مگر شہر پناہ کے باہر ارتمیس دیوی کے مندر کو انہوں نے جلا دیا اور لبِ میاندر، شہر میگنشیہ کو بھی تاراج کر ڈالا۔ بہرحال یہ بلا ٹل گئی اور گیجیس کے جانشین اردیس نے نہ صرف کمیریوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا بلکہ شاید اپنی قلمرو کو کپادوسیہ میں دریائے ہالیس تک وسیع کرنے میں کامیابی پائی۔

اسی اثنا میں لدیہ نے وہ ایجاد کی جس نے تجارتی لین دین میں بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا۔ اور حقیقت میں اسی لدیہ کے طفیل زرِ مسکوک یورپ میں رائج ہوا ہے۔ بابل، فنیقیہ اور مصر کے لوگ سونے چاندی کو تول کر بطور زر مبادلہ پہلے سے استعمال کرتے تھے اور ان دونوں دھاتوں کی قیمت میں ایک خاص تناسب معیّن تھا لیکن دھات کا تُلا ہوا ٹکڑا سکّہ اسی وقت بن سکتا ہے جب کے اس پر سلطنت کی مہر ثبت ہو اور اوس کی صحت وزن اور کھرے ہونے کی تصدیق ہو جائے۔ اور یہی کام تھا جسے اول لدیہ میں انجام دیا گیا جہاں سب سے قدیم روپیہ غالباً گیجیس نے ساتویں صدی کے اوائل میں مسکوک کرایا۔ تھوڑے ہی دن بعد اس جدّت کی ملطہ اور ساموس نے تقلید کی اور پھر وہی طریقہ دیگر بلادِ ایشیا میں رائج ہوگیا۔ اس کے بعد اِجینا اور یوبیہ کے دو بڑے شہروں نے اپنے ہاں سکّے کا آئین جاری کیا اور رفتہ رفتہ تمام یونانی ریاستوں نے وہ ابتدائی طریقہ کہ مویشی کی راس سے قیمت کا تعیّن کرتے

تھے، ترک کردیا اور ان میں سے اکثر نے اپنے اپنے دارالضرب علیحدہ قائم کیے۔ یونان میں سونا بہت کمیاب تھا اور جزائر سیف نوس و تھاسوس کے سوا اور کہیں نہ پایا جاتا تھا، لہذا یونانیوں نے چاندی کے سکّے بنائے تھے۔ چونکہ سکّے کی ایجاد خاص اُس زمانے میں ہوئی جب کہ اہل یونان کی تجارتی سرگرمی کا وسیع پیمانے پر آغاز ہونے والا تھا اس لئے وہ نہایت ہی مفید اور اہم ثابت ہوئی کہ ایک طرف تو سکّے سے تجارتی لین دین میں بڑی سہولت پیدا ہوگئی اور دوسرے اس کی بدولت سرمایہ جمع کرنا ممکن ہوگیا +

۶۔ مصر سے تجارت کا اجرا اور شہر سیرنہ کی بنا

ملطہ کے تاجر اور اُن کے شرکائے کار اس وجہ سے دولتمند ہوگئے کہ بحیرہ رُوم اور لدیہ کی تجارت انہی کی وساطت سے ہوتی تھی۔ اور لدیہ والے یونانی اشیا کو اور آگے ایشیائے کوچک کے اندرونی اور بعید مشرقی حصّوں تک، پہنچا دیتے تھے۔ مغرب میں اور نیز سواحلِ فنشین پر ان کے جہاز دُور دُور تک پہنچتے لیکن اُسی کے بالکل قریب زمانے میں جب کہ سکّے کی ایجاد نے اہل تجارت کے لئے اُمید و ترقی کا ایک نیا میدان کھول دیا تھا، حصول دولت کی بھی ایک نئی راہ ان کے واسطے کشادہ ہوگئی، یعنی ملک مصر کے دروازے جن کی سخت پاسبانی ہوتی تھی، یونانی تجارت کے لئے کھل گئے +

ملک مصر کی فتح، اسارہدون، شاہ اشور کا سب سے بڑا کارنامہ تھی (تخمیناً ۶۷۲ ق م) اسوقت یہ ملک بہت سی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں

میں ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا اور ان کے بادشاہ، اشور کے باج گزار بنکر حکومت کیا کرتے تھے۔ تخمیناً ۶۴۵ سنہ ق م میں انہی ملوک طوائف میں سے مصر صعید کے ایک بادشاہ بسامتی کوس والی سئیز نے، جو غالباً لدیہ کے دودمانِ شاہی سے تھا، اسوربنی بال شاہِ اشور کے خلاف علَمِ سرکشی بلند کیا اور آیونیہ و کاریہ کے اجیر سپاہیوں کی مدد سے سارے ملک پر مسلّط ہوگیا۔ بسامتی کوس اور اس کے وارثوں نے فراعنۂ مصر کی متعصبانہ حکمت عملی کو ترک کیا اور مصر کے دروازے دنیا کی تجارت کے لئے کھول دئے اور یونانیوں کو ملک میں مستقل طور پر سکونت اختیار کرنے کی اجازت دی۔

چنانچہ شہر سئیز سے قریب ہی دریاے نیل کی مغربی یا کنوبی شاخ پر ملسیہ والوں نے تجارتی کوٹھی بنائی اور اسی کے گرد ایک یونانی بستی بس گئی جو نوکراتیس، یعنی ملکۂ بحر کے نام سے موسوم ہوئی۔ اور یہی نوآبادی تھی جو یونانی تاجروں کی مرجع عام بن گئی تھی۔ آبادی میں ملسیہ، ساموس اور اجینا والوں کے الگ الگ محلّے اور مندر تھے مگر باقی سب یونانیوں کا مشترکہ احاطہ ہلینیون کہلاتا تھا اور اس کے گرد موٹی اینٹ کی دیوار چنی ہوئی تھی اور اندر ۵۰ ہزار آدمیوں کی گنجایش تھی اسی احاطے میں اُن کی منڈی اور معابد بنے ہوے تھے۔ مگر واضح ہو کہ اہل اجینا کے سواے، نوکراتیس کے تمام یونانی متوطن سواحلِ ایشیا کے رہنے والے تھے۔

ہم اوپر اشارۃً لکھ چکے ہیں کہ نہ صرف تاجروں کے واسطے بلکہ منچلے سپاہیوں کے واسطے بھی ملکِ مصر قسمت آزمائی کا عمدہ میدان تھا۔

بالائی مصر کے شہر ابوسمبل میں اُن یونانی سپاہیوں کی یادگار موجود ہے جو حبشہ کی ایک مہم میں (۵۹۴ تا ۵۸۹ ق م) شاہ پسامتی کوس ثانی کے ہمرکاب تھے، ان میں سے بعض نے اپنے نام، مندر کے دیو ہیکل بتوں پر کھرچ دئے تھے۔ اور اس یادگار کا اتنا حقیر اور اسی کے ساتھ اتنا قدیم ہونا ہی شاید اس کو زیادہ دلچسپ بنا دیتا ہے۔

یونانی تجارت کا مصر میں افتتاح ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ان کا ایک نیا شہر مصر کے مغرب میں آباد ہوا۔ اصل میں جزیرہ تھرا میں باہمی نزاع کی وجہ سے کچھ لوگ ترکِ وطن پر مجبور ہو گئے تھے (۶۳۰ ق م) ان خانہ بربادوں میں کریت کے جہازبانوں کا ایک گروہ اور آکر مل گیا اور انہوں نے سواحل بارکا کی جانب جہازوں کے بادبان کھول دئے۔ ان کی مستقل آبادی سمندر سے تقریباً آٹھ میل دور، دو سفید پہاڑیوں پر قائم ہوئی جہاں پانی کا ایک وافر چشمہ موجود تھا اور جہاں سے گرد کے میدان کی پاسبانی کی جا سکتی تھی۔ شہر کا نام سیرینہ (یا سایرین) تھا اور ساحلِ افریقہ پر یہی ایک یونانی نوآبادی تھی جس نے فلاح و ناموری پائی۔ اہلِ جزیرہ کی جس شخص نے اس نئے مقام تک رہنمائی کی تھی وہی ان کا بادشاہ بن گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصلی نام ارسطوتلیس تھا لیکن اب اس نے باتوس کا نرالا لقب اختیار کیا اور کہتے ہیں کہ لیبیائی زبان میں اس کے معنی "بادشاہ" کے ہیں مگر یونانی میں اس کے متشابہ لفظ کا مفہوم "ہکلانا" ہے اور اسی بنا پر یہ افسانہ مشہور ہوا ہے کہ باتوس بولتے میں ہکلایا کرتا تھا۔

باتوس کے بیٹے کا نام ارکسی لاس تھا۔ اور اس خاندان شاہی میں

یہی دو نام ہیں جن کے مسمّیٰ، ایک دوسرے کے بعد سپرٹہ کے تخت پر متمکن ہوتے رہے ۔

۷۔ یونان میں طبقۂ عوام کی دل برداشتگی

یونانیوں کی تجارتی اور صنعتی ترقی نے، ان کے سیاسی اور تمدنی ارتقا کے حق میں بہت سے اہم نتائج پیدا کئے، مصنوعات کے واسطے مزدوروں کی ضرورت تھی اور آزاد مزدوروں کی کافی تعداد میسر نہ آتی تھی پس غلاموں سے یہ کام لینا ناگزیر تھا اور وہ کثرت سے تھریس و ایشیائے کوچک اور سواحلِ افشین سے لائے جاتے تھے ۔ اس بردہ فروشی میں معقول نفع تھا اور خیوس والوں نے اُسے اپنا خاص پیشہ بنا لیا تھا۔ گھر کے معمولی کاروبار میں غلاموں کا ہونا، جیسے کہ ہومر کے زمانے میں ہمیں نظر آتے ہیں اور جو عام طور پر اسیرانِ جنگ ہوتے تھے، ایک بے ضرر دستور تھا جس سے کبھی خطرناک نتائج پیدا نہ ہوتے لیکن ساتویں صدی میں جو باقاعدہ غلاموں کی بھرتی کا طریقہ جاری ہوا اسے یونانی ریاستوں کے حق میں ایک مہلک سببِ زوال ثابت ہونا لکھا تھا ۔

افزونیٔ تجارت سے اوّل اوّل حکومتِ شرفا کے اعلیٰ طبقوں نے فائدہ اُٹھایا کیونکہ یہی خاندانی اُمرا سب سے بڑے بیوپاری تھے لیکن تجارت سے جو دولت انہوں نے حاصل کی اسی نے اُن کے سیاسی اقتدار کا ناس کیا۔ کیونکہ اوّل تو اُن کا اثر بہت کچھ اُن کی زرعی املاک پر مبنی تھا اور جب صنعت و حرفت نے زراعت کے

مقابلے میں سر نکالا تو خواہ مخواہ زمین کی قدر و منزلت گھٹ گئی۔ دوسرے یہ کہ دولت کی وجہ سے مراتب کا ایک نیا معیار وجود میں آگیا۔ یعنی امرا کا عام میلان یہ ہونے لگا کہ اپنی امارت کو، نسب کی بجائے دولت پر، مبنی کیا جائے۔ اور چونکہ امارتِ نسبی کے برخلاف، اس قسم کی امارت ہر شخص حاصل کرسکتا ہے لہٰذا یہ تبدیلی قوموں کو ہمیشہ جمہوریت کی طرف لے جاتی ہے +

اوّل اوّل نقصان میں وہ آزاد باشندے رہے جن کے پاس روپیہ نہ تھا۔ اور اسی پریشان حالی اور دِل برداشتگی نے انہیں کامِل مساوات کے لئے جدو جہد پر آمادہ کیا۔ اور اکثر حالتوں میں ان کی جدوجہد بھی کامیاب ہوئی! یونان کے اکثر حصّوں میں ساتویں صدی ق م ا کے نصف آخر میں سب سے قابلِ لحاظ واقعات اسی قسم کی کشمکشیں ہیں جو آبادی کے مختلف طبقوں میں ہورہی تھیں اور خود امرائے خاندانی میں بہتر اور زیرک افراد کو نظر آنے لگا تھا کہ دیگر اہلِ وطن کو مراعات ملکی میں شریک بنانا ضروری ہے! پھر، صنعت و حرفت کی ترقّی اور زراعت کی قدر گھٹنے سے، شہروں کی کشش بڑھ گئی تھی اور اب وہاں ایک نئی شہری آبادی بن رہی تھی جس سے یقینی طور پر جمہوری تحریک کو تقویت پہنچی +

اس پُرآشوب زمانے میں **ارکی لوکوس** پاروسی ایک بڑا طباع شاعر ہوا ہے۔ اور یہ قول بالکل بجا ہے کہ معمولی "گوشت پوست کا" پہلا یونانی شخص جس کی صورت، قدامت کی دھند میں ہمیں نظر آسکتی ہے، **ارکی لوکوس** ہے! وہ لونڈی کے پیٹ سے ایک امیر

باپ کا بیٹا تھا اور قسمت آزمائی کرنے اُن جانبازوں کے ساتھ ہولیا تھا جو اطالیہ میں شہر سیرلیس بسانے نکلے تھے۔ لیکن جب اسے بحری سفر کا وہ ناگوار تجربہ حاصل ہوا جس نے اُسے پوسیدن دیوتا کی "کرودی نعمت" کے گیت اور "وطن شیرین" کے لئے جہازیوں کی مناجات گانی سکھائی، تو اُلٹا پھر آیا۔ مگر پھر اہلِ پاروس کے ساتھ جزیرہ تھاسوس آباد کرنے گیا اور وہاں ان فرقہ بندی کے جھگڑوں میں پھنس گیا جن کی بدولت اس جزیرے کے کئی ٹکڑے ہوگئے تھے؛ نصف النہار میں وہ کسوف شمسی جس کی کیفیت اُس نے بیان کی ہے، اُس نے ضرور تھاسوس کے زمانہ قیام میں مشاہدہ کیا ہوگا۔ اور یہ ۶ر اپریل ۶۴۸ء قبل مسیح کا واقعہ ہے اور تھاسوس میں اُسکے زمانۂ قیام کا پتہ دینے کے علاوہ قدیم تاریخ یونان کے متعلق پہلی یقینی اور ٹھیک تاریخ ہے جو ہمیں دستیاب ہوئی ہے؛ ارکی لوکوس مدعی ہے کہ وہ "خدائے جنگ کا خادم اور ملکاتِ[1] ربانی کے نفیس عطیات سے بہرہ مند ہے"۔ لیکن ایک موقع پر جب اہل جزیرہ کی ساحلِ مقابل کے تھریس والوں سے جنگ ہوئی تو ہمارا شاعر ڈھال چھوڑ کر میدان سے بھاگ نکلا تھا۔ مگر کہنے لگا "کچھ مضایقہ نہیں۔ مجھے ویسی ہی اچھی دوسری ڈھال دستیاب ہوجائیگی"۔

ارکی لوکوس، ذات کا ہیٹا، محتاج و پریشان روزگار اور مصائب کی وجہ سے ایک دِل جلا شاعر تھا جس نے ان جذبات کا اپنی نظموں میں دل کھولکر اظہار کیا ہے اور اپنے دشمنوں کے خلاف خوب زہر اُگلا ہے۔ چنانچہ انہیں دشمنوں میں ایک لیکامبیس پاروسی ہے جس نے ارکی لوکوس کو اپنی بیٹی نوبولی کے دینے سے انکار کردیا تھا؛

[1] میوزز۔ یعنی نغمہ و شعر کی وہبی قوتیں، جن کو قدیم یونان میں دیویاں بناکے پوجتے تھے؛ مترجم۔

باب سوم

اسپارٹہ کا فروغ۔ شرفا کا زوالِ حکومت

۱۔ اسپارٹہ اور اس کا نظامِ حکومت

ڈورئین نووارد جو شمال سے اُتر کر وادیٔ یوروتاس پر قابض ہوئے اس سرزمین میں بہت سے گانوں بنا کے رہنے سہنے لگے تھے اور اُنکا نام لک دِموتی ہوگیا تھا۔ ایک عرصے کے بعد ان کے درمیان ایک شہری ریاست کو فروغ ہوا اور وہی سب پر مسلّط ہوگئی۔ اس شہر کا نام اسپارٹہ تھا اور علاقۂ لقونیہ میں اس نے وہی ممتاز مرتبہ پالیا تھا جو دورِ گزشتہ میں یہاں امیکلی کو حاصل تھا۔ قوم لک دموتی کی اور بستیاں اب ''پری اوئیکی'' یعنی ''اہل مضافات'' کے نام سے موسوم تھیں۔ اور گو وہ آزاد اور مقامی معاملات میں خود مختار تھیں لیکن ریاستِ اسپارٹہ

میں انہیں ملکی حقوق حاصل نہ تھے اور جنگی خدمت اور بادشاہی زمینوں کی کاشت کرنے کا بار اُن کی گردنوں پر تھا ۔

اہل اسپارٹہ کی قدامت پسندی ہمیشہ سے مشہور تھی ۔ اور اسی کا سبب ہے کہ ہم ان کے نظامِ حکومت میں بعض یادگاریں اُس وضع قدیم کی دیکھتے ہیں جو ہومر کے زمانے میں رائج ہو گی ۔ ان میں سب سے زیادہ قابل لحاظ یادگار بادشاہی کا آئین ہے کہ اسپارٹہ میں اب تک ، برائے نام شخصی بادشاہوں کی حکومت ہاتی تھی ۔

اہل اسپارٹہ کی طبیعت میں یہ قدامت پسندی اس قدر سمائی ہوئی تھی کہ انہیں بڑا فکر اس بات کا رہتا تھا کہ زمانہ تاریخی میں اُن کے نظامِ حکومت کی جو صورت بن گئی تھی اُسے جس طرح ہو یہی باور کریں کہ بہت زمانے سے وہ ایسا ہی چلا آتا ہے اور اس میں سرِمو کوئی تفاوت نہیں ہوا ہے ۔ حالانکہ اس میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ اکثر دیگر ریاستوں کی مثل ریاستِ اسپارٹہ بھی بادشاہی کے بعد حکومتِ شرفا کی منزل سے گذری تھی اور اس کے نظام حکومت کی آخری صورت شرفا اور جمہور کی کشمکش کا نتیجہ تھی ۔ البتہ یہ خاص بات لائقِ ذکر ہے کہ ان سب تبدیلیوں میں وہاں موروثی بادشاہت سلامت رہی تھی ۔

بہرحال ، اسپارٹہ کی ملکی کَل کے چار پُرزے تھے ۔ بادشاہ ۔ مجلسِ شرفا مجلسِ عوام اور وہ عمّال جو اِفُور کہلاتے تھے ۔ ان میں سے پہلے تین ، قدیم اور تمام نسلِ یونانی کی ریاستوں میں مشترک ہیں ۔ مگر یہ چوتھی جماعت بعد میں شامل ہوئی اور اسپارٹہ سے مخصوص تھی ۔

ہومر کے آخری عہد میں ہم اختیاراتِ شاہی کی حد بندی ہوتے دیکھ چکے ہیں جس کے بعد خود یہ بادشاہی نابود ہوجاتی تھی اگرچہ بعض حالتوں میں، اُس کے آثار شاید ایسے عمّال کی صورت میں، جیسے کہ ایتھنز کے ''آرکن بادشاہ'' تھے، باقی رہ جاتے تھے۔ البتہ چند مقامات پر بادشاہی کا آئین برقرار تھا اور انہی میں اسپارٹہ شامل ہے۔ مگر یہاں بادشاہی اختیارات کی دو گونہ حد بندی ہوگئی تھی۔ یعنی نہ صرف سلطنت کے دیگر آئین و قوانین کی وجہ سے بلکہ وقتِ واحد میں دو دو بادشاہ ہونے کے سبب سے بھی بادشاہی اختیارات محدود ہوگئے تھے۔ کیونکہ انسان کی یاد میں اسپارٹہ پر ہمیشہ سے دو بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ اور علیحدہ علیحدہ ان دو اجیسی اور یوری پنی خاندانوں میں، بادشاہت باپ کے بعد بیٹے کو پہنچ جاتی تھی! باقی اُن مذہبی، جنگی اور عدالتی اختیارات میں سے، جو پہلے اُنہیں اور تمام یونانی بادشاہوں کو حاصل تھے، بعض اختیارات شاہانِ اسپارٹہ سے چھن گئے تھے اور بعض ابھی تک اُن کے پاس تھے۔ مثلاً خاص خاص مذہبی مناصب اُن سے مخصوص تھے۔ شہر کی جانب سے ہر مہینے اپالو دیوتا کے نام پر فوجی مہمّات اور لڑائیوں سے قبل تمام واجب الاحترام قربانیوں کی وہی انجام دہی کرتے تھے۔ گویا وہ بھی قوم کے مذہبی پیشوا ہوتے تھے۔ اگرچہ یہ منصب صرف انہی سے مخصوص نہ رہا تھا۔

ان بادشاہوں کا ایک حق، فوجوں کی سپہ سالاری کرنا تھا۔ اس بات کی تحریری شہادت موجود ہے کہ اوّل اوّل انہیں جس ملک سے چاہیں جنگ کرنے کا اختیار حاصل تھا اور اگرچہ زمانۂ تاریخی

میں جنگ و صلح کا فیصلہ بادشاہوں کی بجائے جمہور کرنے لگے تھے۔ تاہم میدانِ جنگ میں اُنہیں کا راج تھا اور لوگوں کی مرگ و زیست بالکل ان کے اختیار میں ہوتی اور سو آدمیوں کی ایک فوج خاصہ ان کے پاس رہتی تھی؛ مگر یہ ظاہر ہے کہ اسپارٹہ میں بوقتِ واحد دو بادشاہوں کا آئین کسی نہ کسی حد تک ان کے ہمہ گیر اختیارات کو ضرور محدود و منقسم کردیتا ہوگا۔ پھر پانچویں صدی ق م سے کچھ ہی پہلے یہ بات قانوناً طے کردی گئی تھی کہ زمانہ جنگ میں صرف ایک بادشاہ جسے ہر موقع پر جمہور ہی منتخب کریں اسپہ سالار کے فرائض انجام دے اور وہی قوم کے سامنے انتظامات جنگ کا ذمہ دار و جواب دہ ہو۔

اس طرح گو بادشاہ ابھی تک دین کے مقتدا اور فوج کے سپہ سالار تھے، لیکن مقدمات کے فیصل کرنے کا منصب اب بمشکل اُن سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ صرف خاص خاص معاملات میں انہیں عدالتی یا قانونی اختیارات حاصل تھے، ورنہ عہد ہومر کے بادشاہ اگامنن کی مثل، احکامِ ناطق صادر کرنے کا حق ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا بادشاہوں کی اراضی جس سے وہ مالگزاری وصول کرتے تھے، پری آؤئیکی لوگوں کے سوانے (یا علاقے) میں ہوتی تھیں اس کے علاوہ قوم کی قربانیوں میں بھی ان کا خاص حصّہ مقرر تھا۔ اس قسم کے موقعوں پر وہ (ہومری بادشاہوں کی مثل) صدر پر بٹھائے جاتے اور سب سے پہلے کھانا انہی کے سامنے چنا جاتا۔ ہر چیز کا انہیں دُہرا حصّہ ملتا اور قربانی کی کھالیں بھی انہی کو دی جاتی تھیں۔ ورثے

کے اعتبار سے ، بادشاہی، باپ کے بعد بیٹے کو پہنچتی تھی اور لاولد ہونے کی صورت میں سب سے قریبی رشتہ دارِ نرینہ کو۔ اور بادشاہ کا بیٹا صغیر سن ہو تو بھی ایسا رشتہ دار اُس کا ولی ہوتا تھا +

ہومر کی نظموں میں ہم "بزرگانِ قوم" کا حال پڑھ چکے ہیں کہ وہ مقدمات کے پنچ اور بادشاہ کے مشیر ہوتے تھے - انہی کی اسپارٹہ میں ایک باقاعدہ جماعت بن گئی تھی جس میں بادشاہوں سمیت تیس رکن ہوتے تھے ۔ بادشاہوں کو بحیثیت بادشاہی رکنیت کا حق حاصل تھا مگر باقی ۲۸ ارکان کے واسطے یہ لازمی شرط تھی کہ اُن کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہو۔ گویا "مجلسِ بزرگان" لفظاً و معناً بڑے بوڑھوں کی ایک جماعت ہوتی تھی اور اس کے رکن مرتے دم تک اپنے عہدے پر قائم رہتے تھے ۔ اس مجلس کی رکنیت کو "نکوئی کا صلہ" کہا جاتا تھا اور جس کی نسبت جلسۂ عام میں جمہور کی عام آواز اور صدائے احسنت بلند ہو، اسی کو اخلاقی اوصاف میں سب سے فائق مان لیا جاتا تھا ؛ یہ مجلس تمام معاملات کو مجلسِ عوام میں پیش ہونے سے پہلے مرتّب کرتی تھی اور ایک مشورہ کار جماعت کی حیثیت سے ، ملکی معاملات میں اس کو بڑا دخل تھا۔ اور جرائم کی تحقیقات میں وہ عدالت کے فرائض بھی انجام دیتی تھی +

لیکن گو ارکان کا انتخاب عوام کرتے تھے ، مگر خود ارکان طبقہ عوام سے نہ ہوتے تھے بلکہ رکنیت کا حق شرفا کو حاصل تھا ۔ اور اس طرح اسپارٹہ کے نظام حکومت میں **حکومتِ شرفا** کا عنصر موجود تھا۔

البتہ اسپارٹہ کا ہر سنّی سالہ شہری "اپلا" یعنی مجلس **عوام** کا

رکن ہوتا تھا، جس کے اجلاس، ماہانہ ہوا کرتے تھے؛ بے شبہ زمانۂ قدیم میں یہ اجتماع بادشاہوں کے ایما سے ہوتا ہوگا لیکن تاریخی زمانے میں یہ اختیار افوروں (عمّال) کے ہاتھ میں منتقل ہوگیا تھا۔ بحث مباحثے کا حق اس مجلس کو ابھی تک حاصل نہ تھا اور وہ صرف بادشاہ یا افوروں کی تجاویز سُن کر بآواز بلند اپنی منشا ظاہر کردیتی تھی اگر اس ہنگامے میں صاف طور پر یہ نہ معلوم ہوا کہ کثرتِ رائے کدھر ہے تو الگ الگ رائیں لے لی جاتی تھیں۔ گروسیہ (یعنی مجلس بزرگان) افور اور دیگر عمّال کا انتخاب عوام ہی کی رائے سے ہوتا تھا۔ صلح و جنگ اور معاملات خارجہ کا فیصلہ اور منصب بادشاہی کی متنازعہ وراثت کا تصفیہ وہی کرتے تھے۔ اور اس طرح اصولاً دیکھئے تو اسپارٹہ کا نظامِ حکومت جمہوری تھا۔ وہاں کا کوئی فرد، مجلسِ عوام سے خارج نہ تھا، اور جمہور ہی کا منشاء اس مجلس میں قولِ فیصل کا حکم رکھتا تھا۔ ایک قدیم ضابطے میں بھی مرقوم ہے کہ "اختیار و فیصلہ جمہور کا حق ہوگا" مگر اسی کے ساتھ یہی ضابطہ "بزرگوں اور عمّال" کو یہ اختیار تفویض کرتا ہے کہ اگر "جمہور کے کسی فیصلے میں کجی ہو تو (وہ) ساتھ چھوڑدیں" جس سے جمہور کی وہ ظاہری فضیلت و برتری باقی نہیں رہتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انتظامی حکّام ہی مجلسِ عوام کے باضابطہ منتشر ہونے سے پہلے اقرار و اعلان نہ کریں جمہور کی منشاء قانون کا حکم نہ رکھتی تھی۔ اور اگر بزرگانِ قوم، عوام کی کثرت رائے سے متفق نہ ہوتے تو وہ جلسے کی کارروائی کا اعلان ہی نہ کرتے تھے اور بادشاہ یا افوروں کے باضابطہ جلسے کو ختم کرنے سے پہلے، خود "ساتھ

چھوڑ دیتے،، جس سے جلسہ منتشر اور اس کی کارروائی کالعدم ہوجاتی تھی
اسپارٹہ کے پانچ افوروں کی جماعت وہاں کے نظام حکومت سے
مخصوص تھی۔ یہ تحقیق نہیں کہ اس کی ابتدا کب ہوئی اگرچہ لوگوں کا
گمان تھا کہ اس کی بنیاد آٹھویں صدی ق م ؛ کے نصف اوّل میں
پڑی تاہم افوروں نے جو عظیم سیاسی قوّت حاصل کرلی تھی وہ کسی طرح
ساتویں صدی سے پہلے انہیں نہ مل سکتی تھی۔ اور یہ قوّت انہیں
ضرور اُس کشمکش کے طفیل ملی ہوگی جس میں ایک طرف خاندانی اُمرا
تھے جو بادشاہوں کے ساتھ ملکر حکومت کرتے تھے اور دوسری طرف
عوام، جن کا حکومت میں کوئی حصّہ نہ تھا۔ اس نزاع میں بادشاہ
شرفا کے طرف دار تھے اور افوروں نے عوام کی وکالت کی تھی۔ اس
کی شہادت اُن معاہدوں سے ملتی ہے جن کی ہر مہینے بادشاہ اور
افوروں کے درمیان تجدید ہوتی رہتی تھی۔ یعنی بادشاہ قسم کھاتا تھا کہ
فرائضِ شاہی کی انجام دہی میں وہ قوانینِ سلطنت کا پابند رہیگا۔ اور
افور قسم کھاتے کہ جب تک بادشاہ اپنے قول کا پابند ہے وہ
بادشاہی قوّت و اختیارات میں کوئی کمی نہ آنے دینگے۔ اسی رسم کی
تہ میں ہمیں سلطنت اور جمہور کی ایک شدید نزاع کا نشان ملتا ہے
اور عہدۂ افور کا جمہور سے خاص تعلّق اسی بات سے ظاہر ہے کہ
اس عہدے کے لئے اسپارٹہ کا ہر شہری منتخب ہوسکتا تھا۔ اور یہ
انتخاب بھی قریب قریب ایک طرح کی قرعہ اندازی ہوتا تھا۔

افور، تقویمی سال کے شروع سے اپنے عہدے کا جائزہ لیتے تھے
اور چونکہ انہیں جمہوری حقوق کی نگہبانی کے واسطے مقرّر و منتخب

کیا جاتا تھا اس لئے اُن کا بڑا فرض یہ تھا کہ بادشاہوں کے طرزِ عمل سے ہوشیار رہیں۔ اس غرض کے لئے جنگی مہمات میں ہمیشہ دو افور بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے اور اس بات کے مجاز تھے کہ بادشاہ سے باز پرس کرنے کے لئے اسے اپنے سامنے طلب کریں۔ اُن عدالتی اختیارات میں بھی، جو بادشاہوں سے لے لیے گئے تھے، بعض افوروں کے ہاتھ میں چلے گئے اور بعض مجلسِ بزرگان کو منتقل ہو گئے تھے۔ لیکن مجلس، جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں صرف فوجداری مقدمات کی تحقیقات کرسکتی تھی ورنہ دیوانی کی عدالتِ عالیہ افوروں کی جماعت تھی اور پری اوئیکی لوگوں کے معاملات میں فوجداری مقدمات کی بھی وہی سماعت کرتے تھے۔ افوروں کا ایک اور فرض یہ تھا کہ ریاستِ اسپارٹہ میں نظم اور ضوابط و شعائر کو قائم رکھیں اور اپنے عہدہ کا کام ہاتھ میں لیتے ہی وہ اہل شہر کے نام ایک اعلان جاری کرتے تھے کہ وہ سب "اوپر کی لبیں منڈوائیں اور قوانین کے پابند رہیں"۔

۲- اسپارٹہ کا تسلط مِسینیہ پر

مِسینیہ کی فتح، اسپارٹہ کے عہدِ فروغ کی پہلی اور سب سے اہم منزل تھی۔ واضح ہو کہ جزیرہ نمائے پلوپنی سس کے جنوبی حصے کو کوہ تے گتوس نے دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے اور اس میں سے مشرقی حصے کے بھی کوہِ پارنَن کے بیچ میں آجانے سے دو قطعے ہو گئے ہیں، یعنی یوروتاس ندی کی وادی اور دوسرے پارنَن سے لیکر ساحل تک کا سنگستانی قطعہ۔ لیکن کوہ تے گتوس کا مغربی حصہ نسبتاً زیادہ

زرخیز ہے اور اس کی زمین بھی اس قدر سنگستانی نہیں اور قدرت نے آب و ہوا بھی اُسے زیادہ معتدل عنایت کی ہے۔ ای تھومہ کی بلند چٹان اسی حصے کا قدرتی قلعہ تھی ٭

اسپارٹہ کی مِسنیہ سے پہلی جنگ کے متعلق، جس کا زمانہ آٹھویں صدی (ق م) کو قرار دینا پڑیگا، ہمیں کوئی یقینی بات معلوم نہیں ہے بجز اس کے کہ اسپارٹہ کے اُس بادشاہ کا جس کے ماتحت یہ جنگ ہوئی نام تھیوپمپوس تھا۔نیز یہ کہ ای تھومہ کے قلعے کی تسخیر نے اس جنگ کا فیصلہ کردیا اور مشرقی علاقہ اہلِ اسپارٹہ کے قبضے میں آگیا تھا ٭

چونکہ اسپارٹہ والوں کا مقصد یہ تھا کہ اپنے ہم وطنوں کے واسطے اور قطعاتِ زمین بڑھالیں اس لئے انھوں نے اکثر مفتوحین کو ہلوٹ (ہیلوات) یعنی رعیت یا غلام بنالیا اور کئی نسل تک وہ بھی اس ذلت کو خاموشی کے ساتھ برداشت کئے گئے۔ لیکن اُس وقت جب کہ فتحمند اس طرف سے مطمئن ہوگئے تھے، وہاں بغاوت کی سازش ہوئی۔(اخیر ساتویں صدی ق م) باغیوں کو ارکیدیہ اور پیساتیس کی ہمسایہ ریاستوں سے مدد ملی اور بیان کیا جاتا ہے کہ ان کا سردار بھی ارستومنیس جیسا قابل و پرجوش اور مسینیہ کے ایک قدیم خاندان کا آدمی تھا۔ اوّل اوّل یہ بغاوت کامیاب ہوئی اسپارٹہ والوں پر بُری بنی اور اُن کے جوانوں کو شکست کا داغ کھانا پڑا۔ مفتوحین کے حوصلے بڑھ گئے اور اسپارٹہ کو اس علاقے کے واپس ملنے سے مایوسی ہوگئی۔ لیکن اس حال میں اُن کی سرداری کے لئے ایک شاعر

اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور منقول ہے کہ اسی لنگڑے **تیرتیوس** نے اپنے ہم وطنوں میں وہ جنگی جوش بھرا کہ لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا اور اسپارٹہ اپنے نقصانات اور ذلّت کی تلافی کرنے لگا۔ شہنائی کی آواز پر اس شاعر کے "بڑھو بڑھو" کے گیت گاتے ہوئے اسپارٹہ کے شمشیرزن میدان جنگ میں نکلتے تھے اور جب شام ہوتی تو کھانے کے بعد اسی کے پرجوش مرثیے پڑاو میں بیٹھ کر گائے جاتے تھے۔ لیکن خود اس کا بیان ہے کہ اس کی جنگی تدبیر اُس کی شاعری سے کم کارگر نہ تھی اور تھوڑے ہی دن بعد اہل مِسنیہ کو **بڑی کھائی** کی جنگ میں شکست ہوئی اور وہ نیدَن ندی کے کنارے اپنے شمالی قلعے **ایرا** میں ہٹ آئے، جیسے **مِسنیہ** کی دوسری جنگ میں وہی مرتبہ حاصل ہے جو پہلی جنگ میں **ایتھومہ** کو تھا، افسانوں میں بیان کیا گیا ہے کہ آخر یہ قلعہ بھی گیارہ سال کے محاصرے کے بعد، تسخیر ہوگیا۔ محصورین کی روح رواں **ارستومنیس** تھا اور اسی کا عجیب عجیب طور سے بچ بچ کر نکلنا ایک ولولہ انگیز داستان کا موضوع ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ اپنے پچاس اسیر ہموطنوں کے ساتھ وہ بھی ایک گہرے غار میں پھینک دیا گیا تھا؛ اور زندگی سے بالکل مایوس ہوگیا تھا۔ اس کے ساتھی بھی سب ہلاک ہوگئے لیکن **ارستومنیس** کو ایک لومڑی کے کھوج پر چلتے چلتے آخرکار اس پہاڑی قید خانے کا ایک راستہ مل گیا اور وہ دوسرے ہی دن ایرا آپہنچا۔ پھر اسپارٹہ والوں نے جب اچانک ہلّہ کرکے اس قلعے کو فتح کیا تو اس وقت بھی ارستومنیس زخم کھا کے اُن کے ہاتھ سے نکل گیا اور **ارکیدیہ** پہنچ گیا۔

ملک میں جو میسنوی باشندے باقی رہ گئے تھے وہ پھر غلام بنالئے گئے۔ لیکن ساحلی بستیاں اور نیز دو چار اندرونی علاقے والے اب بھی پری اوئیکی بنکر آزاد اور اپنی زمینوں پر قابض رہے۔
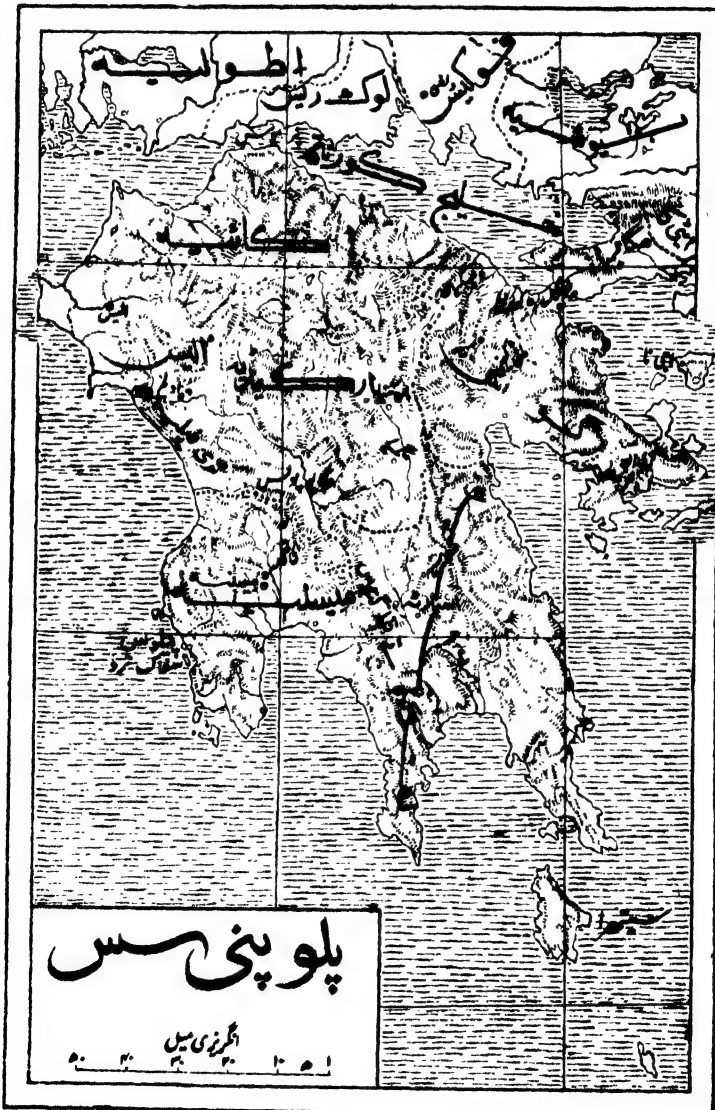
اس زمانے میں یونان کی دوسری ریاستوں کی طرح اسپارٹہ بھی اندرونی خلفشار میں مبتلا ہوا۔ مگر مسنیہ کا پورا علاقہ فتح ہونے سے تقسیم اراضی کا مسئلہ ایک حد تک حل ہوگیا تھا دوسرے کوئی شبہ نہیں کہ بھی زاید آبادی کی سہولتِ معاش کے واسطے اس زمانے میں شہر تاراس (جنوبی اطالیہ) کی بنیاد رکھی گئی تھی ؛

جنگ مسنیہ کا جو حال تیرتیوس نے لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طریقِ جنگ میں ایک بڑی تبدیلی پیدا ہوگئی تھی جس نے اسی وقت سے طبقہ اعلیٰ کے اثر و اقتدار کو مٹا دیا تھا۔ کیونکہ یہ لڑائی زرہ پوش، اور پیادہ نیزہ برداروں نے جیتی تھی جو گنجان صفیں باندھ کر بڑھتے اور فریق مقابل پر ملکر حملہ کرتے تھے۔ یونانیوں کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ ایسے پیادے جنھیں وہ "**ہپ لیت**" کہتے تھے، سوار فوج سے بہتر اور زیادہ کارآمد ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی اصلی قدر سب سے اوّل اسپارٹہ میں پہچانی گئی اور وہیں کی فوجی ترتیب میں انہیں جزو اعظم بنایا گیا تھا۔ اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب شہر کا لڑائی کے وقت اُمرا پر انحصار نہ رہا بلکہ تمام باشندوں پر ہوگیا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ فنِ حرب میں یہ انقلاب صرف اسی وقت ممکن ہوا جبکہ عام صنعی ترقی کے ساتھ ساتھ یونان میں دھات کی چیزیں بھی اچھی تیار ہونے لگیں، اور اب ہر خوش حال شہری کے لئے گویا راہ نکل آئی کہ چاہے تو سر سے پاؤں تک زرہ بکتر پہن کر میدان جنگ میں جائے[1]؛ پس یہ تبدیلی عین مساوات و جمہوریت پیدا کرنیوالی

---

[1] چنانچہ دھات کا چار آئینہ، زانوبند اور بازوبند استعمال کیا جاتا تھا۔ اور زمانہ شجاعت کی بر قطع ڈھال کی بجائے جو پہلے شانے پر لٹکائی جاتی تھی، اب ہاتھ کی گول سپر مروج ہوگئی تھی۔

تھی کیونکہ اُس نے اُمرا اور معمولی شہریوں کو میدان جنگ میں بالکل ہم رتبہ بنادیا تھا +

۳۔اسپارٹہ اور اس کے آئین و قوانین کا ارتقاء

جس وقت اسپارٹہ پوری طرح تاریخ کی روشنی میں آتا ہے تو اُس وقت ہم اُسے ایسے سخت قوانین کے ماتحت پاتے ہیں جن کی ہمہ گیری سے آدمی کی زندگی کا کوئی حصّہ بچا ہوا نہیں ہے اور جو پیدائش سے لیکر موت تک اس کے تمام افعال پر حاوی ہیں نیز یہ کہ ہر شئے پر فنِ جنگ مسلّط ہے اور حکومت کا اصلی مقصد یہ ہے کہ اپنی رعایا کو سرفروش اور جرّار سپاہی بنادے +

اسپارٹہ کی کُل آبادی ایک جنگی برادری بن گئی تھی اور وہاں کا ہر شہری خدمتِ قومی کے لئے وقف ہوتا تھا۔ اور اس غرض سے کہ یہ خدمت وہ خاطر خواہ انجام دے سکے، ضرورت تھی کہ وہ اپنی اور اہل و عیال کی معاش کی طرف سے بے فکر ہو۔ امرا کے پاس اپنی اپنی خاندانی جائدادیں ہوتی تھیں ۔ لیکن اسپارٹہ کی آبادی شاملات کی زمین پر قابض تھی جس کے بہت سے قطعات کردئے گئے تھے اور ہر شہری ایک قطعے کا مالک ہوتا جو باپ سے بیٹے کو ترکے میں پہنچ جاتا لیکن اس کی بیع یا تقسیم نہ ہوسکتی تھی اس طرح کسی شہری کے تنگدست ہونے کا کوئی احتمال نہ تھا کیونکہ وہ ایک قطعۂ زمین کا ضرور مالک ہوتا تھا۔ ملک کے اصلی باشندے جنھیں لکِدِمونی قوم نے بے دخل اور اپنی غلام رعیت بنادیا تھا،

اب ان فتحمند مالکوں کے لئے زمین کاشت کرتے تھے اور مالکِ زمین کا حق تھا کہ وہ اپنے کاشتکار سے ستر مدِیمنی[عله] گیہوں اپنے واسطے اور بارہ مدِیمنی اپنی بیوی کے واسطے، اور شراب و فواکہ کی ایک مقررہ مقدار سالانہ وصول کرلے۔ اِس کے سوا زمین میں جو کچھ پیداوار ہو وہ ہلوت (ہیلوٹ) یعنی بونے والی رعیت کا مال تھی۔ اگرچہ ہلوتوں سے قیدیوں کی طرح ہر وقت سر پر کھڑے رہ کر کام نہ لیا جاتا تھا۔ بلکہ انہیں ذاتی املاک پیدا کرلینے کی آزادی تھی بایں ہمہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی حالت بہت خراب تھی۔ کم سے کم وہ نہایت بیزار و تنگدل ضرور تھے اور موقع ملنے پر، بغاوت کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ لوگوں کو اس طرح رعیّت بنا کے رکھنے کا طریقہ اوّل ہی سے مخدوش تھا لیکن مسنیہ کی فتح کے بعد سے وہ اور بھی خطرناک بن گیا تھا اور اسپارٹہ کے لوگ جو برابر جنگی تیاریوں میں مصروف رہتے تھے اس کی بھی وجہ ایک حد تک انہی لوگوں کا خطرہ تھا جنھیں وہ مارِ آستین سمجھتے تھے۔ اسی خطرے کے تدارک کی غرض سے "کرپ تیہ" یا خفیہ پاسبانوں کی جماعت (اگرچہ اس کے قیام کا ٹھیک زمانہ معلوم نہیں) قایم کی گئی تھی۔ جس میں اسپارٹہ کے نوجوان شہری داخل ہوتے تھے اور انہیں یہ اختیار دے کر دیہات میں بھیجدیا جاتا تھا کہ جو، ہلوت انہیں مشتبہ معلوم ہو اُسے قتل کرڈالیں۔ اس تدبیر سے یہ نوجوان بغیر وسواس و بلا خوفِ گناہ مخدوش ہلوتوں کی جان لے سکتے تھے۔ لیکن ان ساری احتیاطوں کے باوجود

[عله]۔ ایک قدیم یونانی وزن جو ہمارے ایک من سے کچھ زیادہ ہوتا تھا۔ مترجم

وہاں بار بار خطرناک بلوے اور فساد ہوا کئے ۔

بہر حال حصولِ معاش کی ضرورت سے اس طرح بے فکر ہوکر اہل اسپارٹہ قوم یا سلطنت کی خدمت کے لئے وقف ہوگئے تھے اور سلطنت کا مقصد یہ تھا کہ لوگ فنِ جنگ میں مہارت تامّہ پیدا کریں۔ چنانچہ شہر اسپارٹہ ایک بہت بڑا جنگی مدرسہ تھا جس میں تعلیم، شادی، اور معاشرت کی تمام جزئیات کے ضابطے بندھے ہوے تھے تاکہ بہتر سے بہتر فوج تیار رکھی جائے۔ شہر کا ہر باشندہ سپاہی ہوتا تھا اور پیدائش کے وقت سے فوجی ضوابط کی پابندی شروع ہوجاتی تھی۔ جب بچّہ پیدا ہوتا تو پہلے بزرگانِ قبیلہ کے روبرو پیش کیا جاتا۔ اور اگر وہ اسے ناتندرست یا کمزور جانچتے تو اُسے کوہِ ٹے گتوس کی سنسان ڈھلانوں پر ڈالدیا جاتا تھا کہ ہلاک ہوجاے۔ سات برس کی عمر کو پہنچتے ہی ہر لڑکا ایک سرکاری افسر کی نگرانی میں دے دیا جاتا تھا اور اس کی تعلیم اوّل سے آخر تک صرف اس مقصد پر مبنی ہوتی تھی کہ وہ مشقّتیں جھیلنے کا عادی ہوجائے۔ اُسے نہایت سخت ضوابط کی پابندی سکھائی جاتی اور اس کے دل میں قوم کی محبت جاگزین کردی جاتی تھی۔ لڑکوں کو بیس برس کی عمر تک فوج کے نمونے پر ایک وسیع مدرسے میں قواعدِ جنگ بھی سکھائی جاتی تھی ۔

عمر کے بیس برس پورے کرنے کے بعد اسپارٹہ کا باشندہ فوج میں داخل ہوتا اور اُسے شادی کی اجازت دی جاتی تھی مگر ابھی تک وہ "گرہستی" نہیں ہوسکتا تھا بلکہ اُسے اپنے

ساتھیوں میں ملکر "بارکوں" میں رہنا پڑتا تھا اور اپنی بیوی کے پاس وہ صرف چوری چھپے آسکتا تھا۔ البتہ تیس برس کی عمر میں اپنی تعلیم پوری کرنے کے بعد وہ پورا "آدمی" بن جاتا اور تمام حقوقِ شہری حاصل کرلیتا تھا۔ ایسے شہری اسپارٹہ میں "ہموئیوئی" یعنی برابر والے، کہلاتے تھے۔ اور ہیاکن توس بازار میں ملکر رہتے اور خیموں میں کھانا کھاتے تھے۔ خیمے کے ہر شریک کو اپنے قطعۂ زمین کی پیداوار سے جَو پنیر، شراب اور انجیر کی ایک مقررہ مقدار ہر مہینے لانی پڑتی تھی۔ اور ہر خیمے کے ہانڈی وال یعنی شرکاے طعام کا میدانِ جنگ میں مشترکہ خیمہ ہوتا تھا۔ بادشاہ کی فوجِ خاصہ کے لئے اسپارٹی نوجوانوں میں سے تین سو " شہ سوار" چن لئے جاتے تھے۔ گو اوّل اوّل جیسا کہ اُن کے نام سے ظاہر ہے، وہ گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے مگر بعد میں وہ بھی پیادہ لڑنے لگے تھے؛ اور نیم مسلّح پیدل فوج کی بھرتی پری اُئیکی اور ہلوتوں سے کی جاتی تھی ؛

غرض اسپارٹہ کی بستی ایک فوجی چھاونی تھی جس میں ہر شخص کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ پوری مہارت وطاقت کے ساتھ ہر ساعت اپنے شہر کے لئے لڑنے پر تیار رہے۔ تمام توانین کی غایت، اور معاشرت کے سارے نظام کا اصلی مدّعا یہی تھا کہ اچھے سپاہی بنائے جائیں۔ اسی لئے گھر میں عیش کرنے کی وہاں سخت ممانعت تھی اور اسپارٹہ کی سادگی ضرب المثل ہوگئی تھی۔ ہر فرد کا وجود، قوم کے وجود میں جذب

ہوگیا تھا کسی کی ذاتی یا انفرادی زندگی نہ تھی۔ بلکہ کسی کو ایسے ذاتی جھگڑوں کے سمجھنے سلجھانے کی ضرورت ہی نہ تھی جو آدمی کے دم کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اہل غور و فکر یا قیاس دوڑانے والوں کا اسپارٹہ میں کچھ کام نہ تھا وہاں آدمی کا فرضِ واحد اور زندگی کا سب سے بڑا نصب العین یہی تھا کہ قوانینِ شہر کے مطابق عمل کیا جائے ؛

ان شدید قیود کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جائے لوگوں کی اِس قانون پرستی میں فرق آئے اور بعض اشد ضوابط کی پابندی نہ کرنے پر باہم چشم پوشی سے کام لیا جانے لگے اور وہ رفتہ رفتہ متروک ہوجائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت پہلے سے جائز ہوگیا تھا کہ اپنے اصلی قطعۂ زمین کے علاوہ اگر کوئی شہری چاہے تو اور زمین بھی حاصل کرلے۔ اور چونکہ ایسی زمین مقررہ قطعات کی مثل نا قابلِ انتقال نہ ہوتی تھی بلکہ اُس کی بیع و تقسیم جائز تھی، لہٰذا اُن میں مساواتِ دولت کا ہمیشہ قائم رہنا محال تھا۔ چنانچہ وہ "مساواتِ برادرانہ" (کمیونزم) جس کا ہمنے اُوپر ذکر کیا، حقیقت میں سطحی چیز تھی۔ اس میں شک نہیں کہ سونے چاندی کی صورت میں مال کا جمع کرنا اہل اسپارٹہ کے لئے قانوناً اور بہ تاکید ممنوع قرار دیا گیا تھا لیکن اس کے مواخذے سے بچنے کی بھی لوگ اوّل اوّل یہ تدبیر کرتے کہ وطن سے باہر اپنا روپیہ مندروں میں امانت رکھوادیتے تھے۔ اور ہوتے ہوتے آخر میں یہ قانون محض "در کتاب" رہ گیا تھا۔ حتیٰ کہ اسپارٹہ کے

لوگ حرص و طمع کے معاملے میں سارے یونان میں انگشت نما ہو گئے تھے ؛

اس میں کچھ کلام نہیں کہ اسپارٹہ کا یہ نظامِ تربیت درجہ بدرجہ پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔ لیکن اس کی پوری بناوٹ میں ایسا لطیف تناسب اور موزونیت پائی جاتی ہے کہ اگر کوئی اُسے شخصِ واحد کا نتیجۂ فکر سمجھے تو کچھ تعجب نہیں۔ چنانچہ تھوڑے دن پہلے تک ایسا ہی سمجھا جاتا تھا، بلکہ بعض کا تو اب بھی یہی عقیدہ ہے۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ اسپارٹہ کے تمام سرشتے اور قوانین نویں صدی (ق م) کے آغاز میں لکرگس نامی ایک شخص نے بنائے اور جاری کئے تھے ؛ لیکن اس نام کے کسی مقنّن کا وجود ملنے کے لئے جو دلیلیں دی گئی ہیں۔ وہ بہت ضعیف ہیں۔ ہیرودوٹس کا بیان ہے کہ اسپارٹہ والے لکرگس کو اپنے ایک قدیم بادشاہ کا اتالیق یا ولی بتاتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ اُس نے یہ قوانین کریت سے لاکر اسپارٹہ میں جاری کئے؛ لیکن اس مورّخ کے معاصرین کے (جنھوں نے لکرگس کا ذکر ہی چھوڑ دیا ہے) متضاد بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا قول بھی منجملہ اور قیاسات کے، ایک قیاسی بات تھی اور اسے مسلّمہ روایت کا درجہ کبھی حاصل نہ ہوا تھا ؛

یہ قیاس قدرتی طور پر یوں پیدا ہُوا کہ جزیرۂ کریت میں جو بُعدِ ارضی کی بدولت تاریخِ یونان کے سلسلۂ واقعات سے دُور ہٹا ہوا تھا ڈورئین نسل کے لوگ آباد تھے اور اُن میں بھی

بہت کچھ اسی قسم کے قوانین و نظام معاشرت کا رواج تھا۔ یعنی اُن کی آبادی میں بھی ایک گروہ سپاہیوں کا تھا اور ایک رعیت یا نیم غلام کسانوں کا۔ اسپارٹہ کے افوروں کی مثل وہاں دس عمّال (کوس مو ی) کی جماعت ہر سال منتخب ہوتی تھی اور گروسیہ کی طرح ایک مجلسِ بزرگان بھی موجود تھی۔ لیکن یہاں بادشاہ کوئی نہ تھا اور ارکانِ مجلس یا عمّال صرف خاندانی اُمرا ہوسکتے تھے۔ مگر اسپارٹہ سے بڑی مماثلت، لڑکوں کی فوجی تربیت کے معاملے میں پائی جاتی ہے کہ یہاں بھی اُس کی یہی غایت مدّنظر رکھی گئی تھی کہ یہ نوجوان اچھے سپاہی بن کر نکلیں۔ اسی غرض سے انہیں فوجی چھاونی میں رکھکر یکساں قسم کی معاشرت کا جبراً عادی بنایا جاتا تھا اور اسپارٹہ کی طرح شدید سرکاری ضوابط کی پابندی کرائی جاتی تھی۔ بلکہ تقسیم املاک میں جس قدر کامل مساوات کریت میں تھی اس کے برابر اسپارٹہ میں نہ تھی ؛

۴۔ آرگوس کا عروج و زوال؛ اولمپیہ کا میلا

ساتویں صدی (ق م) میں آرگوس جزیرہ نمائے پلوپی سس کی سر برآوردہ ریاست تھا۔ لیکن ادھر اسپارٹہ کے ہاتھوں رفتہ رفتہ مِسنیہ کی قوت ٹوٹی اور اُدھر آرگوس کی قوّت میں زوال آیا۔ چنانچہ تسخیرِ مسنیہ کے پچاس سال بعد وہ پست ہوکر ایک ادنیٰ درجے کی طاقت رہ گیا تھا اور اگرچہ اپنی آزادی قایم رکھنے کی اس میں قوّت موجود رہی اور اسپارٹہ کے پہلو میں وہ ہمیشہ کانٹے کی طرح

چبھتا رہا، لیکن اسے امتیاز و فوقیت کبھی نصیب نہ ہوئی۔ اس فوقیت کے لئے جو جدو جہد ان ریاستوں میں ہوتی رہی اس کے مدارج فتح و شکست کا حال مشہور اولمپی تہوار کی صدارت کے ردّو بدل سے ظاہر ہوتا ہے +

الفیوس ندی کے کنارے ریاست **پیزا** واقع تھی اس نے مسّنیہ کی بغاوت میں اعانت کی اور اسپارٹہ کی دشمن ہوگئی تھی اس ریاست کے علاقے میں، کوہِ **کرونوس** کے درختوں کے نیچے اور اُس زاوئے میں جو رودِ کلادیوس کے الفیوس میں آملنے سے بن گیا ہے اولمپیہ کا "آلتیس" یعنی واجب الاحترام کُنج واقع تھا۔ یہاں زئیس دیوتا کے نام پر ہر چوتھے سال، گرمی کے دوسرے مہینے اور پورے چاند کے زمانے میں ایک مذہبی میلا ہوتا تھا جس میں مردانہ کرتب اور کھیل دکھائے جاتے تھے اور یہ اس میلے کی بڑی خصوصیت تھی۔ مگر اوّل اوّل صرف پیدلوں کی دوڑ، مکّہ بازی اور کُشتی ہوا کرتی تھی، رتھ کی دوڑ اور گھڑ دوڑ بعد میں اضافہ ہوئیں؛ اس قسم کے کرتب اور مقابلے یونان میں قدیم سے مروّج تھے اور ایلیڈ میں پاتروکلوس کی موت پر جو کھیلوں کا حال بیان کیا گیا ہے، اس سے ہمارا یہ اخذ کرنا جائز ہوگا کہ اس قسم کی ورزشیں نویں صدی (ق م) میں بھی آیونیائی معاشرت کا جزو تھیں؛ بہر حال، اولمپیہ کے معبد پر، جو یقیناً پہلے پیزا کے علاقے میں داخل ہوگا، اُس کے شمالی ہمسائے، الیس نے متصرّف ہونا چاہا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

اسپارٹہ کی تائید پاکر، تہوار کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا؛
لیکن ساتویں صدی کے وسط میں فیڈن شاہِ ارگوس فوج لیکر
جانب مغرب چلا اور اولمپیہ پہنچ کر اُس نے مذکورہ بالا انتظام
الیس والوں سے لیکر دوبارہ اہل پیزا کے حوالے کردیا۔ واضح
ہو کہ فیڈن آخری بادشاہ ہے جس کے زمانے میں ریاست ارگوس
پلوپنی سس کے معاملات میں نمایاں حصّہ لیتی رہی۔ اس موقع پر
یہی بادشاہ یہاں کے کھیلوں میں صدر نشین بنا۔ بلکہ تاریخ میں
ان کھیلوں کا ذکر ہی پہلی مرتبہ اس واقعے کے ساتھ آیا ہے۔
مگر اس کے بعد جب اسپارٹہ نے مسنیہ کو فتح کرلیا تو کچھ عرصے
میں اس کے اقتدار و اثر سے پھر وہ انتظام اہل الیس کے
پاس آگیا۔ (۵۷۲ ق م)

افسانوں میں، ان کھیلوں کی ابتدا، پلوپون یا ہرکلیس سے
منسوب کی جاتی تھی۔ اور جب الیس والوں نے ان کی صدارت
دوبارہ غصب کی تو رفتہ رفتہ یہ کہانی بن گئی کہ لکرگس اسپارٹی
اور ایفی توس باشندۂ الیس نے ۷۷۶ ق م میں ان کھیلوں کو دوبارہ
رواج دیا۔ اور یہی سن اولمپی تہوار کا پہلا سال شمار کیا جاتا
تھا، اور اہل الیس کہتے تھے کہ اُس وقت سے فیڈن کے آنے
تک پہلے بھی ان کھیلوں کی صدارت ہم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ
ان کا یہی قول عام طور پر لوگ باور کرنے لگے۔

مگر چھٹی صدی کے شروع ہوتے ہوتے، اس تہوار نے جو
قبولِ عام پایا وہ صرف پلوپنی سس کی حدوں میں محدود نہ رہا

بلکہ جہاں کہیں یونانی زبان بولی جاتی تھی وہاں وہاں عالم یونانی کے ہر گوشے سے لوگ اس میں کھنچنے لگے اور ہر چوتھے سال تہوار کا موسم آتے ہی الفیوس کے کناروں پر پہلوانوں اور شہسواروں اور عام تماشائیوں کا انبوہِ کثیر جمع ہونے لگا۔ تہوار کا زمانہ بھی محترم سمجھا جانے لگا جس میں جنگ و قتال حرام تھے اور الیس والے دعویٰ کرتے تھے کہ اس زمانہ میں ان کا سارا علاقہ پاک اور واجب الاحترام ہوجاتا ہے۔ بازیوں میں جیتنے والے کو جنگلی زیتون کا ایک ٹکٹ (یا تاج) انعام میں ملتا تھا لیکن جب وہ فاتحانہ شان سے اپنے وطن میں پہنچکر اس تاج کو شہر کے بڑے مندر میں نذر کرتا تو وہاں اُس کو بہت سے تحائف و ہدایا ملجاتے تھے۔ بہر حال، اولمپیہ کے میلے نے ایک مرکزی صورت اختیار کرلی تھی جہاں ہر گوشے کے یونانی جمع ہوتے اور باہم تبادلۂ خیالات و مشاہدات کرتے تھے۔ بس یہ بھی انہی شعایرِ قومی میں داخل ہوگیا تھا جن کے ذریعے نسلِ یونانی کے منتشر افراد میں احساسِ ملی تازہ اور نمایاں ہوتا تھا۔ اس کے سوا جیسا کہ آگے آئیگا، یہ میلا ایک نمونہ بن گیا تھا اور اسی کے مطابق اور بھی میلے قومی اتحاد کے خیالات کو ترقی دینے کی غرض سے بعد میں قایم ہوئے۔

۵۔ جمہوری تحریک مقننین اور جابرین

یہ ظاہر ہے کہ جب تک وہ قوانین، جن کے مطابق کوئی

قاضی یا منصف فیصلہ کرتا ہے، ہر شخص کی دسترس میں نہ ہوں
اس وقت تک اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہوسکتی کہ سب
کے ساتھ مساوی عدل ہوگا۔ پس قدرتی طور پر، یونانی
ریاستوں میں جمہور نے سب سے پہلے اپنے امیر حکّام سے
بہ اصرار یہ مطالبہ کیا کہ قوانین کو قلمبند کرادیا جائے۔ یاد رکھنا
چاہئیے کہ قدیم زمانے میں ایسے افعال جن سے کسی فرد کو نقصان
پہنچے مگر جن کا دین یا سلطنت سے تعلق نہ ہو، خاندانوں کے
مواخذے سے باہر تھے اور اس کی تلافی خود افراد پر چھوڑ دی
گئی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں اس کا فیصلہ کرلیں۔ سلطنت اس
میں کوئی دخل نہ دیتی تھی۔ حتیٰ کہ خون کے معاملات میں بھی قاتل
سے انتقام لینا، مقتول کے صرف اعزا کا فرض تھا۔ لیکن بعد
میں تمدّن کی ترقیوں کے ساتھ دادرسی بھی ایک حد تک
سلطنت کے فرائض میں داخل ہوگئی اور ضرر رسیدہ اس بات
پر مجبور ہوگیا کہ مجرم کو خود سزا دینے سے پہلے اپنا معاملہ عدالت
میں پیش کرے جہاں سزا تجویز کی جاتی تھی۔ بایں ہمہ، قتلِ انسان
کے سوا سرکار کسی معاملے میں خود دست اندازی نہ کرتی تھی اور
جب تک شخصِ ضرر رسیدہ استغاثہ نہ کرے عدالت میں کوئی
مجرم تحقیقات کے لئے پیش نہ ہوسکتا تھا۔ البتہ خونی کی نسبت
یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ نہ صرف خود نجس ہے بلکہ اس نے قوم
کے دیوتاؤں کو بھی ناپاک کردیا۔ پس قتلِ انسان کی ہر صورت
دینی جرائم کی ذیل میں داخل کرلی گئی تھی ؞

لیکن قوانین کو قلمبند کرنے اور رواجوں کو قانونی صورت میں لانے کا جب کام شروع ہوا تو غالباً اسی کے ضمن میں اُنکی اصلاح بھی ہوتی گئی اور اس طرح ساتویں صدی کے بڑے بڑے جامعانِ قوانین ایک لحاظ سے واضعانِ قوانین بھی تھے۔ ان میں سب سے زیادہ جن کی شہرت ہوئی وہ شہر ایتھنز کے دریکو اور سولن دانا، ہیں۔

کئی جگہ وضعِ قوانین کے ساتھ ساتھ جمہور کو سیاسی مراعات دی گئی تھیں۔ اور نظامِ حکومت کی ترمیم بھی مقنّن کے فرائض میں داخل تھی۔ لیکن اکثر شہروں میں قوانین کا تحریر میں آجانا ایک طویل سیاسی جد و جہد کی پہلی منزل تھی۔ اور جمہوری حکومت کے واسطے ہاتھ پاؤں مارنے پر جس شے نے عوام کو مہمیز کیا وہ معاشی تکالیف تھیں۔ بعض بعض صورتوں میں اس جد و جہد کا انجام یہ ہوا کہ جمہوری حکومت قایم ہوگئی؛ لیکن کامیابی نے بیشتر اُمرا کا ساتھ دیا اور حکومتِ خواص (اولی گارکی) اپنے لوگوں کو دبالیا اور بحالِ خود قایم رہی۔ بایں ہمہ شاید سب سے زیادہ مقامات ایسے تھے جہاں اس کشمکش کا نتیجہ ایک دایمی تلاطم کی شکل میں رونما ہوا کہ کبھی خواص برسرِ اقتدار ہوجاتے اور کبھی جمہور۔ گویا انقلاب پیہم کا ایک سلسلہ تھا جن میں اکثر کشت وخون تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ لیکن گو جمہوریت ہر جگہ فتحمند نہ ہوسکی اور گو جہاں وہ نہایت مضبوطی سے قایم ہوئی وہاں بھی اُمرا کی سازشوں سے محفوظ و بےخوف نہ تھی۔ تاہم دیکھنے

کی بات یہ ہے کہ ہر جگہ لوگوں کو اس کی خواہش و تمنّا تھی۔ اور یہ کہنا کچھ بیجا نہیں ہے کہ یونان کے بہت سے شہر ایسے تھے جن کی تاریخ کا ساتویں صدی (ق م) کے بعد سے نہایت نمایان واقعہ یہی جہد وسعی ہے کہ وطن میں جمہوری حکومت قایم کی جائے ؛

ان مساعی میں عام طور پر، یا کم سے کم بارہا، یہ ہُوا کہ خود دشمن کے گروہ میں جمہوریت کے مددگار پیدا ہوگئے۔ یعنی دِل برداشتہ اُمرا اپنے گروہ سے نِکل نِکل کے ادھر آملے کہ دل برداشتہ عوام کی رہبری کریں۔ لیکن جب حکومتِ شرفا کا تختہ اُلٹتا تھا تو انقلاب کے بعد عام طور پر وہاں کچھ عرصے کے واسطے پھر شخصی بادشاہت عود کر آتی تھی کیونکہ عوام الناس ابھی تک عنانِ حکومت اپنے آپ سنبھالنے کے قابل نہ ہوے تھے اور اس لئے خوشی سے یہ منصب اسی شخص کے حوالے کردیتے تھے جس نے ظالم اُمرا کی حکومت کو تہ و بالا کرنے میں ان کی دستگیری کی ہوۓ۔ اس طرح ایک نئی قسم کی بادشاہی کا آغاز ہوتا جو حقوقِ وراثت کی بجاے زور و قوّت پر مبنی ہوتی تھی ایسے بلا حق بادشاہ بن بیٹھنے والوں میں اور موروثی بادشاہوں میں فرق کیا جاتا تھا اور بادشاہی کی اس نئی صورت کا نام حکومتِ جابرہ ہوگیا تھا۔ واضح رہے کہ خود اس لفظ سے یہ مفہوم نہ لیا جاتا تھا کہ بادشاہ ظالم یا بد ہے۔ اور کسی اچھے بادشاہ کو بھی جابر کہنے میں کوئی تناقض نہ تھا۔ بلکہ بہت سے

جابر واقع میں نیک دِل تھے۔ لیکن چونکہ ایسے بادشاہوں کو حقوقِ وراثت کا سہارا حاصل نہ ہوتا تھا اور ان کی بادشاہی کا دارو مدار محض مسلّح افواج پر ہوتا تھا اس لئے وہ سب سے الگ رہتے تھے اور یہی علٰحدگی اکثر انہیں ایسا شکّی اور ظالم بنادیتی تھی کہ "ٹایرنٹ" (یعنی جابر) کی اصطلاح میں وہ بُرے معنی پیدا ہو گئے جن میں کہ یہ لفظ اب یورپ کی جدید زبانوں میں بولا جانے لگا ہے۔ حالانکہ خود یونانی، حکومت جابرہ سے نفرت کرتے تھے تو اس کی بڑی وجہ جابروں کا آزار رساں ہونا نہ تھی بلکہ اصل یہ ہے کہ حرّیت کے دلدادہ یونانی، خود شخصی حکومت یا مطلق العنانی سے بالطبع بیزار تھے ؏

جس زمانے میں شرفا کی حکومتوں کا خاتمہ ہوا ہے اُسے اکثر **جابروں کا زمانہ** کہدیتے ہیں کیونکہ اس قسم کی شخصی حکومت سب سے پہلے اسی زمانے میں وجود میں آئی۔ اور قریب قریب ایک ہی زمانہ تھا جب کہ یونان کے مختلف حصوں میں جابروں کا ظہور ہوا۔ پھر یہ کہ بِلا استثنٰی ان سب نے حکومتِ شرفا کو تہ و بالا کرنے کا کام انجام دیا اور متعدّد مقامات پر جمہوریت کا راستہ تیار کیا؛ پس اس زمانے کو جابروں سے منسوب کرنا بے جا نہیں ہے۔ اگرچہ اس کے بعد بھی تاریخِ یونان کے ہر زمانے میں کہیں نہ کہیں ایسے شاہانِ جابر ضرور ظہور کرتے رہے کیونکہ شخصیت کی ہوس ہمیشہ یونان میں موجود رہی۔ اور یہ چیز اور نیز اُمرا یا خواص، وہ بلائیں ہیں جن سے اُن کی جمہوری

حکومتوں کو ہر زمانے میں خطرہ لگا رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت جابرہ کا اصلی وطن آیونیہ تھا اور ممکن ہے کہ لدیہ کے مطلق العنان بادشاہوں کی شان و شوکت دیکھکر ہی وہاں کے بعض باشندوں میں شخصی حکومت کی ہوس پیدا ہوئی ہو۔ بہر حال ان میں سب سے مشہور آیونیانی جابر تھراسی بلوس مِلطی گزرا ہے جس کے عہد حکومت میں شہر ملِط کو وہ نمایاں رتبہ ملا جو اور کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔ (قیاساً ۶۱۰ء ق م) جزیرہ لس بوس کے شہر متی لنہ میں حکومت جابرہ کے ساتھ ہم ایک صورت اس سے محفوظ رہنے کی بھی مطالعہ کرتے ہیں۔ جابروں کی حالت یہ تھی کہ پے در پے خروج کرتے اور پھر نابود ہوجاتے تھے شاعر الکایوس کی بچی کھچی غزلوں میں آج بھی اُن جذباتِ نفرت و مسرت کی گونج باقی ہے جو کسی جابر کی فتح اور شکست پر دل میں موجزن ہوتے ہیں مثلاً لکھتا ہے کہ "آ۔ آج اتنی پئیں کہ لڑکھڑا جائیں کیونکہ مرسی لوس مرگیا!" الکایوس خود جنگ آزما اور ایک خاندانی امیر تھا مگر ددانیال کے ساحل پر اہل ایتھنز سے جب جنگ ہوئی تو ارکی لوکوس کی طرح وہ بھی اپنی ڈھال چھوڑکر بھاگا، جو فتح پانے والوں کے ہاتھ آئی اور بطور یادگار قلعہ سی گیوم میں لٹکادی گئی تھی۔ مگر جنگ میں پتاکوس نے بڑی مردانگی دکھائی اور وہی اپنے وطن کا مشکلکشا ثابت ہوا۔ یعنی جب لوگوں میں اس کا اعتبار بڑھا تو دس سال کے واسطے وہ حاکمِ شہر منتخب کیا گیا کہ شہر میں جو خرابیاں تھیں اُن کا دفعیہ کرے۔

ایسے حاکم کو جو ایک معیّن وقت کے واسطے اختیاراتِ کُلّی رکھتا ہو "ازیم نیتس" کہتے تھے۔ **پتاکوس** کو جب یہ منصب ملا تو اس نے نہایت اعتدال اور قوّت کے ساتھ حکومت کی اور نیز ایک دُور اندیش واضعِ قوانین کی شہرت پائی۔ جن اُمرا نے اس کی مخالفت کی انہیں اس نے جلا وطن کردیا اور اُنہی میں **لس بوس** کے دو نہایت مشہور باشندے یعنی **الکایوس** اور **سافو** نامی شاعرہ بھی تھے۔ پھر دس سال پورے ہونے کے بعد وہ اپنے عہدے سے دست بردار ہوگیا اور اپنی وفات کے بعد یونان کے "عقلائے سبعہ" میں شمار کیا جانے لگا۔

۶- وسطی یونان کی جابر حکومتیں

اس قسم کی تین حکومتیں، خاکنائے کورنتھ کی حوالی یعنی ریاست کورنتھ سکیان اور مگارا میں، ساتویں صدی کے تقریباً وسط میں قایم ہوئیں۔ ہر مقام پر جداگانہ اسباب سے یہ نوبت پہنچی تھی اس لئے تینوں جگہ کے حالات کا مطالعہ فایدے سے خالی نہیں۔ سکیان کی حکومت نہایت پُرتحمّل و فیّاض تھی کورنتھ کی پُرتجمّل و آزار دہ۔ مگارا کی عارضی اور چند روزہ جس کے جلو میں خانہ جنگیوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔

پہلے اُمرا کا خاندانِ باکیوس کورنتھ میں حکومت کرتا تھا (۶۵۵ ق م) جبکہ **کپ سلوس** نے عوام کا رہ نما بن کر درہم برہم کردیا۔ باکیوسی اُمرا شہر سے نکال دیئے گئے۔ ان کی

املاک ضبط کر لی گئیں۔ خطرناک اشخاص بھی قتل کر دیئے گئے اور اب کپ سلوس نے عنانِ حکومت خود اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے عہدِ حکومت کا حال بہت کم معلوم ہے۔ قدیم تحریروں میں کہیں تو اُسے سخت بتایا گیا ہے اور کہیں نرم البتہ اُس کے بیٹے پریان ڈر (پیری انڈر) کی نسبت کچھ زیادہ حالات موجود ہیں۔ مگر اس کپ سلوسی خاندان کے عہدِ جابری کی ایک عام خصوصیت یہ تھی کہ یہ بادشاہ بیرونی تجارت اور نوآبادیوں کے بڑے حامی اور صنعت و فن کے قدردان تھے۔

کپ سلوس کی غالباً ایک پہلی کامیابی یہ تھی کہ اُس نے کرکایرا کو مطیع کیا۔ یہ جزیرہ کورنتھ کی نوآبادی تھا مگر اب اپنا بیڑا الگ بناکر، اُدھر کے سمندروں میں اپنے مادری شہر کا ہم چشم و حریف ہوتا جاتا تھا۔ پہلے ذکر آچکا ہے کہ دو یونانی ریاستوں کے مابین جہازوں کی پہلی لڑائی اسی جنگ کو مانا جاتا تھا جو کرکایرا اور کورنتھ میں ہوئی اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت شہر کورنتھ اپنی نوآبادیوں کو محکوم بنا کے رکھنا چاہتا تھا۔ گویا اس بارے میں کپ سلوس کے خیالات ہمارے جدید آئین سے مطابقت رکھتے تھے اور قدیم یونانیوں کی طرح اپنی نوآبادی کو آزاد و خود مختار چھوڑ دینے کی بجائے وہ یہ چاہتا تھا کہ نوآبادیوں کا اپنے مادری شہر سے محکومانہ تعلق قایم رہے۔ اُس کا یہ نیا اُصول محض بُعدِ مسافت کی وجہ سے شہر سیراکیوز پر نہ چل سکتا تھا پھر بھی کرکایرا پر فتحیابی کا فوری

نتیجہ یہ ہوا کہ یونان کے شمال مغربی علاقوں میں کورنتھ کا اثر بڑھ گیا اور لیوکاس پر قبضہ ہوگیا جس کی تنگ خاکنائے کو کاٹ کر انہوں نے اُسے جزیرہ بنالیا۔خلیج امبراکیہ کے جنوبی اور شمالی پہلو پر بھی اُن کی دو نوآبادیاں، اناک تریُن اور امبراکیہ آباد ہوگئیں اور اپیرس کے ساحل پر اپالونیہ۔ اوپر شمال میں کرکایرا والوں نے کورنتھ کی زیر سرپرستی اپی دامنوس کی بستی بسائی اور دنیائے یونان کے دوسرے حصے میں شاہ پریان ڈر کے بڑے بیٹے نے جزیرہ نمائے کالسی ڈیس پر شہر پتی دیہ آباد کیا؛ شہر کی تجارتی ترقی میں بھی کپ سلوس اور پریان ڈر نے کوشش کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا۔ ساتویں صدی کے وسط میں تمام یونانی ریاستوں میں ارتریہ اور چالکیس سب سے مشہور تجارتی شہر تھے۔ پچاس ہی سال کے بعد ہم انہیں رُوبہ زوال اور کورنتھ و اجی نا کو ان کی جگہ پیش پیش ہوتا، دیکھتے ہیں۔ مگر ان کے زوال کی وجہ خود ان کی باہمی رقابت تھی جو ایک طویل و برباد کُن جنگ کی صورت میں رُونما ہوئی +

وہ شاہانِ جابر جو پریانِ ڈر کی مثل نہایت اقبال مند بادشاہ مانے جاتے ہیں اگر ایک طرف رفاہِ عام کے لئے کوشاں ہوتے تھے تو اسی کے ساتھ اکثر ذہنی اور دماغی مشاغل سے بھی اپنی دلچسپی ظاہر کرتے اور صناعت و فنون کی ترقی میں بھی کچھ نہ کچھ حصّہ لیتے تھے؛ چنانچہ کورنتھ میں "دِتی رام بوس" نام نظم کے نشوونما پانے کا یہی زمانہ ہے۔ یعنی وہ بے ہنگم راگ جو

انگور کی فصل کے تہواروں میں ڈایونی سیئس دیوتا کی تعریف میں گائے جاتے تھے، اب ایک موزوں صورت میں جوڑے جانے لگے۔ یہ ایجاد آرین مطرب سے منسوب کی جاتی تھی جس کی نسبت یہ افسانہ مشہور تھا کہ اُسے ملّاحوں نے لوٹ لیا اور اس قدر مجبور کیا کہ وہ سمندر میں کود پڑا تھا اور پھر "ڈلفن" مچھلی کی پشت پر سوار ہوکر کورنتھ پہنچا تھا اور یہ مچھلی ڈایونی سیس دیوتا کی خاص بہیر ہے۔

فن عمارت بھی اہل کورنتھ کی ہنرمندی نے، خاص کر مندروں کی تعمیر میں ایک مفید اضافہ کیا تھا۔ ساتویں صدی (ق م) میں اینٹ اور لکڑی کی بجائے پرانے مندروں میں لوگ پتھر لگاتے تھے اور دنیائے یونان کے ہر گوشے میں اس قسم کی متعدد سنگین عمارتیں تیار ہوگئی تھیں۔ ان میں کسی قدر نازک وضع "آیونیانی" تھی جس کا آیونیہ میں رواج تھا اور ذرا بھدی "ڈوریانی" کہلاتی تھی جو قدیم یونان میں عام تھی۔ اب کورنتھی کاریگروں نے کھپریل (کویلو) ایجاد کی جس میں ڈھلان رکھا جاسکتا تھا اور ہر مندر کے سامنے، دیواروں سے چھت کے بالائی حصّے تک جو سموسہ چھُٹ جاتا تھا اس میں پتھر لگاکر سنگتراش اپنا ہنر دکھا سکتا تھا پس یہ سموسہ بھی جسے یونانی "ایروس" یعنی عقاب کہتے تھے، کورنتھ ہی کی ایجاد مانا جاتا تھا۔

پریان ڈر کی وفات کے بعد (قیاساً ۵۸۶ سنہ ق م) اُس کا بھتیجا بسامتی کوس جانشین ہوا مگر چند ہی سال کی بادشاہی

کے بعد قتل کردیا گیا۔ اسی کے ساتھ خاندان کپ سلوس کی حکومت جابرہ کا بھی خاتمہ ہوا اور کورنتھ میں سوداگروں کی حکومتِ خواص استحکام کے ساتھ قایم ہوگئی۔ اسی زمانے میں وہ تسلط بھی جو خاندان کپ سلوس نے نوآبادیوں پر حاصل کرلیا تھا، برقرار نہ رہ سکا کیونکہ کرکایرا خود مختار اور کورنتھ کا دشمن بن گیا اور امبراکیہ والوں نے اپنے ہاں جمہوری حکومت قایم کرلی۔ البتہ اپنی دوسری نوآبادیوں پر کورنتھ کا اثر اور ان سے دوستانہ تعلقات ابھی تک باقی تھے ؞

جس زمانے میں کپ سلوس کی حکومتِ جابرہ کا آغاز ہوا ہے، اس کے تھوڑے عرصے بعد اسی قسم کا انقلاب مگارا میں بھی واقع ہوا تھا اور ان دونوں شہروں میں دوستانہ مراسم پیدا ہوگئے تھے؛ واضح ہو کہ مگارا میں جہاں کی پارچہ بافی مشہور تھی، تجارت کے فروغ نے اُمرا کو مالا مال کردیا تھا۔ ریاست کا نظم و نسق سب انہی کے اختیار میں تھا اور کسانوں سے وہ بڑی فرعونیت اور ظلم و ستم کے ساتھ پیش آتے تھے۔ انہی مظلوموں کی دستگیری کے لئے تھیاجنیس اُٹھا اور خود بادشاہ بن گیا (قیاساً ۶۴۰ سنہ ق م) پہلے اُس نے ایک فوجی دستہ رکھنے کی اجازت لی تھی اور پھر اچانک اُمرا پر حملہ کرکے انہیں قتل کرادیا تھا۔ اس شخص کے عہد حکومت کی ایک یادگار، پختہ تالاب کی تعمیر تھی۔ مگر وہ اپنی جگہ پر قایم نہ رہ سکا اور اس کے ہٹتے ہی عوام اور شرفا میں، جو تھیاجنیس کی جگہ دوبارہ

ریاست پر قابض ہوگئے تھے ، ایک سیاسی کشمکش شروع ہوئی۔ مجبور کر کر کے لوگوں نے حکومت سے مراعات حاصل کیں اور سرمایہ داروں سے زبردستی وہ سود کی رقوم واپس دلوائیں جو انھوں نے قرض داروں کا گلا گھونٹ گھونٹ کے وصول کی تھیں ۔ ساتھ ہی کاشتکاروں کو مجلسِ عوام میں شرکت کا حق اور دیہاتیوں کو بھی برابر کے ملکی حقوق حاصل ہوگئے حالانکہ اب تک وہ ان سے بالکل محروم تھے ۔ یہ کشاکش اور تمدنی تبدیلیاں تھیوگ نیس کے اشعار میں صاف جھلکتی ہیں جو ان پر غور و خوض اور پھر افسوس کرتا ہے ۔ وہ خود اپنے طبقۂ شرفا کی نا عاقبت اندیشی اور طامعانہ طرز عمل کی سخت نکتہ چینی کرتا ہے اور اسے نظر آتا ہے کہ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ غالباً پھر حکومتِ جابرہ قایم ہو جائیگی ۔ بایں ہمہ خود اس کا میلان خاطر حکومت شرفا کی طرف ہے اور جمہوری خیالات کی روز افزون اشاعت دیکھ دیکھکر وہ نہایت ہراساں ہے ۔ ایک جگہ وہ بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ :-

اشعار " دیواریں نہیں بدلیں ۔ مگر لوگوں کی قلب ماہیت ہوگئی ! وہ نیچ جو کل تک قانون سے واقف تھا نہ حق سے اور جو بکری کی کھال اوڑھے ہرن کی طرح رہتا سہتا تھا آج شریف بن گیا ہے ۔ اور حیف صد حیف کہ خود شریف سب کی نظروں میں نیچ ہو گئے ! "

تجارت پیشہ اہل کورنتھ میں حکومتِ جابرہ قایم ہوئی تو بظاہر اس کے بالکل قریب زمانے میں سکیان کے مزارعین میں بھی اسی قسم کا انقلابِ حکومت واقع ہوا ۔ یہاں کے جابروں میں سب

سے پہلا شخص جس کے تاریخی حالات ہم تک پہنچے ہیں کلیس تنیس ہے۔ وہ چھٹی صدی کے آخری ربع میں حکمران اور اہل آرگوس سے برسر جنگ تھا جو سکیان کو اپنا باج گزار بتاتے تھے؛ اسی دشمنی میں اُس نے حکم دیدیا تھا کہ شہر میں کوئی بھاٹ ہومر کی نظمیں بھی نہ پڑھے کیونکہ ان میں آرگوس کا بہت ذکر ہے۔

کلیس تنیس نے اپنی بیٹی اگارستا کی شادی شہر ایتھنز کے امیر مگاکلیس کے ساتھ کردی تھی اور یہ مگاکلیس وہاں کے نامی خاندان ال کمیونی کارکن تھا؛ اگارستا کی خواستگاری کا ایک قصہ بہت مشہور ہے جس سے اس کے باپ کی مہمان نوازی، کثرتِ مال اور اس عہد کی رسوم معاشرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اولمپیہ کے ایک میلے میں جس میں کلیس تنیس رتھ کی دوڑ جیتا تھا، اس نے عام اعلان کیا کہ جو یونانی اس کی بیٹی کا خواستگار ہو وہ آج سے ساٹھ دن کے اندر سکیان آئے اور سال بھر تک اس کے دربار میں مہمان رہے۔ اور سال بھر کے بعد وہ فیصلہ کریگا کہ اس کی بیٹی کے لئے سب سے موزوں کون شخص ہے؟ اس اعلان پر تمام یونانی جو اپنی یا اپنے خاندان کی ناموری کا زعم رکھتے تھے سکیان میں جمع ہوئے اور کلیس تنیس ایک سال تک اُنکی قابلیت جانچتا رہا۔ اُس نے مردانہ فنون میں بھی ان کا امتحان لیا لیکن سب سے زیادہ اخلاق اور آدابِ مجلسی پر نظر ڈالی۔ ان میں اُسے دو ایتھنز کے اُمیدوار سب سے زیادہ پسند آئے یعنی ہیپوکلیڈاس اور مگاکلیس۔ اور اُن میں بھی اس کا زیادہ

رُجحان ہیپوکلیڈیس کی طرف تھا۔ غرض اب انتخاب کا آخری دن آپہنچا اور اس روز کلیس تنیس نے سو بیل کی قربانی اور عام ضیافت کی جس میں شادی کے اُمیدوار اور سکیان کے تمام باشندے مدعو تھے۔ کھانے کے بعد عام گفتگو اور فنِ موسیقی میں مقابلہ شروع ہوا۔ ہیپوکلیڈیس کی طبّاعی اس وقت بھی سب سے نمایاں تھی اور چونکہ اُسے اپنی کامیابی کا پورا یقین ہوگیا تھا لہذا عالم سرخوشی میں بانسری والے کو بجانے کا حکم دے کے وہ ناچنے لگا۔ یہ حرکت دیکھکر کلیس تنیس کو بڑی حیرت اور وحشت ہوئی اور جب ہیپوکلیڈیس نے، جس کے نزدیک اب اپنے منظور ہونے میں کوئی کسر نہ رہ سکتی تھی، ایک میز منگائی اور اس پر اسپارٹہ اور ایتھنز کے ناچ، ناچ کر بھاؤ بتانے شروع کئے تو میزبان کی حیرت مبدّل بہ اکراہ ہوگئی اس پر بھی وہ ضبط کئے رہا لیکن جب ہیپوکلیڈیس نے سر کے بل ناچنا شروع کیا تو اس کا میزبان ضبط نہ کرسکا اور پکار اٹھا کہ "ٹسانڈر کے بیٹے، ناچ ناچ میں تمہاری دُلہن اُڑ گئی!" مگر پھر بھی اُس نے یہی جواب دیا کہ "ہیپوکلیڈیس کو اس کی پروا نہیں" اور برابر ناچے گیا۔ تب شادی کے لئے کلیس تنیس نے میگاکلیس کا انتخاب کرلیا اور باقی ناکام امیدواروں کو بہت سے قیمتی تحائف و ہدایا دے کر رخصت کیا۔

۷ جنگ مقدس۔ یونانیوں کے قومی میلے

کلیس تنیس کی سب سے بڑی کامیابی جس نے تمام دنیائے یونان

میں اس کو مشہور کردیا، مندر دِلفی (ڈیلفی) کی حمایت تھی؛ یہ مندر (یا پیتھو) علاقۂ فوکیس کے شہر، کرلیسیا کی زمین میں واقع تھا۔ اور کوہ پرناسوس کی سب سے بالائی اور سلامی دار چٹانوں کے ذرا ہی نیچے، پہاڑ کی ڈھلان پر اس مقدس عمارت کی کُرسی تھی جہاں سے پلیس توس کی گہری گھاٹی بالکل پاؤں کے نیچے نظر آتی ہے ۔غرض مجموعی طور پر اس منظر میں وہ ہیبت و شان تھی کہ الہاماتِ ربانی کے نزول کے واسطے اس سے موزون کوئی مقام نہ ہوسکتا تھا؛ اہل کرلیسا اس مندر پر اور دِلفی کے رہنے والوں پر اپنا حق جتاتے تھے اور جو لوگ دیوتا سے استخارہ کرنے یہاں آتے اُن سے محصول وصول کرتے تھے؛ کرلیسا کی اسی حکومت سے اہل دِلفی نے آزاد ہونا چاہا اور بالطبع شمال کی اُن متحدہ ریاستوں کی طرف رجوع ہوئے جن میں فوکیس کے قدیم دشمن یعنی اہل تھسالیہ سربرآوردہ مانے جاتے تھے۔ مذکورہ بالا اتحاد مذہبی نوعیت رکھتا تھا اور اس میں وہ لوگ شریک تھے جو دِمتیر دیوی کی درگاہ واقع اِن تِلا کے "ارد گرد" آباد تھے۔ (اِن تِلا درۂ تھرموپلی کے متصل واقع تھا) اور اسی لئے اہل اتحاد کا نام "امفیک تیون" یعنی ہمسائیگانِ اَن تِلا تھا اور اس میں لوکریس، فوکیس، بیوشیہ، اور ایتھنز کی ریاستیں، نیز ڈوریانی، ملیانی، دلوپیانی، اینیانی، تھسالیانی، پرھی بیانی اور ماگ نِتی قومیں شریک تھیں۔

امداد کی درخواست پر اہل اتحاد نے اپالو دیوتا اور اسکے

دلفی خدام کی بڑے جوش کے ساتھ حمایت کی اور کریسا کے خلاف جس نے اُس مقدس زمین کی توہین کی تھی، جہاد کا اعلان کردیا۔ مگر شمالی علاقوں کے علاوہ دلفی کا سب سے بڑا حامی جنوب سے پیدا ہوا۔ یعنی سکیان کے شاہ جابر نے خلیج کو عبور کرکے بے دین اہل شہر پر حملہ کیا۔ چونکہ شہر کریسا نہایت عمدہ موقع پر واقع تھا اور سمندر سے مندر کو جانے کا راستہ اس کی زد میں تھا، لہذا یہ بات عیاں تھی کہ جب تک شہر بالکل تاراج و برباد نہ کردیا جائے، دلفی کی آزادی خطرے سے محفوظ نہ ہوسکتی تھی۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر لڑائی شروع ہوئی اور "اتحاد ہمسائیگاں" کے شرکا اور اہل سکیان نے ایک تلخ و تند کشمکش کے بعد آخر کار شہر پر قبضہ کرلیا۔ اُس کے باشندے قتل اور شہر توڑ کے زمین کے برابر کرادیا گیا۔ کریسا کا یہ تمام میدان دیوتا کے نام پر وقف، اور جو اس میں آیندہ زراعت کرے، اسے خدا کی لعنت اور سخت عذاب کا سزاوار قرار دیا گیا۔

اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمسائیگانِ ان تلا اور اہل دلفی میں روابطِ اتحاد قایم ہوگئے اور شرکائے اتحاد کا ایک اجلاس دلفی کے مندر میں منعقد ہونے لگا۔ بلکہ خود اس اتحاد کو اکثر دلفی سے منسوب کرنے اور "دلفیک ام فیک تیونی" کہنے لگے۔ یہاں کا مندر اسی اتحاد یا انجمن کی حمایت میں آگیا اور اوقاف کا انتظام "ہیروم نمونی" یعنی مشیران دین کی ایک جماعت کو

تفویض ہوا جو سال میں دو مرتبہ، خزاں اور بہار کے موسم میں
اِن تِلا اور دلفی دونوں جگہ اپنے اجلاس کرتی تھی۔ اور ہر ایک
ریاست یا قوم کی طرف سے جو اتحاد میں شریک تھی، دو نائب
اس جماعتِ انتظامی میں لئے گئے تھے ؛ اس طرح دلفی اور اسکے
مقتدر خدام نے خود مختاری حاصل کی اور اب ان کے اوج
و فلاح کا زمانہ شروع ہوا۔ وہاں کے میلے کو ازسرِنو شاندار
پیمانے پر ترتیب دیا گیا (۵۸۲ء ق م) جس کے کھیلوں کا انتظام
"انجمن ہمسائیگان" کے خاص فرائض میں داخل تھا۔ اور وہ ہر
اولمپیاد[1] کے وسط میں اولمپیہ ہی کے میلے کی مثل چار سال میں
ایک مرتبہ ہوا کرتا تھا ؛

قریب قریب اسی زمانے میں یونانیوں کے اور دو قومی
تہواروں کی بنیاد پڑی۔ ان میں ایک تو خاکنائے کورنتھ پر ہوتا
تھا اور دوسرا مقام نمیہ میں۔ اور یہ دونوں دو سالہ میلے تھے۔
گویا اب چھٹی صدی (ق م) کے شروع سے یونان میں اس
قسم کے چار قومی تہوار منائے جانے لگے تھے۔ دو پلوپنی سس
میں۔ ایک خاکنائے کورنتھ پر اور ایک شمالی یونان میں دلفی پر۔
اور انہوں نے جو وقعت حاصل کرلی تھی وہ آیندہ تاریخ یونان
کے کسی عہد میں کم نہ ہوئی ؛

یہ چاروں تہوار تمام یونانیوں میں ہم جنسی کا

---

[1] اولمپیہ کے دو میلوں کے درمیان جو چار سال کی مدت ہوتی تھی اسے ایک اولمپیاد کہتے تھے۔ اور اسی سے قدیم اہل یونان تاریخ و سنین کا حساب کرتے تھے۔ مترجم۔

احساس تازہ رکھتے تھے اور دلفی کی بدولت دور دراز کے شہروں میں باہم تعلق و اتصال پیدا ہوتا تھا کیونکہ یہ وہ مقام تھا جہاں دنیائے یونان کے ہر گوشے سے ایلچی اور زایرین آ آ کر جمع ہوتے تھے؛ انہی دو قوتوں نے اہلِ یونان میں اس خیال کو ترقی دی کہ وہ سب ایک ہلینی نسل سے ہیں اور نسل ہی کی بھلائی میں سب کا بھلا ہے ٭

ساتویں صدی (ق م) کے وسط کے قریب "بین الہلینی" کی ترکیب ارکی لوکوس نے اپنی ایک نظم میں استعمال کی تھی اور جہازوں کی اُس "ہومری فہرست" میں بھی، جو کہ ساتویں صدی میں مرتب ہوئی، قریب قریب تمام یونانی ریاستوں کو جنگ ٹرواے کی عظیم مہم میں شریک وسہیم بنالیا گیا تھا ٭

اوپر بیان ہوا کہ شمالی اتحاد میں بیوشیہ والے بھی شریک تھے، خود اس علاقے میں متعدد ریاستیں تھیں۔ لیکن یہ سب ایک حلقۂ اتحاد میں آگئی تھیں اور شہر تھیبز ان کا سر گروہ یا شریک غالب تھا۔ مگر اس اتحاد میں نقص یہ تھا کہ اس کا قیام تھیبز کی قوت و چیرہ دستی پر منحصر تھا، اور بعض شرکا دِل سے شریک اتحاد نہ تھے۔ شہر ارکومنوس ہی اپنی خود مختاری پر عرصۂ دراز تک اڑا رہا اور محض زبردستی ساتویں صدی کے اواخر میں شریک اتحاد ہوا تھا۔ مگر سب سے زیادہ ناخوش ریاست پلاٹیہ تھی۔ اس نے بیوشیانی آباد کاروں کی آمیزش سے اپنی آبادی کو بالکل پاک رکھا تھا۔ اور اس کی تمام

تاریخ (جس کے بعض دلچسپ مناظر ہمارے سامنے سے گزرینگے) گویا اُسی طویل کشمکش کا ایک علٰحدہ بچا ہوا سلسلہ ہے، جو ابتدا میں قدیم یونان کے اصلی باشندوں اور نووارد یونانی فاتحین میں ہوتی رہی تھی ؛

*

باب چہارم

اتحادِ ایٹی کا اور جمہوریۂ ایتھنز کی بنا

۱۔ اتحادِ ایٹی کا

اپنے ہمسائے بیوشیہ اور یونان کے دیگر علاقوں کیطرح ایٹی کا میں بھی ایک زمانے میں بہت سی خود مختار ریاستیں الگ الگ قایم تھیں۔ مگر کوہِ سِتھی رُن اور راس سُنیُوم کے درمیان یہ جتنی ریاستیں تھیں اُن میں سب سے نامی الیوسیس اور ایتھنز تھے آخرالذکر قلعہ سمندر سے پانچ میل کے فاصلے پر رود سفی سوس کے میدان میں واقع تھا۔ اس میدان کا جنوبی پہلو خلیج سارونی کی جانب کھلا ہوا ہے لیکن اس کے مغرب میں ایکالیوس، شمال مغرب میں پارنیس اور مشرق میں ہی متوس کی پہاڑیاں

ٹکڑی ہیں اور ان دونوں کے بیچ میں جو فصل تھا اُسے **پن تلی کوس** کے زاویہ نما ٹیکروں نے بھر دیا ہے۔ **سفی سوس** ندی بھی ایتھنز کے مغرب میں کچھ بہت دور نہیں بہتی لیکن اس کے قلعے، **اکروپلس** کے گرد اُس سے بھی چھوٹی دو ندیاں گزری تھیں۔ **اری وانوس** اور **الی سوس** + یہ قلعہ عصر نحاس میں یونان کے بڑے مستحکم مقامات میں شمار ہوتا تھا اُودے چونے سے اس کے قدیم مالکوں نے جو دیوار پہاڑی کے گرد کھینچ کر اس کے پھسلواں کنارے کو قلعے کے اندر لیا تھا اس کے ٹکڑے اب بھی باقی ہیں اور دوسری جانب ایک اونچا ٹیکرا قلعے کو آریوپاگوس (ایریوپیگس) کی پہاڑی سے ملاتا ہے جو اس کا قدرتی دروازہ تھا۔ مگر اس طرف فصیلوں کو اِس طرح بنایا گیا تھا کہ خاص قلعے کے مغربی دروازے میں داخل ہونے سے پہلے یکے بعد دیگرے نو پھاٹک طے کرنے پڑتے تھے +

اس پلاس جی قلعے پر اوّل مرتبہ جن یونانیوں کا قبضہ ہوا وہ غالباً "کِک روپ" قوم کے لوگ تھے۔ اور بعد کے ایتھنزی جب پوچھئے، اپنے تئیں شاہ کِک روپ کی اولاد ثابت کرنے پر تیار رہتے تھے۔ یہ شخص زمانۂ ماقبلِ تاریخ کے فرضی شاہان ایتھنز میں داخل تھا (روایتی ۱۵۸۱ء ق م) اور کک روپ قوم کا فرضی مورث اعلیٰ مان لیا گیا تھا۔ لیکن ایک زمانہ آیا جبکہ ایٹی کا کے دیگر یونانی باشندوں نے گروہوں پر غلبہ حاصل کر لیا اور اُنہی کی بدولت اتھینہ (ایتھینی) دیوی کی پرستش یہاں رائج ہوئی

۱۰۱
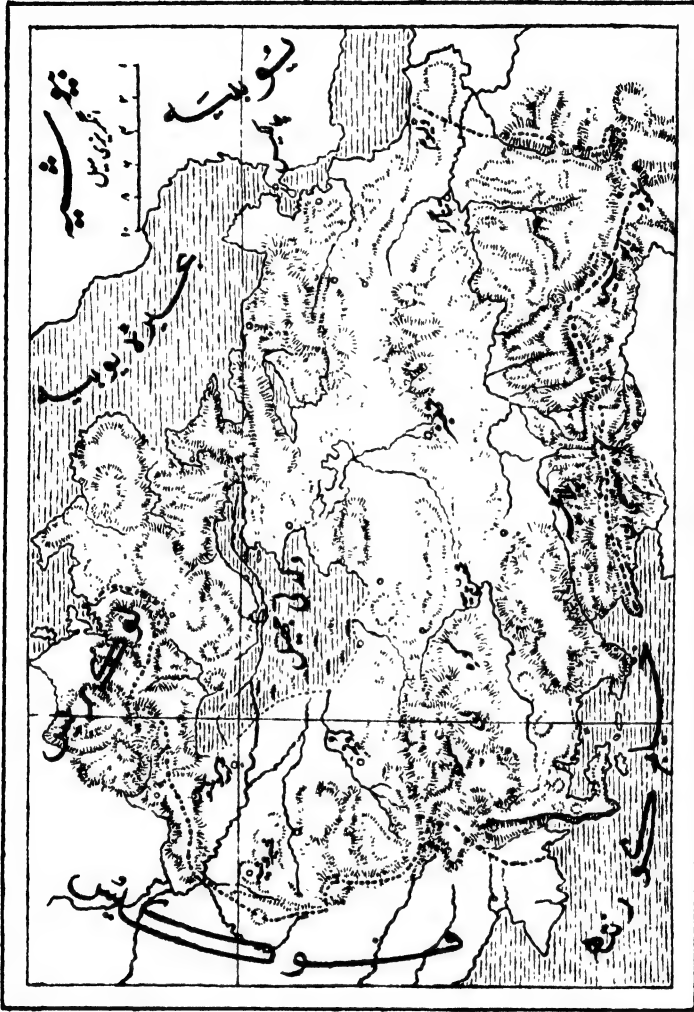
اکروپوس بھی ایتھنی (ایثنی) بن گیا اور گکروپ یا پلاس جی، غرض جو باشندے بھی اس کے اردگرد گانوؤں میں الی سوس و اری دانوس کے کنارے، بستے تھے وہ سب "ایتھی نیائی"

کہلانے لگے۔ مگر وہ صحیح معنی میں ابھی نیانی اس وقت ہوئے جب کہ ان کی تاریخ میں "سنوی سس موس" یعنی علیحدہ علیحدہ دیہات کے ملنے کا واقعہ پیش آیا۔ جس کی یادگار میں سالانہ "سنوسیا" کا تہوار منایا جاتا تھا۔ اس کے بعد سے ایتھنز بہت سی متحدہ ریاستوں کا سرگروہ نہ رہا جیسے کہ بوشیہ میں تھبنز تھا۔ اور نہ ایٹی کا کی اور بستیوں میں اس کی حیثیت حاکمانہ رہی۔ بلکہ اب میرا تھان یا اور کسی گانوں کا رہنے والا بھی بالکل وہی سیاسی حقوق رکھتا تھا جو خاص ایتھنز کے بسنے والوں کو حاصل تھے؛ یہ تحقیق نہیں کہ یہ کام کب اور کس کے ہاتھوں انجام پایا۔ لیکن زمانۂ مابعد میں ایتھنز والے یہ سمجھتے تھے کہ ان کے اس اتحادِ ملکی کا بانی تھی سی اس نامی سورما تھا جسے انھوں نے اپنے قدیم بادشاہوں[1] کی فہرست میں داخل کرلیا تھا ◆

۲۔ جمہوریہ ایتھنز کی بنا

دوسری یونانی ریاستوں کی طرح ایتھنز میں بھی پہلے بادشاہی تھی جو حکومت شرفا اور پھر حکومت جمہوری کی صورت میں مبدّل ہوئی۔ شاہی اختیارات کی سب سے پہلی حد بندی پول مارک یا عہدہ سپہ سالاری کا قائم ہونا تھا۔

[1] ایٹی کا کی پرانی روایت میں، جسے ہیروڈوٹس نے محفوظ رکھا ہے، تھی سیس کے پہلے صرف چار بادشاہوں کے نام گنائے گئے ہیں:۔ ککروپ، ارک تیوس، پانڈین اور ایجیس ◆ ۱۲

۱۰۳

اور دوسری ، ایک آرکن یا اتالیق کا تقرر جس نے بہت سے
بادشاہی فرائض اپنے قبضے میں کرلئے تھے ۔ پہلا اتالیقِ حکومت
اکاس توس ہوا ہے جسے اس کے بدونتی خاندان والوں نے

اس مرتبے پر پہنچایا تھا۔ وہ تا حیات اپنے عہدے پر برقرار رہا
اس کے بعد جتنے آرکن ہوئے وہ بھی قسم کھاتے تھے کہ ہم
اکاس توس کی مثل اپنے حلف کے پابند رہینگے۔ اس کے
بعد یہ عہدہ بھی صرف دس سال کے لئے میعادی کردیا گیا
اگرچہ یہ شرط ابھی تک باقی تھی کہ آرکن اُسی مدونتی خاندان کا
فرد ہو۔ بعد میں یہ خاندان کی قید بھی اُٹھ گئی لیکن سب سے
پہلی ٹھیک تاریخ جو ہم تک پہنچی ہے وہ سنہ ۶۸۳-۸۲ ق م
ہے کہ اس وقت آرکنی یا اتالیقی محض ایک سالانہ عہدہ رہ گیا؛
واضح ہو کہ بادشاہی کو علانیہ منسوخ نہ کیا گیا تھا۔ بلکہ تقریبات
اور رسوم ادا کرنے کے لئے آخر تک ایک آرکن "باسی لیوس"
(یعنی بادشاہ) کے نام سے مقرّر ہوتا رہتا تھا؛

انہی تغیرات کے اثنا میں ایٹی کا میں وہ "سنوی سس موس"
یا اتحاد ملکی صورت پذیر ہوا تھا جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے
ہیں۔ اور اسی کے بعد یہاں کے اضلاع اور دیہات کے متحدہ
باشندے چار قبیلوں میں تقسیم کردئیے گئے تھے جن کے نام
(گلیون تیس، ارگادیس، اے جی کوریس اور ہوپ لیتیس)
شہر ملطہ کے ناموں سے نقل کئے گئے تھے اور معلوم ہوتا ہے
کہ ان کو خاص خاص بتوں سے انتساب تھا جیسے
گلیونتیس کو ذیئس گلیون سے؛ ہر قبیلے کا سردار ایک
"شیخ قبیلہ" ہوتا تھا اور قبیلے کے ماتحت تین تین برادریاں،
گویا کُل بارہ برادریاں، ترتیب دی گئی تھیں؛

۳۔ حکومتِ شرفا ساتویں صدی ق م

اس طرح ، ساتویں صدی کے شروع میں جمہوریہ ایتھنز حقیقت میں خاندانی اُمرا کی حکومت تھی اور اس کا کُل نظم و نسق تین عہدہ داروں (یعنی آرکن بادشاہ اور پول مارک) کے اختیار میں تھا جو صرف ایک سال کے واسطے منتخب ہوتے تھے ۔ تمام دیوانی مقدّمات کا آخری فیصلہ آرکن کرتا تھا سرکاری فہرست میں سب سے اُوپر اس کا نام ہوتا کیونکہ وہ "اپونی موس" (یعنی صدر نام) کہلاتا تھا ؛ **پول مارک** سپہ سالاری کے علاوہ عدالتی فرائض بھی انجام دیتا اور تمام ایسے مقدّمات کا فیصلہ کرتا تھا جن میں کوئی پردیسی ، فریق ہوے بادشاہ کا کام ، امور مذہبی کے انصرام تک محدود تھا اور یا دین کے متعلّق بعض ایسے مقدّمات کی وہ سماعت کرتا جو اُس مجلس میں پیش ہوتے تھے جس کا وہ میرمجلس تھا ؛

ایتھنز میں ایک زمانے کے بعد بُولہ یا مجلس بزرگاں کا نام مجلس آریوپاگوس ، ہوگیا تھا تاکہ اس میں اور بعد میں جو مجلسیں بن گئی تھیں ، اُن میں امتیاز رہے ۔ اور یہ نام اُس مقام کے نام پر اُسے دیا گیا تھا جہاں ایک خاص غرض سے وہ اجلاس کرتی تھی ؛ ۔ واضح ہو کہ قدیم زمانے میں خون اور قتلِ انسان کے جرم خلافِ سرکار نہیں مانے جاتے تھے ۔ بلکہ یہ مقتول کے خاندان کا کام تھا کہ خواہ وہ قاتل سے

قصاص لے یا خون بہا قبول کرلے۔ لیکن رفتہ رفتہ اُن کے دِل میں یہ عقیدہ جم گیا کہ قتل کرنے والا نجس ہوتا ہے اور ضرور ہے کہ پاک کیا جائے۔ چنانچہ مقتول کے اعزّا کی خون بہا سے دلجمعی کرنے کے علاوہ اب قاتل کا یہ بھی فرض ہوگیا تھا کہ وہ بعض مراسم تطہیر انجام دے اور ستھونی دیویوں اور فیوریس (یعنی ڈاینوں) کو راضی کرے، جنھیں ابتدا میں مُردوں کی ارواح تصور کیا جاتا تھا جو انتقام کے لئے چیختی رہتی تھیں۔ پھر یہ کہ اگر کسی قوم کا فرد نجس ہو اور خارج نہ کیا جائے تو ساری قوم پر دیوتاوں کا عتاب نازل ہوتا تھا۔ پس رفتہ رفتہ جرایم کی تحقیقات و دادرسی بھی قوم کا کام اور حکومت کے فرایض میں داخل ہوگئی۔ ایسے مقدّمات کی سماعت کے لئے مجلس عدالت کا کام دیتی تھی اور کُل کارروائی میں قدم قدم پر مذکورۂ بالا دیویوں کی پوجا کا تعلّق تھا۔ اور چونکہ ان دیویوں کی درگاہ شہر پناہ کے باہر آریوپاگوس کے شمال مشرقی پہلو پر بنی ہوئی تھی جہاں قاتل جاجاکر پناہ لیا کرتے تھے اس لئے انھی چٹانوں پر اہل مجلس جمع ہوکر، قتل و ضربِ شدید، زہر خورانی و آتش زنی کے سنگین جرایم کی سماعت کرتے تھے۔

بادشاہ اور شرفا کے عہد حکومت میں ایتھنز کے آزاد شہری تین طبقوں میں منقسم ہوگئے تھے۔ "یوپات رِدی" یا خاندانی اُمرا۔ "گیورگی" یا کاشتکار جو اپنی زمینوں میں خود کھیتی کرتے تھے۔ اور "دمیورگی" جن کا پیشہ تجارت اور لین دین کا تھا۔

مگر ان تین جماعتوں کے علاوہ جنھیں مجلس عوام میں شرکت کا حق تھا، گروہِ کثیر اُن آزاد باشندوں کا تھا جو شہری حقوق سے محروم تھے اور محنت مزدوری یا اُمرا کی زمینیں کاشت کرکے اپنا پیٹ پالتے تھے۔

آٹھویں اور ساتویں صدی (ق-م) میں نوآبادیاں بسانے کی عام تحریک میں اہل اٹیکا نے بظاہر کوئی حصّہ نہ لیا تھا لیکن اُس عہد کی تجارتی سرگرمیوں میں ایتھنز والے ضرور شریک تھے۔ زیتون کی کاشت کو اس علاقے میں بہت فروغ ہوتا جاتا تھا اور اُس کا تیل بڑے نفع سے دساور جانے لگا تھا اس کے علاوہ یہاں کے کمہار اب خود طرح طرح کے برتن بناکر صنعتِ ظروف سازی کو ترقّی دے رہے تھے اور تجارت میں حصّہ لینے سے امارتِ نسبی کی بنیادیں جس طرح کمزور ہورہی تھیں اس کا ہر شخص بہ آسانی اندازہ کرسکتا ہے۔ کیونکہ خاندانی اُمرا نے جب تجارتی کاروبار میں ہاتھ ڈالا تو بعض کو نفع ہوا اور بعض کو خسارہ بعض بہت دولتمند ہوگئے اور بعض مفلس رہ گئے اِدھر اُدھر محنتی اہل حرفہ کا سرمایہ اور اثر بڑھنے لگا۔ ان حالات کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ نسب ذاتی کی طرح دولت بھی قوم و سلطنت میں اپنی جگہ نکال لیگی۔ چنانچہ ساتویں صدی کے نصف آخر میں ہم دیکھتے ہیں کہ اٹیکا میں حکومتِ اُمرا نے "تیموکراسی" (حکومتِ اغنیا) کی صورت اختیار کرلی ہے۔ یعنی ایسے نظامِ حکومت کی جس میں تمام سیاسی حقوق کا دارو مدار

مال و متاع پر ہوتا ہے؛ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اب وہاں کے باشندوں کی دولت کے اعتبار سے تین جماعتیں ہوگئی تھیں۔ یہ تقسیم زرعی جائداد کی پیداوار غلّہ، روغن و شراب کی بنا پر کی گئی تھی۔ اور سب سے اعلیٰ جماعت "پنٹاکوسیو میڈیمنی" میں وہ لوگ داخل تھے جن کی زمین میں غلّے اور تیل اور شراب کی مجموعی پیداوار کم سے کم پانچسو میڈیمنی (وزن) کی ہو۔ ان کے بعد، جن کی پیداوار تین سو تا پانسو وزن کی ہوتی وہ "نایٹ" یعنی صاحبِ فرس کہلاتے۔ گویا وہ اُن لوگون میں تھے جو سواری میں گھوڑا رکھ سکتے اور جنگ میں سوار ہوکر لڑ سکتے تھے؛ آخری جماعت میں جو لوگ شامل تھے ان کی آمدنی کم سے کم دو سو میڈیمنی وزن کے برابر ہوتی اور وہ "زیوگیتے" یعنی "جوٹ والے" کہلاتے تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ خوش حال زمیندار تھے اور ان کے پاس اپنی زمین اور بیلوں کی ایک جوٹ یا جوڑی کاشت کے واسطے ہوتی تھی؛ سب سے اعلیٰ عہدے یعنی آرکنی، بادشاہی اور سپہ سالاری صرف جماعت اعلیٰ کے افراد کو حاصل ہو سکتے تھے۔ اور اسکے لئے امارتِ خاندانی کی بھی قید نہ تھی۔ یعنی اگر کوئی لایق شخص یوپاٹ ردی نہ ہو تو بھی ان عہدوں کے لئے منتخب ہوسکتا تھا؛ گمانِ غالب یہ ہے کہ اسی زمانے میں (قیاساً ۶۴۰ سنہ ق م) تھس موتھتی کے نام سے جو نیا محکمہ قایم ہوا وہ بھی ادنیٰ طبقوں کی مدّعیانہ کوششوں کا نتیجہ تھا۔ یہ تھس موتھتی ۶ پنچوں

کی ایک جماعت تھی جو ہر سال منتخب کی جاتی اور ایتھنز کے تمام عدالتی انتظام کی نگرانی کرتی تھی۔ تھوڑے دن کے بعد ہی یہ جماعت بھی اعلیٰ عہدہ داروں کی ذیل میں داخل اور آرکن، باسی لیوس (بادشاہ) اور پول مارک (سپہ سالار) کے ساتھ شامل ہوگئی اور اب ریاست کا نظم ونسق انہی نو کے ہاتھ میں آگیا جو نو آرکن کہلاتے تھے۔

مذکورہ بالا تین جماعتوں کے بعد ایک گروہ غریب اہل حرفہ اور ان چھوٹے زمینداروں کا تھا جن کی زمینوں میں دو سو بِدِمِنی (وزن) کی پیداوار نہ ہوتی تھی۔ یہ سب تھتیس کہلاتے تھے جس کے اصلی معنی مزدور کے تھے مگر اب کسی قدر بدلکر اس لفظ کو اصطلاح بنالیا تھا اور اس سے وہ آزاد شہری مُراد تھے جنھیں نظم و نسق میں کوئی حق نہ دیا گیا تھا۔ مگر جب بحری تجارت کی ترقّی کی وجہ سے بیڑا بڑھانا پڑا اور بحری سپاہ میں اسی گروہ کے لوگ بھرتی کرنے پڑے تو اس وقت تھتیس کی بھی منزلت بڑھ گئی اور سچ یہ ہے کہ ایتھنز کی جمہوریت کا اس کی بحری قوت سے ہمیشہ قریبی تعلّق رہا۔ مگر ہرچند سکّے کی ایجاد سے ساتویں صدی میں جو معاشی انقلاب ہوا اس نے لوگوں میں بہت انتشار و افلاس پیدا کردیا تھا تاہم صدی کے ختم ہونے سے تقریباً ۳۰ سال پہلے ایک واقعہ پیش آیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادنیٰ طبقہ ابھی تک اپنی حکومت کا ہوا خواہ اور وفادار تھا۔

قیاساً ۶۳۲ ق م میں کیلنؔ (یا سیلنؔ) نامی ایک امیرزادے نے مگارا کے حاکم جابر تھیا جنیس کی بیٹی سے شادی کی اور وہیں کی مدد سے کوشش کی کہ ایتھنز کا خود بادشاہ بن بیٹھے۔ اس کام میں اُس نے چند نوجوان امیرزادوں کو ملا لیا اور تھیا جنیس نے بھی مگاری سپاہیوں کا ایک دستہ مدد کے لئے اُسے بھیجا۔ لیکن عامتہ الناس میں کوئی اُس کا رفیق نہ تھا۔ وہ قلعۂ اکروپولس پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا لیکن کوئی شہری اگر کیلنؔ کی اس انقلابی کوشش کو دل ہی دِل میں اچھا جانتا تھا تو وہ بھی بدیسی سپاہیوں کی صورت دیکھ کر بگڑ گیا۔ کیلنؔ کو اہل شہر نے قلعے میں گھیر لیا اور گو عرصے تک محصور رہنے کے بعد وہ خود اپنے بھائی سمیت بچ کر نِکل گیا لیکن اُس کے ساتھی بہت جلد ہتیار رکھنے پر مجبور ہوگئے۔ انھوں نے اتھِنا پولیاس کے مندر میں پناہ لی اور اُس وقت باہر آئے جب آرکنوں نے اُن سے جان بخشی کا وعدہ کرلیا۔ لیکن الکمیونی خاندان کا مگاکلیس اُس سال آرکن تھا اور اسی کے اشتعال دلانے سے اہل سازش قتل کردئیے گئے۔ یہ ایسی عہد شکنی تھی جس میں خود دیوتاوں کی توہین نکلتی تھی کیونکہ وہ فریادی اس وقت دیوتاوں کی پناہ میں تھے۔ پس جب تک اس معصیت کا کفارہ نہ ہو خود شہر سزاوارِ عذاب تھا؛ یہی وہ پہلو تھا جس پر الکمیونی خاندان کے دشمن اور نیز کیلنؔ کے خفیہ طرفدار بہت زور دیتے تھے۔ چنانچہ کیلنؔ اُس کے بھائی اور

اولاد کو اگر دوامی جلا وطنی کی سزا دیگئی تو انہی کے ساتھ الکمیونی خاندان بھی مواخذہ سے نہ بچا بلکہ مقدمہ قایم ہونے کے بعد اس کے تمام افراد کو اہانت مذہبی کے جرم میں سخت سزا دی گئی۔ اُن کا مال متاع ضبط اور انہیں ہمیشہ کے واسطے جلا وطن کردیا گیا۔ یہی وہ واقعہ ہے جس کے نتایج کا ایتھنز کے ملکی معاملات میں دو سو برس بعد تک اثر ظاہر ہوا۔

فتنۂ کیلُن کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ مگارا سے ایتھنز کی جنگ چھڑ گئی جس نے دیہاتی آبادی کی مصیبت کو اور بڑھا دیا۔ کیونکہ ایک تو سواحلِ ایٹی کا کو دشمن تاخت و تاراج کر رہا تھا دوسرے مگارا کی منڈی میں تیل کی تجارت مسدود ہوگئی تھی۔ غرض معلوم ہوتا ہے دیہاتیوں کی یہی تکلیف دیکھ کر وہاں شورش و فساد کا اندیشہ پیدا ہوا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک مجموعۂ قوانین مرتّب و قلم بند کیا جائے۔ اس کام کے لئے دریکو تجویز ہوا کہ وہ ایک غیر معمولی مقنّن (تھِس موتھیس) کی حیثیت سے قوانین کی ترمیم کرے۔ (سنہ ۶۲۱ ق م) ہمیں اس مجموعے کے صرف ایک حصّے کا علم ہے جس میں جرایم قتل و خون ریزی کے متعلق دفعات ہیں۔ لیکن شہرت کے اعتبار سے مقنّن کا نام سنگ دلی میں ضرب المثل ہوگیا ہے اور جب ایک ایتھنزی مقرّر نے اُن پر یہ فقرہ چُست کیا کہ "قوانینِ دریکو سیاہی کی بجائے، خون سے تحریر کئے گئے ہیں" تو اس کی بہت داد مِلی۔ اس خیال کے پیدا ہونے کا اصلی سبب یہ

تھا کہ اس مجموعۂ قوانین میں بعض معمولی خطائیں جیسے گوبھی چرانا بھی سزائے مَوت کی مستوجب قرار دی گئی تھیں ؛ لیکن ذرا وسعتِ نگاہ سے کام لیا جائے تو یہ مجموعہ اتنا بُرا نہیں نظر آتا۔ اس میں دریکو نے قتلِ عمد اور اتّفاقی یا قابلِ جواز قتل میں بڑی احتیاط سے فرق کیا تھا۔ اور ہر چند اسے اُمرا نے مامور کیا تھا اور وہ مجبور تھا کہ دولتمند اربابِ حکومت کے فائدے کا خیال رکھتے، تاہم ادنیٰ طبقے کے واسطے یہ بھی کچھ کم بات نہ تھی کہ اُمرا کے خود غرضانہ حقوق صراحت کے ساتھ قیدِ تحریر میں آگئے ؛

۴۔ قوانین سولن اور جمہوریت کی بنا

دریکو کا مجموعۂ قوانین فی الجملہ غنیمت تھا لیکن وہ اصلی مرض کی دوا نہ تھا۔ قلیل التعداد دولتمندوں کا جبر و تشدّد اور کاشتکاروں کے گروہِ کثیر کی شکستہ حالی روز افزوں تھی۔ غریب زمین دار تنگدستی میں مجبور روپیہ قرض لیتا تھا۔ روپے کی مقدار ابھی تک ملک میں کم تھی[1] اور اس لئے اُسے اپنی مختصر حقیّت مکفول کرنی پڑتی تھی اور یہ زمینیں سرمایہ داروں کے قبضے میں آجاتی تھیں جو بڑی تباہ کُن شرح سُود پر روپیہ قرض دیتے تھے ؛ ان زمینداروں سے بھی بدتر "ہک تموری" یعنی اُن آزاد باشندوں کی حالت تھی جو محنت مزدوری کرکے بسر اوقات کرتے تھے۔ زرعی پیداوار

---

[1] اُس زمانے میں چاندی کی قیمت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایک بکری کی قیمت ایک دراکمہ (یا درہم = ۱۰ ار) تھی ۳۲ سیر جو کی بھی ایک دراکمہ اور بیل کی ۵ دراکمہ ؛ ۱۲

کا چھٹا حصہ ان کا حق الخدمت ہوتا تھا۔ لیکن جو معاشی حالات اب پیدا ہوگئے تھے اُن میں یہ اُجرت گزرِ اوقات کے واسطے کافی نہ ہوتی تھی اور وہ بھی ناچار اپنے مالکوں سے روپیہ قرض لیتے تھے؛ سُود کی شرح تو بہت زیادہ تھی ہی لیکن دوسری مصیبت یہ تھی کہ اگر قرض ادا نہ ہوسکے تو خود قرضدار کی ذات قرضخواہ کی مِلک ہوجاتی تھی؛ اس طرح جہاں دولتمندوں کی قلیل جماعت زیادہ مالدار اور زیادہ حریص و طامع ہوتی جاتی تھی وہاں چھوٹے زمیندار روز بروز زمینوں سے محروم، اور آزاد باشندے جن کے پاس زمینیں نہ تھیں غلامی کے عذاب میں گرفتار ہوتے جاتے تھے۔ ان سب پر طرّہ یہ تھا کہ عدالت میں بھی انصاف نہ ہوتا بلکہ دولتمند اہلِ اقتدار کی طرفداری میں قانون کے کچھ سے کچھ معنی بنالئے جاتے تھے۔ اپنے بے رحم حاکموں کی یہ زیادتیاں دیکھ دیکھ کر لوگ دانت پیستے تھے، اور کوئی سرگروہ ملجائے تو بغاوت کے لئے بالکل آمادہ تھے ؛

لیکن خیریت گزری کہ ایک نامور شخص **سولن** پسر اکزس تدیس کی مصالحانہ کوشش کی بدولت یہ طوفان بپا ہونے کی نوبت نہ آئی۔ نسب کے لحاظ سے سولن، طبقہ اُمرا کارکن اور مدونتی خاندان سے قرابت رکھتا تھا اور سوداگری کے باعث یوں بھی وہ ریاست کی سب سے دولتمند جماعت کا فرد تھا؛ آیونی علمِ ادب کا اُس پر رنگ۔ چڑھا ہوا تھا۔ اور اُسی زبان میں فنِ شعر گوئی پر پوری قدرت حاصل تھی۔ اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ

اُس کی (سیاسی) نظموں کے بعض بعض حصّے اب تک موجود ہیں جنہیں اُس نے جمہور کی راہ نمائی کے لئے شائع کیا تھا۔ اِسطرح گویا صورتِ حالات کے متعلق خود سولن کی رائے اُسی کے لفظوں میں ہمارے سامنے ہے؛ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اعتدال پسند اُمرا اصلاح کی فوری ضرورت اور آیندہ خطرات کو سمجھ گئے تھے اور یہی سبب ہوا کہ سولن سے یہ کام ہاتھ میں لینے کی درخواست کی گئی (۵۹۴ء ق م) اور وضع قوانین کے غیر معمولی اختیارات دے کر اُسے آرکن منتخب کیا گیا۔ یہ جو دستور تھا کہ عہدے پر فایز ہوتے ہی آرکن، اعلان کرتا کہ "میں لوگوں کی مال و متاع بجنسہٖ محفوظ رکھنے کا ذمہ دار ہوں" اس کی بھی سوئن نے پابندی کی بلکہ اس کے برعکس اُس نے اعلان کیا کہ "تمام قرضے اور کفالت نامے جن کی رو سے قرضدار کی ذات یا زمین مکفول ہے، منسوخ ہیں اور تمام اشخاص جو قرض کی وجہ سے غلام بنائے گئے ہوں، آزاد ہیں!" اس اعلان کے طفیل ایتھنز والوں نے "اپنے بوجھ اُتار پھینکے" اور سوئن کا یہ پہلا اصلاحی کام "سی ساکتیہ" یعنی نجاتِ عظیم کہلایا اور اس کی یادگار میں لوگوں نے جشنِ عام برپا کیا؛

قوم کی جس جس طریقے سے سوئن نے چارہ گری کی اسکی پوری کیفیت کا علم نہیں تاہم جو کچھ حالات ہم تک پہنچے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ پُرانے قرضے منسوخ کرنے کے بعد اُس نے یہ قانونِ امتناعی نافذ کیا کہ آیندہ کوئی شخص قرض

کی وجہ سے غلام نہ بنایا جائے۔ نیز یہ کہ کوئی شخصِ واحد ایک مقررہ حد سے زیادہ زمین اپنے واسطے نہ لے سکے۔ مطلب یہ کہ بڑی بڑی جاگیروں اور کثرتِ مال سے جو طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اُن کا سدّباب ہوجائے؛ سولَن کے ان قوانین سے متموّل طبقہ بہت خسارے میں رہا اور اس مصلحِ مُلک کی طرف سے طبعاً اُس کے افراد میں برہمی پیدا ہوگئی۔ بحالیکہ طبقۂ عوام کو جو بڑی بڑی امیدیں تھیں وہ اِن قوانین سے خاطر خواہ پوری نہ ہوئیں اور اُن کی شکایت الگ باقی رہی۔ ان میں سے اکثر اس بات کے خواہاں تھے کہ دولتمندوں کی جائدادیں بالکل ضبط کرلی جائیں اور انہیں از سرِ نو سب پر تقسیم کردیا جائے۔ اور یہ سولَن کو منظور نہ تھا اور اسی طرح اگرچہ اُس نے آزاد مزدوروں کو غلامی سے نجات دلادی تھی لیکن ایک سُدس اُجرت کے طریقے میں کوئی تغیّر نہ کیا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ گو اب وہ غلام نہ بنائے جاسکتے تھے مگر اُن کے وسائلِ معاش میں کوئی کشایش نہ ہوئی تھی۔

لیکن یورپ کے اعلیٰ مدبّرین میں جو شرفِ شمولیت سولَن کو حاصل ہے وہ اس کی آئینی اصلاحات پر مبنی ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ اُس نے نظامِ حکومت میں جو تبدیلیاں کی تھیں اُن سے ایتھنز میں حقیقی جمہوریت اُسی وقت قایم نہ ہوگئی تھی۔ بلکہ اصلاحاتِ سولَن کے ایک عرصے بعد یہ نوبت

وہاں آئی۔ بایں ہمہ اس جمہوریت کی بنیاد سولن نے رکھی بلکہ کہنا چاہیئے کہ ڈھانچہ اُسی نے تیار کیا تھا۔ بادی النظر میں تو اس کی اصلاحات کے بعد بھی ریاست میں دولتمند اُمرا کا راج (یعنی حکومتِ اغنیا کا نظام) نظر آتا ہے جس میں کہیں کہیں جمہوریت کے آثار ہیں۔ چنانچہ مال و دولت کے اعتبار سے آبادی کی جو تقسیم پہلے سے چلی آتی تھی اُسے سولن نے بدستور رہنے دیا لیکن اسی کے ساتھ اُس نے تھتیس کو چوتھا طبقہ قرار دے کر بعض سیاسی حقوق دیئے۔ اوپر کی تین جماعتیں مصارفِ سلطنت کا بار اٹھاتی تھی اور سوار یا پیادوں کی حیثیت سے فوجی خدمت بھی انجام دیتی تھیں۔ تھتیس پر کوئی مالی بار نہ تھا مگر وہ بیڑے میں یا نیم مسلّح سپاہیوں میں بھرتی کئے جاتے تھے۔ باقی خاص خاص عہدوں کا حق جن جماعتوں کو پہلے سے حاصل تھا، اُن میں غالباً سولن نے کوئی ردّو بدل نہ کیا اور تھتیس کوئی انتظامی عہدہ نہ پا سکتے تھے۔ البتہ انہیں "اکلیسیہ" یعنی مجلسِ عوام میں شرکت کی اجازت اور عہدہ داروں کے انتخابات میں رائے دینے کا حق مل گیا تھا ؛

لیکن سولن کا بڑا کارنامہ عدالتوں کی از سرِ نو تنظیم ہے۔ اُس نے ایک نئی عدالت بنائی تھی جس میں تھتیس سمیت ہر فرقے کے افراد شامل ہو سکتے تھے۔ ارکانِ عدالت یعنی (ججوں) کا تقرّر ہر مرتبہ قرعہ اندازی سے کیا جاتا تھا اور اس لئے غریب سے غریب دہقانی بھی اس منصب پر پہنچ سکتا تھا۔ یہ

عدالتیں ریاست کے عمّال سے (جب وہ عہدے کی میعاد پوری کرچکیں) بر سرعام مواخذہ کرسکتی تھیں اور اس طرح لوگوں کو ان جمہوری عدالتوں کے ذریعے عمّالِ ریاست پر حاکمانہ نگرانی کا حق حاصل ہوگیا تھا۔ ارکانِ عدالت، چند جماعتوں میں الگ الگ اجلاس کرتے تھے اور ان کی پوری جماعت یا مجلس کا نام "ہلائیہ" تھا اور وہ "اک کلسیہ" سے بالکل جداگانہ مجلس تھی۔ کیونکہ آخرالذکر میں لوگ صرف وضعِ قوانین یا انتخابِ عمّال کے لئے جمع ہوتے اور ان سے اس قسم کا کوئی حلف نہ لیا جاتا تھا جیسا کہ ارکان عدالت سے۔ آرکنوں کو جو عدالتی اختیارات پہلے سے حاصل تھے اوّل اوّل وہ اُن سے محروم نہیں کئے گئے اور ہلائیہ صرف مجلس مرافعہ کے فرائض انجام دیتی رہی۔ لیکن رفتہ رفتہ آرکنوں کے پاس محض مقدّمے کی ابتدائی کارروائی رہ گئی اور ہلائیہ ہی ایتھنز کی پہلی اور آخری عدالت بن گئی ۔

ارکانِ عدالت کا تمام قوم سے چُنا جانا ہی جمہوریت کا وہ گُر تھا جو سب سے پہلے سولَن کے ہاتھ لگا۔ اور اس لئے ہمیں جمہوریہ ایتھنز کی بنا کو سولَن سے منسوب کرنے میں بہ مشکل تامّل ہوسکتا ہے۔ اسی ضمن میں اُس نے مجلس آریوپاگوس کے فرائض میں بھی اِس طرح ترمیم کی کہ وضع قوانین اور نظم و نسق میں براہ راست اس کی کوئی مداخلت باقی نہ رہی۔ لیکن یوں اُسے عمّال پر عام نگرانی کے وسیع اور غیر معیّن حقوق دیدئے اور اختیار دیا کہ وہ جس شہری سے چاہیں کسی بیجا بات

پر باز پُرس کر سکتے ہیں۔ البتہ سنگین جرایم کی تحقیقات اور بعض مذہبی مراسم ادا کرنے میں جو فرائض مجلسِ آریوپاگوس انجام دیتی تھی، اُن میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا۔ نیز آیندہ سے اُس کی رُکنیت کا یہ طریقہ ہوگیا کہ وہی نو آرکن جو سال کے ختم پر عہدے سے علیٰحدہ ہوتے، مجلسِ آریوپاگوس کے دوامی رُکن بنالئے جاتے تھے۔ اور چونکہ خود آرکنوں کا انتخاب مجلس عوام کیا کرتی تھی، لہذا مجلسِ آریوپاگوس کے ارکان کو بھی حقیقت میں جمہور ہی کا منتخب کردہ سمجھنا چاہیئے۔

اب مجلسِ آریوپاگوس ایک ایسی معزز جماعت رہ گئی تھی جو حکومت سے ارفع تھی اور خود حکومت میں قریب قریب کوئی دخل نہ رکھتی تھی لہذا ضروری تھا کہ کوئی اور جماعت قایم کی جائے جس کا کام مجلسِ عوام کے روبرو معاملات کو مرتّب صورت میں پیش کرنا ہو۔ چنانچہ سولَن نے اس غرض کیلئے چارسو ارکان کی ایک نئی مجلسِ انتظامی (کونسل) بنائی جس میں ہر قبیلے کے سو آدمی ہوتے تھے اور خود اہل قبیلہ ان کا انتخاب یا غالباً قرعہ ڈال کر نامزدگی کرتے تھے مگر اس کی رکنیت کا حق تین اعلیٰ طبقوں کو حاصل تھا اور تھیتِیس اس سے خارج تھے۔

اصلاحاتِ سولَن میں یہ بھی ایک قابل ذکر شے ہے کہ سرکاری عہدہ داروں کے تقرّر میں قرعہ اندازی سے کام لیا جاتا تھا۔ اُس عہد میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ قرعہ ڈالنا گویا کسی بات کا فیصلہ دیوتاوں پر چھوڑنا ہے۔ مگر سولَن نے جو اسکو

اختیار کیا تو بے شبہ اُس کی وجہ یہ احتیاط بھی تھی کہ مختلف فریق یا خاندان اپنے اثر سے نا جایز فائدہ نہ اٹھاسکیں کے اور اس سے اعلیٰ حکّام کا تقرّر بھی بجا ہوا نہ تھا۔ لیکن سولُن کیسا ہی خوش عقیدہ کیوں نہ ہو، یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ایسے اہم معاملات کا فیصلہ بالکل قرعہ اندازی اور دیوتاوں کی مرضی پر چھوڑ دیتا اور کسی نا اہل کے نام قرعہ نِکل آنے کا کوئی حفظ ما تقدّم نہ کرتا چنانچہ اُس نے یہ تدبیر کی تھی کہ قرعہ اندازی اور انتخاب، دونوں کو ملا دیا تھا اور پہلے ہر قبیلے سے دس دس اشخاص کثرتِ رائے سے منتخب کئے جاتے اور اس کے بعد صرف اِن چالیس امیدواروں میں سے نو آرکن بذریعۂ قرعہ اندازی مقرّر کرلئے جاتے تھے ؛

سیاسی توازن قایم رکھنے کی غرض سے سولُن نے کوشش کی تھی کہ حکومت میں چاروں قبیلے برابر کے شریک ہوں کے اصل یہ ہے کہ اس وقت تک ملک میں دولتمند اور محتاجوں کی باہمی کشمکش کا اتنا اندیشہ نہ تھا جتنا کہ اس شدید نفاق اور باہمی حسد کا، جو بہت سے خاندانوں کے دلوں میں بھرا ہوا تھا۔ اور چونکہ ہر خاندان کی پشتی پر اُس کا قبیلہ ہوتا تھا اور قبیلہ ملک کا عنصرِاعظم تھا لہذا ان خاندانی نزاعات کی آگ کا کسی وقت سارے ملک میں بھڑک اٹھنا اور کل نظام حکومت کو تہ و بالا کردینا کوئی غیر ممکن بات نہ تھی کے لیکن اس مسٔلہ کی گرہ کشائی سولُن کے بعد،

ایک دوسرے مقنن کے نصیب میں آئی تھی۔

شروع ہی میں سولن نے ایک کام یہ کیا تھا کہ دریکو کے مجموعۂ قوانین کو منسوخ کردیا اور سوائے اُن قوانین کے جو قتل عمد کے متعلق اس نے منضبط کئے تھے اس کا کوئی قانون نافذ نہ رہنے دیا تھا۔ خود سولن نے جو قوانین وضع کئے وہ چوبی تختیوں پر کھدواکر ایوانِ شہر (پبلک ہال) میں رکھوادیئے گئے تھے۔

یہ جو کچھ کام سولن نے کئے ان میں جسارت و دلیری ضرور تھی مگر ساتھ ہی آئین و ضوابط کو بھی ہاتھ سے نہ دیا تھا۔ وہ مطلق العنان نہیں بنا۔ حالانکہ یہ اس کے لئے کچھ دشوار نہ تھا اور بہت سے لوگ اس سے ایسی توقع بھی رکھتے تھے۔ برعکس اس کے ان اصلاحات میں ایک بڑا مقصد جو سولن کی پیش نظر رہا وہ یہی پیش بندی تھی کہ ملک میں ایسے حالات صورت پذیر نہ ہونے پائیں جن میں شخصی حکومت کی ضرورت اور امکان پیدا ہوجاتا ہے۔ سطحی دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ گویا سولن اپنی اصلاحات میں ہر قدم پھونک کے رکھتا ہے۔ خود اس کے معاصرین اس احتیاط پر متعجب اور اکثر جزبز ہوے اور جب سولن اپنے عہدے سے دست بردار ہوا تو ہر طرف سے شکایتوں کی بوچھار ہونے لگی۔ لیکن اپنے قوانین میں ردّو بدل کرنے کا اُس نے خیال تک نہ کیا اور یہ سمجھ کرکہ جدید قوانین پر واضع کی غیبت میں زیادہ اچھی طرح عمل ہوسکے گا، وہ عہدۂ آرکنی

سے دست کش ہونے کے بعد بہت جلد ایتھنز سے باہر چلا گیا اور دس سال تک سیاحی کرتا رہا۔ ہر چند اس کی نظمیں ناقص اجزا کی صورت میں باقی ہیں، ہر چند اس کی زندگی کے بہت کم واقعات تحریر میں موجود ہیں اور ہر چند اس کے قوانین کے تفصیلی حالات دھندلے ہیں، بایں ہمہ سولن کے اوصافِ ذاتی کا دلوں پر نقش پڑ جاتا ہے اور جو کچھ ہمیں معلوم ہے اسی سے ہماری آنکھوں میں ایک ایسے شخص کی تصویر پھر جاتی ہے جو قدیم یونانیوں کا، اخلاقی اور ذہنی صفات کے اعتبار سے، بہترین نمونہ اور یونانی عقلا میں سب سے افضل تھا۔

تمدن کی جو اصلاحی تدابیر سولن نے کی تھیں اُن سے مُلک برابر مستفید ہوتا رہا۔ لیکن اس کی سیاسی اصلاحات، جن کا مقصود مصالحت تھی، بہت لوگوں نے ناپسند کیں اور اُسکے عہدے سے الگ ہوتے ہی پھر فرقہ بندی اور باہمی مخالفت کا طوفان برپا ہوگیا اور تیس سال کے بعد اسی نفاق کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں شخصی بادشاہی یا حکومتِ جابرہ کی بلا نازل ہوئی جسے روکنا، سولن کا سب سے زیادہ عزیز مقصد رہا تھا۔ مُلک میں جو فرقہ بندی اب ہوئی تھی اُن میں ایک فریق تو ان لوگوں کا تھا جو مجموعی طور پر سولن کے نئے نظامِ حکومت سے خوش تھے۔ اور دوسرا بڑا فریق ان کا تھا جو ان اصلاحات کے جمہوری پہلو کو ناپسند کرتے تھے اور اسی حکومتِ اُمرا کو جس کا سولن نے تختہ الٹ دیا تھا، پھر قایم کرنا چاہتے تھے۔

اس فریق میں زیادہ تر **یوپاٹ ردی** خاندان کے افراد شامل تھے اور اُن کا نام " اہل میدان" ہوگیا تھا۔ فریق مخالف " اہل ساحل" کے نام سے معروف تھا اور اس میں طبقۂ متوسط کا بڑا حصّہ، کسان اور نیز **دمیورگی** شریک تھے جنہیں **سولُن** کے نئے قوانین سے فائدہ پہنچا تھا۔ ان کا سرگروہ وہی **مگاکلیس** پسر الکمیون تھا جسے مگارا کی شہزادی **اگارستا** بیاہی تھی۔ یاد ہوگا کہ کیلُن کے معاملے میں یہ سارا خاندان جلا وطن کردیا گیا تھا لیکن سولُن نے سب سے پہلا کام یہی کیا تھا کہ ایک فرمان کے ذریعے اس خاندان کو واپس آنے کی اجازت دے دی تھی۔

باب پنجم

ایتھنز کا فروغ چھٹی صدی میں

۱- تسخیر سلامیس

جزیرۂ سلامیس، سواحلِ ایتھنز و مگارا کے درمیان، دونوں سے اس قدر قریب واقع ہے کہ جس ریاست کے قبضے میں آجائے ایسا دشمنِ بغل بن سکتا تھا کہ اس سے دوسری ریاست ہر وقت ضغطے میں رہے۔ پس اسی کے قبضے پر ایتھنز و مگارا کی آئندہ تاریخ کا فیصلہ ہونا تھا۔ جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت ایتھنز کے ہمسائے میں مگارا کی ریاست، اپنی روز افزوں تجارت اور بیرونی نو آبادیوں سے تعلقات کی بدولت بہت طاقتور ہوگئی تھی۔ کیلن کی

سازش کے ضمن میں اس ریاست سے ایتھنز کو جنگ کرنی پڑی جس کا اوپر ذکر آچکا ہے (۶۲۹ ق م) جنگ میں تھیاجنیس نے سواحل ایٹی کا پر بحری تاختیں کیں اور ایتھنز والوں نے سلاَمیس پر قبضہ کرنا چاہا۔ لیکن وہاں قدم جمانے کا موقع نہ مِل سکا اور مایوس ہوکر انھوں نے یہ کوشش چھوڑدی؛ کئی سال گزرنے کے بعد سولَن نے دیکھا کہ سب سے عمدہ موقع اب آیا ہے۔ اُس نے ایک ولولہ انگیز نظم تیار کی جس کا آغاز یہ تھا کہ "میں حسین سلامیس کا نقیب بن کر آیا ہوں مگر باتوں کی بجائے میری زبان، شعر میں اس کا پیام پہنچائیگی" اس کے بعد نظم میں ان صلح جُو اشخاص کی مذمت تھی جنہوں نے سلامیس کو اس ذلّت کے ساتھ "نکل جانے دیا" اور جوش دلایا تھا کہ "اٹھو اور سلامیس آؤ۔ اس خوبصورت جزیرے کو چھین لو اور وہ داغِ ذلّت دھو دو" اس کی التجا خالی نہ گئی۔ اہلِ ایتھنز کو قومی جہاد کا جوش آیا اور ان کی ایک فوج گویا ملکی عظمت کا سنگِ بنیاد رکھنے وطن سے روانہ ہوئی۔

اسی مہم میں سولَن کا عزیز دوست پی سیس تراتوس (پی سس ٹراٹس) پسر ہپوکراتیس بھی شریک تھا جس نے اسے کامیاب بنانے میں بڑی مدد دی۔ اور نہ صرف یہ جزیرہ مگارا سے چھین لیا گیا بلکہ جزیرے کے مقابل ساحل کا شہر نیسایا بھی پی سیس تراتوس نے فتح کرلیا اور گو صلح کے وقت اسے واپس دے دیا گیا تاہم سلامیس کے قبضے میں اب کوئی

حجّت نہ رہی اور یہ جزیرہ مستقل طور پر ایٹی کا سے ملحق اور اس کا پہلا ماورائے بحر مقبوضہ ہوگیا۔ اس کی زمین کو بہت سے قطعات میں بانٹ کر ایتھنز کے شہریوں کو دے دیا گیا جو "کلیروک" یعنی قطعہ دار کہلاتے تھے ؀

ایتھنز کے لئے سلامیس کی تسخیر کچھ کم نتیجہ خیز واقعہ نہ تھی۔ اس جزیرے پر قبضہ ہوجانے سے خود اس کا علاقہ ایک احاطے کے اندر اور خلیج ال یوسنی کی محفوظ گودی بالکل اُسکے تحت میں آگئی اور اب خود مگارا کو اس سے خطرہ پیدا ہوگیا؀

۲۔ عہدِ پی سیس تراتوس؀

نیسایا کا فاتح اپنے وقت کا سورما بن گیا تھا۔ عیّارانہ ابلہ فریبی سے اب اس نے اُن انتہا پسند احرار کے دِل میں گھر کرنا شروع کیا جو اہل ساحل و میدان، دونوں فریقوں سے الگ تھے۔ اور اس طرح اُس نے ایک تیسرا فریق تیار کیا جو اہل جبال کہلاتے تھے کیونکہ اس میں زیادہ تر سطح مرتفع کے غریب پہاڑی لوگ شریک تھے۔ اس فریق کو اپنا پشت و پناہ بناکر پی سیس تراتوس نے اختیار مطلق حاصل کرنے کا منصوبہ باندھا اور ایک روز زخمی چوک میں پہنچا اور زخم دکھاکے بیان کیا کہ "فریق مخالف نے دھوکے سے حملہ کرکے مجھے مجروح کیا ہے"، ساتھ ہی مجلس عوام کے جلسے میں جہاں گرزبردار پہاڑی کثرت سے جمع تھے اس پچاس گرز بردار رکھنے کی منظوری

مل گئی (۵۶۱ ق م) اور اس فوج خاصہ کو لے کر (جو کہ جابروں کی کامیابی کا پہلا زینہ ہوتا تھا) اُس نے **اکروپولس** پر قبضہ کرلیا اور سلطنت کا خود مالک بن بیٹھا *

قسمت کی بات ہے کہ **سولن** بھی ابھی تک گویا وہی شخصی حکومت دیکھنے کے لئے زندہ تھا، جس کا اُسے اتنا خوف تھا۔ مگر وہ اس عہدِ شخصیت میں تھوڑے ہی دن جیا اور پی سیس تراتوس نے بھی اس بزرگ قوم کے ساتھ کم سے کم ادب و تکریم کا برتاو ضرور مرعی رکھا *

تقریباً پانچ سال کے گزرنے پر اہلِ میدان و ساحل پی سیس تراتوس کے خلاف متحد ہوگئے (۵۵۶ ق م) اور انہوں نے اُسے ملک سے نکال دیا۔ لیکن تھوڑے ہی دِن بعد ان میں نفاق ہوا اور معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ ساحل کے سرگروہ، **مگاکلیس** کی نہ صرف فریقِ مخالف سے بلکہ خود اپنے فریق سے اَن بن ہوگئی۔ بہرحال اُس نے پی سیس تراتوس سے مصالحت کی سِلسلہ جنبانی کی اور اس شرط پر کہ وہ **مگاکلیس** کی بیٹی سے شادی کرے، اُسے حکومت پر بحال کرنے میں امداد کا وعدہ کیا۔ روایت کی جاتی ہے کہ پی سیس تراتوس کے طرف داروں کو کسی گانوں میں غیر معمولی قد و قامت کی فِیَہ نامی ایک عورت مل گئی تھی اور اُسے انھوں نے اتھینہ دیوی کے بھیس میں اپنے ساتھ لے لیا۔ پھر کسی مقررہ دِن چند نقیب شہر میں داخل ہوئے اور انھوں نے پکار پکار کے

اعلان کیا کہ خود دیوی پی سیس تراتوس کو اپنے ساتھ واپس لاہی ہے ۔ تھوڑے ہی دیر بعد ایک گاڑی پہنچی جس میں پی سیس تراتوس اور فیہ سوار تھے ۔ اور عوام الناس پر یہی فریب چل گیا۔ (سنہ ۵۵۰ - ۴۹ ق م) +

لیکن پی سیس تراتوس اور مگا کلیس کا زیادہ دن تک ایکا نہ رہا ۔ پہلی بیوی سے پی سیس کے دو بیٹے تھے ہپیاس اور ہیپارکوس ۔ اور اُسے اندیشہ تھا کہ دوسری بیوی سے اگر اولاد ہوئی تو شاید ان بیٹوں کی حق تلفی کا سبب ہو اور خاندان میں فساد پیدا ہوجائے ۔ پس گو اُس نے شادی کی ظاہری رسوم سب ادا کرلی تھیں لیکن مگا کلیس کی بیٹی کے ساتھ زوجیت کا تعلق نہ رکھا اور جب یہ اطلاع مگا کلیس کے کان تک پہنچی تو وہ نہایت برافروختہ ہوا اور پی سیس تراتوس کے دشمنوں سے مل کر اُس نے پھر ایک مرتبہ اُسے مُلک سے نکلوادیا ۔ (سنہ ۵۴۹ ق م) +

یہ دوسری جلا وطنی دس سال تک رہی ۔ اور اس اثناء میں پی سیس تراتوس نے مقدونیہ میں تازہ وسایل و تعلقات پیدا کیے ۔ دریاے سِتری مَن کے قریب اُس نے کوہِ پان گیوس کی طلای کانیں کھدوائیں ۔ نیز غیر ملکی سپاہیوں کی ایک فوج مرتب کی اور اس طرح اپنی حکومت واپس لینے کے واسطے روپیہ اور آدمی ، دونوں چیزیں مہیا کرلیں ۔ پھر جب وہ میراتھان میں لنگر انداز ہوا تو اُس کے رفیقوں کی جماعت

کثیر اُس کے زیرِ علَم جمع ہوگئی۔ مقابلے میں حکومتِ آئینی کے طرفدار لڑنے نکلے مگر جنگ پالنی میں شکست کھائی اور پھر کوئی مزاحمت پی سیس تراتوس کے راستے میں حایل نہ رہی۔ ایک مرتبہ اور حکومت اس کے قبضے میں آگئی اور پھر جیتے جی ہاتھ سے نہ گئی ؀

عہدِ پی سیس تراتوس کو ایک آئینی حکومتِ جابرہ کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن سیاسی تدابیر کے علاوہ جو اُس نے اپنی شخصی بادشاہی کے تحفظ کی غرض سے اختیار کی تھیں، اور کوئی ظاہری فرق قدیم ضوابط و آئین میں نہ آیا تھا اور سولن کا نظام حکومت بہیئتِ مجموعی اُسی طرح نافذ رہا تھا۔ مگر پی سیس تراتوس آرکنوں کے تقرر میں اپنا اثر اس طرح ڈالتا تھا کہ اُس کے ہوا خواہ اس عہدے پر مقرر ہوں اور بالعموم ایک عہدہ دار ضرور اُس کے اپنے خاندان کا آدمی ہوتا تھا؛ مشاہرہ یاب سپاہیوں کی فوجِ باقاعدہ اس کے پاس رہتی تھی اور غالباً ان میں سیتھیہ[1] کے تیر انداز بھی شامل تھے جن کی تصویریں اس زمانے کے ظروف پر بنی ہوئی پائی گئی ہیں؛ اپنے بڑے بڑے مخالفین کی جائدادیں پی سیس تراتوس نے ضبط کرلی تھیں اور اُن میں سے بہت لوگ

---

[1] قدیم یونانی دریائے دان یوب (ڈین یوب) کے تمام شمالی علاقوں کو اسکیتھیہ یا "سیتھیہ" کہہ دیتے تھے۔ در حقیقت یہاں کے "اسکیث" یا سیتھی باشندے ترکمانوں کی نسل سے تھے اور بحیرہ اسود کے کناروں سے بحیرہ خزر تک انہی کی مختلف قومیں یا خانہ بدوش قبایل رہتے تھے مترجم۔

جن میں الکمیونی خاندان بھی داخل ہے گھر چھوڑ چھوڑ کر پردیس کو چلے گئے تھے ۔ یہ زمینیں پی سیس نے اپنے اُن خیر خواہوں میں بانٹ دی تھیں جن کے پاس پہلے کوئی زرعی جایداد نہ تھی اور جو ایک سُدس پیداوار پر مزدوری کرتے تھے جو زمینیں انھیں ملیں اُن پر پیداوار کا صرف دسواں حصّہ مالگزاری ادا کرنی پڑتی تھی۔ لیکن اس مالگزاری اور دریاے سٹریمُن کی املاک سے پی سیس ترا توس کو بہت معقول آمدنی ہوجاتی تھی ۔ ایٹی کا میں اس کے ماتحت امن وامان قایم تھا۔ لوگ خوش حال تھے۔ وہ شہر کو خوبصورت بنا رہا تھا اور بیرونی علاقوں میں سلطنت کی بنیاد ڈال رہا تھا ؂

پی سیس ترا توس کے جابر بننے سے چالیس برس قبل اہل ایتھنز نے دردانیال کے دہانے پر لس بوس والوں کے قلعے ، سیگیوم کو فتح کرلیا تھا اور دُور کے سمندروں میں یہ اُن کی سب سے پہلی قسمت آزمائی تھی ۔لیکن تھوڑے ہی دن بعد جب وطن میں تنازعے بپا ہوے تو یہ قلعہ اُن کے ہاتھ سے نکل گیا تھا ؂ پی سیس نے اُسے اب پھر فتح کیا اور اپنے ایک بیٹے کو وہاں کا حاکم بنادیا۔ پھر اسی کی زیرِ سر پرستی ، لیکن اس کے ایک مخالف نے یہاں ایک اور بہت بڑا علاقہ حاصل کیا۔ اس شخص کا نام مل تیادیس تھا۔ وہ میدانی فریق کا ایک سرگروہ اور فیلائی خاندان کا امیرزادہ تھا اور پی سیس کے عہد میں آباد کاروں کا ایک گروہ لیکر خرسُنیس (علاقہ تھرلیس) میں نوآبادی

بسانے روانہ ہوا ٭

آیونیانی قوم کے وطنِ اصلی اور سرگروہ ہونے کا ایتھنز مدعی تھا۔ لیکن اس کا حقِ بزرگی بڑے شدومد سے پی سیس تراتوس ہی نے ثابت کیا۔ یونانی دیومالا میں جزیرہ دلوس (ڈیلوس) کو اپالو دیوتا کا جنم بھوم مانا گیا ہے اور وہاں اس کا مندر، بحیرۂ ایجین کے دونوں جانب بسنے والے، آیونیانیوں کا مرکزی تیرتھ تھا۔ پی سیس تراتوس نے اس مقدس مقام کو "پاک کرایا" یعنی مندر کے اردگرد جہاں تک نظر جاتی تھی، جس قدر قبریں بنی ہوئی تھیں سب کھدوائیں اور مُردوں کی ہڈیاں جزیرے کے دوسرے حصّوں میں دفن کرادیں ٭

دین کے ہر معاملے میں پی سیس تراتوس کو واقعی خاص غلو تھا۔ لیکن اس کا کوئی کام اتنا نتیجہ خیز نہیں جس قدر کہ وہ خدمات جو اُس نے ڈایونی سیئس کی پرستش کے متعلق انجام دیں۔ اس خدائے شراب کا نیا گھر اس نے خاص اکروپولس کے نیچے تعمیر کیا جس کے کھنڈر اب تک ناپدید نہیں ہوئے ہیں اسی مندر کے متعلق اُس کے حسب ایما وہ نیا تہوار منایا جانے لگا جسے "شہر کی بڑی ڈایونی سیا" کہتے تھے اور جس نے فصلِ شراب کے پُرانے تہوار (سنائیا) کو بالکل ماند کردیا۔ اگرچہ ڈایونی سیس کے پہلے مندر پر یہ پُرانا تہوار اب بھی موسم بہار کے اوایل میں ہر سال منایا جاتا تھا۔ ان میلوں کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ لوگ دیوتا کے بک مانس[1]

[1] بک مانس۔ ساتیر (Satyr.) کا ترجمہ ہے۔ یعنی ایسی مخلوق جس کا آدھا دھڑ بکرے کا ہو اور آدھا انسان کا ٭ مترجم۔

چاکروں کا سانگ بناتے تھے اور بکری کی کھالیں اوڑھ اوڑھ کر
قربان گاہ کے گرد ناچتے اور ملکر "بکری کے گیت" گایا کرتے تھے
لیکن رواج ہو گیا تھا کہ ناچنے والوں کا سردار جس کا کام گیت
بنانا بھی ہوتا تھا، اُس شخص کا بہروپ بھرتا جس کا گیت میں
ذِکر ہے، اور ساتھ والوں سے الگ ہوکر جواب سوال بھی کرتا
جاتا تھا۔ دیہات میں ایسے سانگ لوگ اپنے طور پر بنا لیتے
تھے مگر بڑی ڈایونی سیا میں وہ سرکاری اہتمام سے دکھائے
جانے لگے اور پھر دو یا زیادہ طائفوں میں انعام کے واسطے
ٹُراجڈی" (یعنی بکری کے گیت) کا مقابلہ ہونے لگا۔ رفتہ
رفتہ وہ افسانے بھی گائے اور سانگ میں دکھائے جانے لگے
جن کا ڈایونی سیس دیوتا سے کچھ تعلّق نہ تھا۔ اور ان میں ناچنے
والے بک مانسوں کا بھیس بھرنے کی بجائے، اپنی نقل کے
مناسبِ حال لباس پہننے لگے؛ ایسے سانگ میں تین جلوے
(یعنی ایکٹ) ہوتے تھے اور ہر دفعہ ناچنے والے نیا بھیس بدلکر
آتے تھے۔ البتہ آخر میں وہ اپنا اصلی لباس یعنی بکری کی کھال
پہن کر آتے اور کوئی ایسی نقل کرتے جس سے "ٹراجڈی" کی
اصلیت فراموش ہونے نہ پائے! لیکن رفتہ رفتہ یہ بھی زیادہ
ضروری نہ رہا۔ نیز ایک دوسرا ایکٹر تماشے میں آنے لگا۔ اور
اس طرح وہی شے جو پی سیس ٹراتوس کے عہد میں محض "بکری کا
گیت" تھی ہوتے ہوتے اس کائی لوس کی ٹراجڈی یعنی باقاعدہ
ناٹک بن گئی۔

ایتھنہ دیوی کے یادگار میں ہر چوتھے سال ایک اور بڑا تہوار "پان ایتھنیہ" منایا جاتا تھا اور پی سیس تراتوس کی غصب بادشاہی سے چند ہی روز پیشتر، اگراس کی بنیاد نہ پڑی تو تجدید ضرور ہوئی تھی۔ اس تہوار میں موسیقی اور مردانہ کرتبوں کے مقابلے ہوتے تھے لیکن اصلی چیز اور میلے کی جان وہ جلوس تھا جو شہر سے دیوی کی پہاڑی تک، اس کی درگاہ میں ایک قبا چڑھانے نکلتا، جسے دو دوشیزگانِ شہر اپنے ہاتھوں سے بُنتی تھیں۔ ایتھنہ اور اِرِک تیوس دونوں کے مندر پہاڑی کی شمالی چوٹی کے قریب واقع تھے۔ مگر اب اس شہر کی دیوی کیواسطے ایک اور مکان پہاڑی کے جنوب میں تیار کیا گیا تھا اور اگرچہ اس کی تعمیر پی سیس تراتوس کے عہد سے پہلے ہوئی تھی لیکن اُس کے گرد ڈوریائی ستون غالباً پی سیس تراتوس نے بنوائے۔ اپنی لمبائی کی وجہ سے اس مندر کا نام "سو فیٹ کی حویلی" ہوگیا تھا اور دیواروں کے سب سے نچلے پتھروں سے جو ابھی تک اپنی جائے پر باقی ہیں، عمارت کا مقام اور نقشہ سمجھ میں آسکتا ہے، لیکن اس کی سب سے قابل دید شئے وہ سموسے یا حاشیے تھے جن کی آراستگی میں اس عہد کے سنگ تراشوں نے اپنا پورا کمالِ صناعی صرف کیا تھا۔ اس کام کے لئے کچھ دِن پہلے تک ان کاریگروں میں پیرغیوس کا چُونا بہت مقبول تھا لیکن اب (چھٹی صدی کے نصف آخر میں) یونانی سنگ تراش زیادہ سخت اور زیادہ نفیس مصالحے پر اپنا ہنر دکھانے لگے تھے۔

چنانچہ ایتھِنہ کے اس نو ترمیم مندر کا حاشیہ پاروسی سنگِ مرمر کا بنایا تھا جس پر دیوتا اور عفریتوں کی جنگ کندہ تھی اور بیچ میں خود ایتھِنہ کی تصویر ایک عفریت کو برچھے سے قتل کرتی دکھائی تھی جو اب بھی موجود اور اہل نظر سے دادطلب ہے۔
قلعے کے جنوب شرق میں الی سوس کے کنارے پی سیس ترآٹوس نے زئیس دیوتا کے ایک وسیع مندر کی ڈوریانی وضع پر تعمیر شروع تو کی مگر اسے اتنے عظیم پیمانے پر اُٹھایا تھا کہ اس کی تکمیل کو صدیوں تک ہڈریَن (قیصر روم) کے زمانے کا انتظار کرنا پڑا

۳- اسپارٹہ کا عروج اور اتحادِ پلوپنی سس

ابھی یہ شاہ جابر تو ایتھنز کا مستقبل ڈھال رہا تھا مگر اُدھر اسپارٹہ تمام جزیرہ نمائے پلوپنی سس میں سر برآوردہ ریاست بن چکا تھا۔
واضح ہو کہ مشرقی ارکیدیہ خاص اُس وسیع میدان کو کہتے تھے جو سطح سمندر سے بلند ہے۔ اس میدان کے شمالی دیہات سمٹ کر مان تینیا کی بستی بسی تھی اور جنوبی دیہات مل کر تگیا رفتہ رفتہ آباد ہوا تھا۔ انہی سرحدوں تک اسپارٹہ نے رفتہ رفتہ اپنا علاقہ بڑھالیا اور انجام کار خود تگیا سے دست و گریبان ہو گیا۔
(قیاساً سنہ ۵۵۶-۵۵۰ ق م) اپنی طویل جنگ کے متعلق یہ دلچسپ افسانہ مشہور ہے کہ جب اہل اسپارٹہ نے دِلفی کے مندر میں

استخارہ کرایا کہ آیا وہ ارکیدیہ پر فتح کی اُمید رکھیں ؟ تو دیوتا کی طرف سے بشارت دی گئی کہ تگیا انہیں ضرور مل جائیگا۔ چنانچہ اسی بھروسے پر وہ اسیرانِ جنگ کے واسطے پہلے سے بیڑیاں لے کر چلے تھے۔ مگر مقابلے میں اہل تگیا نے شکست دی اور انہی کی بیڑیاں اُن کے پاؤں میں ڈالکر بجبر اپنی زمینوں میں قلبہ رانی کرائی ؛ جنگ کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا لیکن جب اسپارٹہ کو ہر مرتبہ ناکامی ہوئی تو انھوں نے پھر دیوتا سے مشورہ مانگا۔ جواب میں اُن سے۔ اُرِس تیس کی ہڈیاں لانے کی فرمائش کی گئی اور جب اُس سورما کا مدفن انہیں نہ مل سکا تو ایک مرتبہ پھر انھوں نے دیوتا سے رجوع کیا۔ اس دفعہ جو الہامی جواب انہیں ملا وہ نہایت پیچیدہ اور مبہم الفاظ میں تھا

"ارکیدیہ کی پہاڑیوں میں ایک میدان تگیا کو لئے ہوئے ہے۔
جہاں دو دہکتی بھٹیاں بلا پہ بلا گرا رہی ہیں۔ وار پہ وار
کرنے والے آمنے سامنے ہیں۔ تجھے جس لاش کی تلاش ہے
وہاں موجود ہے۔ خاص اگامِمنن کا بیٹا! اُسے گھر لے آ۔
میدان تیرے ہاتھ ہے"

اس سے بھی اہل اسپارٹہ کی کچھ مشکل حل نہ ہوئی۔ لیکن اتفاق سے اُس وقت جب کہ فریقین میں ہنگامی صلح ہو گئی تھی، لیکاس نامی اسپارٹہ کا باشندہ تگیا آیا اور ایک لوہار کی دکان میں لوہا تپانے کا تماشہ دیکھنے لگا۔ باتوں باتوں میں لوہار نے اُس سے بیان کیا کہ میں گھر کی انگنائی میں کنواں

کھودتا تھا جو سات ہاتھ لمبے تابوت میں اسی قدر لمبی لاش زمین سے نکلی اور میں نے دوسری جگہ اُسے دبا دیا؛ یہ بات سنتے ہی لیکاس کو دیوتا کے جواب کا حل سوجھہ گیا اور اسپارٹہ آکر اُس نے سارا قصہ وہاں بیان کیا؛ پھر یہ انگنائی کرایے پر لے کر تلاش کی تو وہ تابوت مل گیا اور مردے کی ہڈیاں لقونیہ لے آئے؛ اُس کے بعد ہی (اب ہم افسانے کی حدود سے نکل کر واقعات کی سرحد میں داخل ہوتے ہیں) تگیا فتح ہوگیا لیکن اس شہر کی اراضی کے ساتھ مسینیہ جیسا سلوک نہیں ہوا یعنی اُسے فاتحین نے اپنے علاقے میں شامل نہیں کیا بلکہ تگیا کو ایک باج گزار ریاست بنا کے قایم رکھا اور قرار پایا کہ وہ فاتحین کی فوج کے واسطے بوقت ضرورت سپاہیوں کا ایک دستہ فراہم کرتی رہیگی ؛

قریب قریب اسی زمانے میں اسپارٹہ کو آخرکار اپنے ملک کی خاطرخواہ حد بندی کرنے میں کامیابی ہوئی یعنی اُس نے شمال مشرق کا متنازعہ فیہ علاقہ تیریاتیس، ریاست ارگوس سے چھین لیا - (قیاساً سنہ ۵۵۰ ق م) دونوں طرف کی فوجیں میدان میں لڑنے نکلیں لیکن فریقین کے سرداروں میں باہم یہ قرارداد ہوئی کہ دونوں طرف سے صرف تین سو چیدہ جنگ آزما میدان میں اُتریں اور انہی کی فتح و شکست پر لڑائی کا فیصلہ ہو جائے؛ روایت میں ہے کہ اس مبارزہ میں فریقین کے تمام سپاہی کٹ مرے اور سوائے تین جوانوں

کے ایک شخص بھی زندہ نہ بچا - ان تین میں دو ارگوس کے جنگ آزما تھے اور ایک اسپارٹہ کا سپاہی باقی رہ گیا تھا۔ لیکن ارگوس والے تو اپنی فتح کا اعلان کرنے کی خوشی میں وطن کی طرف دوڑ پڑے اور اسپارٹہ والا جس کا نام اُتریادلیس تھا، اکیلا میدان میں رہ گیا اور وہاں فتح کا جھنڈا اسی نے گاڑا - بہر نوع دونوں فریق اپنی فتح کے دعویدار تھے اور آخر پھر ایک جنگ ہوئی جس میں اہل ارگوس نے کامل شکست کھائی اور ساتھ ہی سارے جزیرہ نما میں اسپارٹہ بالادست ہوگیا؛ ارگوس اور اکائیہ کے سوا پلوپنی سس کی تمام ریاستیں ایک بے قاعدہ سے اتحاد میں اس عہد و پیمان کے ساتھ شامل ہوگئیں کہ مشترکہ اغراض کے واسطے جب ضرورت ہوگی اسپارٹہ کے زیر علم اپنی اپنی امدادی فوجیں مجتمع کردینگی۔ شرکائے اتحاد کا جلسہ اسپارٹہ میں ہوتا تھا اور اس میں ہر ریاست اپنے نائب وکیل بھیجتی تھی؛ اس اتحاد میں شرکت پر کورنتھ کی ریاست بڑی جلدی آمادہ ہوگئی تھی ۔کیونکہ اس کا ارگوس کی صفِ مقابل میں نظر آنا قدرتی بات تھی اور اسی طرح اس کا تجارتی رقیب جزیرہ اجی نا ارگوس کا جانب دار تھا؛ خاکنائے کی دوسری ریاست مگارا بھی جہاں پھر اُمرا نے تسلط جما لیا تھا، اتحاد میں شریک ہوئی ۔اس طرز حکومت کا اسپارٹہ دل سے حامی تھا اور حکومت خواص کے قیام و بقا کے واسطے ہر جگہ اپنا رسوخ و اثر صرف کرتا تھا؛ جمہوریت سے اُسے

ہر جگہ مخالفت رہی، بجز ایک یادگار موقع کے جس کا ذکر آگے آتا ہے ؛

۴- خاندانِ پی سیس تراتوس کا خاتمہ اور اسپارٹہ کی مداخلت

جب پی سیس تراتوس مرا تو اس کا بڑا بیٹا ہیپیاس جانشین ہوا اور چھوٹا بیٹا ہیپارکوس بھائی کا حکومت میں ہاتھ بٹانے لگا۔ (۵۲۷ و ۵۲۸ ق م) ہیپاس جسے تعبیر و کہانت کے علم میں بڑا دخل تھا اور اس کا بھائی، دونوں اپنے زمانے کے بڑے صاحب ذوق اور تربیت یافتہ امیر زادے تھے اور نامور شعرائے ہمعصر جیسے سی موتی دیس کیوسی[1] اور اناک رین ہوسی[1] ان کے دربار میں حاضر ہوتے رہتے تھے ؛

اس حکومت جابرہ کے خلاف پہلے حملے کا منصوبہ ذاتی پرخاش پر مبنی تھا۔ ہیپارکوس نے ایک خوبصورت نوجوان ہرمودیوس کی دلِ آزاری کی تھی اور وہ اور اس کا عاشق ارس تگی تن ہیپارکوس کے دشمن ہوگئے تھے۔ انہی نے ملکر دونوں جابروں کو مارنے کا منصوبہ باندھا اور اس کام کے لئے جلوس کا دن مقرر کیا کہ اسوقت شبہ پیدا ہوئے بغیر وہ علانیہ مسلح ہوکر آسکتے تھے۔ لیکن جب مقررہ وقت آیا تو اہل سازش نے دیکھا کے ان کا ایک شریک ہیپارکوس کے ساتھ کھڑا باتیں کررہا ہے جس سے وہ فوراً یہ نتیجہ

---

[1] ۔ کیوس اور ہوس دونوں بحیرۂ ایجین کے جزیروں کے نام ہیں؛ مترجم ؛

نکال بیٹھے کہ سازش کھل گئی۔ لہذا ہیپیاس کو چھوڑ کر وہ بازار کی طرف جھپٹے اور ہیپارکوس کو مار ڈالا۔ اُس کے سپاہیوں نے ہرمودیوس کو تو اُسی وقت ٹکڑے ٹکڑے کردیا لیکن ارس تگی تن بچ گیا اور بعد میں گرفتار ہوکر نہایت عقوبتوں کے ساتھ مارا گیا ۔

اس وقت اہلِ سازش سے کسی شخص کی ہم دردی ظاہر نہیں ہوئی تھی لیکن اس فعل نے خود ہیپیاس کے طرزِ حکومت کو بالکل بدل دیا اور اس وہم کی وجہ سے کہ نہ معلوم یک بہ یک کون مارِ آستین پیدا ہوجائے، وہ نہایت سخت گیر شکّی اور فرعونِ مطلق بن گیا۔ تب بہت سے اہلِ شہر بھی اُس سے بیزار ہوگئے اور جابر کُش ہرمودیوس اور ارس تگی تن کو دِل ہی دل میں یاد کرنے لگے ۔

لیکن حکومتِ جابرہ کے استیصال کا قوی سبب خاندانِ الکمیونی کی کوششیں تھیں کہ یہ لوگ اپنے وطن میں آنا چاہتے تھے اور جب تک خاندانِ پی سیس تراتوس کا راج تھا، کسی طرح نہ آسکتے تھے۔ پس انہوں نے دِلفی کے کاہنوں پر اثر ڈالا کہ وہ ریاست اسپارٹہ پر زور دیں۔ چنانچہ جب کبھی اسپارٹہ والے کسی معاملے میں دیوتا سے مشورہ کرنے آتے۔ وہاں سے ہمیشہ انہیں یہی جواب مِلتا کہ "پہلے ایتھنز کو آزاد کرو" ۔

الکمیونیوں میں اس وقت مگاکلیس کا بیٹا کلیس تنیس

کلیس تنیس کا ساتھی ہوگیا تھا اور اس نے انہیں پورے حقوق دلوانے کا وعدہ کرلیا تھا۔ چنانچہ اُس نے بعض جمہوری تجاویز اسی سال مجلس عوام میں پیش کردیں جس سال اُس کا حریف آرکن تھا (۵۰۸ ق م) اور جب کثرتِ رائے کے آگے ایساگوراس کا زور نہ چلا تو اس کو مجبوراً اسپارٹہ سے مدد کی التجا کرنی پڑی۔ اس کے کہنے سے اہل اسپارٹہ نے بھی، جنہیں جمہوریت مطلق پسند نہ تھی، زور دیا کہ الکمیونی خاندانِ دیوتاؤں کا گنہگار ہے اسے ایٹی کا سے نکال دیا جائے۔ اس پر کلیس تنیس نے بغیر حجت و مزاحمت خود ہی وطن کو خیر باد کہی اور باہر چلا گیا۔ لیکن جمہوریت کے دشمن اسی پر اکتفا کرنا نہ چاہتے تھے۔ شاہ کلیومنیس دوبارہ ایٹی کا میں داخل ہوا اور سات سو خاندانوں کو جنھیں ایساگوراس نے خطرناک بتایا، جلا وطنی کا حکم دے کر اُس نے نئے نظام حکومت کو توڑنا اور اس کی بجائے حکومتِ خواص کو قائم کرنا چاہا۔ مگر اُس وقت ساری قوم ہتیار سنبھال کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور شاہ اسپارٹہ جو تھوڑی سی فوج لے کر آیا تھا، ایساگوراس سمیت قلعے میں گھر گیا۔ تیسرے ہی دن اُس نے مجبور ہوکر ہتیار رکھ دیئے اور اب پھر جلا وطنوں کو اور خاص کر کلیس تنیس کو واپس آنے کی آزادی مل گئی کہ آئے اور جو کام شروع کیا تھا اوس کی تکمیل کرے ؛

۵- اصلاحاتِ کلیس تنیس

جمہور کے واسطے جو آلۂ حکومت سولُن بنا گیا تھا وہ اب کام نہ دے سکتا تھا۔ برادری اور علاقوں کی تقسیم سے فرقہ بندی پیدا ہوتی تھی:۔ ہر برادری کے تمام افراد ایک ہی قبیلے اور علاقے میں داخل ہوتے تھے۔ اور چونکہ قبیلے چار تھے لہذا برادریوں کے جتھّے بن بن کر ریاست میں بیجا غلبہ حاصل کرلیتے تھے۔ کیونکہ کسی دولتمند خاندان یا برادری کی پُشتی پر پُورا قبیلہ ہوتا تھا۔ اور اسی طرح خاص خاص علاقوں کے باشندے جیسے اہلِ ساحل، قبیلے کی مدد سے اپنی قوت بڑھا سکتے تھے؛ کلیس تنیس کا سب سے یادگار کارنامہ یہی ہے کہ اُس نے ایک نیا نظام تیاّر کیا جس سے یہ مقامی اور خاندانی گروہ بندی ٹوٹ گئی اور ہر باشندہ اپنے علاقے والوں کی بجائے تمام قوم کا فائدہ مدّنظر رکھنے لگا:۔

ایٹی کا میں اُس وقت ''دمی'' یعنی پرگنے یا چھوٹے چھوٹے ضلعے تعداد میں سَو اور دو سَو کے درمیان تھے حالاتِ طبعی کے لحاظ سے کلیس تنیس نے کل مُلک کے علٰحدہ علٰحدہ تین خطّے کردئیے تھے:۔ شہر۔ سواحل۔ اندرونی علاقہ۔ پھر ہر خطّے میں اضلاع کے دس مجموعے بنادئیے تھے جن کا نام ''ترتیی'' تھا اور یہ کُل مُلک میں تیس تھے۔ اب انہی تیس مجموعوں کی اُس نے ایک دوسری تقسیم یہ کی کہ مختلف

خطوں سے ایک ایک مجموعۂ اضلاع لیکر تین تین مجموعوں کے شعبے اور تیار کئے اور انہی کو دس قبایل قرار دیا حالانکہ اُن میں بالکل مختلف خاندان اور علاقوں کے باشندے شامل ہوتے تھے مثلاً قبیلۂ پان دیونیس میں تین مجموعۂ اضلاع شامل تھے ایک شہر کے خطے میں تھا۔ دوسرا (پیانیا) اندرونی علاقے میں اور تیسرا (میرئیوس) ساحل کے خطے سے لیا تھا اور ان تینوں کا الگ ایک قبیلۂ (پان دیونیس) بنالیا تھا۔ ان دس نئے قبیلوں کے نام قدیم سورماؤں کے نام پر تھے[۱]۔

غرض اب ہر شخص کی تین حیثیتیں ہوگئی تھیں: اوّل تو وہ ایک (دموس یا) دِمی (ضلع) میں شامل ہوتا تھا، دوسرے تریتی (مجموعہ اضلاع) میں اور تیسرے کسی قبیلے میں؛ سیاسی حقوق و فرائض کے علاوہ قبیلون کی تقسیم سے ایک اور کام یہ لیا گیا تھا کہ اب ہر قبیلہ پیادہ اور سوار فوج کی مقررہ تعداد خود فراہم کرتا تھا اور اس طرح ان نئے قبیلوں کے افراد محض رائے دینے کی غرض سے ہی یک جا نہ ہوتے بلکہ ایک ہی دستہ فوج میں شامل اور اپنے قبیلے کے ایک ہی سردار کے ماتحت شریک جنگ ہوتے تھے۔

ہر دِمی کو بجائے خود ایک جماعت تسلیم کیا گیا تھا اور اس کا ایک دمارک یا میر مجلس الگ ہوتا تھا اور سترہ برس

---

[۱] نئے قبیلوں کے دس نام یہ ہیں:۔ ارکتیس۔ ایجیئس۔ پان دیونیس۔ لیون تیس۔ اکامان تیس۔ اونئیس۔ کگروپیس ہیپوتن تیس۔ ایان تیس۔ اور اَن تیوکیس۔ ۱۲

کی عمر سے زیادہ کے تمام باشندوں کی فہرست اُس کے پاس رہتی تھی ؛ لیکن ترِیتّی یعنی مجموعہ اضلاع کا علیحدہ کوئی نظام نہ تھا۔ وہ صرف دمِی اور قبیلے کی درمیانی کڑی تھی ، جو مختلف مقامات کے باشندوں کو ایک حلقے میں لاتی اور وطن کے مشترکہ فایدے کے لئے ملکر کام کرنا سکھاتی تھی اور اس تدبیر سے جبال و ساحل اور میدان کی پرانی تفریق غائب ہوگئی تھی ؛ جدید نظام کے استحکام کا راز یہ تھا کہ آخر میں دمِی پر ہی جاکر اس کی بنیاد ٹھیرتی تھی اور دمِی ایک قدرتی اور واقعی حصۂ ملک تھا نہ کہ مصنوعی۔ اور ولدیت کی بجائے آیندہ سرکاری کاغذات میں ، لوگ انھی کی سکونت سے منسوب و معروف ہوتے تھے بلکہ کوئی شخص اپنی سکونت بدل دے اور دوسری دمِی میں جا بسے تو بھی وہ اسی دمِی کا باشندہ مانا جاتا تھا جس کی سرکاری فہرست میں اس کا نام مندرج ہوچکا ہے ؛

یاد ہوگا کہ سولَن نے چارسو اراکین کی جو کونسل بنائی تھی اس کی بِنا قدیم آیونیائی قبایل پر تھی۔ کلیس تنیس نے اسکی بجائے اراکین کی تعداد ۵ سو کردی اور اپنے دس نئے قبیلوں کے ۵۰۔۵۰ ارکان اس میں شامل کئے۔ ان کا تقرّر کُل قبیلہ کی طرف سے نہ ہوتا تھا بلکہ ہر دمِی اپنی آبادی کے تناسب سے دو دو چار چار رُکن مقرر کرتی تھی۔ یہ انتخاب قرعہ اندازی کی رو سے کیا جاتا مگر سابق کونسل کو حق حاصل

تھا کہ اپنے علیحدہ ہونے سے پہلے نئے اراکین میں کسی کو نا اہل دیکھے تو اس کا انتخاب مسترد کردے؛ منصب رکنیت پر سرفراز ہوتے وقت نئے اراکین حلف لیتے تھے کہ وہ "شہر کے حق میں بہتر سے بہتر مشورہ" دیا کرینگے۔ نیز میعاد رکنیت کے بعد، جب وہ علیحدہ ہوتے تھے جو کچھ انھوں نے کیا اس کا محاسبہ کیا جاسکتا تھا ؛

یہ کونسل یا مجلسِ انتظامی، جس میں ایٹی کا کے ہر حصّے کے لوگ شامل ہوتے تھے، ریاست کی سب سے اعلیٰ حکمران جماعت تھی۔ آرکن اور دیگر عمّال کا فرض تھا کہ وہ تمام حالات کی اطلاع اس مجلس کے سامنے پیش کریں اور اس کی ہدایات پر کاربند ہوں۔ سلطنت کے مداخل و مخارج پر عملاً اس مجلس کو اختیار کلّی حاصل تھا اور مال کے دس نئے (ہر قبیلے سے ایک) عہدہ دار جنھیں "اپوڈِ کتے" کہتے تھے، اس کے ماتحت کام کرتے تھے۔ امور عامّہ بلکہ امور جنگی کے متعلق بھی یہ جماعت مجلسِ وزرا کے فرایض انجام دیتی تھی۔ ریاستہائے غیر سے مراسلت یا اُن کے سفیروں سے گفت و شنید بھی اسی مجلس کا کام تھا لہذا اسی کو وزارت خارجہ سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن اعلانِ جنگ یا معاہداتِ صلح کا اس کو کوئی اختیار نہ تھا اور یہ حقِ شاہانہ صرف جمہور کی مجلس عام کو حاصل تھا ؛ تاہم انتظامی اختیارات کے علاوہ مجلسِ انتظامی کو مشورہ دینے کا ضرور حق تھا اور وضعِ قوانین کی تحریک اسی کی طرف سے

ہوتی تھی۔ یعنی مجلس جمہور کے سامنے کوئی ایسا مسودہ قانون نہیں پیش ہوسکتا تھا جس کی خود مجلسِ انتظامی پہلے سے غور کرکے تحریک نہ کرے۔ چنانچہ ہر قانون پہلے مجلس انتظامی کی جانب سے "پروبُولیوما" (یعنی مسودۂ قانون) کی شکل میں پیش ہوتا تھا اور پھر مجلس جمہور کے اجماع سے منظوری پانے کے بعد "سِفِیما" (یعنی قانون نافذالوقت) بن سکتا تھا۔ مزید برآں مجلس انتظامی کو عدالتی اختیارات بھی دئے گئے تھے اور مجلسِ عوام کی طرح وہ استغاثوں کی سماعت کرسکتی تھی ÷

یہ ظاہر ہے کہ پانسو اشخاص کی جماعتِ کثیر کا، انتظامی کاروبار کے لئے، برابر اجلاس کرتے رہنا نہایت دشوار تھا۔ پس سال کے ۳۶۰ دن کی دس حصّوں میں تقسیم کردی گئی تھی اور ہر قبیلے کے پچاس ارکان کی جماعت باری باری سے مجلس کے پورے انتظامی فرائض انجام دیتی تھی۔ جس قبیلے کے ارکان کی باری ہو اُس کو میعاد مقرّرہ (۳۶ دن) میں صدر سمجھا جاتا اور خود ارکان کی یہ جماعت اُس وقت تک کے واسطے "پری تانئیس" یعنی صدر نشین کہلاتی تھی۔ نیز سال کے (جس کے انھوں نے ۳۶۰ دن فرض کرلئے تھے) وہ دس حصّے جن میں باری باری ایک جماعت صدر نشین ہوتی۔ "پِری تانی" کہلاتے تھے ÷

نئے قبیلوں کی وجہ سے فوجی تنظیم کو بھی بدلنا پڑا ہر قبیلہ ہزار پیادہ اور ایک دستہ سواروں کا بھرتی کرتا تھا اور

پیادوں پر دس سپہ سالار ہوتے تھے جنھیں لوگ کثرتِ رائے سے (فی قبیلہ ایک) منتخب کر لیتے تھے۔ یہ عہدہ آیندہ چل کر ریاست میں سب سے زیادہ با اثر بن گیا تھا لیکن ابتدا میں سپہ سالار محض قبیلے کی فوج کا سردار ہوتا تھا۔

کلیس تنیس نے مجلس انتظامی کو جس طرح ترتیب دیا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یونانی مدبّر نیابتی طریقِ حکومت کا اصول سمجھتے تھے کیونکہ یہ مجلس، ملکی نیابت کا نہایت عمدہ نمونہ تھی کہ اُس کے ارکان ہر مقام سے رائے دہندوں کی تعداد کے لحاظ سے منتخب کئے جاتے تھے اور پھر عنانِ حکومت، عملاً اسی منتخب جماعت کے ہاتھ میں ہوتی تھی لیکن اس اصول کو سمجھنے کے باوجود یونانی مدبّروں کو تمام اختیارات ایسی منتخب جماعت کے حوالے کردینے میں ہمیشہ پس و پیش ہوتا تھا۔ دوسرے ان کی شہری ریاستوں کے رقبے اس قدر کم تھے کہ اس قسم کی مجلسِ عام کا بنالینا ممکن تھا جس میں، وہاں کا ہر باشندہ بلا دقّت شرکت کرسکے۔ لہذا اس بنیادی اصول پر لفظاً لفظاً عمل ہوسکتا تھا کہ اپنی حکومت اور وضعِ قوانین کا اختیار صرف جمہور کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے؛ اسی بات کو پیش نظر رکھکر اتھینہ میں مجلسِ انتظامی کو وضع قوانین کا اختیار نہ دیا گیا تھا۔ تاہم وضع قوانین میں اس کی شراکت ناگزیر تھی اور نہ صرف وہ قوم کی نائب تھی بلکہ اس کی (پچاس ارکان کی) جماعتیں بھی وہی

حیثیت رکھتی تھیں جو ہمارے زمانے میں اعلیٰ احکام یا "حکومت" (یعنی گورنمنٹ) کو حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ اُن کی نوعیت جُداگانہ اصُول پر مبنی تھی، بہر حال مجلس انتظامی کا وضع قوانین پر پورا اثر تھا اور اکثر اوقات مجلس جمہور اُن مسودات کو جو مجلس انتظامی کی طرف سے پیش ہوتے تھے، مِن وعن اسی رسمی طریق پر منظور کرلیتی تھی جس طرح کہ انگلستان میں بادشاہ پارلیمنٹ کے قوانین پر منظوری دے دیتے ہیں۔

۶۔ جمہوریت کی پہلی فتوحات

جمہوریت کے میدان میں آتے ہی ایتھنز کو نہایت خطرناک منزل یہ پیش آئی کہ خود بادشاہِ کلیومنیس جس نے پہلے ایک جابر کو ہٹایا تھا اب دوسرے جابر کو اُس کی جگہ بٹھانے کے درپے ہوگیا۔ چنانچہ الیساگوراس کی امداد کی غرض سے، جو اپنے وطن میں شخصی بادشاہی حاصل کرنے کا آرزو مند تھا، کلیومنیس نے بیوشیہ اور چالکیس کو ساتھ ملایا اور وقتِ واحد میں تین جانب سے ایٹی کا پر حملہ کرنے کا منصوبہ سوچا تھا۔ لیکن جب اسپارٹہ کے دونوں بادشاہ کلیومنیس اور دماراتوس، اپنے تمام حلیفوں کی فوج لئے ہوئے خاکنائے کورنتھ سے آگے بڑھے اور ایٹی کا کے قصبے الیوسیس پر قابض ہوگئے تو کورنتھ والوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس مہم پر لعنت بھیج کے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ (۵۰۶ ق م)

ادہر اسپارٹہ کے دونوں بادشاہوں میں اَن بن ہوگئی اور اُس نے فوج کو ایسا بے ترتیب . کیا کہ انجام کار وہ سب منتشر ہوگئی۔ کلیومنیس کو اور ایک دفعہ ذلت و ناکامی ہوئی اور ایتھنز دوسری مرتبہ پھر اسپارٹہ کے جبرو تشدد سے بچ گیا ؛

ادہر بیوشیہ کی سرآوردہ ریاست تھبز، بڑی خوشی سے اس کام میں اسپارٹہ کے ساتھ ہوگئی تھی۔ مگر قصبۂ پلاٹیہ جو بیوشیہ کی جانب کوہ سِتھی رُن کی ڈھلانوں پر واقع تھا، اپنے علاقہ والوں سے الگ رہا اور اُس نے ایتھنز کے دامنِ حمایت میں آنے کی آرزو کی۔ دانشہ قوم یہ گویا اُن دوستانہ روابط کی ابتدا تھی جو عرصۂ دراز تک ان دونوں شہروں میں قایم رہے۔ بہر حال جب کلیومنیس کی فوج ازخود واپس ہوگئی تو ایتھنز کی سپاہ ادہر سے مطمئن ہوکر بیوشیہ اور چالکیس والوں کو روکنے پر متوجہ ہوئی۔ کیونکہ اہل بیوشیہ کوہ سِتھی رُن کے دَروں کو اور چالکیس والے یوری پوس ندی کو عبور کر آئے تھے اور بیوشی سپاہ اُن سے مِل جانے کے لئے ایٹی کا میں آگے بڑھ رہی تھی۔ لیکن ایتھنزی فوجوں نے انہیں راستے ہی میں روک لیا اور کامل شکست دے کر چالکیس والوں کی طرف پلٹ پڑے اور ان کا آبنائے کے پار تک پیچھا نہ چھوڑا بلکہ آبنائے کو اُتر کے اہل چالکیس پر ایک اور دو ٹوک فتح

ایسی حاصل کی کہ اُن کے دشمنوں کو مجبوراً للانتی میدان فتحمندوں کے حوالہ کرنا پڑا - اس میدان کے سب سے زرخیز حصّے کو، بہ قطعاتِ مساوی دو ہزار ایتھنزیوں پر تقسیم کردیا گیا جو ایٹی کا سے اُٹھ کر یہاں (علاقہ یوبیہ میں) آبسے اور اس طرح "جمہور" نے نہ صرف اپنی مدافعت کی بلکہ کچھ اور علاقہ بھی فتح کرلیا ؂ (۵۰۶ھ ق م)

باب ششم

ایران کی پیش قدمی ایجین کی طرف،

۱- ایران کا عروج اور دولتِ لدیہ کا خاتمہ

ادھر یونانی تو اپنے سمندروں میں گشت لگا رہے تھے اور اپنی شہری ریاستوں میں آئینِ عدل و حرّیت کی تکمیل و تہذیب میں مصروف تھے، اور اُدھر مشرق میں بڑی بڑی مطلق العنان سلطنتیں بگڑ رہی اور بن رہی تھیں، ساتویں صدی (ق م) میں اشور (اسیریہ) کی طاقتور سلطنت زوال کی آخری منزلیں طے کر رہی تھی اور جس قوت سے مغلوب ہونا اس کی قسمت میں لکھا تھا، وہ اب اُوپر اُبھر رہی تھی؛ سلطنت اشور کا یہ چراغ گل کرنے والے مِدْ اور ایرانی

لوگ تھے جو یونانیوں کی طرح ایک آریا زبان بولتے تھے مگر تاریخِ یونان کی سب سے وقیع دو صدیوں میں یونانیوں سے مقابلے کے لئے بھی قضا و قدر نے انہی کو منتخب کیا تھا۔

آٹھویں صدی (ق م) کے اواخر میں اشور کی حکومت سے اہل مِدیہ (مادہ) نے انحراف کیا اور دئیوسیس (دِوَس[1]) کی قیادت میں لڑکر مِدیہ (موجودہ عراقِ عجم) کو آزاد کرلیا۔ اور قوم نے خود اپنی مرضی سے اپنے اسی محسن کو بادشاہ منتخب کیا۔ اور اس نے اک بتانا (موجودہ ہمدان) کے شہرِ عظیم کی تعمیر سے مُلکی اتحاد کی یادگار قایم کردی۔ (قیاساً ۷۰۰ تا ۶۵۰ ق م) اس کے جانشین[1] میں فریبُرز نے جنوب میں ایران کی سرزمین فتح کی اور اس طرح نسل آریا کی ایک سلطنت، اشور و بابل کے ہمسائے میں، بحیرۂ خزر سے خلیج فارس کے کناروں تک پھیل گئی۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ خود اشور کی فتح، تھا اور اس غرض کے لئے فریبُرز کے جانشین سیاکزار (سیاوش) نے دولت بابل سے پیمان اتحاد باندھا۔ چنانچہ وہ سلطنت ان فتحمند اتحادیوں نے باہم تقسیم کرلی۔ اس طرح کہ حدودِ مصر تک جنوب مغربی علاقہ بابل کے قبضے میں آگیا اور خاص اشور اور ایشیاے کوچک تک اس کے شمال مغربی علاقے مِدیہ میں منضم ہوگئے (۶۰۶ ق م)

اب دولت مِدیہ کی نظر کشور کشائی، لدیہ کی طرف تھی۔

---

[1] ان قدیم ایرانی ناموں کی تحقیقات کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ یونان قدیم" ضمیمہ[1] مولفہ مترجم

تھوڑے ہی دن میں اعلانِ جنگ کا بھی حیلہ مل گیا۔ لڑائی شروع ہوئی اور اسی کے سلسلے میں چھٹے سال ایک مرتبہ میدانِ رزم گرم تھا کہ دفعتًہ دن چھپ گیا اور تاریکی چھاگئی سورج کے اس طرح تیرہ و کثیف ہوجانے سے فریقین کے دلوں پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ انھوں نے ہتیار رکھ دیئے اور باہم صلح کرلی۔ حقیقت میں یہ وہ کسوفِ شمسی تھا جس کے وقوع میں آنے کی مغربی اہلِ علم نے پیشین گوئی کردی تھی (۲۸ مئی ۵۸۵ ق م) یعنی حکیم طالیس ملطی جو یونانی اور اس لئے مغربی حکمت و فلسفہ کا مورثِ اعلیٰ ہے، اور جس نے ہیئت کی تعلیم مصر میں حاصل کی تھی، پیش از پیش اہل آیونیہ (آی اونیہ) کو خبردار کرچکا تھا کہ فلاں سال کے ختم ہونے سے پہلے سورج ضرور گہنائیگا۔

لدیہ کے بادشاہ الیاتیس نے اپنی بیٹی مِدیہ کے نئے بادشاہ استیاژ (افراسیاب) سے منسوب کردی تھی اور اس طرح کچھ عرصے کے لئے اپنی مملکت کو محفوظ کرلیا تھا اور اس میں شک نہیں کہ یہی مہلت لدیہ کی تاریخ میں اُس کے عروج کا زمانہ تھی۔ کیمری حملے سے نجات ملتے ہی وہاں کے بادشاہ اردلیس نے اپنے پیش رو کی سعی کو تازہ کیا اور پھر یونانی شہروں کے فتح کی کوشش شروع کی تھی جسے اس کے جانشینوں نے جاری رکھا تھا اور انھی میں شاہ الیاتیس بھی شہر ملطہ سے ایک طویل و صبر

آزما جنگ کرتا رہا تھا۔ لیکن ان ایشیائی یونانیوں کو مطیع کرنے کا منصوبہ، الیاتیس کے بیٹے شاہ کری سوس (کریسس) کے ہاتھوں پورا ہونا تھا (۵۶۰ تا ۵۴۶ ق م) اور اسی نے حملے کر کر کے یکے بعد دیگرے تمام آیونیائی اور ایولیائی شہروں کو تسخیر کیا۔ بجز ملطہ کے، جس سے اُس کا باپ صلح کا عہد کر چکا تھا۔ کری سوس نے عہد نامے کی خلاف ورزی نہ کی اور اہل ملطہ نے بھی اس کے عوض، اپنے یونانی بھائی بندوں کو مدد دینے سے احتراز کیا۔ اس کے بعد علاقہ کاریہ کی ڈوریائی ریاستیں بھی جبراً باج گزار بنائی گئیں اور اب کری سوس کی وسیع سلطنت بحیرہ ایجین سے دریائے ہالیس (موجودہ ترکی نام قزل-ارماق) تک وسیع ہوگئی۔ اسی زمانے میں یونانی زبان لدیہ میں پھیلی۔ یونانی اصنام کی وہاں پرستش ہونے لگی اور یونانی مندروں میں استخارہ کیا جانے لگا۔ انہی وجوہ سے یونانیوں نے لدیہ والوں کو بالکل غیر کبھی نہ سمجھا۔ بلکہ شاہ کری سوس کے ساتھ تو انہیں کچھ عجیب اُنس اور خصوصیت پیدا ہوگئی تھی اور وہ اس کے معاملے میں بڑی دوستانہ روا داری سے کام لیتے تھے حالانکہ ایشیائی یونان کو غلامی کی زنجیریں اُسی نے پہنائی تھیں اور وہی ایک مطلق العنان جابر بن کر اُن پر حکمرانی کرتا تھا۔ لدیہ کے پہلے بادشاہ گیجیس کے خزانوں پر آیونیہ والے بہت اچنبھا کیا کرتے تھے مگر اب کریسوس

کی بے شمار دولت انکے ہاں ضرب المثل ہوگئی۔ جو بیش بہا تحائف کریسوس نے دِلفی کے مندر پر چڑھائے تھے خود وہی اس قدر قیمتی تھے کہ وہاں کے حریص پجاریوں نے خواب میں بھی نہ دیکھے ہونگے۔ لیکن اسی واقعے سے ایک صریحی ثبوت اس بات کا ملتا ہے کہ اُس زمانے میں دِلفی کے الہامات نے کس قدر سیاسی وقعت حاصل کرلی تھی ؛

اپنی سلطنت کے دامن ساحل تک پھیلانے کے بعد کریسوس کے دِل میں جزیروں کی تسخیر اور لِدیہ کو بحری قوت بنانے کا خیال پیدا ہوا لیکن ابھی اس کو عمل میں میں لانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ ایک نہایت اہم واقعے نے اس کی توجّہ کو اپنی طرف پھیرلیا۔ یعنی انہی دنوں اسکے برادرِ نسبتی استیاژ (افراسیاب) کو ایک ایرانی سُورببر نے تخت سے اُٹھاکر پھینک دیا اور مِدیہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ یہ غاصبِ سلطنت جس کا نام، دُنیا کے سب سے بڑے فاتحین میں شامِل ہونا، مقدّر تھا ایرانی خاندانِ ہخامنش (اکی منیئین) کارکن رکین سیروس الاعظم (یعنی شاہ کے خسرو) تھا ؛

استیاژ کے زوال دولت سے لدِیہ کے حریص تاجدار کو ایک حیلہ مل گیا کہ مشرق میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے مستقبل کے چھپے ہوئے اسرار کی تہ تک پہنچنے کے شوق

میں اُس نے دِلفی کی طرف رجوع کیا اور کہتے ہیں کہ وہاں سے یہ جواب ملا کہ اگر وہ ہالیس کو عبور کرجائے تو ایک بڑی سلطنت کو برباد کردے گا۔ پھر، فوج آراستہ کرکے، جس میں ایشیائی یونانیوں کی بھی ایک جمعیت شامل تھی، کریسوس نے (گویا مشیّت الٰہی سے) ہالیس کو عبور کرلیا اور کپادوسیہ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سیروس کے لشکر کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ کریسوس کو لدیہ میں ہٹنا پڑا اور یہیں خاص پایہ تخت کے سامنے ایرانی حملہ آوروں نے اُسے کامل شکست دی۔ اور چند روز کے محاصرے کے بعد خود پایہ تخت ساردیس کو ہلّہ کرکے تسخیر و تاراج کردیا۔ مگر کریسوس کی جان بچ گئی (۵۴۶ ق م)۔

یونانیوں کو اس بات کا بہت اعتقاد تھا کہ جو شخص حد سے زیادہ عیش و ثروت کے نشہ میں سرشار ہوتا ہے اس پر حاسد دیوتا اپنا قہر نازل کئے بغیر نہیں رہتے۔ کریسوس کی تقدیر میں جو انقلاب ہوا وہ اس عقیدے کی ایسی تصدیق تھی کہ اُس جیسی بیّن مثال انھوں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اور اسی لئے اُس کی یاد میں یونان نے اپنے ملکۂ فطری سے جیسا کام لیا اور کسی شخص یا واقعے کی نسبت نہ لیا تھا۔ کیونکہ حقیقت میں کسی تاریخی واقعے کو ایسی کہانیوں میں گوندھ لینا جن سے انسانی زندگی کے متعلق نہایت عبرتناک و پُر اثر سبق حاصل ہوں، یونان والوں کو خوب آتا تھا۔

کریسوس کی نسبت یہ کہانی ہیروڈوٹس نے یوں بیان کی ہے کہ سیروس نے ایک اونچی چتا بنوائی اور چودہ اور لڑکوں سمیت کریسوس کو زنجیروں میں باندھ کر اُس پر کھڑا کرایا۔ اور اس حالت میں جب کہ سوائے موت کے اور کوئی چیز اُسے نہ دکھائی دیتی تھی، کریسوس کو سولَن کا وہ قول یاد آیا جو ایک مرتبہ اس نے لدیہ کے اس بد نصیب بادشاہ سے کہا تھا کہ "جب تک کسی شخص کی زندگی باقی ہے، اُسے بامُراد نہیں کہ سکتے" اور یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب کہ سولَن اثنائے سیاحت میں سارڈیس آیا[1] اور کریسوس نے اپنے بادشاہی خزانے اور سامان عظمت و ثروت دکھاکر اس سے سوال کیا تھا کہ تیرے نزدیک دُنیا میں سب سے بامُراد شخص کون ہے۔ سولَن نے جواب میں بعض گمنام اور مرے ہوئے یونانیوں کا نام لے دیا اور جب کریسوس اپنی حیرت اور ناخوشی کو ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکا اور چلاّیا کہ "اے ایتھنز کے پردیسی، کیا تیرے نزدیک ہماری ثروت و بادشاہی ایسی حقیر ہے کہ تو معمولی آدمیوں کو میرے مقابلے میں پیش کرتا ہے؟" تو اس یونانی حکیم نے دُنیوی سازو سامان کی بے اعتباری اور دیوتاؤں کی حاسدانہ دراندازی پر تقریر کی اور مذکورہ بالا الفاظ کہے تھے۔ غرض وہی تمام

---

[1] ۔ واضح رہے کہ صنعت افسانہ بافی میں واقعات کی نسبت زمانی کا لحاظ چنداں ضروری نہ سمجھا جاتا تھا - ۱۲

نقشہ اکروپولس
گز
۵۰
۱۰۰
پارتھنان
ڈایونی سیس کی تماشاگاہ
مندر
ڈایونی سیس کا پرانا مندر
" " نیا مندر
ککھ ..... پلاسجی دیوار کے کھنڈر
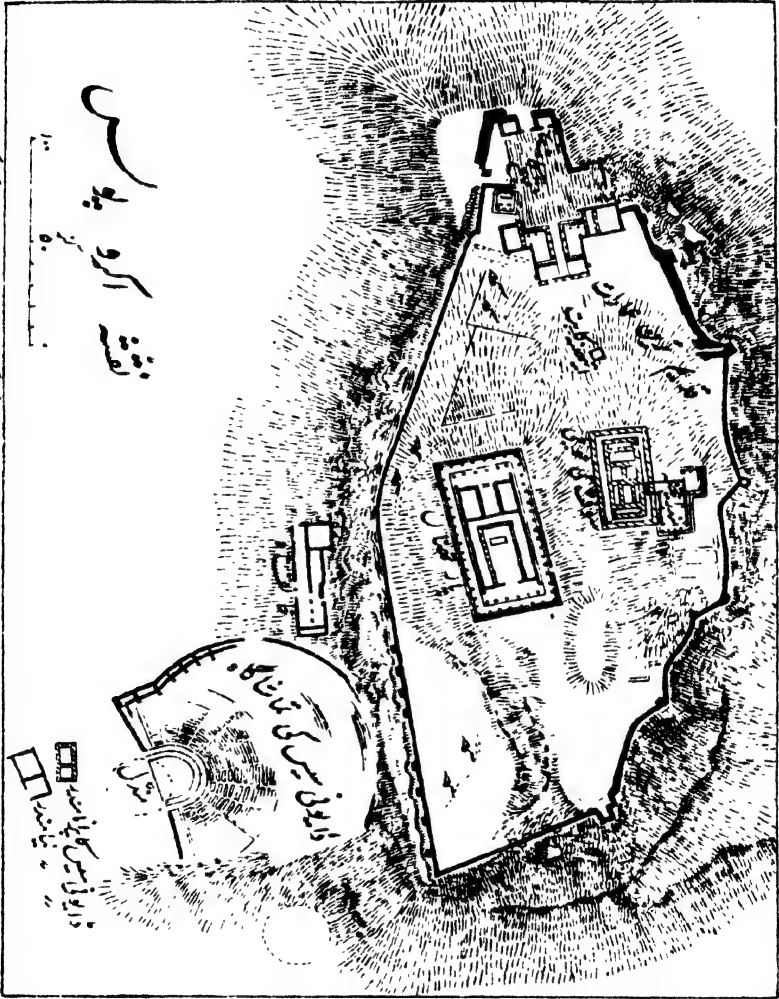
واقعہ اب کریسوس کو چتا پر یاد آیا اور بے اختیار آہ کا نعرہ
اور تین مرتبہ سولن کا نام اس کے منہ سے نکلا! سیروس
نے بھی یہ آواز سُنی اور ترجمان کو بلاکر دریافت کرایا کہ وہ
کسے پکار رہا ہے۔ تھوڑی دیر تک کریسوس کے مُنہ سے
کوئی بات نہ نکل سکی مگر پھر اُس نے جواب دیا "میں ایک
ایسے شخص کو پکار رہا ہوں جو کاش تمام خود پرست بادشاہوں
سے ملتا اور باتیں کرتا" آخر میں جب اور اصرار ہوا تو کریسوس
نے سولن دانا کا نام اور قول دہرایا۔ اور ہرچند چتا میں
آگ دے دی گئی تھی لیکن سیروس کو اپنے قیدی کا یہ
بیان سُنکر بڑی عبرت ہوئی کہ آخر میں بھی انسان ہوں!
اُس نے حکم دے دیا کہ آگ بُجھادی جائے اور قیدی آزاد
کردئے جائیں۔ مگر اب آگ بھڑک بھڑک کر اُس کی لپٹ
ایسی اُونچی اُوٹھ رہی تھی کہ لوگ بجھا نہ سکے اور کریسوس
نے اپالو کو مدد کے لئے پکارا چنانچہ گو مطلع صاف تھا
مگر دیوتا نے بادل بھیج کر اس زور سے مینہ برسایا کہ آگ
بُجھ گئی۔

یہ ہے وہ افسانہ جسے ہیروڈوٹس نے اپنی تاریخ میں
نقل کیا ہے اور اس کی تہ میں اصلی نکتہ صاف صاف یہ
نظر آتا ہے کہ "دلفی کے مندر پر نیاز چڑھاو"۔
اور اس میں شاید ہی کسی کو شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ تمام قصہ
دلفی کی عقیدت کے جوش میں بنالیا گیا تھا۔

۲- ایشیائی یونان کی تسخیر؛ پولی کراتیس باشندۂ ساموس

لدیہ کی بازیچ میں سے ہٹتے ہی، تاریخ یونان کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ ایشیا کے یونانیوں کو خداوند ساردیس کی بجائے اب اُس شہنشاہ کا طوقِ غلامی گردن میں ڈالنا ہے جس کا دربار سوس میں لگتا ہے یعنی اتنی دُور کے شہر میں کہ جس کی مسافت کا حساب مہینوں کے سفر سے کیا جاتا تھا۔ خود دارائے ایران مجبور تھا کہ ایشیائے کوچک کے نئے مقبوضات اپنے "ست راپ" یعنی والیوں کے حوالے کرجائے۔ اور اس لئے یونانی اپنے فرمانروا کے مزاج میں کوئی درخور حاصل نہ کرسکتے تھے۔ کیونکہ یہ صورت اسی وقت ممکن تھی جب کہ اس کا پائیۂ تخت ساردیس یا اور کسی قریبی شہر میں ہوتا۔ بہر تقدیر، وہ بہ آسانی ایرانیوں کا شکار ہوگئے۔ سیرس کے سپہ سالار ہرپاگوس نے ایک ایک کرکے سب یونانی شہروں کو فتح کرلیا اور خراج کے علاوہ بوقت ضرورت ایرانی فوجوں میں بھرتی ہونے کا بھی اُن سے وعدہ لے لیا گیا۔ لیکن اُن کی آزادئ تجارت پر کسی قسم کی قیود نہ عائد کی گئیں۔

خود لدیہ کا فاتح، بابل کی طاقتور سلطنت فتح کرنے، مشرق کی طرف پلٹ گیا تھا لیکن اس کی یہ فتوحات ہماری تاریخ کے دایرے سے باہر ہیں۔ اس کی آخری فوج

کشی مساگیتی پر تھی جو سیتھی (یا ترکمانی) نسل میں، جھیل ارال کے قریب بسنے والی قوم تھی۔ اور ایک حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ انھی کے ساتھ جنگ میں یہ ایرانی فاتح مارا گیا اور اُس قوم کی وحشی ملکہ نے اس کا سر سنگا کے خون کے طاس میں رکھا۔ (قیاساً ۵۲۹ق م)

ہرچند بعض اطراف میں سیروس کی حکومت اشور کی حدود سلطنت سے کہیں آگے بڑھ گئی تھی لیکن جنوب مغرب کی طرف ایک بڑی قلمرو (مصر) اس سے چھُٹی رہ گئی تھی جو کسی زمانے میں اشور کا علاقہ تھی۔ سو اس کی تلافی اس کے بیٹے کامبیز (کے کاوس) کے وقت میں ہوگئی۔ اور جب مصر فتح ہوکر ایران کی ایک "دست راپی" (یعنی ولایت یا صوبہ) بن گیا تو سیرنہ کے یونانی بھی حلقۂ اطاعت میں آگئے۔

ایرانی خطرے کے وقت اماسِس شاہ مصر اور اس کے بیٹے کو اگر کسی پر مدد کا بھروسہ ہوسکتا تھا تو شاید وہ ان کا طاقتور یونانی دوست حاکمِ ساموس تھا۔ اس جزیرے میں، ایرانیوں کی تسخیر آیونیہ کے چند ہی روز بعد، پولی کراتیس نامی ایک شخص نے حکومتِ جابرہ یعنی شخصی بادشاہی کی بنیاد ڈالی تھی اور سَو جنگی جہازوں کا بیڑا ترتیب دے کر ساموس کو نہایت قوی ریاست بنا دیا تھا۔ اور آیونیہ کے محکوم ہوجانے کے بعد سے غالباً بحیرۂ ایجین میں کوئی

یونانی ریاست اس کے برابر بحری قوت نہ رکھتی تھی۔ اسکے پُر تجمّل دربار کی زینت کو اناک ریُن جیسا شاعر دو بالا کرتا تھا۔ اور وہ قسمت کا ایسا دھنی تھا کہ جس کام میں ہاتھ ڈالتا کامیاب ہوتا تھا۔ دولتِ ایران کا اُسے ذرا خوف نہ تھا۔ خود ایرانیوں کے محکوم آیونی شہروں میں وہ اپنا نفوذ بڑھاتا تھا اور شاید اس تمام علاقے پر اسے قابض ہوجانے کی اُمید ہوچلی تھی۔ اُس کا ایران کے خلاف اماسِس شاہ مِصر سے ایکا کرلینا بالکل قدرتی بات تھی کیونکہ ایران اِن دونوں کا دشمن تھا۔ لیکن جب وقت کامبیز مِصر پر بڑھا تو ساموسی جابر نے سمجھا کہ اُس کا بیڑا فنیقیہ اور قبرس کی متّحدہ قوّت بحری کا جو ایران کے ساتھ تھی کسی طرح مقابلہ نہیں کرسکتا۔ پس اپنے مصری دوست کی مدد کو پہنچنے کی بجائے اُس نے چالیس جنگی جہاز خود ایرانی حملہ آوروں کے پاس روانہ کئے کہ تسخیر مِصر میں اُن سے مدد لی جائے۔ لیکن یہ جہاز مِصر تک نہ پہنچے کیونکہ ان میں جو بحری سپاہی پولی کراتیس نے روانہ کئے تھے وہ خاص ایسے لوگ تھے جن سے وہ اس بنا پر بدظن تھا کہ یہ مجھسے اور میری شخصی بادشاہی سے بیزار ہیں۔ مِصر بھیج کر اُس نے انہیں وطن سے دفع کرنا چاہا تھا لیکن یہ داؤں پٹ پڑا اور سپاہیوں نے ملکر ارادہ کرلیا کہ واپس ساموس جائیں اور اس جابر کو سرنگوں کردیں۔ چنانچہ وہ آئے اور جنگ میں شکست کھائی

تو اسپارٹہ سے مدد مانگی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسپارٹہ نے اتنی دور مشرق میں کوئی مہم روانہ کی اور ساموس کا محاصرہ کرنے کی غرض سے فوج بھیجی۔ مگر اس میں انہیں بھی ناکامی ہوئی۔ لڑائی میں وہ پسپا کردئیے گئے اور تسخیر شہر سے مایوس ہوکر اپنے وطن کو واپس چلے آئے ؎

پولی کراتیس کا ایک قصّہ بہت مشہور ہے کہ جب اماسس نے اپنے دوست کے نصیبے کی یاوری کا حال سنا تو اُسے خط میں لکھا کہ آسمان کے حسد سے بچنے کے لئے تمہیں جو چیز سب سے زیادہ عزیز ہو اُسے اس طرح تلف کردو کہ دُنیا میں اس کا وجود باقی نہ رہے۔ پولی کراتیس کشتی میں بیٹھ گیا اور ایک زمرّد کا چھلّہ جسے کسی مشہور کاریگر نے تراشا تھا، اُس نے سمندر میں پھینک دیا۔ لیکن چندہی روز گزرے تھے کہ ایک ماہی گیر بادشاہ کے واسطے بہت بڑی مچھلی نذر دینے لایا اور جب اُسے صاف کیا گیا تو اُس کے پیٹ میں سے وہی زمرّد کا چھلّہ نکلا۔ یہ قصہ پولی کراتیس نے اماسس کو لکھا اور اماسس کو یقین ہوگیا کہ اُس کا انجام ضرور بُرا ہوگا چنانچہ اُس نے پولی کراتیس سے قطع تعلق کرلیا! اور واقعی، اسپارٹہ والوں کو پسپا کرنے کے چندہی روز بعد، پولی کراتیس سارڈیس کے ایرانی والی کے جال میں پھنسا اور گرفتار ہوکر سُولی پر لٹکا دیا گیا۔ (قیاساً ۵۲۳ سنہ ق م) ؎

۳- اوائلِ عہدِ داریوش تھریس کی فتح

شاہِ کامبیز ایک غاصب کی سرکوبی کے لئے مصر سے واپس آیا تھا مگر جیسا کہ کوہِ بےستون کے مشہور کتابے میں منقول ہے اُسے "اپنے ہاتھوں موت آئی" (۵۲۲ ق م)۔ تختِ ایران کا وارث ہیستاسپیس (گشتاسب) نامی ایک شخص تھا اور داریوش[عله] اُس کا بیٹا تھا ہستاسپیس نے اپنا حق حاصل کرنے کی کوئی سعی نہ کی مگر داریوش کے خیالات باپ جیسے نہ تھے۔ اُس نے چھ امیروں سے سازباز کیا اور غاصب کو مارکر خود بادشاہ بن گیا۔ تمام مزاحمتوں کو دفع کرنے اور اپنی قوّت کو مضبوطی سے جمالینے کے بعد داریوش نے آئندہ نسلوں کے لئے اپنی فتوحاتِ سالِ اوّل بےستون کی ایک بلند چٹان پر کندہ کرائیں جو کہ رودِ کورش (کوس ہیں) کی بالائی گزرگاہ پر واقع ہے ؎

داریوش نے اپنی کل سلطنت کو بیس ولایتوں یا ست راپیوں میں تقسیم کیا۔ دریائے ہالیس کے مغرب میں لِدیہ کی سابقہ سلطنت کی تین ولایتیں تھیں مگر والی دو رہتے تھے۔ یعنی آیونیہ اور لِدیہ ایک والی کے ماتحت تھے جس کا مستقر ساردیس تھا۔ اور ولایتِ افروجیہ، جس

عله داریوش یا دارائے اکبر سے مراد اسپندیار ہے ؎ مترجم

میں ساحل مرمورہ کی یونانی بستیاں بھی شامل تھیں، ایک والی کے ماتحت تھا اور اس کا مستقر شہر داسی لیُن تھا۔ ہر یونانی شہر پر ایک مطلق العنان امیر فرمانروائی کرتا تھا اور جب تک وہ خراج پابندی سے ادا کرتا رہے نیز بوقت ضرورت امدادی فوج مہیّا کرنے میں سُستی نہ کرے، اسوقت تک خود اپنے گھر میں جو جی چاہے کرے، ایرانی والی اس کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دیتے تھے۔ داریوش نے سکّے کے متعلق جو اصلاحیں کیں اُن سے تجارت نے رونق پائی تھی اور یونان میں سب سے بڑی ایرانی اشرفی اسی بادشاہ کے نام پر ہمیشہ "داریک" کہلاتی تھی۔

بحیرۂ روم (یا بحر متوسط) کے مشرقی ساحل سیروس نے فتح کئے تھے اور کامبیز نے تسخیر مصر سے گویا ان فتوحات کی، جنوب میں، تکمیل اور استحفاظ کا کام انجام دیا تھا۔ تھریس (یا تراکیہ) کے تسلّط سے، جانب شمال ان مقبوضات کو اور مضبوط و مکمّل کرنا داریوش کا حصّہ تھا۔ تھریس کے باشندے جنگ جُو تھے اور یہ سرزمین بھی کوہستانی ہے لہذا ایرانیوں کو حصول مقصد کے لئے کثیر فوج اور بڑی احتیاط درکار تھی۔ ساموس کے ایک کاریگر نے، بای زنطہ کے شمال میں آبنائے باسفورس پر کشتیوں کا پُل باندھنے کی خدمت انجام دی اور اس پر سے ایرانی انبوہ آبنائے کو عبور کر آیا (قیاساً ۵۱۲ ق م) شمال کی طرف ساحل ساحل دریائے

دان یوب کے دہانے تک بڑھنے اور کمک پہنچانے کی غرض سے ایران کے آیونی مقبوضات نے ایک بیڑا فراہم کردیا تھا۔ اور ہر یونانی شہر کا امدادی دستہ خود وہاں کے مطلق العنان حاکم کی ماتحتی میں اس کے ہمرکاب تھا اور ان میں مِلطَہ کا حاکم ہستائیوس اور خرسونیس کا مِلتیادیس سب سے ممتاز تھے ؞

تھریس میں جو لڑائیاں ہوئیں اُن کی کوئی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ دان یوب کے شمال میں جہاں اب ولاشیا اور مکداویا کے صوبے ہیں، جو قومیں آباد تھیں انہیں بھی یونانی سیتھی (اسکیث) کہہ دیتے تھے اور یہی نام اُن کے ہاں عام طور پر تمام ان اقوام کے لئے مروّج تھا جو کوہستانی کارپیے تھیئن اور قفقاز کے درمیان آباد تھیں، بہرحال یونانی بیڑا دان یوب کے دہانے تک آپہنچا تھا اور اس دریا پر کشتیوں کا پُل تیار کردیا گیا تھا جس پر سے داریوش کی فوج سی تھیہ میں داخل ہوئی۔لیکن اس فوج کشی کی غایت اور داریوش نے دُنیا کے اس بعید گوشے میں جو کام کیا، یہ سب افسانوں کی گھٹا میں چھپ گئے ہیں۔ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بیڑے سے، جو اُس کی واپسی کا یہاں منتظر تھا کچھ عرصے کے لئے اُس کا سِلسلۂ رسل و رسایل منقطع ہوگیا تھا اور یونانی سرداروں کے جی میں آئی تھی کہ اُسے یہیں بلا میں گرفتار چھوڑ کے

چل دیجے! لیکن حق یہ ہے کہ اُس قوت کو ضرر پہنچانا
جس کی بدولت ان کی شخصی حکومت اپنے شہروں میں
برقرار تھی، خود یونانی روسا کی اغراض کے منافی تھا۔ غرض
داریوش آبنائے دردانیال کے پار ایشیا میں واپس آگیا اور
مگابازو کی ماتحتی میں فوج کو اُس نے وہیں چھوڑ دیا۔
مگابازو نے تھریس کو فتح کیا اور حقیقی طور پر دریائے
سترِیمُن تک درنہ مغرب میں برائے نام اور آگے تک، یہ
علاقہ دولت ایران کے زیرنگیں آگیا۔ کیونکہ سترِیمُن کے پار
رودِ اکسیوس تک جو یونانی لوگ آباد تھے وہ مفتوح
ہوگئے تھے اور مقدونیہ نے بھی شاہِ شاہان کی اطاعت قبول
کرلی تھی +

غرض دیکھا جائے تو داریوش کی اس مہم کے کامیاب
ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس کے حالات
نہایت مُبالغہ آمیز پیرایے اور مسخ صورت میں ہم تک
پہنچے ہیں۔ ہیروڈوٹس فتح تھریس کی بجائے، داریوش کے
اس مجنونانہ ارادے کو مہم کی اصلی غرض بتاتا ہے کہ وہ
جنوبی رُوس کے صحرائی علاقے کو سلطنت ایران کی قلمرو میں
داخل کرنا چاہتا تھا اور سی تھیہ والوں نے جو سَو برس پہلے
مِدیہ پر حملہ کیا تھا اس کا بدلہ لینا ایرانیوں کا مقصود تھا۔
اس پر مستزاد یہ کہ ہیروڈوٹس کے قول کی بموجب خود
داریوش نے پُل کو تڑوانے اور جہازوں کو واپس بھجوادینے کا

قصد کیا تھا مگر ایک دور اندیش یونانی کی صلاح سے اپنا یہ ارادہ بدلا۔ پھر اُس نے یونانی سرداروں کو ایک رسّی دی جس میں ساٹھ گرہیں لگادیں اور اُن سے کہدیا کہ "ہر روز ایک گرہ کھولتے رہو اور جب تک یہ سب نہ کھُل جائیں، یہاں رہ کر پُل کی حفاظت کرو۔ اگر اس وقت کے گزرنے کے بعد بھی میں واپس نہ آوں تو تم واپس چلے جانا" اس قرارداد کے مطابق آیونیہ کے جہاز وقتِ معیّنہ کے بعد بھی اس کا انتظار کررہے تھے کہ اتنے میں اہل سی تھیہ کا ایک گروہ اُن کے پاس آیا اور اُن سے پُل توڑ دینے کی استدعا کی کہ پھر داریوش کی ہلاکت میں کوئی شبہ باقی نہ رہے اور وہ بھی اس کی غلامی سے بالکل آزاد ہوجائیں؛ مِل تیادیس نے اس تجویز کی شدّو مد سے تائید کی لیکن اس کے خلاف ہستائیوس کی دلایل کارگر ثابت ہوئیں جس نے انہیں جتایا کہ یونانی مطلق العنانوں کی ساری قوّت ایران کے دم قدم سے ہے؛ غرض یہ ہستائیوس کا طفیل تھا کہ داریوشؔ جو ذلیل و ناکام پسپا ہوا تھا، سلامت رہ گیا ورنہ اگر مِل تیادیس کی صلاح پر عمل ہوتا تو پھر شاید ایران کے آیندہ یونان پر حملہ کرنے کی کبھی نوبت ہی نہ آتی؛

یہ ہے وہ روایت، جس میں تعصّب کی تحریک سے یونانی تخیّل نے ایک معقول و کامیاب مہم کو اس درجے احمقانہ اور پُر مصائب فوج کشی کی شکل میں ظاہر کیا ہے؛

۴-آیونیہ کی بغاوت ایران سے

داریوش کی مراجعت کو بارہ برس گزر گئے۔ اور اس اثناء میں یورپ و ایشیا کی زور آزمائی کا کوئی سبب وقوع میں نہ آیا۔ لیکن اس کے بعد جزیرۂ نکسوس کی سیاسی کشمکش کا بالواسطہ نتیجہ، آیونیہ کی بغاوت ہوا جس میں ایتھنز اور بعض اور یونانی شہروں نے بھی حصّہ لیا اور یونان کے خلاف فوج کشی کرائی۔

ملطہ کے حاکم جابر ہستائیوس کو داریوش نے پایۂ تخت سوس میں بظاہر اس لئے روک رکھا تھا کہ بادشاہ کو اس کا جُدا ہونا گوارا نہیں۔ لیکن در اصل اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خطرناک شخص تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں ملطہ پر اس کا داماد ارستاگوراس حکومت کرتا تھا۔ اسی شخص کے پاس نکسوس کے بعض عمائدین پہنچے، (جنھیں جمہوریت پسندوں نے یورش کرکے جلاوطن کردیا تھا) اور پھر وہاں اپنی حکومتِ خواص بحال کرانے کی درخواست کی۔ ارستاگوراس، ساردیس گیا، اور وہاں کے ایرانی والی آرتافرنز کو سمجھایا کہ ان لوگوں کو بحال کرنے کے بہانے پہلے نکسوس اور پھر تمام مجمع الجزایر (سای کلیڈیز) پر دولت ایران کا قبضہ ہوسکتا ہے۔ آرتافرنز نے بادشاہ کی منظوری لی اور دو سو جنگی جہازوں کا بیڑا ارستاگوراس اور ایرانی امیر البحر مگاباتیس کی ماتحتی میں نکسوس روانہ کیا (سنہ ۴۹۹ ق م)

مگر ان دونوں سرداروں میں جھگڑا ہوگیا۔ مگاباتیس نے اہل نکسوس کو خطرے سے خبردار کردیا اور جزیرے والوں نے تیار ہوکر حملہ روک لیا۔ اس طرح ارستاگوراس کا منصوبہ خاک میں مل گیا اور اب ایرانیوں کو اپنے سے ناخوش دیکھکر اس نے خود ان کے خلاف آیونیہ میں بغاوت کرادینے کا تہیہ کرلیا۔ کہتے ہیں کہ اس کام پر اس کے خسر ہستائیوس نے اُسے اُبھارا تھا اور ایک غلام کے سر پر خفیہ پیام چھاپ کر جو بالوں میں چھپا ہوا تھا اس کے پاس بھیجا تھا۔ مگر یہ روایت مشکوک ہے۔ اس کے علاوہ ایک جابر کی حیثیت سے وہ یہ فساد نہیں پیا کرا سکتا تھا کیونکہ بغاوت کی بڑی وجہِ تحریک وہ دلی نفرت ہونی چاہیئے جو کہ یونانیوں کو استبداد یا شخصی بادشاہی سے تھی اور جس کا آیونیہ اور دیگر مقامات میں ایران حامی تھا۔ اسی لئے ارستاگوراس نے پہلے اپنی حکومتِ شخصی سے دست برداری کی اور دوسرے شہروں کے مطلق العنان جابر بھی (بیش تر بغیر کسی خوں ریزی کے) دفع کردئے گئے۔

اس کارروائی کے بعد دوسرا کام یہ درپیش تھا کہ ایران کے خلاف آزاد یونانیوں کی مدد حاصل کی جائے۔ یہ سفارت بھی ارستاگوراس نے اپنے ذمہ لی اور پہلے اسپارٹہ گیا۔ جہاں بعد میں اس کی سفارت کے متعلق یہ دلچسپ کہانی مشہور ہوگئی تھی کہ وہ شاہ کلیومنیس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُسے دنیا کا نقشہ دکھایا جو کانسی پر کھدا ہوا تھا اور اس میں تمام

ممالک، دریا اور سمندر جن کا اس وقت تک علم تھا موجود تھے کلیومنیس نے پہلے کبھی نقشہ نہ دیکھا تھا اور چالاک ارستاگوراس کو ایک چھوٹا سا نقشہ دکھا کے، یہ بات اس کے دلنشین کرنی تھی کہ اسپارٹہ چاہے تو ساری سلطنت ایران کو فتح کرسکتا ہے کلیومنیس پر اثر ضرور پڑا مگر اس نے تین دن تک کوئی جواب نہ دیا اور پھر ارستاگوراس سے ایک مرتبہ پوچھا کہ آیونیہ سے پایۂ تخت سوس کا فاصلہ کس قدر ہے؟ وہ اس وقت بالکل خالی الذہن تھا۔ کہنے لگا "تین مہینے کا راستہ ہے" اور راستے کے حالات بیان کرنا چاہتا تھا جو بادشاہ نے اُسے وہیں روک دیا اور حکم دیا کہ وہ ملطہ کے پردیسی، تم سورج غروب ہونے سے پہلے اسپارٹہ سے چل دو"۔

مگر ایتھنز اور ارت ریا میں ملطہ کے پردیسی کی زیادہ قدر ہوئی۔ ان دونوں شہروں نے آیونیہ کی دست گیری کی اور ایتھنز نے ۲۰ جہاز مدد کے لئے بھیجے۔ اور یہی جہاز، ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ یونانی اور ملیچھوں میں عداوت و مصیبت کا عنوان تھے۔

ایرانی فوجیں ملطہ کو محصور کرچکی تھیں جب کہ ارستاگوراس اپنے یونانی اتحادیوں کی کمک لے کر پہنچا اور ساردیس پر پیش قدمی کی (۴۹۸ ق م)۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہوجائے۔ اور گو یونانیوں نے شہر ساردیس لے لیا لیکن قلعے پر اُن کا زور نہ چلا۔ اور وہ

وہیں تھے کہ شہر میں آگ لگی اور وہ جلکر خاکستر ہوگیا۔ اور یونانی فوج جلتے ٹکنڈر چھوڑکر ساحل کی طرف لوٹ رہی تھیں کہ افیسوس کے قریب ایک ایرانی جمعیت کا سامنا ہوا اور یونانیوں نے شکست کھائی۔ ایتھنز والے وہاں سے سیدھے اپنے گھر چلے آئے اور آیونیہ کی بغاوت میں اُن کی شرکت یہیں ختم ہوگئی۔ لیکن ساردیس کی آتش زنی اپنے عواقب کے لحاظ سے بہت اہم ثابت ہوئی۔ نقل کرتے ہیں کہ جب داریوش سے بیان کیا گیا کہ ساردیس کے جلانے میں ایتھنز والے بھی معاون تھے۔ تو اُس نے پوچھا "ایتھنز والے؟۔ وہ کون لوگ ہیں؟" پھر اُس نے تیر کمان منگایا اور ایک تیر ہوا میں چلاکر مراد مانی کہ خدا مجھے ایتھنز والوں کی سرکوبی کی توفیق عنایت کرے۔ نیز ایک غلام کو حکم دیا کہ وہ کھانے کے وقت روز تین دفعہ اُس سے کہدیا کرے کہ "خاوند، ایتھنز والوں کو یاد رکھئے گا"

آیونیہ کی بغاوت، جنوب میں کاریہ اور قبرس تک اور شمال میں بحیرہ مرمورہ تک پھیلی۔ قبرس کے کئی شہروں نے ایرانیوں کا طوقِ اطاعت اُتار پھینکا اور وہاں فنیقیہ کا ایک بیڑا فساد کے فرو کرنے میں مصروف تھا۔ دردانیال کے شہروں کو بھی اسی طرح دوبارہ مطیع و منقاد کرنا پڑا تھا؛ کاریہ میں باغیوں کو دو مرتبہ سخت ہزیمت ہوئی لیکن بعد میں انھوں نے بھی ایک ایرانی فوج کو تباہ کردیا تھا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ ارستاگوراس بہت دنی الطبع شخص تھا اور

قدرت نے اسے اتنے بڑے کام کی سرگروہی کا اہل نہ بنایا تھا؛ ایران کو بغاوت میں کامیاب ہوتا دیکھکر اُسے حصول مدعا کی اُمید نہ رہی اور تھریس بھاگ آیا اور یہیں کسی شہر کا محاصرہ کرتے وقت مارا گیا؛ لیکن اس کی موت کا بغاوت پر اتنا ہی اثر ہوا جتنا اس کے خسر ہستائیوس کی موت کا۔ جو داریوش سے کمک سنکے فساد رفع کرنے کے لئے آیونیہ بھیجا گیا تھا مگر خیوس میں بھاگ آیا اور بحری قزاقی اختیار کی۔ آخر میں پکڑا گیا اور آرتا فرنز نے اُسے سُولی دے دی ؛

جنگ کا سب سے اہم اور فیصلہ کُن واقعہ ملطہ کا محاصرہ ہے، جس پر ایرانیوں نے رفتہ رفتہ اپنی تمام قوّت لگادی تھی۔ سمندر کا راستہ چھ سو جہازوں نے روکا تھا جو اسی زمانے میں قبرس کو تسخیر کرکے لوٹے تھے۔ یونانی جہاز جزیرۂ لَید کے قریب لنگر انداز تھے اور ان کی تعداد (۳۵۵) بتائی گئی ہے لیکن اُن کی ترتیب درست نہ تھی اور جب لڑائی ہوئی تو لس بوس اور ساموس والوں نے دغا دی اور اثنائے جنگ میں ساتھ چھوڑکر چل دیئے۔ خیوس کے لوگ بڑی پامردی سے لڑے مگر اُن کی تعداد قلیل تھی۔ غرض ہر طرف ناکامی ہوئی اور ملطہ کو ہلّہ کرکے تسخیر کرلیا گیا (۴۹۴ ق م) یہاں مقامِ دیدیما پر اپالو دیوتا کا مندر جو دُنیائے یونان میں نہایت مشہور کہانت کا مقام سمجھا جاتا تھا، جَلا دیا گیا ؛

تسخیر ملِطہ کی خبر سے ایتھنز کے لوگوں کو دلی رنج پہنچا تھا اور اس کا اظہار اس وقت ہوا جب وہاں کے ترآجدی نویس شاعر

فری نی کوس نے ملطہ کی مصیبت کو ایک ڈراما کا موضوع بنایا؛ چنانچہ شاعر پر اس قصور کی سزا میں کہ اُس نے خود ہماری مصیبتیں یاد دلائیں، انھوں نے جرمانہ کردیا تھا ؛

اسی زمانے میں ایرانیوں کا ایک علاقہ مفت میں ایتھنز سے منسوب ہوگیا اور بعد میں اُس کی دوامی مِلک بنا۔ یعنی خرسونیس کے جابر مل تیادیس نے جزائر لمنوس اور امبروس کو چھین لیا اور جب بغاوت میں کامیابی نہ ہوئی اور خرسونیس میں رہنا مخدوش نظر آیا، تو ایتھنز بھاگ آیا اور بیان کیا کہ وہ جزیرے مَیں نے ایتھنز کے واسطے فتح کئے تھے؛ چنانچہ گو، معلوم ہوتا ہے کچھ عرصے تک اُن پر ایرانیوں کا قبضہ رہا لیکن بعد میں وہ ایتھنز ہی کو مل گئے ؛

۵۔ داریوش کی دوسری اور تیسری چڑھائی یورپ پر۔ جنگِ میراتھان

بغاوت فرو کرنے کے بعد داریوش نے آیونیہ کے جتنے شہر تھے سب کے علاقوں کی پیمایش اور گرداوری کرائی اور اسی کے مطابق رقوم خراج مشخص کیں؛ اس فساد نے دولت ایران کو بتادیا تھا کہ آیونیہ میں شخصی حکومتیں قایم رکھنے کی تدبیر سے کام نہیں چلا۔ لہذا اب اس کے بالکل برعکس تجربتہً یہ حکمت عملی اختیار کی گئی کہ مطلق العنان حاکموں کو ہٹاکر اُن کی بجائے جمہوری حکومتیں بنادی گئیں اور اس میں یونانی طبایع کی جو رعایت ملحوظ رکھی گئی تھی وہ بے شبہ داریوش کی لایقِ تعریف دانائی پر دال ہے ؛

تھریس اور مقدونیہ میں دولت ایران کا اقتدار دوبارہ منوا دینے کی غرض سے بادشاہ کا داماد مردونیوس[1] بھیجا گیا تھا اور مقدونیہ کے راستے اُس نے یونان پر فوج کشی کی تجویز کی تھی کہ اُن شہروں کو سزا دے جو آیونی باغیوں کے معاون ہو گئے تھے؛ ایرانی بیڑے نے ساحل ساحل بڑھ کر جزیرہ تھاسوس کو فتح کر لیا تھا۔ اُدھر تھریس بھی مسخر ہو گیا اور مقدونیہ نے جس پر اُن دنوں شاہِ الکزنڈر[2] حکمراں تھا اطاعت قبول کر لی۔ (۴۹۲ ق م)۔ لیکن یہ مہم منزل مقصود تک نہ پہنچ سکی کیونکہ کوہِ اتھوس کی خوفناک پہاڑی راس کے سامنے ایرانی بیڑے کا ایک حصّہ طوفان سے برباد ہو گیا؛

مگر داریوش قطعی ارادہ کر چکا تھا کہ ایتھنز اور ارِٹریا کو بے سزا دئیے نہ چھوڑے گا۔ سارڈیس کی آتش افروزی میں ان کا دخل سنکر وہ نہایت بر افروختہ ہوا تھا دوسرے ایتھنز کا خارج البلد جابر، ہپیاس، اُس کے دربار میں پہنچ گیا تھا اور اس شہر پر، جہاں سے وہ نکلوایا گیا، بار بار فوج کشی کی استدعا کر رہا تھا؛ غرض فیصلہ ہوا کہ نئی مہم سیدھی بحیرۂ ایجین کے راستے روانہ ہو۔ آزاد یونان کے بڑے بڑے شہروں میں بھی جن سے ایران کی لڑائی نہ تھی، ایلچی بھیج دئیے گئے کہ اُن سے نشانِ عجز و اطاعت، یعنی "آب و گِل" کا خراج لیں۔ چنانچہ اکثر شہروں نے

---

[1] آئینۂ سکندری کے فاضل مولف نے اسے مہرنوش پسر اسپندیار بتایا ہے۔ (صفحہ ۳۰۲) مترجم؛

[2] واضح ہو کہ یہ وہ سکندر نہیں ہے جس نے دارائے ایران پر فتح پائی۔ بلکہ اُسکے اجداد میں مقدونیہ کا ایک بادشاہ گزرا ہے۔ مترجم؛

نے سر تسلیم خم کردیا اور انہی میں ایتھنز کا دشمن اجی نا بھی شامل تھا۔ ایرانی فوج کی سرداری داریوش کے ایک بھتیجے ارتافرنزادہ داتیس کے سپرد ہوئی اور ایتھنز کا سن رسیدہ جابر ہیپیاس جسے اپنے وطن پر ایک دفعہ اور حکومت کرنے کا ارمان تھا، اُن کے ساتھ کردیا گیا۔ یہ جنگی بیڑا ہیروڈوٹس کی روایت کے بموجب چھ سو جہاز پر مشتمل تھا۔ وہ جزیرہ بہ جزیرہ ہوتا ہوا مجمع الجزایر سای کلیڈیز کی تسخیر کے بعد یوبیہ اور اٹی کا کی قابل رُود بار میں آپہنچا (سنہ ۴۹۰ ق م) اور راستے میں کاریس توس کو فتح کرکے ایرانی فوج ارت ریا کی حدود میں داخل ہوئی۔ یہ شہر بعض شہری عمایدین کی غداری سے ہفتے بھر کے اندر حملہ آوروں کے حوالے کردیا گیا، اور اس کے باشندے غلام بنالئے گئے۔ اور اب صرف دوسرے شہر سے سمجھنا باقی رہا جس نے شہنشاہ ایران کے منہ چڑھنے کی جسارت کی تھی اس کام کے لئے ایرانی سپہ سالاروں نے آبنائے پار کرکے اپنی فوجین خلیج میراتھان کے ساحل پر اتاریں۔ اس موقع پر ایتھنز نے جو مدافعت کی اس کی جان مِل تیادیس تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ جابروں کا جانشین اور خود بھی مطلق العنان حاکم رہ چکا تھا اور خرسونیس پر حکومت کے زمانے میں جو زیادتیاں اس نے کیں تھیں، ان پر مجلس عوام کے روبرو سخت گرفت ہوئی تھی تاہم ایک تو اس نے لمنوس اور امبروس ایتھنز کو دئے تھے اور دوسرے خاندان پی سیس تراتوس کا وہ موروثی

دشمن تھا۔ کیونکہ پی سیس تراتوس نے اس کے باپ کائمن کی جان لی تھی۔ پھر یہ کہ ایرانیوں کے متعلق جس قدر واقفیت مل تیادیس کو تھی غالباً ایتھنز میں اورکسی شخص کو حاصل نہ تھی۔ غرض اپنے قبیلے کی طرف سے وہی سپہ سالار منتخب ہوا۔ بایں ہمہ ہیروڈوٹس نے جس طرح یہ روایت بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک ایتھنز میں بہت کم فوجی تیاریاں ہوئی تھیں۔ چنانچہ ایرانی قریب قریب لنگر انداز ہوچکے تھے جبکہ ایک تیزپا ہرکارہ اسپارٹہ دوڑایا گیا کہ ارت ریا کی تسخیر اور ایتھنز کی خطرناک حالت سے مطلع کرے۔ اسپارٹہ والوں نے جواب دیا کہ ایتھنز ہمارے اتحاد میں شریک ہے اسے مدد دینا فرض ہے اور ہم ضرور مدد دینگے لیکن فوراً چلنے میں شعایر مذہبی کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ "جب تک پورا چاند نہ ہولے سفر کرنا درست نہیں" لیکن جب پورا چاند ہولیا تو امداد کا وقت بھی گزرچکا تھا۔

ایتھنز کے سپاہیوں کی تعداد شاید نو ہزار کے قریب تھی۔ اس سال پول مارک یعنی فوج کا اعلیٰ سپہ سالار کالی ماکوس تھا۔ اس پر اور جنگی مجلس کے شرکا، یعنی سپہ سالاران قبایل پر لڑائی کا سارا بار اور مدافعت کی نازک ذمہ داری تھی۔ اور یہ ایتھنز کی خوش نصیبی تھی کہ معلوم ہوتا ہے کالی ماکوس بطیب خاطر مل تیادیس کا مشورہ سن لیتا تھا۔ غنیم نے میراتھان کے قریب فوج اتاری تھی اور اس کا ارادہ ظاہر تھا کہ وہ

ایتھنز پر، جس کے گرد کوئی شہر پناہ نہ تھی، خشکی اور تری دونوں جانب سے حملہ کرنا چاہتا ہے۔ سوال یہ تھا کہ آیا ایتھنزی سپاہ اُس کی آمد کا انتظار کرتی رہے اور اپنے قلعے (اکروپولس) کے سامنے اور حد کے اندر مقابلہ کرے یا مردانہ وار آگے بڑھے اور جہاں دشمن ہو وہیں خود پہنچ جائے۔ مل تیادیس نے مجلس عوام میں رائے دی کہ میراتھان کی طرف پیش قدمی اور وہیں ایرانیوں کا مقابلہ کیا جائے۔ اور یہ وہ رائے تھی جس کا پیش کرنا اور منظور کرالینا ہی، غالباً مل تیادیس کو اپنی شہرتِ جاوداں کا بدرجہ اولیٰ مستحق بنادیتا ہے۔

میراتھان کا میدان ہلال نما ساحل کے ساتھ ساتھ اندر کی طرف پھیلا ہوا ہے اور پن تلی کوس اور پارنیس کے سلسلے کی پہاڑیاں جو یہاں پہنچکر بہ تدریج نیچی ہوگئی ہیں اس میدان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ شمالی حصے میں انتہائے جنوب کی زمین دلدلی ہے اور جس شمالی وادی میں میراتھان کا گانوں واقع ہے اس میں ایک پہاڑی رَو کی گزرگاہ نے میدان کے دو حصے کردیئے ہیں۔ ایتھنز سے گانوں تک آنے کے دو راستے ہیں۔ بڑی شاہ راہ تو جنوب کی طرف سے میراتھان کے میدان میں آتی ہے۔ دوسرا دشوار گزار مگر کسی قدر قریب کا راستہ شمال کی طرف چلکر پن تلی کوس کی شمالی پہاڑیوں سے گزرا ہے اور میراتھان کے میدان میں پہنچکر کت رونی کی پہاڑی کے گرد اس کے دو راستے نکلتے ہیں۔ ایک تو شمالی، جو سیدھا میراتھان

کے گانوں کو چلا گیا ہے اور دوسرا وہ جو ہراکلیس کے دیول سے گزرتا ہے اور وادی اب لُنا سے اُتر کے کھلے میدان میں اس جگہ نکلا ہے جس کے قریب آجکل موضع ورانہ آباد ہے
کالی ماکوس شمال راستے سے روانہ ہوا اور وادی اب لُنا میں پہنچکر اُس نے ہراکلیس کے دیول کے قریب اپنا پڑاو ڈالا۔ اور سچ پوچھئے تو اس عمدہ موقع کا انتخاب آدھی فتح سے بڑھ کر تھا۔ کیونکہ وادی میں ایتھنزی فوج پر دشمن سخت خسارے میں رہے بغیر حملہ نہ کرسکتا تھا اور ادھر نہ صرف وہ پہاڑی راستہ جدھر سے ایتھنز والے آئے تھے اُن کے قبضے میں تھا بلکہ میدان کا جنوبی دروازہ یعنی بڑی شاہ راہ بھی اُن کی زد کے اندر تھی اور اگر اِدھر سے ایرانی فوج گزرنا چاہتی تو اُس پر جناحی حملے کا موقع نکل آتا تھا۔ ایرانیوں نے اپنا پڑاو رَہ کی گزرگاہ سے اوپر شمال کی جانب ڈالا تھا اور قریب ہی ساحل پر اِن کے جہاز لنگر ڈالے پڑے تھے۔
اُن کا فائدہ اس میں تھا کہ جس قدر جلد ہوسکے حریف سے میدان میں جم کر لڑائی لڑلیں۔ اور اُدھر ایتھنز والوں کی جیت اس میں تھی کہ اپنے محفوظ مقام پر خاموش پڑے رہیں کہ اس میں اگر زیادہ دیر لگی تو ممکن تھا کہ اسپارٹہ سے مدد آنے کی اُمید تازہ ہوجاے۔ ایک اور شہر سے تو انہیں کمک پہنچ بھی چکی تھی اور جب وہ ہراکلیس کے دیول پر پہنچے تو پلاٹیہ کے ایک ہزار جوان اُن سے آملے تھے کہ اس

نازک وقت میں اپنے محسن کی دست گیری کریں اور تھیبز کے
پنجے سے نکلنے میں پلاٹیہ کی جو حمایت ایتھنز نے کی تھی،
آج اس احسان کا بدلہ اُتاریں ۔

جب چند روز گزر گئے اور یونانیوں نے اپنی جگہ سے
حرکت نہ کی تو ایرانیوں سے مزید انتظار نہ ہوسکا، اپنے کُل
سواروں سمیت فوج کا ایک حصّہ انہوں نے جہازوں میں
سوار کرایا اور خشکی اور سمندر دونوں طرف سے ایتھنز پر
حملے کی تیاری کرنے لگے ۔ خشکی کی فوج کو لازمی طور پر بڑی

۱۴۷
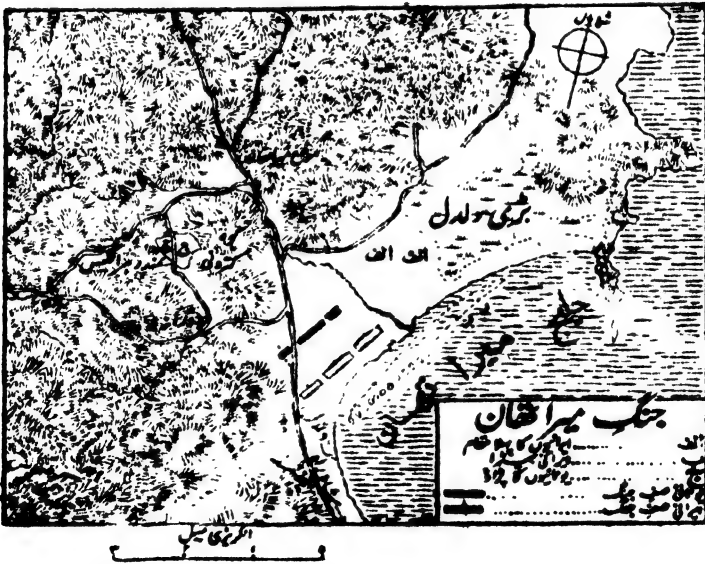
شاہ راہ سے گزرتا تھا اور اس لئے وہ جنگ کے لئے بالکل تیار تھی کہ شاید میداں سے نکلتے نکلتے یونانی حملہ کریں۔ ایتھنز والوں کے لئے پھر تامّل و تذبذب کا موقع آگیا تھا لیکن آخر اُن کے پول مارک نے یہی فیصلہ کیا کہ دشمن کے جنوب میں بڑھتے ہی اُس پر حملہ کیا جائے۔

کالی ماکوس کی جنگی موقع شناسی کی مثال اوپر ہماری نظر سے گزر چکی ہے۔ اب جس خوبی سے فوج کو اُس نے لڑایا اُس سے اس کا کمالِ سپہ سالاری ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کم تعداد ایتھنزی سپاہ کی قطاریں ہر جگہ برابر رکھی جاتیں تو گو وہ ایرانیوں کے قلب کو سمندر تک دھکیل کر لے جاتے لیکن اسی کے ساتھ ایرانیوں کی دونوں طرف نکلی ہوئی صف انہیں بیچ میں رکھ لیتی اور ایک جانب تو سمندر اور اُن کے جہاز ہوتے اور دوسری طرف ایرانی بازو اُن پر ٹوٹ کر گرتے۔ غرض وہ ہر طرف سے بہت بُری طرح گھر جاتے۔ نظر براین کالی ماکوس نے قلب فوج میں صرف چند قطاریں کھڑی کیں اور اس کو اتنا لمبا پھیلا دیا کہ پورے ایرانی قلب کے مقابل آجاے باقی بازوؤں پر مقابلے کے لئے قطاروں کی مقررہ تعداد رہنے دی۔

اب ایرانی صف نے رَو کی گزرگاہ کو عبور کیا اور کنارے کنارے آگے بڑھنی شروع ہوئی۔ اس کا ایک معقول حصّہ الگ ہو کر یونانیوں کے رُخ چلا جس کا مطلب جناحی حملے کی پیش بندی یا حملہ ہو تو اسے پسپا کردینا تھا اور اس کی آڑ میں باقی لشکر

بہ حفاظت گزر سکتا تھا۔ شاید اسی اثنا میں یونانی فوج بھی پہاڑوں سے نکل نکل کے وادی اب لُنا کے میدانی حصے میں پہنچ چکی تھی اس کا میمنہ خود کالی ماکوس کے تحت میں تھا اور میسرے میں سب سے آخر پر پلاٹیہ کی امدادی سپاہ تھی۔ جس وقت یونانی سپاہی دشمن کی صف کے قریب پہنچے تو ان پر مشرق سے تیراندازوں نے تیر برسائے اور اس خطرے سے بچنے کے لئے وہ دوڑتے ہوئے دشمن پر جا پڑے؛ کالی ماکوس نے جو جو کچھ پہلے سے سمجھ لیا تھا لڑائی میں بالکل وہی صورت پیش آئی۔ غنیم کے قلب سپاہ نے جہاں اس کے بہترین جنگ آزما اور خود ایرانی جوان تھے۔ آتھنزی قلب کو پہاڑیوں میں دھکیل دیا۔ لیکن دونوں بازووں پر یونانیوں نے حریف کو مار بھگایا اور پھر پلٹ کر ایرانی قلب پر آ گرے جو فتح کے جوش میں شکست خوردہ یونانی قلب کا تعاقب کر رہا تھا اس دوسرے حملے پر یونانیوں کو پوری کامیابی ہوئی۔ ایرانی صفیں درہم و برہم ہوگئیں، اور بے ترتیبی سے ساحل کے طرف بھاگیں، اور وہاں جو زندہ بچے تھے وہ جہازوں میں لے لئے گئے؛ واضح ہو کہ اس تمام معرکے میں ایرانیوں کی فوج کا صرف ایک حصہ مصروف جنگ تھا اور کچھ شبہ نہیں کہ اصل جمعیت اُسی وقت جہازوں میں چڑھ لی ہوگی جب کہ اُس نے اپنے اُن دستوں میں شکست کے آثار دیکھے جن کو اُس کی حفاظت کے واسطے علٰحدہ کر دیا گیا تھا۔ (اگسٹ یا ستمبر ۴۹۰ ق م)

یہ کوئی طولانی جنگ نہ تھی۔ یونانی نقصانات بھی بہت قلیل

(یعنی ۱۹۲ مقتول) تھے - ایرانیوں کے نقصان کا اندازہ ۶۴۰۰ کے
قریب کیا جاتا تھا؛ بہرحال آرتافرنز اور داتیس کے پاس اب
بھی ایک بڑا لشکر موجود تھا معرکۂ کارزار کا آیندہ رنگ بدل جانا
کچھ محال نہ تھا اور ایتھنز کو ابھی تک خطرے سے بالکل نجات
نہ ملی تھی؛ ایرانی بیڑے نے آبنائے سے نکل کے راس سنیوم کا
چکر لگایا اور ادھر یونانی فوجیں، میدانِ فتح میں ایک دستہ اپنے
مقتولین اور غنایم کی حفاظت کے لئے چھوڑکر، ایتھنز کو پلٹیں
کہ شہر کو بچائیں - انھوں نے شہر کے باہر الی سوس ندی کے
کنارے پہنچکر دم لیا اور یہاں سے دشمن کے جہازوں کو دیکھا کہ
فالرن کا رُخ کئے چلے آتے ہیں - لیکن وہ ساحل تک نہیں
آے بلکہ یکایک نظر آیا کہ سارا بیڑا سمندر میں واپس ہونے لگا؛
حقیقت میں داتیس نے مہم سے ہاتھ اٹھالیا تھا اور شاید یونانی
فوج کو پہلے سے پہنچا دیکھکر اُس نے دوبارہ یونانی ہَپ لیتوں
(یعنی پیادہ نیزہ برداروں) کا سامنا کرنے سے گریز کیا لیکن واضح
ہوکہ ماہ کامل ہو لینے کے بعد اُسی روز اسپارٹہ کی فوج بھی چل
چکی تھی اور لڑائی کے تھوڑے ہی دیر بعد ایتھنز میں پہنچ گئی -
پس قیاساً کہہ سکتے ہیں کہ عجب نہیں جو اسپارٹہ والوں کی موجودگی
یا کم سے کم آمد کی خبر ہی حملہ آوروں کی دفعتہً مراجعت کا ایک سبب
ہوگئی ہو جن کو اپنے ارادوں میں ایک غیر متوقع زک تو پہنچی مگر
اب تک کسی سخت ہزیمت کا منہ دیکھنا نہ پڑا تھا؛

اسپارٹہ والے اتنی دیر میں پہنچے کہ لڑائی کا وقت گزر چکا تھا

پھر بھی انھوں نے ایرانیوں کی لاشیں بغور دیکھنے کے شوق میں میدانِ جنگ کا جا کے معاینہ کیا اور اہلِ ایتھنز کے دلیرانہ کارنامے کی تعریف کر کے واپس چلے گئے۔ آج بھی وہ پُشتہ جس میں اہلِ ایتھنز نے اپنے مقتولینِ جنگ کو دفن کیا تھا مقامِ معرکہ آرائی کا نشان دیتا ہے۔ کالی ماکوس جنگ میں کام آیا اور اسی جگہ دفن تھا اور اس کا ای لوس شاعر کا بھائی کِن گیروس بھی یہیں سپردِ خاک کیا گیا تھا جس کی نسبت بیان کرتے تھے کہ تنہا ایک ایرانی جہاز کو پکڑے کھڑا رہا یہاں تک کہ تبر کی ایک ضرب نے اس کا ہاتھ قطع کر دیا۔

اس جنگ کے متعلق بہت جلد طرح طرح کے افسانے بن گئے تھے۔ مثلاً یہ کہ دیوتا اور اوتاروں نے یونانیوں کا ساتھ دیا۔ صفوں میں جنات نے مل مل کر شمشیر زنی کی۔ یا یونانیوں کے دھاوے کے آگے ایرانی سپاہی جو بدحواس ہو کر بھاگے تھے۔ اُسے پان[1] دیوتا سے منسوب کیا جاتا تھا۔ اور اسی زمانے سے ایک غار میں جہاں اکروپولس کی شمال مغربی ڈھلان پر اس دیوتا کا استھان تھا، اس کی پرستش کو از سرِ نو رواج ہو گیا تھا۔

یونان کے سب سے متبرک مقام یعنی خود دلفی کے مندر

---

[1] پان۔ یونانی دیومالا میں گڈریوں کا خدا تھا۔ یہ جنگلوں جنگلوں پھرتا اور کبھی کبھی راہگیروں کے سامنے نمودار ہو کے انھیں دفعتہً ایسا ڈراتا کہ اُن کے ہوش حواس اڑ جاتے۔ اسی لئے ایسی دہشت جو بغیر کسی ظاہری سبب کے یک بہ یک طاری ہو جائے پان سے منسوب کی جاتی تھی۔ مترجم۔

میں ابھی چند سال ہوے کہ فتح میراتھان کی سب سے نادر یادگار کی باقیات برآمد ہوئی ہیں ۱۔ ایرانی مال غنیمت کے روپے سے اہل ایتھنز نے ایک چھوٹا سا ڈوریانی وضع کا جواہرخانہ تیار کیا تھا اور اس میں سنگِ مرمر اپنی (پن تلی کوسی) معاون کا لگایا تھا۔ اس کی جو کچھ باقیات حال میں نکلیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فنِ عمارت کا گوہر بے بہا تھا اور جیسا صوفیانہ اور خوبصورت اس کے اندر پتھر کا کام تھا (جو اُسکے کھنڈروں میں دب کر محفوظ رہ گیا) ضرور ویسی ہی خوبصورت وہ ساری عمارت بھی ہوگی ؂

شہنشاہِ ایران کے لشکرِ عظیم پر تنہا غالب آنے سے ایتھنز کی سارے میں دھاک بیٹھ گئی اور اس کے باشندوں کو اپنی قوت کا زعم اور نئے نئے حوصلے پیدا ہوگئے۔ زمانے نے اُن کی جمہوریت پر جلی حروف میں تصدیق کی مہر لگادی تھی اور اب ان کے دِل میں یہ خیال جم گیا تھا کہ اُن کا نظامِ حکومت قابلِ اعتماد ہے اور وہ یونان کی اُونچی سے اونچی ریاست سے دعوئے ہمسری کرسکتے ہیں؛ میراتھان کا دن آیندہ ہمیشہ ایتھنز والوں کی نظر میں ایک عہد جدید کا سرآغاز رہا جس میں گویا خود دیوتاوں نے اُن سے آکر کہہ دیا تھا کہ بڑھے جاؤ اور پھیلے جاؤ ؂

مل تیادیس کو اس جنگ نے شہرتِ جاودانی کا خلعت پہنادیا تھا۔ لیکن اس کا انجام اچھا نہ ہوا۔ خود اس کی تحریک

پر اہلِ شہر نے اُسے جزیرۂ پاروس پر حملہ کرنے کی منظوری دیدی تھی۔ کیونکہ ایرانی بیڑے کے لئے اس جزیرے نے بھی ایک جنگی جہاز فراہم کیا تھا، مِل تیادیس شہر پاروس کا (۲۶) دن تک محاصرہ کئے رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی اور زخم کھا کے ناکام لوٹ آیا۔ اہلِ شہر نے اس ناکامی کو سپہ سالاؔ کے مجرمانہ طریق عمل سے منسوب کیا اور اس پر پچاس تیلنت[ا] کا بھاری جرمانہ کردیا۔ یہ معلوم نہیں کہ اس پر کونسا جرم عاید کیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں جب اس قصّے پر طرح طرح کے حاشئے چڑہائے جانے لگے تو احمقوں نے کہنا شروع کیا کہ در اصل مل تیادیس نے زرخیز علاقہ دلوانے کا وعدہ کیا تھا اور لوگوں کو یہی فریب دے کر سارا بیڑا لے گیا تھا مگر پھر صرف ذاتی کینہ نکالنے کے لئے اس نے پاروس پر حملہ کردیا۔ بہرحال، مل تیادیس مذکورہ بالا سزا پانے کے تھوڑے ہی دن بعد مرگیا۔

۶۔ ایتھنز اور اجی نا کی دشمنی

بحیرۂ ایجین میں سب سے زبردست بحری قوت جزیرۂ اجی نا کی تھی۔ اور اہلِ ایتھنز کا یہ اندیشہ بیجا نہ تھا کہ وہ نہ صرف ایرانیوں کی بہی خواہی کا دم بھریگی بلکہ عملاً انہیں مدد دیگی۔ پس انھوں نے اسپارٹہ کو بیچ میں ڈالا اور شکایت

[ا] ایک قدیم یونانی سکہ یا وزن جو ہمارے تقریباً ۴½ ہزار روپے کے برابر ہوتا تھا۔ مترجم

کی تھی کہ اجی نا، نے ایتھنز کی عداوت میں مادرِ یونان کے
خلاف ایرانیوں سے ساز کرلیا ہے؛ اسپارٹہ نے اسی زمانے میں
اپنے پُرانے حریف ارگوس پر فتح حاصل کی تھی اور تِرنِز
کے قریب سیپیا کے میدان میں شاہ کلیومنیس نے اس کے
ایسی ضرب لگائی تھی کہ ۲۰ برس بعد تک ارگوس نہ پنپ سکا
(۴۹۴ق م)۔اس معرکے نے اسپارٹہ کا اور زور بڑھا دیا تھا
مگر ایتھنز نے جو باضابطہ استدعا کی وہ اسپارٹہ کے صدرِ اتحاد
ہونے کی حیثیت سے تھی کہ پلوپنیسس کے اس اتحاد میں
ایتھنز اور اجی نا دونوں شریک تھے۔ غرض اس شکایت
کی وہاں سماعت ہوئی اور کلیومنیس نے اجی نا جاکر اُسکے
دس یرغمال ایتھنز کے حوالے کردئے تھے۔ اور اس طرح ایرانی
فوج کشی کے وقت اجی نا انہیں کوئی امداد نہ دے سکا تھا
اور نہ ایتھنز کی جنگی تیاری میں حارج ہوسکا تھا؛ لیکن اب
یہ واقعہ خود اسپارٹہ میں بِنائے فساد بن گیا۔ وہاں کے دونوں
بادشاہوں میں باہم عداوت پہلے سے موجود تھی پس دماراتوس
اجی نا والوں کی طرف ہوگیا۔ اور اُسے زک دینے کے لئے
کلیومنیس نے اُس خاندان کے دوسرے وارث لیوتی کیداس
کو اُبھارا کہ وہ دماراتوس کی صحت نسب کا ثبوت طلب
کرے۔ اسی کے ساتھ دلفی سے یہ الہامی پیام بھی حاصل
کرلیا گیا کہ دماراتوس اپنے باپ سے نہیں ہے۔ غرض
لیوتی کیداس بادشاہ بن گیا اور دماراتوس بھاگ کر داریوش کے

دربار میں پہنچا، لیکن اُس کے جانے کے بعد یہاں یہ حال کھُلا کہ دشمن کو معزول کرانے کی غرض سے کلیومنیس نے دلفی کی کاہنہ سے سازش کی تھی۔ پس اب کلیومنیس کو چھپ کر بھاگنا پڑا اور وہ پہلے تھسالیہ اور اس کے بعد ارکیدیہ چلا آیا اور وہاں خاص اپنے وطن کے خلاف جوڑ توڑ کر رہا تھا کہ خود حکومتِ اسپارٹہ نے اُسے واپس بلا لیا۔ لیکن اس کی طبیعت ایسی بے قابو ہوگئی تھی کہ اسپارٹہ آکر وہ دیوانہ ہوگیا اور آخر خود کشی کرکے مرگیا ؛

اس کے مرنے کے بعد اجی نا والوں نے اپنے یرغمال واپس طلب کئے اور لیوتی کی داس نے چاہا کہ یہ کام باہمی گفتگو کے ذریعے انجام پائے لیکن ایتھنز کی طرف سے انکار ہوا اور ان دونوں میں پھر لڑائی چھڑ گئی۔ (۴۸۷ ق م) اسی عداوت نے ایتھنز کو بحری قوت بنانے میں بڑی مدد دی کہ ایک تو اجی نا کی تاختوں سے اپنے ساحل بچانے کا خیال تھا اور دوسرے خود اجی نا کو محکوم یا کم سے کم اتنا کمزور کردینے کی خواہش تھی کہ پھر اُس کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ ہوسکے ؛

۷۔ جمہوریۂ ایتھنز کا فروغ

کلیس تنیس کے قانون نے آرکنوں کے پاس بہت سے اختیارات رہنے دئے تھے اور ان کا انتخاب مرتبے یا قابلیت کی بِناء پر جمہور کرلیتے تھے۔ لیکن عام رجحان یہ تھا

کہ عہدہ داروں کی قوت کم کی جائے اور جمہوری مجلس کا زور بڑھایا جائے۔ چنانچہ جنگِ میراتھان کے بعد حکام کے طریق تقرر میں ردّو بدل کیا گیا (۴۸۷ ق م) اور اب اضلاع کے باشندے پانچ سو اشخاص کا انتخاب کرنے لگے جن میں سے نو آرکن قرعہ ڈال کر مقرر کر لئے جاتے تھے۔ اس طرح گویا کسی بارسوخ کا تنہا یہ عہدہ چاہنا بے کار ہوگیا اور اب اس کو اتنا ہی موقع رہ گیا جتنا پانچسو دوسرے امیدواروں کو حاصل تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس عہدے کو جو امتیاز تھا وہ بھی باقی نہ رہا۔ مگر ظاہر ہے کہ اعلیٰ سپہ سالار کو اس طرح قرعہ اندازی سے مقرر کرنا ممکن نہ تھا اور اس لئے پول مارک (یعنی دوسرے آرکن) کو جو اختیارات سابق میں دئے گئے تھے وہ اس سے لے کر دس سپہ سالاروں کو منتقل کردیئے گئے جنھیں اب تک ہر قبیلہ الگ الگ منتخب کرتا تھا۔ لیکن اب یہ اصلاح کی گئی کہ ان دس کا انتخاب کل قوم مل کر کیا کرے۔

ایک نیا آئین" اوس ترا کزم" (یعنی فتوئ عام) کا بنایا گیا اور مجلس آریوپاگوس کا جو یہ فرض تھا کہ سلطنت کو حکومتِ جابرہ کی بلا سے محفوظ رکھے، وہ اب ذی اختیار جمہور کے ذمے کردیا گیا۔ اس فتوے کی صورت یہ ہوتی تھی کہ سرکاری سال کی چھٹی پری تانی کے وقت مجلس عوام کے سامنے یہ سوال پیش ہوتا کہ آیا قوم کی رائے میں فتوئ عام

طلب کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں ؟ اور اگر مجلس نے کثرت رائے سے ضرورت ظاہر کی تو آٹھویں پری تانی کے ایام میں مجلس عوام کا ایک غیر معمولی جلسہ چوک میں منعقد کیا جاتا اور تمام باشندے اپنے اپنے قبیلے کے ساتھ مجتمع ہوتے ۔ پھر ہر شہری ("اوستراکن" یعنی) ٹھیکرے پر اُس شخص کا نام لکھ دیتا تھا جو اس کے نزدیک فتویٰ عام کا مستوجب ہو ۔ اور یہ ٹھیکرے ایک مرتبان میں جمع ہوتے جاتے تھے ۔ اور جب تک چھ ہزار ایسے ٹھیکرے نہ ہوں کوئی رائے واجب العمل نہ مانی جاتی تھی ۔ مگر تعداد پوری ہونے کی صورت میں اُس شخص کو جس کے (نام کے) خلاف سب سے زیادہ ٹھیکرے پڑے ہوں یہ سزا سنا دی جاتی تھی کہ دس دن میں سرحد ایٹی کا سے نکل جائے اور دس برس تک اس کے اندر قدم نہ رکھے ۔ بایں ہمہ اُسے اپنے مال متاع پر قبضہ رکھنا جائز تھا اور وہ ایتھنز کی وطنیت سے محروم نہیں ہو جاتا تھا ؞

کہا جاتا ہے کہ اخراج کا یہ طریقہ کلیس تنیس کی ایجاد ہے اور اس نے خاص طور پر اُسے پی سیس تراتوس کی اولاد میں ایک شخص ہیپیارکوس پسر کارموس کے واسطے وضع کیا تھا ۔ چنانچہ گو یہ واقعہ قانون بننے کے پندرہ سال بعد ہوا تاہم ہیپیارکوس ہی سب سے پہلا شخص تھا جو فتویٰ عام کی رو سے خارج البلد کیا گیا (۴۸۷ ق م) اور

اس کے دوسرے سال یہ مصیبت مگاکلیس کے نصیب میں آئی جو اگرچہ الکمیونی خاندان سے تھا لیکن پی سیس تراتوس کی اولاد کا اُس نے ساتھ دیا تھا (۴۸۶ء ق م)۔ یہ سزائیں غالباً اس زمانے کے جمہوریت پسند مدبّرین زان تی پوس، ارس تدیز اور تمس طاکلیس کی تحریک سے دی گئی تھیں لیکن جب ۴۸۴ء میں زان تی پوس اور دو سال بعد ۴۸۲ء میں ارس تدیز بھی اس طرح خارج البلد کئے گئے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اب فتوئی عام حکومتِ جابرہ یا شخصی بادشاہی کے خوف سے طلب نہ کیا جاتا تھا بلکہ اس کا مقصد ہر ایسے مقتدر شخص کو دفع کردینا ہوگیا تھا جو کسی عام پسند تجویز کی مخالفت کرے۔ چنانچہ بہت ممکن ہے کہ ان دونوں کے اخراج کی وجہ یہ ہو کہ وہ تمس طاکلیس کی اولوالعزمانہ بحری تجاویز کے مخالف تھے ؛

ارس تدیز کے اخراج کے متعلّق، جو "عادل" کہلاتا تھا یہ دلچسپ نقل مشہور ہے کہ رائے دینے کے دن ایک اَن پڑھ باشندہ اُس کے قریب کھڑا تھا اور ارس تدیز کی صورت نہ پہچانتا تھا۔ خود اُسی سے کہنے لگا کہ میرے ٹھیکرے پر "ارس تدیز" کا نام لکھ دو۔ اور جب ارس تدیز نے نام لکھتے میں سوال کیا کہ "تم ارس تدیز کو کیوں نکلوانا چاہتے ہو"، تو کہنے لگا "اس لئے کہ میں اُسے "عادل" سُنتے سُنتے تنگ آگیا ہوں" ؛

۸- ایتھنز کی بحری قوت کا آغاز

لیکن تاریخ ایتھنز کے اس نازک زمانے میں سب سے بڑا مدبر تمس طاکلیس تھا جس کی نسبت یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ایتھنز کو ایک بڑی سلطنت بنانے میں جو کام اُسنے کیا وہ کسی شخص واحد سے نہ بن پڑا تھا؛ چھٹی صدی (ق م) میں ایتھنز کی بحری قوت خاصی تھی لیکن بیڑہ، فوج کا ایک ماتحت شعبہ سمجھا جاتا تھا؛ بحالیکہ تمس طاکلیس خود فوج کو بیڑے پر تصدق کردینے کی فکر میں تھا کہ ایتھنز کو بحری سلطنت (اور یونان میں سب سے قوی بحری سلطنت) بنادیا جائے؛ اس کام کا آغاز وہ جنگ میراتھان سے دو تین سال پہلے کرچکا تھا یعنی بحیثیت آرکن اُس نے مجلس عوم میں جزیرہ نمائے پیریئوس کی مورچہ بندی کی تجویز منظور کرالی تھی (۴۹۳ھ ق م)

اب تک فالرن کا کھلا ہوا کنارہ اہل ایتھنز کی بندرگاہ تھی جہاں سمندر کی ریتی تک وہ اپنے جنگی جہاز کھینچ لاتے اور یہاں وہ اس حالت میں پڑے رہتے تھے کہ اگر اچانک کوئی دشمن حملہ کردے تو کچھ حفاظت نہ ہوسکتی تھی؛ حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے اب تک پیریئوس سے کیوں کام نہ لیا تھا جو جزیرہ نمائے منی کیا کے مغرب میں ایک بڑی بندرگاہ تھی اور مشرق میں منی کیا اور زیا دو چھوٹی بندرگاہیں

اور اس کے ساتھ ملائی جاسکتی تھیں ؛ مگر اصل میں یہ مقام شہر سے کسی قدر فاصلے پر تھا اور فالرن کی طرح نگاہ کے سامنے نہ تھا۔ پس جب تک کوئی مورچہ بند بندرگاہ موجود نہ ہو فالرن کو ترجیح تھی کہ وہ اکروپولس پر سے ہر وقت نظر آسکتا تھا۔ لیکن تمس طاکلیس نے جو نقشہ تیار کیا اس میں تمام جزیرہ نما کا دور ایک مورچہ بند فصیل کے اندر آجاتا تھا نیز تینوں بندرگاہوں میں جنگی جہازوں کے واسطے تین گودیاں بنانے کی تجویز تھی۔ اس نقشے کے مطابق کام بھی شروع ہوگیا تھا مگر ایرانی حملے کی وجہ سے ملتوی کردینا پڑا؛ سو اب اجی نا کی لڑائی اور اہل ایران کے دوسرے حملے کا خوف، یہ دونوں سبب ایسے پیدا ہوگئے کہ تمس طاکلیس کو اپنے عظیم منصوبے کی دوسری طرح پر (یعنی بیڑا بناکر) تکمیل کرنے کا موقع مل گیا؛ اسی زمانے میں لاورین کے ضلع کی پرانی کان میں اتفاقاً بہت سی چاندی برآمد ہوئی اور بیت المال میں یہ مفت کی ایک رقم (شاید سنو تیلینت) جمع ہوگئی تھی (۴۸۳ ق م) صلاح یہ تھی کہ اسے لوگوں میں تقسیم کردیا جائے لیکن تمس طاکلیس نے مجلس عوام کو آمادہ کرلیا کہ اس رقم کو نئے جہاز بنانے پر صرف کیا جائے؛ چنانچہ دو ہی سال کے بعد ہمیں دو سو جنگی جہاز ایتھنز کے ماتحت نظر آتے ہیں؛ مگر واضح ہو کہ فصیل پیریئوس کی تکمیل کے کام کو ابھی ہاتھ نہیں لگایا گیا تھا ؛

ابتلائے یونان، ایران و فنیقیہ کی یورشیں

۱۔ زرکسز کی تیاریاں اور پیش قدمی

میراتھان کی خلاف اُمید ناکامی کے بعد داریوش نے ایک اور مہم بھیجنے کا عزم کیا تھا لیکن اس ارادے کے عمل میں آنے سے پہلے مرگیا اور ملکۂ اتوسا سے اُس کا بیٹا زرکسز[1] جانشینِ تخت ہوا (۴۸۵ ق م) اس کی تخت نشینی کے بعد پھر سوال اُٹھا کہ آیا داریوش کے منصوبے کی تکمیل کی جائے یا نہیں؟ بیان کیا جاتا ہے کہ خود زرکسز اس معاملے

---

[1] خشیار شا۔ یا زرزیہ ؟ مترجم

میں مذبذب تھا لیکن اس کے برادر عم زاد مردونیوس کی جوشیلی تقریروں نے اُسے اُبھار اُبھار کے آمادہ جنگ کردیا۔ اور اب یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک ساتھ برّی اور بحری حملہ کیا جائے۔ (۴۸۳ق م)۔ کوہ آتھوس کی خاک نائے پر کوئی ڈیڑھ میل لمبی نہر کھُدنی شروع ہوئی اور اسی دشوار کام سے جنگی تیاریوں کا آغاز ہوتا ہے۔ پچھلی مرتبہ مردونیوس کا ایک بحری دستہ اس خطرناک راس کے گرد چکّر کھاتے ہیں برباد ہو چکا تھا اور یہ ایرانی فنِ حرب کا بنیادی اصول تھا کہ برّی اور بحری افواج ساتھ ساتھ کام کریں اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہونے پائیں۔ پس آتھوس کی نہر اس لئے کھودی گئی تھی کہ ایرانی جہاز برّی افواج کے ساتھ ساتھ تمام ساحلِ تھریس کو بے کھٹکے طے کرسکیں؛ اور جب یہ نہر پوری ہوگئی تو وہی کاریگر دریائے سترِیمُن پر پل باندھنے کے لئے آگے بھیج دئے گئے کہ فوج کے گزرنے میں دقّت نہ ہو اسی کے ساتھ سارے راستے پر ایک انبوہ عظیم کی رسد رسانی کا انتظام کیا جانے لگا؛ یہ بات قیاس میں نہیں آتی کہ زرکسیز کی تمام فوجوں نے اس کے ساتھ ساردیس میں جاڑا گزارا ہو۔ گمان غالب یہی ہے کہ ان سب کا مقامِ اجتماع دردانیال پر تھا، اور اس آبنائے پر مصر و فنیقیہ کے ماہرینِ فن نے ساحل مقابل تک دو پُل بنادئے تھے؛ لیکن یہ دونوں ایک طوفان میں ٹوٹ گئے اور اس حادثہ پر زرکسیز

نہایت غضب ناک ہوا۔ اُس نے نہ صرف پُل بنانیوالوں کے سر قلم کرادیئے بلکہ حکم دیا کہ آبنا ے کے پانی پر بھی تین سو کوڑے مارے جائیں۔ اور اس عجیب حکم کی جن لوگوں نے تعمیل کی وہ کوڑے لگاتے میں یہہ "غیریونانی اور ناپاک" لفظ کہتے جاتے تھے:۔ "اے تلخ پانی، ہمارا مالک تجھے یہ سزا اس لئے دیتا ہے کہ تو نے اُسے نقصان پہنچایا حالانکہ اُس نے کبھی تجھے نقصان نہ پہنچایا تھا۔ لیکن تو چاہے یا نہ چاہے شاہ زرکسیز تجھے عبور کئے بغیر نہ رہیگا"

اس کے بعد کشتیوں کے سرے آپس میں باندھ کر، ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک دو قطاریں لگائیں اور نئے پُل تیار کئے گئے۔ شمالی قطار میں ۳۶۰ اور اس سے نیچے کی قطار میں ۳۱۴ کشتیاں باندھی گئی تھیں۔ دونوں قطاروں کے اوپر ۶ موٹی موٹی زنجیریں پھیلائی تھیں اور بیچ میں سے تین جگہ اتنا فصل نیچے چھوڑ دیا تھا کہ چھوٹی تجارتی کشتیوں کی آمد رفت کا راستہ رہے۔ زنجیروں کے اوپر تختے تھے اور پھر زنجیروں کی ایک تہ دے کر انہیں جکڑ دیا تھا۔ اسی تہ بنیاد پر لکڑی اور مٹی ڈال کے سڑک تیار کی گئی تھی اور دونوں طرف ایسی اونچی اونچی باڑیں لگائی تھیں کہ جانور پُل پر سے گزرتے میں سمندر کو نہ دیکھ سکیں؛ بیان کرتے ہیں کہ خود زرکسیز کے لئے سنگ مرمر کا تخت ساحل کے بلند مقام پر بچھایا گیا تھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے سے فوجیں گزر رہی

تھیں - یہ سلسلہ صبح سے شروع ہوا تھا مگر تمام لشکر کے زیرین درجہ پُل کو عبور کرنے میں دو دن صرف ہوئے ؛

علاقہ تھریس کے مقام ڈریس کوس پر بیڑا فوجوں سے آملا کہ آیندہ سے دونوں مل کر کام کریں - ڈریس کوس کے میدان میں زرکسیز نے فوجوں کا معائنہ کیا اور موجودات لی - اور ہروڈوٹس کے الفاظ میں "وہ کونسی قوم ایشا کی تھی جسے زرکسیز، ہیلاس پر چڑھا کے نہ لایا تھا؟" خاص ایرانی سپاہی اُتانیس کے زیر علَم سر سے پاؤں تک زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے ان کے پاس چوبی ڈھالیں چھوٹی برچھیاں اور لمبی لمبی کمانیں تھیں - اشور کے جوان برنجی خود اور نرم کفتان پہنے، چماق (یعنی ڈنڈے) اور نیزہ و خنجر سے مسلح تھے - باختری تیر انداز بید کی کمانیں لئے ہوئے تھے - تبر بردار ساکی (یعنی اہل کاشغر و سمرقند) اپنی پاپاخ[1] و شلوار میں تھے - اہل ہند کا سوتی اور بحر خزر کے ارد گرد بسنے والوں کا لباس، بکری کی کھال کا تھا - قوم سارنج اونچی ایڑی کے موزے اور رنگے ہوئے کپڑے پہنے تھی - اہل حبشہ چیتے یا شیر کی کھال پہنکر آئے تھے اور اُن کے تیروں میں پتھّر کے پیکان تھے جو قرونِ مظلمہ کی یاد دلاتے ہیں - قوم سگاریتہ خنجر و کمند سے مسلح تھی - تھریس کے سپاہیوں کے سر پر پوست روباہ کی ٹوپیاں تھیں - اور کولکیہ والے چمڑے کی ڈھالیں لئے ہوئے تھے ؛

---

[1] پاپاخ - یعنی نوک دار اونچی ٹوپیاں ؛ مترجم

بحری افواج میں فنیقیہ، مصر، قبرس، سلیسیہ، پم فیلیہ، لیسیہ، کاریہ اور محکوم یونانی شہروں کے دستے شامل تھے اور منقول ہے کہ بیڑے میں کُل ۱۲۰۷ جنگی جہاز تھے جن کی بار برداری کے لئے ۳ ہزار کشتیاں ساتھ تھیں؛ فوج کے شمار کے متعلق یہ دلچسپ روایت مشہور تھی کہ پہلے ایک میدان میں دس ہزار آدمی گنجان صفوں میں ایک دوسرے سے ملاکر کھڑے کئے گئے اور گرد لکیر کھینچ کے دیوار بنادی گئی۔ اس کے بعد ساری پیادہ فوج باری باری سے اسی حصار میں سے ہوکر گزری اور وہ ۱۷۰ مرتبہ معمور ہوا۔ گویا لڑنے والوں کی کُل تعداد ۱۷ لاکھ تھی اور اسّی ہزار سواروں کے علاوہ کچھ فالتو فوج اور بھی تھی جسے شمار نہیں کیا گیا۔ ان میں اگر بحری سپاہ ملائی جائے (اس حساب سے کہ فی جہاز ۲ سو اور فی کشتی ۸۰ آدمی شمار کئے جائیں۔) تو کل تعداد ۲۳ لاکھ ۱۷ ہزار نکلتی ہے۔ اور نوکر چاکر، بنیئے بقال، اور بھیر علیحدہ رہی، جسے ہیروڈوٹس تعداد میں سپاہیوں کے برابر رکھتا ہے۔ مختصر یہ کہ اس تمام لاؤ لشکر کا شمار ۵۰ لاکھ سے اوپر پہنچتا ہے۔ اور یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ یہ سب حساب بالکل ناقابل اعتبار ہے۔ ایرانیوں کی برّی فوج شاید تین لاکھ یا بمشکل کچھ زیادہ ہوگی اور اسی طرح اُن کے جہازوں کی بھی جو تعداد یونانیوں نے لکھی ہیں، اُس سے کہیں کم سمجھنا چاہئیے۔

ڈریس کوس سے زرکسز یہ انبوہِ کثیر لئے ہوئے، جس کے پینے کے لئے ندیوں کا پانی اکتفا نہ کرتا تھا اور وہ خشک اور خالی رہ جاتی تھیں، تھرما روانہ ہوا (اگست ۴۸۰ ق م) اور اسی مقام پر سیتھونیہ اور پالنی کا چکر کاٹ کے ایرانی بیڑا پھر بڑی فوجوں سے آملا زرکسز کے کوچ کے بہت سے واقعات جو ہروڈوٹس نے بیان کئے ہیں دلچسپ کہانیاں ہیں جن سے اس ملیچھ کی فرعونیت اور استبداد دکھانا مقصود ہے نیز یونان کی شوکت نمائی کے لئے خطرات کے بیان میں نہایت مبالغے سے کام لیا گیا ہے؛

۲- یونان کی تیاریاں

اُدھر اہلِ یونان بھی جواب میں لڑائی کی تیاریاں کررہے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایتھنز اور اسپارٹہ کے سوائے تمام یونانی ریاستوں کو زرکسز نے ساردیس کے زمانۂ قیام میں ایلچی بھیجے تھے کہ آب و گِل کا خراج وصول کریں؛ گویا اصلی حریف ایتھنز و اسپارٹہ تھے جو حملہ روکنے کے لئے متحد ہو گئے تھے۔ اور انہیں یونان کے سب سے نازک وقت میں اہلِ یونان کا سرگروہ اس لئے منتخب کیا گیا تھا کہ اسپارٹہ عام طور پر اُن میں سربرآوردہ مانا جاتا تھا اور ایتھنز نے میراتھان کی لڑائی جیت کر اپنی دھاک بٹھادی تھی؛ اب انہی دونوں نے خاکنائے کورنتھ پر تمام اہلِ یونان کا جلسہ منعقد کیا کہ سب مل کر

اس خطرے کے دفعیہ کی تدابیر سوچیں۔ (۴۸۱ ق م۔ فصل خریف) کل یونانیوں کو کسی حد تک متحدہ کرنے کی کبھی بالارادہ کوئی تدبیر کی گئی تو یہ جلسہ اس کی پہلی مثال ہے۔ بہت سی ریاستوں نے اس میں اپنے اپنے وکیل بھیجے اور اسپارٹہ کی صدارت میں اس کا انعقاد خاکنائے کورنتھ پر ہوا جس کا انتخاب مرکزی مقام ہونے کی وجہ سے کیا گیا تھا؛ جلسے میں ۳۱ ریاستوں کے وکیل آئے تھے۔ انھوں نے متحد رہنے کا عہدو پیمان کیا اور حلف اُٹھایا کہ جو ریاست بلا مجبوری دشمن کی اطاعت قبول کرے اُس سے خدائے دلفی کے واسطے "یک عشر" وصول کریں؛ حقیقت میں یہ ایک منت ماننے کا طریقہ تھا جس سے مراد یہ تھی کہ ایسے غداروں کو بالکل نیست و نابود کردیا جائیگا؛ جلسے میں تھسالیہ، بیوشیہ اور شمالی یونان کی اور بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے شرکت نہیں کی تھی۔ ایرانی حملے کی زد میں سب سے پہلے ہی شمالی ریاستیں آتی تھیں اور چونکہ تنہا مدافعت کرنے کا خیال ہی فضول تھا لہذا جب تک انہیں اس بات پر کامل اعتبار نہ ہوتا کہ اسپارٹہ اور اس کے حلیف تھسالیہ کی شمالی سرحد بچانے میں اُن کی مدد کریں گے اُن کے لئے قبولِ اطاعت کے سوائے کوئی چارہ کار نہ رہا تھا؛

بلکر کام کرنے میں سب سے بڑی قباحت ان ریاستوں کے باہمی تنازعات کی وجہ سے پیدا ہورہی تھی۔ کورنتھ کی مجلس،

نے ایسے اندرونی جھگڑے مٹانے کی کوشش کی اور اجی نا اور ایتھنز نے آزادی یونان کی خاطر مل کر لڑنے کے واسطے، اپنی مخاصمت بالائے طاق رکھدی؛ دوسرا اہم مسئلہ متحدہ سپاہ کی قیادت کا تھا؛ فوج کی سرداری کے معاملے میں اسپارٹہ کا حق بلا حجت سب کو تسلیم تھا لیکن بیڑے کے متعلق یہ معاملہ کسی قدر بحث طلب تھا اور ایتھنز جس نے سب سے زیادہ جہاز فراہم کئے تھے، واجبی طور پر اس اعزاز کا دعویدار تھا۔ مگر دوسری ریاستیں اس سے حسد کرتی تھیں اور انھوں نے کہدیا تھا کہ ہم اسپارٹی سردار کے سوا کسی کی ماتحتی گوارا نہ کرینگے۔ غرض حلیفوں کی فوج کا سپہ سالار لیونی ڈس شاہ اسپارٹہ مقرر ہوا اور اتحادی بیڑے پر بھی اسپارٹہ کے باشندے یوری بیاڈس کو امیرالبحر بنایا گیا جو وہاں کے کسی شاہی خاندان سے نہ تھا۔

دوسری ریاستوں کو بھی دعوتِ اتحاد دینے کے لئے سفیر بھیجے گئے تھے۔ جیسے آرگوس کو جس نے جلسے میں شرکت نہیں کی تھی۔ نیز کریت، کرکایرا اور سیراکیوز کی بحری ریاستوں سے امداد کا وعدہ لینے کے لئے ایلچی روانہ ہوئے تھے مگر ان سفارتوں سے کوئی مطلب براری نہ ہوئی۔ سیراکیوز کے طاقتور جابر گلن کو خود اپنی مملکت پر اہل قرطاجنہ کے حملے کا فکر لگا ہوا تھا اور اگر چاہتا بھی تھا تو بھی وہ مادرِ وطن کو کوئی امداد نہیں دے سکا؛ یونانیوں کے پاس جنگی

تیاریوں کے لئے بہت وقت تھا۔ اور ان میں سب سے زیادہ جوشِ سعی سے غالباً ایتھنز نے حصہ لیا۔ اُس نے اپنے ممتاز شہریوں کو جو پچھلے دس برس میں فتوئ عام کی رُو سے خارج البلد کئے گئے تھے واپس بلا لیا (۴۸۱ ق م)۔ اور زان تی پوس و ارس تدیز کی مراجعت کے بعد ہی اہل شہر نے اُن کی حبِّ وطن پر اعتماد کا یہ ثبوت دیا کہ انہیں بھی اپنا سپہ سالار منتخب کیا۔

۳۔ جنگ تھرموپلی و آرتمیزیوم

جن دنوں زرکسنر، دردانیال پر پہنچا ہے، تھسالیہ والوں نے اہل اتحاد کو ایک پیام بھیجا اور صلاح دی کہ حملہ آوروں کی مدافعت تمپی کے درے پر کی جائے۔ چنانچہ دس ہزار ہپ لیت (پیادے) وہاں بھیجے گئے تھے۔ لیکن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ مقدونیہ سے تھسالیہ آنے کے اور درے بھی ہیں اور غالباً ایرانی فوجیں انہی کے راستے ادھر بڑھیں گی ان سب دروں پر دشمن کو روکنے کے لئے دس ہزار سپاہی کافی نہ تھے۔ پس ایک تمپی کی مدافعت کرنا بالکل فضول اور اس لحاظ سے نہایت مخدوش تھا کہ یہ مقام بہت دُور شمال میں واقع تھا۔ پس یہ خیال چھوڑ دیا گیا اور اتحادی فوج تھسالیہ سے واپس چلی گئی۔ اس طرح ان علاقوں کو چھوڑ کر چل دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے مجبور ہوکر

زرکسنز کے حضور میں "آب و گل" کی نذر پیش کردی جو قبولِ اطاعت کی دلیل تھی ؎

مدافعت کے لئے دوسرا مناسب موقع تھرموپلی تھا۔ یہ تنگ درہ پہاڑ اور سمندر کے درمیان ترا کیس و لوکریس کی حدّ فاصل ہے اور کوہ اویتہ کے جنوب میں جس قدر علاقے (مشرقی یونان کے) ہیں اُن سب میں جانے کا یہی دروازہ تھا۔ اس زمانے میں مغربی اور مشرقی سروں پر سے یہ درہ نہایت تنگ تھا اور بیچ میں اہلِ فوکیس نے تھسالیہ والوں کی یورشیں روکنے کے لئے، ایک فصیل بنادی تھی ؎ پھر بھی اگر تھرموپلی کا راستہ رک جائے تو کسی چالاک فوجی دستے کا پہاڑ کی ایک دوسری ناہموار چڑھائی سے لوکریس کی سمت پر آ نکلنا ممکن تھا۔ پس تھرموپلی کے مدافعین کے لئے ضرور تھا کہ وہ اس راستے کو بھی روکے رکھیں تاکہ دشمن کا کوئی گروہ چکر کھاکے یکایک اُن کے عقب میں نہ آپہنچے ؎

یونانیوں نے ارادہ کرلیا کہ دشمن کو تھرموپلی پر روکا جائے۔ لیونی ڈس اپنی فوج لیکر وہاں آپہنچا۔ اس کے ماتحت ۷ ہزار کے قریب سپاہی تھے یعنی ۴ ہزار پلوپنی سس، ایک ہزار فوکیس، ۴ سو تھبنز، ۷ سو تھس پیہ اور لوکریس کی پوری فوج، شامل تھی۔ واضح رہے کہ اہلِ پلوپنی سس نے اپنی فوج کا محض ایک قلیل حصّہ یہاں روانہ کیا تھا اور اگر ایتھنز کا پاس نہ ہوتا تو کیا عجب ہے کہ وہ شمالی یونان

سے بالکل قطع نظر کرلیتے اور اول سے ہی اپنی تمام فوجیں خاکنائے کورنتھ پر مجتمع کرتے۔ لیکن ایتھنز پر ان کا بہت کچھ دارو مدار تھا کہ سب سے طاقتور بیڑا اسی کا تھا اور وہ مجبور تھے کہ ایتھنز کے نفع نقصان کا بھی خیال رکھا جائے۔ اور تھرموپلی کو چھوڑکر خاکنائے پر ہٹ آنے کے معنی یہ تھے کہ ایٹی کا (یعنی ایتھنز کے علاقے) کو دشمن کے حوالے کردیا جائے۔ بایں ہمہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ اسپارٹہ والوں کو در حقیقت خاکنائے کورنتھ ہی کی لَو لگی ہوئی تھی اور شمالی ریاستوں کے بچانے کا انھیں چنداں خیال نہ تھا۔ اور اس خودغرضی اور کوتہ اندیشی کے طرز عمل پر انھوں نے یہ کہہ کے پردہ ڈالنا چاہا تھا کہ ہماری فوجیں کارنیہ کا تہوار منانے میں مصروف ہیں اور اس لئے لیونی ڈس کے ہمراہ جو جمعیت بھیجی گئی ہے یہ محض مقدمۃ الجیش ہے۔ باقی فوج تھوڑے عرصے بعد آئیگی۔

چونکہ ایرانیوں کی برّی اور بحری فوجیں ہمیشہ ساتھ کام کرتی تھیں لہذا یہ بات یقینی تھی کہ ایرانی بیڑا یوبیہ اور یونان خاص کے درمیان رود بار میں ضرور داخل ہوگا۔ نظر برایں، ادھر تو یونانی سپاہی تھرموپلی کا درہ روکے پڑے تھے اور اُدھر یونانی بیڑا، یوبیہ کے شمالی سرے یعنی مقام ارتمی زیوم پر متعین کردیا گیا تھا کہ خلیج مالیس میں ایرانیوں کو بڑھنے سے روکے۔ اس بیڑے میں ۳۲۴ سہ طبقہ اور نو پچاس

چپّو کے جنگی جہاز شامل تھے اور ان میں حصّہ غالب (یعنی ۲۰۰ جہاز) ایتھنز کا تھا۔ ایتھنز کے ۵۳ جہاز جو اس پہلی لڑائی میں شریک نہیں ہوے غالباً آنبائے کے جنوبی راستے کی حفاظت کے لئے چھوڑ دئے گئے تھے کہ مبادا ایرانی کچھ جہاز یوبیہ کے گرد سے بھیج کر یوری پوس کا ناکہ اور یونانیوں کی واپسی کا راستہ روک لیں۔

۱۶۲
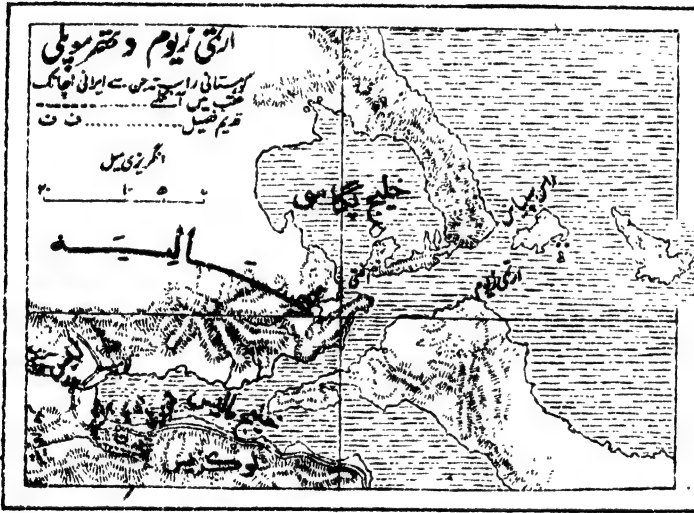
اواخر اگست میں ایرانی فوج تھرموپلی پہنچی اور ان کے بیڑے نے جزیرہ نمائے مگنیسیہ کے ساحل پر سپیاس کے قریب لنگر ڈالا۔ ان کے جہازوں کی اتنی کثرت تھی کہ بندرگاہ کے اندر وہ نہ سماسکے اور سمندر میں ایسی بادِ تُند چلی کہ ہرو ڈوٹس کے قول کے بموجب اُن کے چارسو جہاز وہیں برباد ہوگئے۔ پھر بھی یونانی بیڑے کے سردار سامنے

نہ پڑتے تھے اور پیچھے ہٹنے پر مایل تھے۔ لیکن اہل یوبیہ
بیڑے کی دستگیری کے خواہاں تھے اور انھوں نے ۳۰
تیلنت تمس طاکلیس کو دئیے کہ سرداران بحری کو رشوت
دے کے روکا جائے؛ اس نے ۸ تقسیم کئے اور باقی ہروڈوٹس
کہتا ہے کہ خود رکھ لئے؛ اس اثناء میں ایرانیوں نے راس
کا چکر کاٹا اور ارفتی پر اپنے جہاز روکے۔ یونانیوں کی واپسی
کا راستہ روکنے کی غرض سے انھوں نے اپنے دو سو جہاز
خفیہ طور پر یوبیہ کے جنوب میں روانہ کئے تھے لیکن ایک
مشہور غوطہ خور اسکی لیاس نامی ارفتی سے تیرکر ارتمی زیوم
پہنچا اور یونانیوں کو اس چال کی خبر پہنچادی۔ یونانیوں نے
ارادہ کیا کہ واپس جاکر اس بحری دستے کا مقابلہ کریں لیکن
دن ڈھلے بعد انھوں نے ارفتی میں ایرانیوں کے لنگر انداز
جہازوں پر ایک ابتدائی حملہ کردیا اور اُن کے ۳۰ جہاز چھین
لئے؛ بعد غروب ان کا قصد روانگی کا تھا مگر رات طوفان
خیز تھی اور جب دن ہوا تو اطلاع ملی کہ ایرانیوں کے دو
دو سو کے دو سو جہاز ٹوٹ کے غارت ہوگئے؛ اسی وقت
ایتھنز کے باقی ماندہ ۵۳ جہاز یوری پوس سے چلکر بیڑے
میں آملے اور چونکہ راستہ روکنے کا خطرہ بھی جاتا رہا تھا
لہذا یونانیوں نے ارتمی زیوم ہی میں ٹھیرے رہنے کا
فیصلہ کیا؛

اس اثناء میں شاہ لیونی ڈس نے تھرموپلی پر اپنے

قدم جمالئے تھے۔ پہاڑ کے اوپر سے جو راستہ آتا تھا اس
کی پاسبانی فوکیس والوں کے سپرد کی گئی تھی۔ نیچے درے پر،
اہل فوکیس کی قدیم فصیل کی مرمّت کرلی گئی تھی اور اسکے
پیچھے ۶ ہزار سرفروش راستہ روکنے کے لئے ڈٹے ہوے
تھے؛ زرکسنر نے اس اُمید میں کہ شاید وہ ہٹ جائیں، چار
دن تک توقّف کیا اور پانچویں دن حملے کا حکم دیا۔ مگر یونانی
نیزہ بازوں نے ایشائی تیراندازوں کو پسپا کردیا اور گو دوسرے
دن زرکسنر کی فوج خاصہ نے جو "قشون جاودانی" کے نام
سے موسوم تھی، ہلّہ کرکے درہ لینے کی کوشش کی تاہم نتیجہ
وہی ناکامی ہوا اور ہرِوڈوٹس کہتا ہے کہ زرکسنر اپنی فوج
کے نقصان دیکھ کر" فرطِ کرب سے تین مرتبہ اپنے تخت سے
اُچھل اُچھل پڑا۔" آخر یہ طے پایا کہ یہی "قشون جاودانی" پہاڑ
کے راستے سے زبردستی گزرجائیں۔ اس وقت وہ ابنے سردار
ہیڈرانیس کی ماتحتی میں تھے ادر علاقہ مالیس کا ایک یونانی
باشندہ افیالتیس اُن کا رہبر ہوگیا تھا۔ غرض راتوں رات
کوچ کرکے یہ فوج درے کی چوٹی پر آنکلی اور صبح ہوتے
ہوتے اچانک فوکیسی پاسبانوں کے سرپر جا پہنچی۔ فوکیس والے
پہاڑیوں کی طرف بھاگے اور قشون جاودانی انہیں دباتے ہوئے
چلے آتے تھے کہ لیونی ڈس کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی
اسی وقت مجلس مشاورت منعقد کی گئی اور طے پایا کہ اس
قلیل فوج کا بڑا حصّہ درے سے ہٹا لیا جائے اور صرف

اسپارٹہ تھبنر اور تھس پیہ کے سپاہی، کُل ۱۴۰۰ جوان، اپنی جگہ پر قایم رہیں۔ درے کے مشرق اور مغرب میں دو رُخ تھے جدھر سے اب غنیم کو راستہ نکالنا تھا۔ مغرب کی جانب قدیم فصیل پر لیونی ڈس اپنے ۳ سو اسپارٹی جانبازوں کو لے کر جا کھڑا ہوا کہ زرکسنز کے پورے لشکر کو روکے رکھے اور باقی تمام سپاہی مشرق کی طرف بھیج دئے گئے کہ جو فوج پہاڑ سے چڑھ آئی ہے، اُس کا مقابلہ اور مشرقی سرے کی مدافعت کریں۔

لیونی ڈس کے اس فعل کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ صرف جان پر کھیل جانا تھا۔ درحقیقت اگر اب بھی وہ فوج جسے اُس نے مشرقی رخ روانہ کیا تھا قشون جاودانی کو کسی طرح مغلوب کرلیتی تو اہل فوکیس کی غفلت کی تلافی ممکن تھی۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ یہ، زیادہ سے زیادہ ایک اُمید موہوم تھی۔ قشون جاودانی کے سامنے یونانیوں کی کچھ پیش نہ گئی اور کہا جاتا ہے کہ وہ کُل ۴ ہزار یونانیوں کو قتل کرکے، مارتے کاٹتے مشرقی سرے پر تھبنر و تھس پیہ کی فوج تک پہنچ گئے۔ اور سب کے آخر میں اہل اسپارٹہ کے مارے جانے کی نوبت آئی۔ مگر یونانی جان سے ہاتھ دھوکر یہ لڑائی لڑے تھے۔ اُنھوں نے صرف حملے روکنے پر قناعت نہ کی بلکہ فصیل کے پیچھے سے نکل کے فوجوں کے سمندر میں جا کُودے اور دُشمن کی صفوں کو اُلٹ اُلٹ دیا۔ جب

لیونی ڈس مرکے گرا تو اس کی لاش پر وہ گھمسان ہوا کہ ہومر کے افسانے تازہ ہوگئے۔ خود زرکسیز کے دو بھائی لڑائی میں کام آئے۔ لیکن آخر میں مدافعین کو پھر ہٹ کر فصیل کی پناہ لینی پڑی اور جب عقب سے قشون جاودانی کا حملہ ہوا تو وہ سمٹ کر ایک ٹیکرے تک آگئے اور یہیں دشمنوں کے نرغے میں گھر کے لڑتے رہے یہاں تک کہ سب کے سب کٹ کے گر پڑے۔

کچھ عرصے بعد اسپارٹہ میں ایک منار تعمیر کیا گیا تھا جس پر لیونی ڈس اور اس کے ۳ سو ساتھیوں کے نام مرقوم تھے۔ انہی میں دنیکیس کا نام بھی نظر آتا ہے اور اسی سے ایک مشہور "مُتْ" یعنی برجستہ فقرہ منسوب ہے جس سے اسپارٹہ کے سپاہیوں کی حالتِ خطر میں خوش دلی اور بے پروائی ظاہر ہوتی ہے۔ جب اُس سے کسی نے بیان کیا کہ ایرانی سپاہ کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ اُن کے تیروں سے آفتاب چھپ جاتا ہے تو اُس نے کہا "یہ تو اور بھی اچھی بات ہے کہ ہم چھاؤں میں لڑائی لڑیں گے۔"

تھرموپلی کے واقعے کی خبر بہت جلد ارتمی زیوم پہنچ گئی اور سنتے ہی یونانیوں نے جہازوں کے لنگر اٹھا دئیے اور آبنائے یوری پوس سے گزر کر سواحل ایٹی کا پر چلے آئے۔

۴۔ جنگِ سلامیس

اس طرح جب یونان کا اندرونی دروازہ ٹوٹ گیا اور وہاں کی سر برآوردہ ریاست کا بادشاہ (لیونی ڈس) مارا جاچکا تو پھر دُور تک زرکسیز کو روکنے والا کوئی نہ رہا۔ وہ لوکریس، فوکیس اور پھر بیوشیہ کے علاقوں میں بغیر مزاحمت بڑھتا چلا آیا اور تھبز وغیرہ بیوشیہ کی اکثر ریاستوں نے اُس کے آگے سرِ اطاعت خم کردیا؛

ادھر جب ایتھنز کی بحری فوج ارتمی زیوم سے لوٹی تو معلوم ہوا کہ پلوپنی سس والوں کی سپاہ خاکنائے پر مجتمع ہو رہی ہے اور سمندر سے سمندر تک ایک فصیل تیار کرنے میں مصروف ہے۔ بالفاظ دیگر، بیوشیہ اور اٹی کا کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں کیا گیا۔ اس صورت میں تمس طاکلیس اور دیگر حکّام شہر نے فیصلہ کیا کہ ایتھنز کو خالی کردیا جائے اور منادی کردی کہ جو لوگ اپنے اہل وعیال اور مال و متاع کو کسی دوسرے مقام پر پہنچا سکتے ہیں وہ وہاں پہنچادیں اور باقی تمام اہل شہر جنگی جہازوں میں سوار ہوجائیں؛ اس کی تعمیل ہوئی۔ یعنی عورتیں اور بچے ترزن، اجی نا اور سلامیس میں پہنچا دیئے گئے؛ جہازوں میں نقل مکان کرنے کی یہ عاقلانہ اور دلیرانہ تدبیر وقتی مجبوری پر مبنی تھی لیکن لوگوں نے فرض کرلیا تھا کہ یہ کام اُس ربّانی قول

کی بناء پر کیا گیا ہے جس میں پیشین گوئی کی گئی تھی کہ "سوائے چوبی دیوار کے" تمام ایٹی کا برباد و خراب ہوجائیگا؛ پس لوگ کہتے تھے کہ "چوبی دیوار" کے لفظ سے کنایتہً جہاز مراد ہیں؛ یہ روایت بھی مشہور ہے کہ بعض غریب شہری اس قول کے لفظی معنی پر اڑے رہے اور قلعے میں تختوں کی قنات روک کر وہیں ٹھیرے رہے تھے؛ مگر قرینہ کہتا ہے کہ اکروپولس کے قدرتی استحکام پر بعض اشخاص کو بھروسہ تھا کہ شاید وہ تسخیر نہ ہو۔ اور اس لئے وہ رہ گئے تھے؛ اسی پر بعد میں یہ کہانی لوگوں نے گھڑلی ؛

اس عرصے میں اتحادیوں کا بیڑا آبنائے سلامیس میں آگیا تھا۔ اُسے تازہ فوج سے کمک بھی مل گئی اور اب اس میں کل ۳۷۸ سہ طبقہ اور ۷ پچاس چپّو کے جنگی جہاز شامل تھے ؛

غالباً نویں ستمبر ۴۸۰ق م کے دن زرکسنر ایتھنز پہنچا اور قریب قریب اسی وقت ایرانی بیڑا فالرُن کے کنارے سے آن لگا؛ تمام شہر خالی ہوچکا تھا اور صرف اکروپولس پر ایک قلیل گروہ خندقیں کھودے چوبی دیوار کی آڑ میں پڑا تھا۔ ایرانی سپاہی پہلے آریوپاگوس کے نشیبی حصے پر چڑھے ۔ اس کے اور اکروپولس کے درمیان صرف ایک چوڑا ٹیکرا حایل ہے۔ پس یہاں سے جلتے ہوئے تیر پھینک پھینک کر انھوں نے یونانیوں کی چوبی قنات کو آگ لگادی۔

مدافعین نے اُن پر اوپر سے پتھر لڑھکانے شروع کئے اور قلعے کا محلِ وقوع کچھ قدرتاً ایسا ہے کہ یہ محاصرہ دو ہفتے تک ہوتا رہا۔ آخر قلعے کے شمال میں سلامی دار پہلو کے ایک چور راستے سے ایرانی کسی نہ کسی طرح اُوپر چڑھ آئے۔ اور تمام یونانیوں کو قتل کردیا اور مندروں کو لوٹ کے آگ لگادی ؛

اکروپلس کی تسخیر کے بعد یونانی سردارانِ بحر نے ایک جنگی مجلس مشورۃ منعقد کی اور کثرتِ رائے سے یہ قرار پایا کہ وہ یہاں سے خاکنائے کورنتھ پر ہٹ جائیں کہ بری افواج کے اتصال کے علاوہ وہاں پیچھے ہٹنے کی بھی دُور تک گنجائش ہے۔ حالانکہ سلامیس میں اُن کا سلسلہ آمد و رفت منقطع ہو جائے گا؛ اس فیصلے کے معنی یہ تھے کہ اجی نا، سلامیس اور مگارا تینوں کی حفاظت سے ہاتھ اٹھا لیا جائے؛ تمس طاکلیس چاہتا تھا کہ ایسا نہ کرنے دے چنانچہ وہ تنہائی میں یوربی بیاڈس کے پاس گیا اور اس کے دلنشیں کردیا کہ خاکنائے کی کھلی خلیج میں لڑنے کی نسبت یونانیوں کا کہیں زیادہ فائدہ اسی میں ہے کہ آبنائے سلامیس کی تنگ کھاڑیوں میں مقابلہ کیا جائے جہاں دشمن کے جہازوں کی کثرت اور تیز رفتاری اس کے کچھ کام نہ آئیگی۔ غرض پھر مشورہ کیا گیا اور اس جلسے میں اپنی تجویز منوانے کے لئے تمس طاکلیس کو

دھمکی بھی دینی پڑی کہ اگر خاکنائے کورنتھ پر ہٹنے کا فیصلہ کیا گیا تو اہل ایتھنز (جو آدھے بیڑے کے شریک تھے) اتحادیوں کا ساتھ چھوڑ دینگے اور مغرب میں کسی اور سرزمین پر جابسیں گے ۔

جزیرۂ سلامیس اور ایٹی کا کے درمیان اس تنگ آبنائے کے جنوب مشرق میں سیتالیا کے ٹاپو اور ایک لمبی راس نے جو ایٹی کا کی جانب نکل آئی ہے راستے کو اور بھی گھیر رکھا ہے ۔ اسی راس کے کچھ اوپر شہر سلامیس کے قریب یونانی بیڑا لنگر انداز تھا ۔ پس زرکسنر نے اپنا بیڑا آگے بڑھا کے آبنائے کے اس راستے کو روک لیا اور دن ڈھلے تک سیتالیا پر قبضہ کرلیا ۔ (قیاساً ۲۷؍ ستمبر) ۔ دشمن کی اس چال سے یونانی بہت گھبرائے ۔ پلوپنیسس کے سرداران بحر نے یوری بیاڈس پر دباو ڈالا اور پھر مجلس مشورۃ طلب کی گئی اور تمس طاکلیس کو نظر آیا کہ اتنی محنت اور عرق ریزی سے جو کچھ نتیجہ حاصل ہوا تھا وہ پھر برباد ہوتا ہے لہذا اُس نے ارادہ کرلیا کہ جو ہو سو ہو اس موقع پر ایک چال چلنی چاہیئے ۔ اُس نے اہل مشورۃ کو تو وہیں چھوڑا اور باہر آکے سی کنوس نامی ایک غلام کو ایرانی فرود گاہ کی طرف روانہ کیا اور زرکسنر کا خیر خواہ بن کر یہ پیام کہلا بھیجا کہ یونانیوں نے راتوں رات جہاز نکال لے جانے کا ارادہ کرلیا ہے اور

اگر انہیں یہیں روک لیا گیا تو ایران کی فتح میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یونانی سپاہ میں اس وقت نفاق ہے۔ ایرانیوں کو اس پیام کا یقین آگیا اور زرکسز نے رات ہوتے ہی اس بات کا انتظام کرلیا کہ یونانی جہاز سلامیس اور مگارا کی مغربی آبنائے سے بچکر نکلنے نہ پائیں۔ چنانچہ اُس نے دو سو مصری جہاز روانہ کئے کہ سلامیس کی راس کے گرد ہوکر دوسری طرف آنکلیں کہ اگر ضرورت ہو تو آبنائے کا مغربی راستہ بند کیا جا سکے۔

ادھر یونانی سرداران بحث قیل و قال میں ہی مصروف تھے کہ کسی نے باہر سے تمس طاکلیس کو آواز دے کر پکارا۔ یہ اُس کا قدیم حریف ارس تدیز تھا جو اجی نا سے جہاز میں آیا اور یہ خبر لایا تھا کہ یونانی بیڑے کو غنیم نے گھیر لیا ہے۔ تمس طاکلیس نے اُسی کی زبانی یہ خبر دوسرے سرداروں کو کرادی اور اُسی وقت ایک تنوسی جہاز آیا جو ایرانی بیڑے کا ساتھ چھوڑ کر یونانیوں سے آملا تھا اس کے آدمیوں نے مذکورہ بالا خبر کی تصدیق کی۔

اس طرح تمس طاکلیس اور ایرانی بیڑے نے یونانیوں کو سلامیس میں جنگ کرنے پر مجبور کردیا۔ اس کائی لوس شاعر نے یہ جنگ بچشم خود دیکھی تھی۔ ایرانی بیڑے کی نسبت وہ بیان کرتا ہے کہ وہ آبنائے کے راستے پر تین حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ بائیں پر اخیر میں جو دستہ غالباً

آیونی جہازوں پر مشتمل تھا اسے سینیتالیا اور ساحل سلامیس کے مابین گزرگاہ کی حفاظت سپرد تھی ۔ دوسرا دستہ اس ٹاپو کے عقب میں غالباً پیریئوس تک پھیلا ہوا تھا اور آبنائے کے بڑے راستے پر اس کی نگرانی تھی ۔ بیڑے کا میمنہ، یعنی تیسرا حصہ دوسرے سے کچھ آگے اور شاید ساحلِ ایٹی کا سے ٹاپو کے اندرونی گوشے تک آبنائے کے دوسرے حصے پر متعین کیا گیا تھا ۔
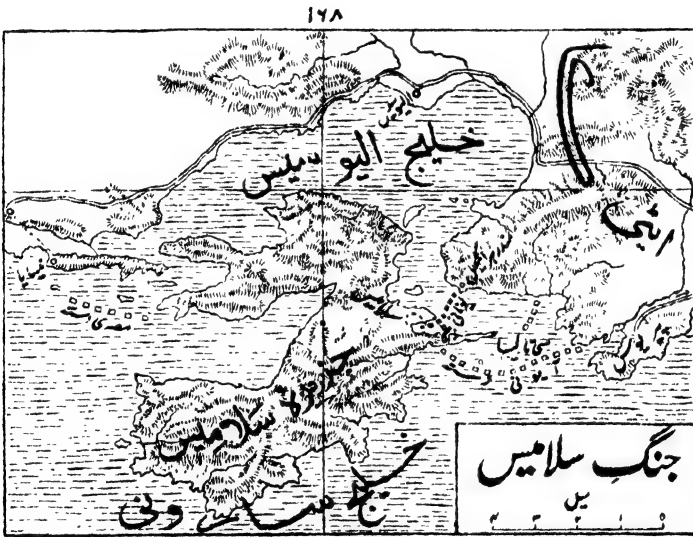
اور اس میں فنیقیہ کے جہاز تھے جن پر زرکسیز کو سب سے زیادہ بھروسہ تھا ؛ یونانیوں نے اپنے جہاز شہر سلامیس سے ہراکلیس کے مندر تک پھیلائے تھے جو ساحل ایٹی کا پر واقع تھا ۔ انکے میسرے پر ایتھنز کے جہاز تھے اور میمنہ اسپارٹہ اور اجی نا کے جہازوں کا تھا ؛ دارائے ایران

کے واسطے کوہِ ای گالیوس کے نیچے ایک بلند تخت لگایا گیا تھا کہ وہاں سے وہ بچشم خود جنگ کا تماشا اور اپنے آدمیوں کی کارگزاری ملاحظہ کرے ؛

سپیدۂ سحر کے نمودار ہوتے ہی (غالباً ۲۰ ستمبر) یونانیوں نے بڑھنا شروع کیا اور سامنے سے فنیقیہ کے جہازوں کی قطار ان سے بھڑ جانے کے لئے حرکت میں آئی۔ لیکن ایرانیوں کے باقی دونوں دستے غالباً جہاں تھے وہیں کھڑے رہے ۔ جنگ کا آغاز یونانیوں کے میسرے سے ہوا اور یہیں فنیقیہ اور ایتھنز والوں پر اس کا بار سب سے زیادہ پڑا۔ جگہ کی تنگی نے ایرانیوں کو یہ موقع ہی نہ دیا کہ وہ کثرتِ تعداد سے دشمن کو مغلوب کرلیتے ۔ اور جہازوں پر ہجوم کرنے کی جو کوششیں انہوں نے کیں وہ خود ان کیلئے سخت نقصان رساں ثابت ہوئیں ؛ دوسری جانب یونانیوں کے دائیں بازو کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح بنے دشمن کی صف توڑ کر آبنائے کے باہر ہوجائے اور پلٹ کر اس کے عقب سے حملہ آور ہو۔ سلامیس کی راس کو چکر دے کر غنیم کے اُس دستے پر حملہ کرنا جو سیتالیا کے قریب متعین تھا ، اجی نا والوں کا کام تھا اور وہ غنیم کے جہازوں کی صف توڑ کر نکل گئے تھے چنانچہ بعد میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بھاگتے ایرانیوں کا راستہ روک رہے ہیں ۔ اور قرینہ کہتا ہے کہ آیونی دستے کی صفیں درہم برہم کرنے کے بعد

اُنھوں نے فنیقیہ والوں پر جنا حی حملہ کیا تھا۔ واقعہ جو کچھ ہو، اُس میں شک نہیں کہ اُنہی کی کامیابی نے اہل فنیقیہ کی حالت کو مخدوش اور جنگ کا فیصلہ کردیا؛ ارس تدیز اس وقت یونانی پیادوں کا ایک دستہ لئے سلامیس کے ساحل سے لڑائی کا رنگ دیکھ رہا تھا اجی نا والوں کے غلبے نے اُسے بھی یہ موقع دیا کہ وہ تنگنائے کو عبور کرکے سیتالیا پر جا اُترا اور زرکسنز نے جو دستۂ فوج یہاں متعین کیا تھا اُسے قتل کردیا؛ بحری جنگ صبح سے شروع ہوئی تھی اور بعد غروب ختم ہوئی؛

اپنے بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے، ایرانیوں نے دلیری سے لڑنے میں کمی نہ کی تھی لیکن ان کے سردار اچھے نہ تھے اور لڑائی کا مقام اُن کے حق میں ایسا بُرا تھا کہ خود اُن کی کثرت تعداد انکے لئے مصیبت ہوگئی تھی؛

جنگ سلامیس کے متعلق جو قصّے بیان کئے جاتے ہیں ان میں سب سے مشہور کاریہ کی ملکہ، ارتمیزیہ کی عجیب جرات اور نیز یاوری قسمت کا وہ قصّہ ہے جو ہالی کرناسوس میں زبان زد خاص و عام تھا؛ کہتے ہیں کہ اس ملکہ نے خود اپنے ملک کے ایک اور جہاز پر حملہ کرکے اُسے ڈبو دیا اور اس چال سے اپنی جان بچالی۔ زرکسنز کے گرد و پیش جو لوگ کھڑے تھے اُنھوں نے بھی یہ واقعہ دیکھا لیکن یہ سمجھے کہ ارتمیزیہ نے جس جہاز کو ڈبویا وہ یونانی ہے

چنانچہ بادشاہ سے کہنے لگے "حضور نے ملاحظہ فرمایا۔ کس خوبی سے ارتمیزیہ نے دشمن کا جہاز غرق کیا ہے؟" زرکسنر جوش میں آکے بولا "ہاں میرے آدمی، عورتیں، اور میرے ہاں کی عورتیں، مرد بن گئی ہیں"

۵۔ جنگِ سلامیس کے نتایج

سلامیس کی یونانی فتح سے ایرانیوں کی بحری قوت کو سخت صدمہ پہنچا تھا اور اس کے بعد ہی اُن کے فنیقی باجگزار ساتھ چھوڑکر چل دیئے۔ لیکن وہ یونانی روایت جس میں، زرکسنر کا خوف سے بے حواس ہوکر دردانیال کو بھاگنا، بیان کیا گیا ہے، صورت واقعہ کی غلط تعبیر ہے۔ زرکسنر کو خشکی پر کوئی شکست نہ ہوئی تھی اور اس کے سپاہیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ وہ اب بھی یونان کو فتح کرسکتا تھا۔ لیکن اُسے اندیشہ یہ ہوگیا تھا کہ جب اس بحری شکست کی خبر آیونیہ میں پہنچیگی تو وہاں بغاوت ہوجائیگی پس ایرانی بیڑا واپس بھیج دیا گیا کہ دردانیال کے پُل کی حفاظت کرے اور خود زرکسنر ۶۰ ہزار آدمی لیکر تھسالیہ اور مقدونیہ کے راستے واپس ہوا تاکہ یہ طویل راہِ آمد رفت کُھلی رہے۔ برّی افواج کی سپہ سالاری پر اُس نے مردونیوس کو مامور کردیا تھا اور اُس نے سردی آتے دیکھکر آیندہ موسم بہار تک، جنگ ملتوی کردی اور موسم سرما

تھسالیہ میں گزارنے کا فیصلہ کیا ۔

ادھر یونانی، جنگ کے بعد اپنی فتح سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے ۔ ایرانی فوجوں کی واپسی کے وقت اسپارٹہ کا اتالیقِ سلطنت، کلیوم بروتوس، خاکنا ے سے پیش قدمی کرنے والا تھا کہ ایرانیوں کے بیوشیہ میں پہنچنے سے پہلے ایک ضرب لگائے ۔ لیکن روانگی کے وقت قربانی کرتے ہیں، سورج بالکل گہنا گیا (دو پہر ۲ اکتوبر ۴۸۰ ق م) اس فال بد نے اُسے اپنے ارادے سے باز رکھا اور وہ واپس پلوپنی سس چلا گیا ۔

اس فتح پر، جس کی اتنی کم امید تھی، یونان میں بڑی خوشیاں منائی گئیں ۔ مال غنیمت کی تقسیم اور بہادری کا صلہ دینے کی غرض سے تمام سردار خاکنائے کورنتھ پر جمع ہوئے اور غنیمت کا سب سے منتخب حصہ اہل اجی نا کو ملا ۔ بہادری میں ایتھنز کو دوسرا درجہ دیا گیا اور فراست و دانائی کا انعام دینے کے واسطے، ہر سردار سے کہا گیا کہ وہ بہ لحاظ قابلیت دو نام بہ ترتیب لکھدے ۔ مگر مشہور ہے کہ ہر شخص نے پہلے اپنا نام لکھا اور اس کے بعد تمس طاکلیس کا اور اس طرح کسی کو بھی انعام نہیں ملا ۔ کیونکہ جب درجہ اول ہی کا تصفیہ نہ ہوسکا تو پھر دوسرے درجے کا انعام بھی کسی کو نہ مل سکتا تھا ۔

اس کائی لوس نے جو خود لڑائی میں شریک تھا

زرکسنر کی ناکامی کو ایک ڈراما کا موضوع بنایا۔ اور یہ معرکہ آرا تاریخی افسانہ جس میں خود اپنے زمانے کا ایک واقعہ دکھایا گیا ہے۔ اب تک دُنیائے ادب میں سلامت ہے۔ لیکن اُس کے ڈراما ’’ایرانی‘‘ سے کہیں زیادہ مشہور اور کہیں بڑی کتاب وہ تھی جو ایرانی لڑائیوں کے طفیل (اگرچہ کچھ عرصے کے بعد) ابوالمورخین، ہیرو ڈوٹس نے تیاّر کی۔ کیونکہ یہی لڑائیاں دیکھ کر یورپ و ایشیا کی دائمی جدّ و جہد کا مضمون اُس کے دِل میں القا ہوا تھا؛

۶۔ دوسرے معرکے کی تیاّریاں

اگلے موسمِ بہار میں آرتا بازو اور وہ فوجیں جو زرکسنر کو دردانیال پہنچانے گئی تھیں مردونیوس کے ساتھ آملیں ایرانی سپاہیوں کی کُل تعداد، متحقّق نہیں مگر بیان کیا جاتا ہے کہ وہ تین لاکھ تھی؛ مردونیوس کو ایتھنز اور پلوپنیسس والوں کے نامُبارک اختلافات کا بخوبی علم تھا اور اسی لئے اُس نے ایک معزز سفیر، یعنی خود مقدونیہ کے بادشاہ سکندر کو ایتھنز بھیجا اور نہ صرف ایرانی حملے کے تمام نقصانات کی تلافی پر آمادگی ظاہر کی بلکہ نیا علاقہ لینے میں بھی امداد کا وعدہ کیا اور اس کے معاوضے میں صرف یہ چاہا کہ ایتھنز ایک خود مختار اور برابر کی سلطنت بنکر، دولتِ ایران کی حلیف ہوجائے؛ ان شرائط کو

سن کر جی ضرور للچاتا تھا اور اپنے یونانی اتحادیوں سے اہل ایتھنز کی بے اعتباری بھی بے وجہ نہ تھی لیکن انھوں نے سکندر کو جواب دیا کہ "مردونیوس سے کہدینا کہ ایتھنز والے کہتے ہیں، جب تک سورج کا دور، یہی ہے، اس وقت تک ہم کبھی زرکسیز کے ساتھ صلح نہ کریں گے"۔

اس سفارت نے اہل ایتھنز کو اس بات کا موقع دیا کہ وہ پلوپنی سس والوں پر شمالی یونان کی مدافعت کے متعلق زیادہ زور دیں۔ چنانچہ اہل اسپارٹہ نے وعدہ بھی کیا کہ بیوشیہ میں فوج بھیجی جائیگی۔ لیکن سکندر کی سفارت کے تھوڑے ہی دن بعد انھوں نے خاکنائے کی فصیل پوری تیار کرلی اور جب اپنی حفاظت کا اطمینان ہوگیا تو پھر انھوں نے ایفائے وعدہ کی پروا نہ کی۔ اور جس طرح ایک سال پہلے کارنیہ کے تہوار کا عذر کردیا تھا اب ہیاکن تیہ نامی تہوار کا حیلہ پیش کردیا! ادھر سپہ سالار مردونیوس نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور اٹی کا پر دوبارہ قابض ہوجانے کی غرض سے، بیوشیہ میں بڑھ آیا (۴۷۹ ق م)۔ ایتھنز والوں کو پھر اپنی زمین چھوڑنی پڑی اور اہل و عیال اور سامان کو پھر سلامیس کے مامن میں منتقل کرنا پڑا۔ اس وقت بھی مردونیوس کو امید تھی کہ وہ ایتھنز کو یونان کی جانب سے توڑلیگا۔ اور اب بھی ان کے ملک کو بغیر تاراج کئے واپس جانے پر آمادہ

تھا بشرطیکہ وہ اس کی سابقہ شرائط مان لیں۔ لیکن اس پریشان حالی میں بھی اہل ایتھنز نے اُس کی شاطرانہ تحریک پر کوئی اعتنا نہ کی۔ ساتھ ہی، ایتھنز، مگارا، اور پلاٹیہ تینوں ریاستوں کی طرف سے ایلچی اسپارٹہ روانہ کئے گئے کہ ایٹی کا میں ایرانیوں کے مقابلے کے لئے فوراً فوج بھیجے جانے پر اصرار کریں۔ اور جتا دیں کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو انہیں دشمن سے صلح کرنے کے سوائے کوئی چارہ نہ رہے گا۔ آخر حکومتِ اسپارٹہ نے ایکبارگی اپنی روش بدلی اور پانچہزار اسپارٹی سپاہی جن میں ہر ایک کے ہمراہ چند ہلوت تھے، شمالی یونان کو روانہ کئے گئے۔ واضح ہو کہ اسپارٹہ کے شہری ایک ہی مرتبہ اتنی تعداد میں نہ تو شاید پہلے لڑنے نکلے تھے اور نہ بعد میں کبھی مجتمع ہوے۔ اُن کے عقب میں ۵ ہزار پری اویکی تھے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ہلوت تھا۔ منصب سپہ سالاری پوسے نیاس کو تفویض ہوا تھا جو اپنے بھائی یعنی تھرموپلی کے سورما لیونی ڈس کے صغیر سن بچے پلیس تارکوس کا ولی تھا۔ خاکنائے کورنتھ پر اسپارٹہ کی فوج میں اتحادیوں کی فوجیں اور یوبیہ، اجی نا اور مغربی یونان کے بعض امدادی دستے بھی آملے۔ مگارا میں مگاری سپاہ نے اور الیوسیس کے مقام پر ۶ سو پلاٹیہ اور ۸ ہزار ایتھنزی سپاہیوں نے شرکت کی جن کا سپہ سالار

ارس تدبیر تھا - یہ تمام فوج پیادوں کی تھی اور نیم مسلح سپاہیوں سمیت اس کا کُل شمار شاید ۷۰ ہزار کے قریب تھا ؛

مردونیوس نے اپنا اصلی مستقر تھبز کے مضبوط قلعے کو قرار دیا تھا اور اس میں کافی ذخایر فراہم کرلیئے تھے۔ پھر جب یونانی فوج ایک مرتبہ مقابلہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی تو اُس نے **ایٹی کا** میں رہنا پسند نہ کیا کہ اس میں ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ دشمن تھبز سے رسل و رسایل کا راستہ نہ روک دے اور دوسرے **ایٹی کا** میں بند ہوکر اُسے سامانِ رسد خاطر خواہ نہ مل سکتا تھا کہ یہ علاقہ پچھلے سال ہی تاراج و پامال ہوچکا تھا ؛ نظر براین، وہ **بیوشیہ** میں ہٹ آیا اور **اسوپوس** ندّی پر اُس جگہ خیمہ زن ہوگیا جہاں ایتھنز سے تھبز آنے والی سڑک کوہ سِتھیرُن کے اُتار پر ندّی کو عبور کرتی ہے۔ یہاں قیام کرنے میں **مردونیوس** کا خاص مقصد یہ تھا کہ لڑائی میں تھبز اُس کی پُشت پر رہے۔ اس موقع پر ایرانیوں کو جس قدر اطمینان ہو بجا تھا۔ اگر بہت ہی زیادہ نہیں تو بھی وہ تعداد میں زیادہ ضرور تھے اور اس کے سوا اُنہیں جو سپہ سالار مِلا وہ بھی فریق مخالف کے تمام سپہ سالاروں سے زیادہ قابل تھا ؛ لڑائی کرنے میں **مردونیوس** کو کچھ عجلت نہ تھی ۔ وہ جانتا تھا کہ جتنے

نہ زیادہ یونانی فوج میدان میں رہیگی اسی قدر مختلف فوجوں کے باہمی نفاق و حسد سے اُس کی شیرازہ بندی میں خلل واقع ہوگا؛ باقی یہ کہانی جسے یونانی بعد میں یقین کرکے خوش ہوتے تھے کہ اُس وقت ایرانی لشکر میں ایک خاص قسم کی بد دلی اور آنے والی مصیبت کا ہراس پیدا ہوگیا تھا، ہماری نظر میں کچھ بہت معتبر نہ ہونی چاہیے۔

۷۔ جنگ پلاٹیہ

جس میدان میں یونان کی قسمت کی آزمائش ہوئی وہ شمال میں اسوپوس ندی اور جنوب میں کوہِ سیتھیرن سے محدود ہے۔ اس میدان کے جنوب مغرب میں پلاٹیہ کی آبادی اُن چھوٹی مغربی گھاٹیوں پر آباد تھی جہاں پہاڑ بتدریج نیچا ہوکے میدان سے مل گیا ہے۔ یہاں سے بیوشیہ کو تین راستے اُترتے تھے۔ مشرق میں سب سے آخری ایتھنز اور تھیبز کی سڑک تھی۔ وسط میں ایتھنز سے اور مغرب میں مگارا سے پلاٹیہ آنے کے راستے تھے۔ یونانی فوج نے سب سے مشرقی راہ اختیار کی تھی جو شاہ بلوط کے درے سے گزر کے پہاڑ کی بہت نیچی ڈھلان سے ہوتی ہوئی بیوشیہ کے علاقے میں پہنچتی ہے۔ لیکن جب وہ پہاڑ کے دوسرے رُخ پہنچے تو دیکھا کہ اسی راستے کے دونوں طرف ایرانی لشکر پڑا ہے۔ پس انہیں

درے کے دامن میں پڑاؤ کرنا پڑا - اس طرح کہ دایاں بازو، جس میں اسپارٹہ اور تگیا کے سپاہی تھے، پہاڑ کی اس بُرج نما بلندی پر تھا جو قصبہ اِری تھری کے شمال میں واقع ہے - قلبِ فوج قصبے کے قریب کسی قدر نشیب میں تھا اور بایاں بازو جس میں ایتھنز اور مگارا کے سپاہی متعین کئے گئے تھے ڈھلان کے سرے تک آگے بڑھا ہوا تھا - اور اسی بازو پر سامنے سے حملہ ہو سکتا تھا ۔

۱۷۴
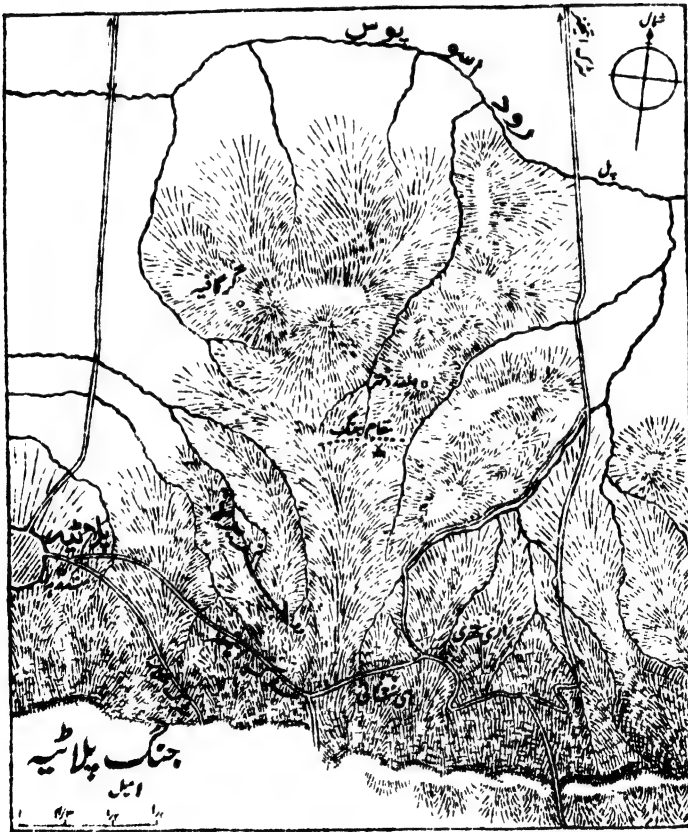
چنانچہ مردونیوس نے اسی طرف اپنے سوار ماسیس تیوس

کی ماتحتی میں روانہ کئے ؛ مقابلہ مگارا والوں سے شروع ہوا۔ اُن کے پاس مدد کے لئے سوار نہ تھے پس دشمن کے تیر اور برچھیوں سے پریشان ہوکر اُنھوں نے کمک طلب کی۔ اور ایتھنز کے تین سو جوان بالائی رُخ سے لڑائی کے میدان میں اُترے اور آخر کار جنگ کا پانسہ اس وقت پلٹ گیا جب ماسیس تیوس نیچے گرا اور بہ مشکل قتل ہوا۔ کیونکہ اس کے زرہ بکتر پہ کوئی ہتیار کارگر نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ ایک برچھی آنکھ پر لگی تب اس کا کام تمام ہوا۔ اپنے سردار کی نعش چھین لینے کے واسطے ایرانی سواروں نے تیز و تند حملہ کیا مگر ناکامی ہوئی۔ پھر وہ میدان سے ہٹ گئے ✤

لیکن اس کامیابی سے یونانیوں کو کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ ایرانی جہاں پڑے تھے اطمینان سے وہیں پڑے رہے۔ اُن کے جنگی مورچے اور لشکرِ عظیم اسی طرح اسوپوس کے پل کے قریب راستہ روکے ہوئے تھے ؛ یونانی سپہ سالار پوسے نیاس کو تھبز پر حملہ کرنے کی لَو لگی ہوئی تھی۔ کچھ اس غرض سے اور کچھ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ تاخیر سے اس کی فوج میں ابتری پیدا ہوجائیگی ، اُس نے اسوپوس کو اُس منوبی راستے سے عبور کرنے کا فیصلہ کیا جو پلاٹیہ سے سیدھا تھبز کو جاتا تھا۔ اور پہاڑ شمال مغرب کی طرف

قصبۂ اری تھری اور قصبۂ ہیسای کے قریب سے گزرا۔
واقعاتِ جنگ کو سمجھنے کے لئے یہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ کوہ
ستھیرُن اور اسوپوس ندی کے درمیان زمین کے دو حصے
ہوگئے ہیں جن کے بیچ میں نشیب ہے۔ ان میں جنوبی
حصہ وہ ہے جس کی چھ گھاٹیوں کا اوپر ذکر آچکا ہے اور
جس میں کئی نالے ہیں شمالی حصہ بھی سنگستانی ہے اور
اور اس کی تین گھاٹیوں کے بیچ میں چھوٹی چھوٹی ندّیاں
بہتی ہیں؛ مگر مغرب میں یہ وسطی نشیب پھیل کر چپٹا میدان
نکل آیا ہے جس میں پلاٹیہ سے تھبز جانے کا راستہ گزرتا تھا۔
اس راستے کی طرف بڑھنے میں قدرتی طور پر ایتھنز
والے سب سے آگے تھے اور ایرانی سواروں کے مقابلے
میں سب سے اوّل پُل اُترنے کا دشوار فرض انہی کو انجام
دینا تھا۔ یونانی سپہ سالار کا جو مقصد تھا کہ دشمن کا تعلق
اُس کے مستقر، تھبز سے منقطع کردیا جائے۔ وہ صرف
اس صورت میں پورا ہوسکتا تھا کہ اس سے قبل کہ
مردونیوس کو اپنی فوجیں مغرب میں پھیلاکر یہ راستہ روکنے
کی مہلت ملے، یونانی سپاہ بہ عجلت آگے بڑھ جائے؛
سو اس موقع کو ہاتھ سے کھودینے کی ذمہ داری اہل
ایتھنز پر عاید ہوتی ہے کہ یہ انہی کے تذبذب و تاخیر کا
نتیجہ تھا کہ ندّی عبور نہ ہوسکی۔ اور ساری فوج اس چپٹے
میدان کی مشرقی حد پر پہنچکر تھم گئی جہاں قریب ہی گرگافیا

کے چشمے سے انہیں میٹھا پانی بہ افراط مل سکتا تھا۔ اُن کا یہ پڑاو۔ ندی پار کے ایرانیوں کی نظر سے چھُپا ہوا تھا اور بیچ میں اونچی زمین سے آڑ ہوگئی تھی۔ مگر پوسے نیاس نہایت متردد تھا کہ اب کیا کیا جاے۔ اُس کی پیش قدمی کا اصلی مقصد تھِبز کو جالینا تھا۔ وہ حاصل نہ ہوا۔ اور خود اس کی فوج نہایت محفوظ و مستحکم موقع چھوڑکر اب ایک مخدوش مقام پر آگئی تھی۔ اس کے علاوہ کوہِ ستھیرَن کے مشرقی دروں سے بھی اس کا قبضہ جاتا رہا تھا۔ اور یونانیوں کے ہٹتے ہی ایرانی سپہ سالار نے فوراً وہاں قدم جمالئے تھے بلکہ بار برداری کی ایک جماعت کو جو یونانی سپاہ کے واسطے رسد لارہی تھی، راستے میں کاٹ دیا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ یونانی اسی بُرے موقع پر دو دن تک بے کار پڑے رہے اور غنیم کے سوار اُنھیں طرح طرح سے پریشان کرتے رہے۔ وہ ندی اُتر اُتر کے آتے۔ گھاٹیوں کے اوپر منڈلاتے پھرتے اور یونانی لشکر پر برچھیاں پھینک پھینک کے مارتے تھے۔ حتیٰ کہ آخر میں انھوں نے گرگافیا کو پاٹ کر پانی بند کردیا تھا۔ تب پوسے نیاس نے مجلس مشورہ طلب کی اور اس میں یہ طے پایا کہ فوج کا دایاں بازو اور لکدمونی سپاہی پھر مشرق کی جانب مڑیں اور مشرقی دروں پر قبضہ کرلیں۔ اس کارروائی کے لئے رات

کا وقت قرار پایا تھا اور اس کی اعانت و حفاظت باقی ماندہ فوج کے سپرد تھی جس کا کام یہ تھا کہ پہاڑوں کی طرف پیچھے ہٹتی آئے۔ پلاٹیہ کے کسی قدر جنوب مشرق میں پہاڑ کا بلند ٹکڑا جو ایک ہی ندی کی دو شاخوں کے درمیان گھرا ہوا ہے، ”جزیرہ“ کہلاتا تھا اور قلب و میسرہ کے ہٹنے کے واسطے یہی مقام تجویز کیا گیا تھا کہ یہاں وہ دشمن کے سواروں کی زد سے بچے رہیں؛ لیکن اس منصوبے پر بہت بری طرح عمل ہوا۔ قلب کی فوج نے معلوم نہیں احکام کا مطلب غلط سمجھا یا اندھیرے میں اسے دھوکا ہوا، غرض وہ ”جزیرے“ تک نہ پہنچی بلکہ پلاٹیہ کی شہر پناہ سے کچھ ہی باہر ہیرا نامی مندر کے سامنے جا کے ٹھیر گئی اور اُدھر ایتھنز والوں نے اپنی جگہ سے حرکت ہی نہ کی اور سب سے الگ ہو کے ایک خطرناک موقع پر پڑے رہ گئے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی اس عدول حکمی کا سبب کیا تھا؛ بہر حال خود لکدمونی سپاہیوں نے رات کی قلیل فرصت میں کئی گھنٹے ضائع کر دئیے۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کی تعویق کی وجہ اُمُم فارِتوس کی ضد تھی۔ وہ اسپارٹہ کے ایک حصہ فوج کا سردار تھا اور جنگی مجلس میں شریک نہ ہوا تھا۔ اور اب واپسی کا حکم ماننے سے انکار کر رہا تھا۔ آخر پوسے نیاس نے کوچ کا حکم دے دیا کیونکہ اسے پورا یقین تھا کہ سب کا ساتھ چھوٹنا

دیکھکر اس کا سرکش ماتحت بھی ضرور ہمراہ ہوجائے گا۔ چنانچہ یہی ہوا کہ جب فوج ایک میل کے قریب بڑھ آئی تو اہل اسپارٹہ نے دیکھا کہ اُمم فارِتوس بھی آرہا ہے۔ پس وہ اس کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن اس عرصے میں رات گزرگئی اور صبح کی سفیدی پھیلنے لگی تھی۔ ایرانیوں کو معلوم ہوگیا کہ یونانی اپنا مقام چھوڑ گئے اور اُن کے سپہ سالار نے سوچ لیا کہ حملے کا یہی وقت ہے کہ غنیم کی فوجیں منتشر حالت میں ہیں۔ پس اوّل ایرانی سوار نکلے اور اُنھوں نے لکدمونیوں کو آگے جانے سے روکا۔ واضح ہوکہ اس وقت پوسے نیاس قصبۂ ہیسای کے نیچے کی ڈھلانوں تک پہنچ چکا تھا جو اُسے پلٹ کر دشمن کے سواروں کا مقابلہ کرنا پڑا جن کی مدد پر خود مردونیوس پوری فوج لئے چلا آرہا تھا۔ ایرانیوں نے اپنی لمبی لمبی چوبی ڈھالوں کی ایک باڑ کھڑی کرلی اور اس کی آڑ لیکر تیروں کا مینہ برسادیا۔ یونانی اس بلا میں متردد کھڑے تھے کیونکہ قربانیوں میں شگون اچھا نہ نکلا تھا۔ آخر پوسے نیاس نے ہیرا دیوی کی مندر کی طرف دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور کاہنوں کو قربانیوں میں نیک فال نظر آئی۔ اب لکدمونی سپاہیوں کو قرار کہاں تھا وہ اور تیگیا کے سپاہی جو اُن کے ساتھ تھے آگے بڑے اور ڈھالوں کی باڑ تک پہنچ کر اُنھوں نے دشمن کو پیچھے دھکیل دیا اور دِمِتر

دیوی کے مندر کی طرف وباتے ہوئے لائے جو اُن کے سامنے ایک بلند مقام پر بنا ہوا تھا۔ اسی طرف بڑی گھمسان کی لڑائی پڑی اور یونان کے بہترین نیزہ بازوں نے اپنی قواعددانی کے جوہر دکھادئیے؛ اور جب مردونیوس گرا تو جنگ کا فیصلہ ہوگیا۔

آج کی لڑائی کا سب سے زیادہ بار تگیا اور اسپارٹہ کے جانبازوں نے اُٹھایا تھا۔ حملہ شروع ہوتے ہی پوسے نیاس نے ایتھنزی فوج کو ایک ہرکارا دوڑا کر اطلاع کردی تھی مگر جب وہ مقام جنگ کی طرف بڑھے تو اُن پر غنیم کی فوج کے یونانیوں نے حملہ کیا اور آگے بڑھنے سے روکے رکھا تھا؛ اُدھر باقی ماندہ یونانیوں کو جو پلاٹیہ پہنچ گئے تھے اطلاع ملی کہ پوسے نیاس سے لڑائی چھڑگئی اور اُسی کا غلبہ ہے۔ وہ بہ عجلت میدان کی طرف روانہ ہوئے لیکن جب پہنچے تو لڑائی کا درحقیقت فیصلہ ہوچکا تھا؛ شکست خوردہ ایرانی فوجیں اسوپوس ندی کے پار اپنی مورچہ بند چھاونی کی جانب بھاگیں مگر اسے بھی تعاقب کرنے والے یونانیوں نے ہلّہ کرکے چھین لیا؛ مردونیوس کا خیمہ تگیا والوں نے لوٹا تھا اور اس کے گھوڑوں کے دانے کا برنجی برتن اپنے شہر کے مندر (اتھنا الیا) میں چڑھایا تھا۔ مگر اس کا تخت، چاندی کی کھڑاوں اور تیغہ ایتھنز والے

لائے اور اس فیصلہ کن معرکہ کی یادگار میں، ماسیس تیوس کے چار آئینہ کے ساتھ اکروپولس میں رکھ دیا؛ یونانی مقتولین کو، جن میں بہادر امُم فارتوس بھی تھا، پلاٹیہ کے دروازوں کے سامنے دفن کیا گیا اور اُن کی برسی منانے کی عزت اہلِ پلاٹیہ کو دی گئی نیز پوسے نیاس نے سارے لشکر کو جمع کرکے اسپارٹہ اور تمام متحدین کی جانب سے اعلان کیا کہ وہ پلاٹیہ کی بستی اور علاقے کی خود مختاری کے ہمیشہ ضامن رہیں گے؛ مگر پلاٹیہ کے لئے جو زمانہ یُمن و فتح کا تھا وہی تھبز کی ذلّت و سرنگونی کا وقت ہے کیونکہ جنگ کے دس ہی دن بعد یونانی فوج بیوشیہ کے اس صدر شہر کی طرف بڑھی اور مطالبہ کیا کہ ایرانیوں سے مِل جانے والے گروہ کے سرغنہ حوالے کردئے جائیں۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ رشوت دے کر سزا سے بچ جائیں گے اور خود انہی کے خواہش کے مطابق اہلِ شہر نے انہیں متحدین کے حوالے کردیا۔ لیکن پوسے نیاس نے بغیر باضابطہ تحقیقات و سماعتِ جرم کورنتھ پہنچ کر اُن کو مروا ڈالا۔

۸۔ جنگ مای کیل و تسخیر سستوس

سلامیس کی طرح کوہِ ستھیرن کی مذکورہ بالا جنگ کو بھی یہ مرتبہ ملا ہے کہ وہ تاریخ عالم کی فیصلہ کُن لڑائیوں میں شمار ہو۔ اور پنڈار (شاعر) نے اسی حیثیت سے کہ ایک اتھینز

کی بہت بڑی فتح تھی اور دوسری اسپارٹہ کی، ان دونوں کو
ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ حق یہ ہے کہ بلاٹیہ میں سوار
فوج کے نہ ہونے کے باوجود، اسپارٹہ نے اپنی پسپائی
کو فتح کر دکھایا تھا۔ لڑائی کا سب سے قابلِ لحاظ واقعہ یہ ہے
کہ طرفین سے صرف ایک حصۂ فوج ہم نبرد ہوا اور اسی
پر جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ اس کے اصلی فاتح اسپارٹہ اور
تگیا کے سپاہی تھے۔ اور ادھر ایرانیوں کی جانب آرتا بازو
نے، جس کے زیرِ علم ۴۰ ہزار سپاہی تھے، لڑائی میں مطلق
حصہ نہیں لیا تھا اور جب مردونیوس مرا تو یہ سردار بھگوڑا
بلا تاخیر دردانیال کے طویل سفر پر چل کھڑا ہوا۔ اور آج
کے بعد سے پھر دولتِ ایران کو نصیب نہ ہوا کہ یورپی یونان
کی آزادی پر کوئی بڑا حملہ کرتی۔ چنانچہ اگلی ڈیڑھ صدی تک
یونان و ایران میں جو سابقہ رہا اس کا اثر ایشیا کے مغربی
کنارے تک محدود ہے اور اس کے بعد سکندرِ مقدونوی
میدان میں آتا ہے اور اس ایشیائی سلطنت کے خلاف
وہ کر دکھاتا ہے جو زرکسنر یورپ کی چند آزاد ریاستوں
کے خلاف نہ کر سکا تھا۔

یونانی فوج کے اس کارنمایاں کے تھوڑے ہی دن
بعد یونانی بیڑے نے وہ کارنمایاں دکھایا جس نے ایشائی
یونانیوں کو اپنے آقا کے پنجے سے نجات دلائی۔ (اگست
سنہ ۴۷۹ ق م) شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ یونانی بیڑا

شاہِ لیوتی کی داس کی زیرِ قیادت جزیرۂ دلوس (ڈیلوس) تک بڑھ آیا تھا۔ یہاں اہل ساموس کا پیام پہنچا جس میں التجا کی گئی تھی کہ ایرانیوں کے خلاف ان کی اور ان کے یونانی حلیفوں کی مدد کی جائے۔ کیونکہ ایرانی بیڑا ساموس پر تھا اور قریب ہی راس مای کیل پر اُن کی ایک بڑی فوج خیمہ زن تھی۔ اور اس فوج میں بہت سے آیونی سپاہی بھی شامل تھے۔ غرض اہل ساموس کی درخواست منظور ہوئی لیوتی کی داس جزیرے کی طرف بڑھا اور اس کو آتا دیکھ کر ایرانی جہاز راس مای کیل اور اپنی بری فوج کی پناہ میں ہٹ گئے۔ یونانی بھی ساحل پر اُتر پڑے۔ حملہ کیا اور دشمن کی قیام گاہ چھین کر آگ لگادی۔ اس فتح کی تکمیل آیونی سپاہیوں کی بدولت ہوئی جنھوں نے ایرانیوں کا وقت کے وقت ساتھ چھوڑدیا اور آج کے یادگار معرکے میں اپنی ملکی آزادی جیت لی۔ مای کیل اور پلاٹیہ کی لڑائیاں اس قدر قریب زمانے میں یکے بعد دیگرے واقع ہوتی تھیں کہ لوگوں نے اس روایت کو بلا وقت باور کرلیا کہ یہ دونوں معرکے ایک ہی سہ پہر کو یونانیوں نے جیتے۔ البتہ یہ روایت کسی حد تک قابلِ اعتناء ہوسکتی ہے کہ عین اسوقت جب اہل ایتھنز اور ان کے ساتھی دشمن کی خندقوں پر حملہ کر رہے تھے، انہیں ساحل مای کیل پر جنگ پلاٹیہ کی خبر پہنچی اور اُنکے دل بڑھ گئے۔

آیونیہ اور ایتھنز والے فتح کے بعد اسی سلسلے میں زان تی پوس کی ماتحت علاقۂ دردانیال پر شدومد سے جنگ کرتے رہے ؛ بحالیکہ لیوتی کی داس اور اہالیٔ پلوپی سس نے اسی کامیابی پر قناعت کی اور وطن کو واپس چلے آئے۔ اسپارٹہ کی احتیاط پسندی اور ایتھنز کی کشور کشایانہ حوصلہ مندی میں جو فرق تھا وہ اسی واقعے سے بخوبی عیاں ہوجاتا ہے کہ لکدمونی، مشرق اور شمال مشرقی ایجین کے معاملات میں دخل دینے سے گھبراتے تھے اور اہل ایتھنز میں نہ صرف یہ صلاحیت موجود تھی کہ وہ ملت یونانی کے وسیع معنی سمجھ سکتے تھے، بلکہ دُور دُور اپنا رسوخ بڑھانے کی بھی انھیں اُمنگ تھی۔ چنانچہ آبنائے دردانیال کے قریب سستوس کے مغربی قلعے کو انھوں نے گھیرا اور (۴۷۸ ق م میں) فتح کرلیا؛ ہروڈوٹس نے اپنی محارباتِ ایران کی تاریخ اسی واقعے پر ختم کردی ہے۔ مگر دوسری طرف اسی قلعے کی تسخیر، سلطنتِ ایتھنز کا پہلا سنگِ منزل ہے جس کا راستہ پی سیس تراتوس اور مل تیادلیسِ اکبر دکھا چکے تھے ؛

۹- سیراکیوز کا حاکم جابر، گلُن

جس وقت مشرق کے یونانی، ایرانی اعدا سے، اپنی آیندہ نشوو نما کی حفاظت کے لئے جدو جہد کررہے تھے،

مغربی یونانیوں کو اُس ایشائی طاقت سے اپنے تئیں بچانا پڑا جو بحر متوسّط کے غربی حصّوں میں اَن سے مصروفِ کشمکش تھی۔ فوکیس کی نوآبادی **مسالا** (موجودہ مارسلیز) سے یونانیوں کی شاخیں پھیل کر جزیرۂ **کورسکا** بلکہ خود ساحلِ ہسپانیہ پر فنیقی تاجروں کی رقیب بن گئی تھیں۔ ان سب سے بڑھکر یہ کہ **صقالیہ** میں یونانیوں کا اثر اس قدر بڑھتا جاتا تھا کہ ریاستِ قرطاجنہ کی تجارت و حکومت دونوں خطرے میں تھیں؛ پھر، جس وقت قرطاجنہ نے اس جزیرے میں اپنا اقتدار قایم کرنے کی سعیٔ عظیم شروع کی تو گویا، بجائے خود، وہ بھی ایک مشترک دشمن کے خلاف زرکسیز کی ہم آہنگ اور شریکِ کار ہوگئی تھی۔

سنہ ۴۹۰ اور سنہ ۴۸۰ ق م کے درمیان صقالیہ کے یونانی علاقے پر چار شاہانِ جابر کا تسلّط تھا۔ ان میں شمال کے دو، یعنی ریاستِ رگیوم کا حاکم **اناکسی لاس** اور **ہیمراکا تریلوس**، چھوٹے بادشاہ تھے اور جنوب میں **تھِیرُن**، شاہِ **اکراگاس** اور **گلِن** شاہ **سیراکیوز**، دو بڑے بادشاہوں کی حکومت تھی؛ گلِن نے سیراکیوز کو مغرب میں سب یونانی شہروں سے کہیں بڑا شہر بنادیا تھا اور اس لئے اگر اسے سیراکیوز کا دوسرا بانی کہا جائے تو بجا ہے؛ **اُرتی جیا** کا جزیرہ بَند باندھ کے ساحل سے ملادیا گیا تھا اور اسطرح اب یہ شہر ایک جزیرہ نما بن گیا تھا۔ نیز اُرتی جیا اور اک رادینا

کی مورچہ بند بلندیوں کو گلن نے ایک ہی فصیل کے اندر لے لیا تھا اور جزیرہ ان بلندیوں کے عین نیچے واقع تھا۔ اس کے علاوہ سیراکیوز کو بحری قوت بنانے کی غرض سے اس نے جہازوں کی گودیاں بنوائی تھیں اور اپنے محکوم علاقوں کی بہت سی آبادی کو اس شہر میں منتقل کرلیا تھا چنانچہ نواح میں کمارینا کی ساری بستی اور شہر گلا کے آدھے باشندے وہاں سے اٹھواکر سیراکیوز میں لے آیا تھا۔ اک راگاس کے بادشاہ تھرن کے ساتھ اس نے بذریعۂ ازدواج رشتۂ اتحاد قایم کیا تھا۔

تھرن شاہِ اک راگاس نے گلن کی مدد سے شمال میں فوج کشی کی اور تریلوس کو شہر ہیمرا سے نکالدیا تریلوس نے قرطاجنہ سے دستگیری کی التجا کی اور قرطاجنہ نے خوشی سے یہ درخواست منظور کرلی۔ یہی سبب تھا کہ جب زرکسنر کے حملے سے قبل، یونانی ایلچی مدد چاہنے صقالیہ آئے تو گلن اور دیگر یونانی ریاستوں کو انھوں نے خود اپنے معاملات میں منہمک پایا تھا۔ قرطاجنہ کا زبردست بیڑا یہاں آپہنچا تھا اور پنرموس پر اس کی فوجیں اُتر کے ساحل ساحل ہیمرا کو گھیرنے کے لئے بڑھ رہی تھیں جسے تھرن بچا رہا تھا۔ اسی شہر کو چھڑانے کی غرض سے گلن ۵ ہزار سوار و ۵۰ ہزار پیادہ فوج لے کے روانہ ہوا۔

شہر کی فصیلوں کے باہر بڑی بھاری لڑائی ہوئی (سنہ ۴۸۰ ق م) یونانیوں نے کامل فتح پائی اور قرطاجنی سردار ہمل کار اسی معرکہ میں کام آیا۔ اس کی موت کے بارے میں دو روایتیں ہیں اور اہل قرطاجنہ کا بیان یہ ہے کہ ادھر معرکہ کارزار گرم تھا اور ادھر وہ دن بھر کھڑا بعل دیوتا کی قربان گاہ پر قربانیاں چڑھا رہا تھا۔ حتیٰ کہ جب اُس نے اپنی فوج کے پاؤں اُکھڑتے دیکھے تو اس نے سب سے بڑی بھینٹ خود اپنی چڑھا دی اور آگ میں کود پڑا! لڑائی تو پھر بھی قرطاجنہ والے نہ جیت سکے لیکن اس میں شک نہیں کہ کچھ دن بعد شہر ہیمرا کو ہمل کار کی قربانی کا بڑا بھاری تاوان بھرنا پڑا۔

اس لحاظ سے کہ دونوں جگہ یورپ سے ایشیا کو پسپا ہونا پڑا، جنگ ہائے سلامیس و ہیمرا کی نوعیت یکساں تھی اور اسی زمانے میں لوگوں کو اس بات کا احساس بھی ہوگیا تھا۔ چنانچہ اس کا اظہار (جس سے اُن کی سادہ لوحی بھی مترشح ہے) اس طرح ہوا کہ اُن میں یہ خیالی روایت مشہور ہوگئی کہ یہ دونوں لڑائیاں ایک ہی دن ہوئیں۔ لیکن سلامیس کے برعکس، ہیمرا کی جنگ کے بعد ہی فریقین میں صلح کا عہد و پیمان ہوگیا اور دولت قرطاجنہ کو خداوندِ سیراکیوز کی خدمت میں ۲ سو تیلنت بطور تاوانِ جنگ پیش کرنے پڑے۔ مگر یہ رقم بھی اُس دولت کے مقابلے میں

جو لوٹ میں ہاتھ آئی، کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی اور اسی مالِ غنیمت کا ایک حصّہ تھا جس کی چاندی ایک خوبصورت سکّے کی شکل میں ڈھالی گئی تھی۔ گلُن کی بیوی کے نام پر یہ سکّہ "دمارتیئین" کہلاتا تھا اور نجاتِ صقالیہ کی اس یادگار کے چند نمونے اب تک محفوظ ہیں ؛

۱۰۔ عہدِ ہائی رن (ہای رو)

گلُن کی وفات کے بعد (۴۷۸ ق م) اس کی ہمّت مردانہ اور خوش تدبیری کا پھل، ترکے میں اُس کے بھائی ہائیُرن کو ملا۔ اور قرطاجنہ پر جو فتح یونانیوں نے حاصل کی تھی، ہائیُرن نے ایک اور قوّت کو شکست دے کر اس کا تکملہ کیا :۔ ساحل اطالیہ پر یونانیوں کی سب سے شمالی بستی کیمہ تھی۔ اِٹرُسکن قوم کے لوگ اس شہر پر قبضہ کرنے کے درپے تھے اور انھوں نے اُسے گھیر لیا تھا کہ ادھر سے ہائیُرن کا سیراکیوزی بیڑا مدد کیلئے پہنچا اور محاصرین کو شکست دی۔ (۴۷۴ ق م) جس کے بعد سے یہ خطرہ زایل ہوگیا۔ اس لڑائی کی غنیمت سے وہ برنجی خود جسے ہای رو نے اولمپیہ بھیجا تھا اور نیز پنڈار کا وہ قطعہ جس نے اس فتح کو زندۂ جاوید بنادیا، اب تک محفوظ ہیں ؛

پانچویں صدی میں، صقالیہ کے درباروں کی جاہ و ثروت اور شائستگی کی جیسی جیتی جاگتی تصویر ہمیں پنڈار کے اشعارِ مدح و ثنا میں نظر آتی ہے شاید اور کہیں نہیں مل سکتی۔ سی مونی دیس،

باکی لی دلیس اور اس کای لوس جیسے نامور شعراے ہمعصر کی طرح ، پنڈار بھی صقالیہ کے مطلق العنان جابر کی مراحم خسروانہ اور نگاہِ لطف کا امیدوار بن کر، یہاں آیا تھا۔ شاہِ سیراکیوز اپنے گھوڑے اور رتھیں ، اولمپیہ یا دلفی کے بڑے بڑے میلوں میں مقابلے کے لئے بھیجا کرتا تھا اور ان کی ظفرمندی کی یادگار میں پُر شکوہ قصیدے لکھنا دربار کے سب سے طباع سخن سرا کے سپردِ ہوتا کبھی کبھی پنڈار اور باکی لی دلیس کو ایک ہی معرکے کی یادگار میں ایک دوسرے کے مقابلے میں نظم لکھنے پر مقرر کیا جاتا۔ غرض اس طرح ان شعرا کے کلام سے ہمیں ان درباروں کے تجمّل و احتشام اور ظفرمند بادشاہوں کی بذل و عطا کا اندازہ ہوتا ہے ؛

لیکن ظاہر میں یہ شہر کیسے ہی مرفہ الحال نظر آتے ہوں وہاں شخصی حکومت کا جبرو تشدّد ضرور موجود تھا۔ ہای رُن کا محکمہ جاسوسی مشہور تھا۔ تھرُن کی سفاکی ضرب المثل تھی جس کا ایک کرشمہ یہ ہے کہ ہیمرا کے جن باشندوں نے اس کے بیٹے تراسی داؤس کی حکومت کی مخالفت کی انہیں جان سے مروا ڈالا ؛ مگر جب اپنے باپ کے مرنے پر (سنہ ۴۷۲ق م) تراسی داؤس کا ہای رُن سے جھگڑا ہوا اور لڑائی میں شکست کھائی (سنہ ۴۷۲) ، تو شہر ہیمرا خود مختار ہوگیا اور اس کے صدر مقام اکراگاس میں بھی ایک آزاد نظامِ حکومت کی بنا پڑ گئی۔ ہای رُن کے بعد اس کا جانشین تراسی بُلس بھی اتنا لایق

حاکم نہ تھا۔ اس کے خلاف جمہور اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے باہر نکال دیا۔(۴۶۶ء ق م)۔ لیکن شخصی حکومت کے دفع ہونے کے بعد ہی سیراکیوز کے پرانے اور نئے باشندوں میں، جنہیں گلن نے اطراف سے لا لاکے بسایا تھا، خانہ جنگی بپا ہوگئی اور آخر میں تمام اغیار خارج ہوئے اور سیراکیوز میں حکومتِ جمہوری استحکام کے ساتھ قایم ہوگئی۔ صدی کا باقی نصف، صقالیہ کی ان جمہوری ریاستوں کے حق میں فراغت و خوش حالی کا زمانہ تھا۔ خاص کر سیراکیوز اور اک راگاس کے لئے جو ان میں سب سے بڑی تھیں۔ اور نیز شہر سلی نوس کے لئے، جو اب اہل فنیقیہ کی غلامی سے آزاد ہوگیا تھا ؛

باب ہشتم

سلطنت ایتھنز کی بنا

۱۔ اسپارٹہ کا مرتبہ۔ اور پوسے نیاس کا رویہ

گزشتہ چالیس سال سے اسپارٹہ بڑی یونان کی سب سے مقتدر ریاست رہا تھا۔ ایرانی حملہ ہی کے روکنے کے وقت سب نے بلا چون و چرا اس کی سیادت تسلیم کرلی تھی۔ ایک بڑے قومی کام کو ہاتھ میں لینے اور پھر اس شان کے ساتھ اتمام کو پہنچانے کے بعد، اُس کے لئے راہ نکل آئی تھی کہ یہی سیادت حکمرانی کی صورت میں تبدیل ہوجائے۔ لیکن اسپارٹہ میں حصولِ شہنشاہی کی کارگر تدابیر پہ عمل کرنے کا مادّہ ہی نہ تھا۔ کیونکہ یونان میں جب

ریاست کو اس قسم کے شاہانہ اقتدار پانے کی ہوس ہو اُس کا ایک بحری طاقت ہونا لابُد تھا۔ اسی لئے جب آزاد یونانی ریاستوں کا حلقہ ایک مرتبہ اور از تھریس تا ایشیا تمام بحرۂ ایجین پر پھیل جائے تو گو اسپارٹہ کا رُتبہ اندرون ملک میں برقرار رہے، تاہم عالم یونانی میں اس کا پہلا سا امتیاز باقی نہ رہ سکتا تھا اور کوئی ریاست بھی جو سواحل و جزایر ایجین پر حاکمانہ اقتدار حاصل کرلے **اسپارٹہ** کی خطرناک رقیب بن سکتی تھی؛ چنانچہ یہی ہوا ؛

اسپارٹہ کے لوگوں میں نئے حالات اور زمانے کے مطابق اپنے تئیں بنا لینے کی صلاحیت نہ تھی۔ کسی قسم کی اصلاح انہیں پسند نہ تھی۔ غیر معمولی قابلیت کے آدمی سے وہاں لوگ بدگمانی کرنے لگتے تھے۔ بیڑا تیار کرنا ان کی نظر میں ایسی ہی موہوم بات ہوتی جیسے ایران کے پایہ تخت پر فوج کشی۔ اور گزشتہ جنگ میں اُن کے طریق عمل پر بہ استیعاب نگاہ کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اُن کی حکمتِ عملی تنگ دلی و تنگ اندیشی سے خالی نہ تھی؛ چنانچہ ہوئے بھی تو وہ بالعموم اخیر وقت پر کچھ کرنے کے لئے تیار ہوئے۔ اور اُن کی نظر اس قدر محدود تھی کہ محض اپنے حقیر جزیرہ نما کے نفع نقصان کی خاطر وہ کئی دفعہ قریب قریب آمادہ ہوگئے کہ تمام یونان کی قومی اغراض کو پس پشت چھوڑ کے الگ ہو جائیں +

یہ ماننا پڑیگا کہ پلاٹیہ کی لڑائی میں پوسے نیاس پسر کلیوم بروتوس نے اعلیٰ درجے کی جنگی قابلیت کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن وہ جتنا لایق سپہ سالار تھا اتنا لایق مدبر نہ تھا۔ اسپارٹہ نے اُسی کو اب اپنے حلیفوں کے فراہم کردہ جہازوں کے ایک دستے پر سردار بنا کے بھیجا کہ مشرقی یونانیوں کو آزاد کرانے کا سلسلہ جاری رہے۔ سب سے پہلے پوسے نیاس قبرس آیا (۴۷۸ق م) اور اس جزیرے کے بڑے حصّے کو ایرانیوں کی حکومت سے نجات دلائی۔ پھر اُس نے بای زنطہ آکر ایرانیوں کی جو فوج قلعے میں متعین تھی اُسے نکال دیا۔ لیکن یہاں اس کا برتاو سپہ سالاروں کا سا نہ تھا بلکہ مطلق العنان بادشاہوں کا سا ہوگیا۔ اور اُس کے وطن اسپارٹہ کو ایرانی حملے کی بدولت یونان کی متحدہ ریاستوں پر سیادت کا جو موقع حاصل ہوا تھا وہ پوسے نیاس ہی کے باعث ہاتھ سے نکل گیا۔ خود اسپارٹہ میں اس کے کرتوت کی اطلاع ہوئی تو عام طور پر لوگ متردد و اندیشہ مند ہوگئے اور اُسے واپس بلا کے جواب طلب کیا گیا۔ الزام یہ تھا کہ اُس نے ایرانی لباس پہنا اور تھریس کے سفر میں ایشیائی سپاہیوں کی فوج خاصہ اُس کے جلو میں تھی۔ اس میں شک نہیں کہ پوسے نیاس ایرانی دربار سے ریشہ دوانی کر رہا تھا۔ اور اب یہ فاتح پلاٹیہ خود اپنے وطن اور باقی تمام یونان کو زرکسنر کا حلقہ بگوش کرا دینے پر آمادہ

تھا اور زرکسنر کی بیٹی سے عقد کر کے اس عہد و پیمان کی توثیق کرنی چاہتا تھا اور اُس کے پیام سلام پر شہنشاہِ ایران کی جانب سے بھی اظہار خوشنودی ہوا تھا۔ پس یہ تنگ ظرف شیخی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا آپے سے باہر ہوگیا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے اُس کے غدّارانہ ارادے ظاہر ہونے لگے؛ تاہم اس وقت ایرانیوں سے اس کی سازش ثابت نہ ہو سکی اور اُسے صرف اُن زیادتیوں کی سزا دی گئی جو خاص خاص اشخاص کے ساتھ اُس نے کی تھیں، یا اُنہیں ضرر پہنچایا تھا؛ دوبارہ اُسے امیرالبحر بنا کے نہیں بھیجا گیا لیکن کچھ عرصے بعد اُس نے خود ایک سہ طبقہ جہاز کرایے پر لیا اور اسی نواح میں پہنچ گیا جہاں پہلے سازش کی تمہید ڈالی تھی؛ اس نے پہلے بازی زنطہ پر دوبارہ قبضہ پالیا اور اس طرح بحیرۂ افشین کا اندرونی دروازہ اس کے زیر اقتدار آگیا (۴۷۸ق م) پھر تھوڑے ہی دن بعد جب سستوس کو تسخیر کیا تو بیرونی دروازہ (یعنی آبنائے دردانیال) بھی اس کے تحت میں تھا؛ مگر سستوس کا نکل جانا اہل ایتھنز کو کسی طرح گوارا نہ ہو سکتا تھا۔ انھوں نے ہل تیادیس کے بیٹے کائمن کو ایک بحری دستہ دے کے روانہ کیا جس نے پوسے نیاس کو سستوس سے بے دخل کیا اور بازی زنطہ سے نکال دیا۔ (۴۷۶ق م) جب حکومتِ اسپارٹہ نے سُنا کہ وہ پھر ترواٰے کے علاقوں میں ریشہ دوانیاں کر رہا ہے تو اُنھوں نے ایک نقیب بھیجکر

اُسے واپس آنے کا حکم دیا اور یہ سمجھ کر کہ رشوتیں دے کے بری ہوجاونگا، پوسے نیاس نے حکم کی تعمیل کی؛ افورول نے اُسے قید میں ڈال دیا لیکن اس کے جرم کی شہادت ملنی دشوار تھی۔ لہٰذا وہ بڑے دعوے کے ساتھ رہا ہوگیا؛ ہر شخص جانتا تھا کہ پوسے نیاس نہ صرف ایران سے رسل و رسایل کرتا رہا بلکہ اُس نے آزادی کے وعدے کر کے ہلوتوں میں بغاوت کا سامان بھی کیا تھا۔ اور اسپارٹہ میں صحیح معنی میں شخصی بادشاہی قایم کرنے کے خیال پکا رہا تھا؛ لیکن اس کے خلاف کوئی ایسا صریح ثبوت نہ ملتا تھا جس پر با ضابطہ کارروائی کی جاسکے۔ یہاں تک کہ خود اُس کے ایک رازدار نوکر نے مخبری کی۔ پوسے نیاس نے ایرانی صوبیدار آرتابازو کے پاس لے جانے کے لئے ایک خط اس شخص کے حوالے کیا تھا لیکن یہ دیکھ کر کہ پہلے جس قدر ہرکارے اسی کام پر بھیجے گئے اُن میں سے کوئی واپس نہ پھرا، اُس نے مہر توڑ دی اور خط میں خود اپنے قتل کا حکم لکھا پایا۔ یہی خط اُس نے افورول کو لاکے دکھادیا اور اس خیال سے کہ خود پوسے نیاس کی زبان سے اس کی تصدیق اور ثبوت مل جائے اُنھوں نے یہ چال چلی کہ تناروس کی درگاہ پر ایک جھونپڑی بنائی اور اُس کے بیچ میں اوٹ کھڑی کر کے ایک طرف خود چھپ رہے اور دوسری طرف پوسے نیاس کا وہ نوکر فریادیوں کی طرح بیٹھا رہا۔ پوسے نیاس یہ

تجسّس کرنے وہاں پہنچا کہ وہ درگاہ میں کیوں پڑا ہے۔ اور اُس وقت اُس کے آدمی نے خط کا حال سُنا کے بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ جو گفتگو باہم ہوئی اُس میں پوسے نیاس نے اصل واقعے کا خود اعتراف کیا۔ لیکن پھر خطرے کا کچھ اشارہ پاکے وہ برنجی حویلی والی ایتھنہ دیوی کے مندر کو بھاگا اور اسی معبد سے ملے ہوئے ایک چھوٹے سے حجرے میں پناہ لی۔ افوروں نے اس حجرے کا دروازہ چُنواکر اُسے بھوکا مار دیا (۴۷۱ ق م؟)۔ جس وقت وہ دم توڑ رہا تھا، اُسے باہر لائے اور خدائے دلفی کے فرمان کی بموجب اسی مقدس احاطے کے دروازے پر اس کو دفن کردیا۔ لیکن۔ مندر کی حدود میں بھوکا مارنا بھی دیوی کا گناہ تھا اور اس کا عذاب تمام اسپارٹہ والوں پر پڑا۔

وطن سے باہر جاکے اسپارٹہ والوں کی جو کیفیت ہوجاتی تھی، پوسے نیاس کا طرزِ عمل اس کا نمونہ ہے اور خشکی پر اسپارٹہ کی سعیٔ کشور کشائی کا جو کچھ نتیجہ ہوا اس میں بھی اسی قسم کی مثال یہ ہے کہ علاقہ تھسالیہ دبا لینے پر اہل اسپارٹہ کی نگاہ تھی اور اسی غرض سے اُنھوں نے شاہ لیوتی کی داس کو فوج دے کے روانہ کیا اور اُس نے خلیج پگاسوس کے ساحل پر فوج اُتاری (۴۷۶ ق م)۔ اسپارٹہ کے اکثر سپہ سالاروں کی طرح وہ بھی چاندی سونے کی طمع سے نہ بچ سکا اور تھسالیہ کے رئیسوں نے حملہ آور کو رشوتیں دیکر

اپنا ملک بچالیا؛ یہ جرم سب پر ظاہر تھا اور جب وہ وطن کو واپس آیا تو سزاے موت کا مستوجب قرار دیا گیا لیکن لیوتی کی واس فرار ہوگیا اور شہر تگیا کے مندر ایتھنہ میں پناہ لے کر اپنی جان بچائی ؛

تھوڑے ہی عرصے کے بعد اسپارٹہ کو اپنی اقتدار کی خاطر خود پلوپنی سس میں جنگ کرنی پڑی۔ ریاست آرگوس میں (اس ضرب کاری کے بعد جو شاہ کلیومنیس نے لگائی تھی) اب پھر دم آگیا تھا۔ اور دوسری طرف اسپارٹہ کے دیکھتے دیکھتے الیس کے دیہات متحد ہوکر ایک شہر بن گئے تھے اور ان میں جمہوری نظامِ حکومت قایم ہوگیا تھا (۴۷۲ ق م)۔ خود ارکیدیہ میں مان تینیا کے دیہات ملکر جو ریاست بنی اُسے بھی اسپارٹہ کو بادلِ ناخواستہ تسلیم کرنا پڑ تھا؛ مختصر یہ کہ ایرانی لڑائیوں کے بعد اسپارٹہ قریب قریب وہیں رہا جہاں پہلے تھا۔ حالانکہ اسی اثناء میں ایک دوسرا شہر برابر شاہ راہِ ترقی پر گامزن تھا، بڑے بڑے کام کر رہا تھا اور ایک وسیع سلطنت بنا رہا تھا؛

۲- اتحادِ دلوس؛

جنگِ مائی کیل کے بعد جب اسپارٹہ نے فتح سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا اور اس کی بے حسی ظاہر ہوگئی تو یہ دیکھکر یونیہ اور ایشیا کے یونانی، ایتھنز کی سیادت قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ (۴۷۸ و ۴۷۷ ق م) اور اس طرح انھوں

نے برضائے خود وہ اتحاد قایم کیا جس سے ایک دن ایتھنز کی سلطنت بننے والی تھی۔ اتحاد کا مقصد صرف یہی نہ تھا کہ جو یونانی شہر دولتِ ایران کے پنجے سے چھڑا لئے ہیں انہیں دوبار تسخیر ہونے سے بچائے۔ بلکہ یہ بھی غرض تھی کہ شہنشاہ کا ملک لوٹا جائے۔ متحدین کا بیت المال دلوس (ڈیلوس) کے متبرک جزیرے میں قایم ہوا تھا کہ یہی مقام آیونیانی گروہ کی پرستش کا قدیم مرکز تھا۔ اسی کے نام پر یہ اتحاد بھی اتحادِ دلوس کہلانے لگا اور اتحاد کا پہلا کارنامہ سستوس کی دوبارہ تسخیر تھا۔

ایشیا کے آیونیانی اور ایولیانی شہر اس پوس تا روڈس ساحل کے قریبی جزیرے ساحل مرمورہ کے بہت سے اور تھریس کے چند شہر مجمع جزایر سای کلیڈیز کی اکثر ریاستیں، اور (جنوبی شہر کارلیستوس کے سوا) کل جزیرہ یوبیہ، اس اتحاد میں شریک تھے۔ یہ بحری ریاستوں کی انجمن تھی اور اس لئے شرکت کا قاعدہ یہ تھا کہ ہر ایک ریاست متحدہ بیڑے کے واسطے چند جہاز فراہم کرے۔ مگر بہت سی شریک ریاستیں چھوٹی اور قلیل البضاعت تھیں۔ اکثر دو ایک جہازوں سے زیادہ فراہم نہ کرسکتی تھیں اور اکثر بجز اس کے کچھ نہ کرسکتی تھیں کہ ایک ہی جنگی جہاز کے مصارف آراستگی میں کچھ روپے کی شریک ہوجائیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی منتشر اور قلیل امدادی فوج کا کسی مقررہ وقت یا مقام پر جمع کرلینا بہت دشوار

تھا۔ دوسرے ایسے معجون مرکب بیڑے میں نظم قایم رکھنا بھی
کچھ آسان نہ تھا۔ نظر بریں وجوہ، یہ طے پایا تھا کہ زیادہ چھوٹی
ریاستیں ایک سالانہ رقم مشترکہ بیت المال میں جمع کردیا کریں۔
اس قسم کی تعیین اور اتحادی ریاستوں کے مال و متاع کی
تشخیص کا کام ارس تدیز کو تفویض ہوا تھا۔ اور اپنی فراست
اور اُس وقار کے لحاظ سے جو لوگوں میں اُسے حاصل تھا،
ارس تدیز اس کام کے لئے بدرجۂ اولیٰ موزوں بھی تھا۔ چنانچہ
اس کی مالی تشخیص پچاس برس سے زیادہ عرصے تک
واجب العمل رہی ؛ اس طرح اتحادِ دلوس میں اوّل سے
دو قسم کے ارکان شامل تھے : ایک تو وہ جو جہاز فراہم کرتے
تھے۔ اور دوسرے وہ جو اس کے بدلے "فوروس" یعنی زرِ
نقد ادا کرتے تھے۔ اس گروہ کی تعداد پہلے گروہ کی نسبت
کہیں زیادہ تھی۔ کیونکہ علاوہ اُن ریاستوں کے (جو ایک دو
جہاز، یا اس کے کسی حصّے سے زیادہ کی شریک نہ ہوسکتی
تھیں، بہت سی بڑی ریاستیں بھی زر نقد ادا کرنے کو ترجیح
دیتی تھیں کہ اس صورت میں اُن کے باشندوں کو باہر
جانا نہ پڑتا تھا)۔ سالانہ رقم اتھینز کے دس عہدے دار تحصیل
کرتے تھے جن کا نام "ہلینوتامیای" (یعنی "یونانیوں کے خزانچی")
تھا۔ اتحادیوں کی مجلس کا اجلاس بیت المال کے مقام،
یعنی دلوس میں ہوتا تھا اور اس میں ہر ایک ریاست کی
رائے برابر کی ہوتی تھی۔ لیکن سرگروہِ اتحاد ہونے کی حیثیت

سے، تمام انتظامی کاروبار ایتھنز کے ہاتھ میں تھے اور یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ خزانچی تمام متحدہ ریاستوں میں سے نہیں چنے جاتے تھے بلکہ صرف ایتھنز کے شہری ہوتے تھے۔ گویا اوّل ہی سے ایتھنز کو ایسے مواقع حاصل تھے کہ اس بحری اتحاد کو بہ تدریج اپنی بحری سلطنت بنالے۔

اتحاد کی بنا کے وقت ہر چند ارس تدیز کا اس میں زیادہ حصہ نظر آتا ہے۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ اُس کے حریف، تمس طاکلیس کا طفیل تھا کہ ایتھنز نے طغیانی کے وقت اپنے کھیت بھرے۔ تمس طاکلیس ہی نے اپنے وطن کو بحری طاقت بنایا تھا۔ اور اس کا یہی کارنامہ اُسے ایتھنز کے تمام مدبرین پر فایق کردیتا ہے۔ وہ نہایت غیرمعمولی دماغ کا آدمی تھا اور سب سے متین مورخ توسی ڈای ڈیز (طوسی ویدش) بھی سلسلہ تحریر چھوڑ کر، اُس کے یہ خداداد اوصاف سراہنے لگتا ہے کہ آیندہ جو کچھ ظہور میں آنے والا ہو اُسے سمجھنے کی یا سخت مشکلات کے وقت عقدہ کشائی کی تمس طاکلیس کو بے مثل قابلیت عطا ہوئی تھی۔ جب ایتھنز نے سیادت حاصل کی اور وہ نئے راستے اختیار کئے جو اب اُس کے سامنے کھل گئے تھے، تو حقیقت میں یہ وہی طریق عمل تھا جس کے سب سے پہلے اور سب سے واضح معنی تمس طاکلیس نے بتائے تھے۔ پھر یہ کہ جب وقت ایتھنز کا بیڑا مشرق میں سلطنت کی عمارت تیار کررہا تھا، تمس طاکلیس

کے لئے خود وطن کے کھنڈروں میں کام کرنے کی بہت گنجایش نکل آئی تھی ؟

۴- ایتھنز و پیرئیوس کے جنگی استحکامات

جنگ پلاٹیہ کے بعد ایتھنز کے لوگ اپنی تاراج بستی میں بال بچے اور اسباب واپس لائے ۔ پرانی شہر پناہ کا تھوڑا سا حصّہ ابھی تک باقی تھا مگر اُنھوں نے ایک نئی فصیل بنانی شروع کی - یہ کام بہت جلدی میں ہوا اور انھوں نے پُرانی عمارتوں کا ملبا اور بجری تک اُس میں لگا دی ۔ لیکن اس فصیل میں ، جو تمس طاکلیس کی تحریک وصلاح سے بنائی گئی اور اسی کے نام سے موسوم ہوئی - قدیم احاطے کی نسبت زیادہ رقبہ گھیرا گیا تھا ۔ لکدمونیوں کو (یعنی اہل اسپارٹہ کو) ان فصیلوں کے بننے سے حاسدانہ بدگمانی ہوئی اور اُنھوں نے ایلچی بھیجے کہ ایسے جنگی استحکامات بنانے سے باز رکھیں اور اہالیٔ ایتھنز کو آمادہ کریں کہ اپنے شہر کی مورچہ بندی کرنے کی بجائے وہ یونان بھر میں جہاں کہیں اس قسم کے استحکامات ہوں ، خود اُنہیں منہدم کرنے میں اسپارٹہ کے شریک ہوجائیں لیکن زبانی فہمایش کے سوا اسپارٹہ والے اور کچھ نہ کرسکتے تھے - پھر بھی ایٹی کا کے عُمر عیّار ، یعنی تمس طاکلیس کی برجستہ چالاکی اور فن فریب کی تمثیل میں یہ قصّہ مشہور ہوگیا تھا کہ اس کی صلاح سے اسپارٹہ کے ایلچیوں کو یہ کہہ کے واپس

بھیج دیا گیا کہ جواب دینے کے لئے ایتھنز سے ایلچی بھیجے جائینگے چنانچہ جب وہ چلے گئے تو تمس طاکلیس سفارت کا ایک رکن بن کے اکیلا اسپارٹہ روانہ ہوا مگر باقی سفیروں کو چھوڑ گیا کہ جب تک فصیل مدافعت کے لائق بلند نہ ہوجائے وہ وہیں ٹھیرے رہیں۔ ادھر وہ کہہ گیا کہ شہر کی تمام آبادی، مرد عورت اور بچے تک شدّو مد کے ساتھ تعمیر کے کام میں مصروف ہوجائیں۔ پھر خود اسپارٹہ پہنچا تو بہت دن تک مجلس کے سامنے نہ گیا اور جب اس کی وجہ دریافت کی گئی تو جواب دیا کہ ساتھ کے سفیر ابھی رک گئے ہیں اور اُن کے آج کل میں آنے کی اُمید ہے۔ اس اثنا میں ایتھنز سے آنے والے اہل اسپارٹہ کو وثوق کے ساتھ خبر دیتے تھے کہ ایتھنز کی فصیل برابر بن رہی ہے۔ تمس طاکلیس نے اُن سے کہا کے ایسی افواہوں کے دھوکے میں نہ آو بلکہ خود اپنے آدمی بھیج کر حقیقت حال معلوم کرو۔ اسی کے ساتھ اُس نے خفیہ طور پر ایتھنز کہلا بھیجا کہ اسپارٹہ سے جو لوگ بھیجے جائیں اُنہیں میرے اور میرے ساتھیوں کے سلامتی سے واپس پہنچ جانے تک واپس آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ غرض اتنے عرصے میں فصیل کافی بلند ہوگئی۔ ایتھنز کے دوسرے سفیر بھی آگئے اور اب تمس طاکلیس نے اسپارٹہ کی مجلس میں آکے اعلان کیا کہ ایتھنز کی فصیلیں بن گئی ہیں اور اب وہ اپنی مدافعت کرسکتا ہے۔

اسی طرح پیرئیوس کی مورچہ بندی کا بھی کام شروع ہوا۔ تمام جزیرہ نمائے منی کیا کے گرد سمندر کے کنارے کنارے ایک چوڑی دیوار بنائی گئی اور بندرگاہ کے شمالی رخ سے ہوتی ہوئی ای تیونیا کی راس تک پہنچادی گئی۔ اس بڑی بندرگاہ مین اور جزیرہ نما کے مشرقی جانب، منی کیا اور زیہ کی گودیوں میں اندر آنے کے راستوں کو پشتے ڈال کر مضبوط و مستحکم کرلیا گیا۔

اگلے بیس سال کے عرصے میں ایتھنز والوں کو بندرگاہ اور شہر کی الگ الگ آبادی ہونے کا نقص نظر آیا کہ ان دونوں کو ایک شہر ہونا چاہئیے تھا۔ اُن کے ارباب حل و عقد کے ذہن میں یہ بات آگئی کہ ایٹی کا پر کوئی بڑی فوج حملہ کرے تو ایتھنز اور پیرئیوس کا راستہ روکا جاسکتا ہے اور شہر والوں کا اپنے جہازوں سے تعلق بالکل منقطع ہوسکتا ہے۔ اس خرابی کا سب سے آسان علاج تو یہ تھا کہ ایتھنز کی سکونت چھوڑ دی جاتی، مگر اس کی بجائے مذکورہ بالا خطرے کے حفظ ماتقدم کی انہیں ایک نئی تدبیر سوجھی۔ یعنی یہ قرار پایا کہ ان دونوں آبادیوں کو ایک مسلسل فصیل کے اندر لیکر دوہرا شہر بنادیا جائے۔ چنانچہ ایتھنز کو سمندر سے ملادینے کے لئے دو انفراجی فصیلیں تیار کی گئیں جن میں شمالی تو بندرگاہ کے قریب پیرئیوس کی فصیل سے مل جاتی تھی اور جنوبی، فالرن کے کھلے کنارے تک آتی تھی۔ غرض ان فصیلوں

سے جن کا تعمیر کرنا اور بچانا دونوں صرفِ کثیر اور وقت کے کام تھے، بلدۂ ایتھنز نے اپنی وہ شکل بنالی جس میں آیندہ اُسے "ملکۂ بحر" کی شان میں جلوہ گر ہونا تھا؛

اُس کی بحری قوّت ایک ترقی پذیر بحری تجارت پر مبنی تھی اور حقیقت میں یہی شئے، کسی بحری قوّت کی قابلِ اطمینان بنیاد ہوسکتی ہے۔ خود اس بحری تجارت کا دارومدار ایٹّی کا کی صنعت وحرفت کی ترقی پر تھا جس کا اندازہ اُن پردیسیوں کی تعداد کثیر سے ہوسکتا ہے جو تجارت وصناعت کی غرض سے ایتھنز یا پیرئیوس میں آبسے تھے؛ معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں اُن کا شمار دس ہزار کے قریب پہنچ گیا تھا اور سرکاری محصولات کے اعتبار سے ان پر بھی مالی بار اسی قدر تھا جس قدر کہ اصلی باشندوں پر۔ لیکن جنگ کے وقت جب املاک پر محصول لگایا جاتا تو ان پردیسیوں کے واسطے اُس کی شرح بڑھادی جاتی تھی؛

تمس طاکلیس ایک ایسا طریقہ جاری کرنا چاہتا تھا جس کی رو سے ہر سال چند نئے سہ طبقہ جہاز بیڑے میں اضافہ ہوتے رہیں۔ لیکن اس کی تجویز پر عمل نہ ہوا بلکہ وقتاً فوقتاً ضرورت کے موافق نئے جہاز بنالئے جاتے تھے۔ البتّہ اُن کے مہیّا کرنے کا ایک نیا قاعدہ یہ رائج ہوا کہ سرکار صرف جہاز کا پیٹہ اور کچھ بالائی سازو سامان تیار کردیتی تھی۔ باقی اُس کی تکمیل و آراستگی اور ملاحوں کو سدھانے کے تمام مصارف

باری باری، سب سے دولتمند شہریوں کے ذمّے ڈال دیئے جاتے تھے اور اس محصول کو "تری رار کی" (یعنی جہازوں کا انتظام) کہتے تھے؛ ہر جہاز کو کھینے والوں کی تعداد ایک سو ستّر ہوتی تھی اور اس میں اجیر پردیسی اور غلام اور کچھ حصّہ سب سے غریب شہریوں کا شامل ہوتا تھا۔ جہاز کا چلانا بیٖں ملّاحوں (ہی پرنیای) کے سپرد ہوتا تھا۔ انہی میں "کلیوس تیس" یعنی پتواریوں کو وقت تبلانے والے شامل ہیں۔ باقی دس سپاہی (اپی تبای) ان جہازوں کے علاوہ ہوتے تھے؛ سپہ سالاروں کے ہاتھ میں برّی اور بحری دونوں قسم کے کامل اختیارات دے دیئے جاتے تھے؛

۳۔ ثمسطاکلیس کا اخراج اور انتقال

چند سال تک ثمسطاکلیس، ارسؔ تدیز اور زان تی پوس کی شرکت میں کاروبارِ سلطنت انجام دیتا رہا۔ لیکن یونان کے اکثر اربابِ حکومت کی طرح وہ بھی رشوت خواری کے عیب سے پاک نہ تھا۔ اور شیخی کی بدولت سرکاری کاموں میں بھی بڑی حماقتیں کر گزرتا تھا۔ خود اپنے مکان کے قریب اس نے "سب سے عاقل مُشیر، ارتمیس" کے نام پر ایک مُٹھ بنوایا تھا۔ اس بناء پر، کہ اس نے جو مشورے اپنے وطن کو دیئے وہ سب سے زیادہ عقل و دانائی پر مبنی تھے۔ اس قسم کی باتوں سے دشمنوں کو اس پر گرفت کرنے کا موقع ملتا تھا۔ پھر

بھی اُس کے اخراج کی قریبی وجوہ اور ٹھیک وقت، صحیح معلوم نہیں۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ ارس تدیز اور زان تی پوس نے اس کے خلاف ایکا کرکے فتوی عام کی عدالت میں اُسے زیر کیا (غالباً ۴۷۱ ق م) اخراج کے بعد تمس طاکلیس نے ارگوس میں سکونت اختیار کرلی مگر جب پوسے نیاس کی ایرانیوں سے ساز باز طشت از بام ہوئی تو اہل اسپارٹہ کو پتہ چلا کہ تمس طاکلیس بھی اس شرمناک فعل میں کسی حد تک شریک ہے، لیکن گو اُس کی پوسے نیاس کے ساتھ خط کتابت تھی، تاہم یہ کسی طرح قرینِ قیاس نہیں ہے کہ وہ ایران کے ہاتھ وطن بیچنے کے ناپاک ارادے کا فی الواقع مجرم ہو۔ بلکہ زیادہ قرینہ یہ ہے کہ یہ خط کتابت اُن تجاویز کے متعلق تھی جو پوسے نیاس نے اسپارٹہ کے نظامِ حکومت کے خلاف سوچی تھیں۔ بہرحال تمس طاکلیس پر وطن فروشی یا غداری کا الزام قایم ہوا (۴۶۶ ق م) اور اُسے گرفتار کرکے عدالت میں لانے کے واسطے چند آدمی ارگوس بھیجے گئے۔ وہ کرکایرا بھاگا مگر وہاں والوں نے اُسے پناہ دینے سے انکار کیا۔ پھر وہ ایی روس پہنچا۔ مگر لکدمونی اور ایتھنزی اہل کار برابر تعاقب میں آرہے تھے۔ اسے مجبوراً ملوسیوں کے بادشاہ اَدمتوس کے ہاں اُترنا پڑا حالانکہ اس بادشاہ سے اُس کے پہلے تعلقات اچھے نہ تھے۔ یونان کے یہ مغربی ممالک ہمیں بہت قدیم معاشرت کا نمونہ نظر آتے ہیں اور ادمتوس کے مکان میں پہنچتے ہی معلوم ہوتا

ہے کہ ہم عہد ہومر کے کسی بادشاہ کی حویلی میں داخل ہو گئے! تمس طاکلیس جس وقت اس کے مکان میں پہنچا تو وہ خود موجود نہ تھا۔ مگر تمس طاکلیس نے اُس کی ملکہ کی منّت سماجت کی اور اُسی نے یہ تدبیر بتائی کہ بادشاہ کے بچّے کو گود میں لے کے وہ آتش دان کے پاس بیٹھ گیا اور جب ادمتوس واپس آیا تو اُس سے پناہ کی التجا کی۔ چنانچہ اُس نے آئین میزبانی کو ہاتھ سے نہ دیا اور تمس طاکلیس کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس کے بعد اُسے مقدونیہ کے پائیہ تخت پیدنہ (پدنہ) بھجوا دیا۔ یہاں سے ایک کشتی نے اُسے سواحلِ آیونیہ تک پہنچایا (۴۶۶ ق م) اور جب زرکسنر مرا اور آرتا زرکسنر (یعنی اردشیر بہمن) وارث تخت ہوا تو تمس طاکلیس دارالسلطنت سوس میں پہنچا اور دربارِ ایران میں ساز باز کرنے لگا۔ اس طرح اتفاقات نے اُسے بھی وہی کام کرنے پر مجبور کیا جو پوسے نیاس کر رہا تھا۔ اور یہ تقدیر کی عجیب نیرنگی ہے کہ وہی دونوں شخص، یعنی سلامیس و پلاٹیہ کے سورما، جنھوں نے ایک وقت، یونان کو غلام ہونے سے بچایا، آخر میں ایسے بدلے کہ خود اپنے کئے کام کو بگاڑنے کی تدبیریں کرنے لگے اور اُسی ملک کو پھنسانے کے درپے ہو گئے جسے خود انھوں نے نجات دلائی تھی! تاہم یہ ممکن ہے کہ تمس طاکلیس کا منشا محض شہنشاہ کو بیوقوف بنا کے اپنا کام نکالنا ہو اور حقیقت میں وہ یونان سے

دشمنی کرنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو۔ بہرحال ایران میں اُس نے بہت آبرو پائی اور ضلع مگنیسیہ کی حکومت اُسے ملی جہاں خود مگنیسیہ کے محاصل، نان و طعام کے لئے اور لمپ سکوس و میوس کے، گوشت و شراب کے نام سے اُسے مل جاتے تھے۔ اسی شہر میں اُس نے وفات پائی اور اس کی قبر بھی، اہل وطن کی نامہربانی سے، مگنیسیہ والوں نے ہی اپنی شہر پناہ کے باہر تیار کرائی ؛

۵- اتحادِ دلوس کا سلطنتِ ایتھنز کی شکل اختیار کرنا

اتحادِ دلوس کے شرکا جو لڑائیاں ایران سے لڑ رہے تھے اُن کا تمام انتظام کائمن پسر مِل تیادیس کے سپرد تھا ہم اُوپر پڑھ چکے ہیں کہ اُس نے پوسے نیاس کو بستوس و بائی زنطہ سے نکال دیا تھا۔ اس کے بعد اس کا دوسرا کارنامہ ایئون کی تسخیر تھی (۴۷۶ ق م) جو ستریمن کے دہانے پر ایرانیوں کا آنباے دردانیال کے اِدھر، سب سے مضبوط قلعہ تھا؛ پھر اُس نے سکی روس کے پہاڑی جزیرے کو فتح کیا جو قزاقانِ بحری کا مامن تھا (۴۷۴ ق م) یہاں ایٹی کا کے باشندوں کو لا کے بسا دیا گیا تھا اور یہیں یہ مشہور "اکتشاف" ہوا کہ دلفی کے الہامی قول کی بموجب (جس میں اہل ایتھنز کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے قدیم سُورما شاہ تھی سیس کی ہڈیاں لائیں اور عزت کیساتھ دفن

کریں) جزیرۂ سکی روس میں اتفاقاً یا تلاش سے کسی جنگ آزما کی قبر ملی جس میں عہدِ شجاعت کے سے قد و قامت کی ایک لاش رکھی تھی۔ اسی کو لوگوں نے مان لیا کہ تھی سیئس کی لاش ہے۔ کائمن اسے وہاں سے ایٹی کا لے کر آیا اور عوام الناس اس کام سے جتنا خوش ہوئے شاید اُس کے کسی اور کارنامے سے اتنا خوش نہ ہوے ہونگے ؛

اس واقعے کے چند سال بعد زرکسنز نے اپنی زندگی میں ایک بہت بڑا بیڑا آراستہ کیا اور یونانی فتوحات کو روکنے کی آخری تیاری کی تھی ؛ لہذا کائمن ، جو شمالی ایجین میں مصروف جنگ تھا اب جنوب کی طرف روانہ ہوا اور کاریہ کے ساحل پر جس قدر یونانی یا وہاں کے اصلی باشندوں کی بستیاں تھیں ان سب کو ایران کی حکومت سے آزاد کردیا اور صوبہ لیسیہ کے شہروں کو اتحادِ دلوس کی شراکت پر مجبور کیا۔ (سنہ ۴۶۶ ق م)۔ ایرانی فوج اور بیڑے سے اُس کا مقابلہ ، پم فیلیہ میں یوری مدن ندی پر ہوا اور خشکی اور تری دونوں قسم کی لڑائی میں اُس نے فتح حاصل کی اور دو سو فنیقی جہاز تباہ کردئے ؛ اس فتح نے کاریہ سے پم فیلیہ تک جنوبی ایشیاے کوچک کا علاقہ ایتھنز کے سلکِ اتحاد میں منسلک کردیا اور اگر کوئی آیونیائی شہر ابھی تک ایران کا خراج گزار رہ گیا تھا تو اب آزاد ہوگیا ؛

یہ کہنا کہ اتحادِ دلوس نے جو کام اپنے ذمے لیا تھا وہ انجام

نہ پاسکا، کسی طرح درست نہ ہوگا۔ یم فیلیہ کی ندی پر جو فتح کائمن نے حاصل کی اُس نے یہ کھٹکا ہی مٹادیا تھا کہ دولتِ ایران کی جانب سے پھر یونان پر کوئی حملہ ہو؛ اور تھریس میں جو بعض مقامات ابھی تک ان ملیچھوں کے قبضے میں رہ گئے تھے انہیں بھی مذکورہ بالا فتح کے بعد کائمن نے چھین لیا۔ اور دولتِ ایران کے پنجے سے یونانیوں کو بچانا ہی اتحادِ دلوس کا اصلی مقصد تھا؛ لیکن اتحادی بیڑے نے اب ایک اور کام بھی اپنے ذمے لے لیا تھا۔ یعنی وہ ریاستیں جو اتحاد میں شریک رہنا نہ چاہتی تھیں، اُن پر اتحادی بیڑا چڑھا کر بھیجا جاتا تھا؛ شہر کاریس توس اتحاد میں پہلے ہی شریک نہ ہوا تھا حالانکہ اُس کے علاقے (یعنی جزیرۂ یوبیہ) کی اور سب ریاستیں اتحاد میں شریک تھیں؛ اتحادیوں نے اُس کو مطیع اور بغیر اس کی مرضی کے جبراً اتحاد میں شامل کرلیا۔ (سنہ ۴۷۲ ق م) جزیرۂ نکسوس حلقۂ اتحاد سے باہر ہوگیا تھا۔ اُسے اتحادی بیڑے نے ناکہ بندی کرکے پھر تسخیر کیا۔ (سنہ ۴۶۹ ق م) یہ دونوں فعل جواز کے پہلو ضرور رکھتے تھے۔ لیکن دونوں میں آزاد ریاستوں کی خود مختاری کے خلاف، جابرانہ تشدّد نمایاں تھا اور اس لئے یہ دونوں فعل عام طور پر یونان میں مطعون ہوئے؛ یہ ظلم اور بھی تلخ و ناگوار اس وجہ سے تھا کہ نکسوس و کاریس توس دونوں حکومتِ خود اختیاری سے محروم کردئے گئے تھے اور دراصل ایتھنز کے محکوم ہوگئے تھے

جو ابھی سے وہ طوق و سلاسل تیار کر رہا تھا جن میں اُسے آیندہ اپنے اتحادیوں کو جکڑنا منظور تھا۔

ایتھنز اب اس راستے پر چلے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ اور فتح یوری مِڈن کے بعد اُسے اور بھی فراغت ہوگئی تھی کہ اتحادِ دلوس کو شہنشاہیٔ ایتھنز کی صورت میں تبدیل کرلے! ساحل تھریس پر اتحاد کی سب سے طاقتور رکن، جزیرہ تھاسوس کی ریاست تھی۔ تھریس کے ساتھ تجارت پر اس کی خوش حالی کا بہت کچھ دارومدار تھا۔ پس جب سٹریمن کے کنارے اہل ایتھنز ایک نوآبادی قایم کرنے کی کوشش کرنے لگے تو اس میں تھاسوس کو اپنا نقصان نظر آیا اور باہم رقابت پیدا ہوئی۔ اصلی تنازعہ سونے کی کسی کان کے متعلق شروع ہوا اور اہل جزیرہ جنگ پر آمادہ ہوگئے۔ مگر اُن کے بیڑے کو کائمن نے شکست دی (۴۶۳ ق م) اور عرصے تک بحری ناکہ بندی کے بعد اُنھیں ہتیار رکھنے پڑے؛ اُن کی شہر پناہ منہدم کرادی گئی تمام جہاز ایتھنز کے حوالے کرنے پڑے، اندرون ملک کی زمین اور کان سے انھیں دست بردار ہونا پڑا اور خراج بھی جس قدر اُن سے طلب کیا گیا تھا قبول کرنا پڑا۔

کاریس توس، نکسوس اور تھاسوس کی بحری ریاستوں کا جو حشر ہوا وہ نمونے کے لئے کافی ہے گویا آیندہ سے اتحادِ دلوس میں تین قسم کے شرکا تھے:- (۱) غیر باج گزار

اتحادی جو اپنے حصے کے جہاز فراہم کرتے۔ (۲) باج گزار اتحادی جو خود مختار تھے۔ اور (۳) باج گزار اتحادی جو محکوم تھے؛ ظاہر ہے کہ ایتھنز کا فائدہ اسی میں تھا کہ جہاں تک ممکن ہو اتحادی روپے کی صورت میں اپنا سالانہ چندہ ادا کریں اور جہاز فراہم کرنے والوں کی تعداد جس قدر ہوسکے کم رہے۔ سبب یہ کہ اتحادیوں کے نقد روپے سے جو جہاز تیار ہوتے تھے وہ درحقیقت خود ایتھنز کے بیڑے میں اضافہ کرتے تھے، کیونکہ وہ براہ راست ایتھنز کی نگرانی میں رکھے جاتے تھے؛ پس اب ایتھنز پہلی قسم کے ارکان کی تعداد گھٹانے کے درپے ہوا۔ اور تھوڑے ہی دن بعد صرف تین بڑی اور دولتمند ریاستیں، یعنی لس بوس، خیوس اور ساموس اس قسم کی شریک رہ گئیں اور باقی سب سے زرنقد سالانہ وصول ہونے لگا۔ مگر دوسری قسم کے اتحادیوں کو تیسرے درجے پر اتار لانے میں بھی ایتھنز کا فائدہ تھا کہ ان شہروں کے اندرونی معاملات میں خود دخل حاصل کرے۔ چنانچہ جب یہ شہر خود مختاری کھوکر محکوم ہوجاتے تو ان کے نظام حکومت کے عام اصول ایتھنز ہی کے ایما سے قرار پاتے تھے۔ اور ایتھنز جمہوریت کا دلدادہ تھا لہذا اس کی محکوم ریاستوں میں بھی ہمیشہ اسی طرز کا جمہوری نظام حکومت قایم ہوجاتا تھا +

اس طرح جب کچھ عرصے تک اہل اتحاد کے محکوم

بنتے جانے کا عمل جاری رہا تو پھر ایتھنز کو یہ بات بھی اپنی اختیاری نظر آئی کہ جزیرۂ دلوس میں مجلسِ اتحاد کے اجلاس کا سلسلہ موقوف کردے ؛ دیکھا جائے تو اُس کی باضابطہ سلطنت یا شہنشاہی اقتدار اسی وقت قایم ہوگیا تھا جب جنگِ تھاسوس کے دس سال بعد مشترکہ بیت المال دلوس سے شہر ایتھنز میں منتقل ہوا (۴۵۴ ق م)۔ گو یا اتحادِ دلوس تو اسی وقت سے معدوم ہوچکا تھا اور گو سرکاری طور پر ہمیشہ "اتحاد" کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی تاہم معمولی بول چال میں لوگ اب بے تامّل "سلطنت" کا لفظ برتنے لگے تھے۔ اور ایتھنز کی یہ سلطنت شمال مغرب میں متھونہ سے لے کر جنوب مشرق میں لیسیہ کے شہر فاسلیس تک پھیلی ہوئی تھی جس میں تمام بحیرۂ ایجین اور اُس کے شمالی اور مشرقی کنارے شامل تھے۔ عین عروج کے زمانے میں اُس کے ماتحت شہروں کا شمار، دو سو سے بھی خاصا اُوپر تھا۔

بیت المال کے دلوس سے ایتھنز میں منتقل ہونے کے نصف صدی بعد ہی سلطنتِ ایتھنز نسیاً منسیا ہوگئی۔ مگر اس قلیل مدت میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا زوالِ دولت عروج کو پہنچنے کے چند ہی سال بعد شروع ہوگیا تھا۔ ایسی سلطنت بنانا، سرے سے یونانیوں کے اُصولِ تمدّن اور سیاسی خیالات کے خلاف تھا۔ متمدّن دنیاے یونان کی

بنیادہی شہری ریاست کی خود مختاری پر قایم تھی اور یہ حق خود مختاری کوئی شہری ریاست حتی المقدور جزءً بھی چھوڑنا نہ چاہتی تھی؛ کسی عام خطرے کے وقت چند شہروں کا باہم متحد ہوجانا اور ہر شہر کا بعض معاملات میں اس متحد جماعت کی رائے کو فایق مان لینا، ممکن تھا، لیکن اس حالت میں بھی کوئی شہر اس حق سے محروم نہ ہوتا تھا کہ جب چاہے حلقۂ اتحاد سے علیحدہ ہوجائے (اور اپنی ابتدائی صورت میں اتحادِ دلوس بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہ تھا) چنانچہ جب اُن حالاتِ خاص کا اثر زایل ہوجاتا جن کی وجہ سے کسی شہر کو اتحاد میں شریک ہونا پڑا، تو پھر ہر شہر اتحاد سے دست کش ہونے پر آمادہ ہوجاتا تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنی کامل آزادیٔ رائے اور خود مختاری حاصل کرلے؛ باقی شہنشاہی یا سلطنت کو، خواہ کتنے ہی پردوں میں کیوں نہ چھپای جائے، یونان میں ہمیشہ دوسروں کی حق تلفی اور ظلم سمجھا جاتا تھا۔

۶۔ کائمن کا اصولِ عمل اور اخراج

جس طرح ایرانی لڑائیوں نے یونانی اور غیر یونانی کا فرق زیادہ بیّن کرکے دکھادیا تھا اسی طرح اتحادِ دلوس نے اُس اختلاف کو نمایاں کردیا جو نسل یونانی کے آیونیائی اور ڈوریئین گروہوں میں موجود تھا۔ اور اب پلوپنی سس کا ڈوریائی جتّھا اسپارٹہ کی سرگروہی میں ایک طرف صف بستہ تھا تو ایجین

کا آیونیائی گروہ ایتھنز کے زیر علم دوسری طرف استادہ تھا۔ مگر ان کی باہمی خصومت چند سال تک فتنۂ خوابیدہ رہی کیونکہ ایرانیوں کا خطرہ ابھی تک زائل نہیں ہوگیا تھا۔ دوسرے ایک حد تک ارس تدیز اور کائمن کی بدولت بھی امن قایم تھا۔ اس لئے کہ کائمن کا طریق عمل ان دو اصول پر مبنی تھا کہ ایک طرف ایران سے جنگ کی جائے تو دوسری طرف اہل اسپارٹہ سے عمدہ تعلقات رکھے جائیں۔ وہ اس دو عملی کے اصول کا حامی تھا کہ ایتھنز "ملکۂ بحور" ہو اور اسی کے ساتھ اسپارٹہ کو خشکی کا بادشاہ تسلیم کرے۔ مگر ارس تدیز کی وفات کے بعد جو نوجوان اربابِ سیاست میدان میں آئے اُنھوں نے کائمن اور اُن امرا کے خلاف جو کائمن کے ساتھ ہوگئے تھے نیا گروہ تیار کیا۔ اور اس جمہوریت پسند جماعت میں افیالتیس اور زان تی پوس کا بیٹا پری کلیس سب سے نامور شخص تھے جنھوں نے اب مجلسِ ملکی میں نمایاں حصّہ لینا شروع کیا۔

اِدھر خود اسپارٹہ نے کائمن کے طریق عمل کو شدید نقصان پہنچایا۔ وہاں کے شہری اپنی بد دِل رعایا یعنی پری اویکی اور ہلوت آبادی کی وجہ سے ہمیشہ خطرے میں رہتے تھے۔ ۴۶۴ ق م میں وہاں ایک زلزلہ آیا جس نے شہر اسپارٹہ کو کھنڈر کردیا۔ مسّنیہ کی غلام رعیت کو اپنا طوقِ اطاعت اُتار پھینکنے کا یہی موقع ہاتھ آیا۔ اور اسپارٹہ کے ۳ سو سپاہیوں کے دستے کا ایک لڑائی میں اُنھوں نے بالکل قلع قمع کردیا لیکن بعد

میں شکست کھائی اور ایتھوم کے قلعے میں پناہ گزیں ہوئے۔ اس دشوار گزار پہاڑی پر وہ کئی سال تک مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ اہلِ اسپارٹہ نے مجبور ہوکر اپنے حلیفوں سے امداد کی درخواست کی

اس معاملے میں ایتھنز کے جمہوریت پسندوں نے ہنگامہ بپا کیا کہ کوئی امداد اسپارٹہ کو نہ دی جائے۔ لیکن لوگوں نے کائمن کی بات پر کان دھرے جس کا قول تھا کہ "ہمیں یونان کو لنگڑا رکھنا کسی طرح منظور نہ ہوگا۔ ہم ایتھنز کو کبھی اپنی جوٹ کا ساتھ نہ چھوڑنے دینگے" غرض کائمن ۴ ہزار پیادہ فوج لے کے مسینیہ پہنچ گیا (۴۶۲ ق م)۔ لیکن گو قلعہ گیری میں اہلِ ایتھنز کی مہارت مشہور تھی، مگر ایتھوم کو لینے میں ان کی کوششیں بھی کارگر نہ ہوئیں؛ اس پر اسپارٹہ نے الٹ کر ایتھنز کی یہ تذلیل کی کہ جتنے حلیف پہاڑی کے گرد خیمہ زن تھے ان میں صرف ایتھنز والوں کو کہلا بھیجا کہ ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے؛

اس واقعے سے ظاہر ہوگیا کہ اسپارٹہ کی دوستی کی خاطر ایثار کرنا فضول تھا۔ اور جب کائمن اپنی حکمتِ عملی کی اس فضیحت کے بعد واپس آیا تو افیالتیس اور اس کے گروہ نے "اسپارٹہ پرست" کہہ کہہ کے اس کی بڑی مذمت کی اور وہ سمجھنے لگے کہ اُسے فتویٰ عام کی رو سے خارج کرنے کی اب بلاخطر کوشش ہوسکتی ہے۔ چنانچہ فتویٰ عام طلب کیا گیا اور کائمن کا اخراج ہوگیا (۴۶۱ ق م)۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد وہاں

کائمن کے سب سے بڑے حریف افیالتیس کو کسی نے قتل کردیا یہ عجیب پُر اسرار قتل تھا۔ اور کوئی یقین کے ساتھ کبھی یہ سراغ نہ لگا سکا کہ اُس کا قاتل کون تھا ؎

تھوڑے ہی عرصے بعد اہل ایتھنز کو اسپارٹہ کی اُس شوخ چشمی کا بدلہ لینے کا موقع ملا۔ یعنی جب طویل محاصرہ رہنے کے بعد ایتھوم کے پناہ گزیں باغیوں نے اطاعت قبول کرلی تو انہیں اجازت دے دی گئی کہ اگر وہ پلوپنی سس سے باہر نکل جائیں اور عہد کریں کہ پھر کبھی واپس نہ آئیں گے، تو انہیں کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے گا۔ جب یہ لوگ نکلے تو اہل ایتھنز، جنھوں نے اس وقت اُن کے گھیرنے میں اسپارٹہ کی مدد کی تھی، اب اُن کے پشت پناہ بن گئے اور ان غریب الوطن مسّنیہ والوں کو انھوں نے خلیج کورنتھ کے کنارے شہر نوپاکتوس (نوپاکٹس) میں لاکے بسا دیا، جہاں حال میں ایتھنز نے ایک بحری مستقر قایم کیا تھا ؎

باب نہم

سلطنت ایتھنز پری کلیس کے عہدِ اقتدار میں

(۱) جمہوریہ ایتھنز کی تکمیل

افیالتیس جب تک وہ زندہ رہا، اور پری کلیس کی رہنمائی میں یہ جمہوری اصول کہ قوم کی قسمت کے اصلی مالک خود جمہور ہیں، ایتھنز میں مزید قوت و وسعت پاتا رہا۔ اگلے تیس سال تک یونان کا سب سے ممتاز شخص **پری کلیس** ہے۔ جس کا باپ **زان تی پوس**، ارس تدیز و تمس طاکلیس کا ہم چشم تھا اور ماں کلیس تنیس کی بھتیجی **اگارستہ** تھی۔ پری کلیس کو سپاہ گری کی تعلیم دی گئی تھی۔ لیکن وہ دو مشہور صاحبانِ حکمت کا زیادہ رہینِ منت ہے جنھوں نے اُسے درس دیا۔ ان میں ایک ایتھنز کا باشندہ **دامُن** تھا جس کی فن موسیقی میں بڑی شہرت تھی۔ اور دوسرا قصبۂ کلازومنی کا باشندہ **انکساگورس**، جس کے آفرینشِ عالم اور ترکیبِ طبعی کے متعلق فلسفیانہ خیالات نے **پری کلیس** کو اُن اوہام سے آزاد کر دیا تھا۔ جو عوام الناس میں رائج تھے۔ انہی عوام کی اُسے رہنمائی کرنی تھی لیکن اُس کی سیاسی رائیں ذاتی غور و فکر کا نتیجہ تھیں۔ اور اسی طرح وہ سلیس و پُر اثر طرزِ گفتار بھی اس کی اپنی تھی جس کے

طفیل وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا تھا ۔ مزاج کے لحاظ سے اُس میں اور کائمن میں نمایاں فرق تھا ۔ کائمن ہر شخص کا یار اور نہایت بے تکلف لا اُبالی آدمی تھا ۔ پری کلیس گھر سے بھی شاذ و نادر باہر نکلتا تھا ۔ اپنے خانگی آمد و خرچ میں نہایت احتیاط اور کفایت شعاری برتتا ۔ دعوت کے جلسوں میں جانے سے بچتا اور اپنا وقارِ خودداری قایم رکھنے کا اسے حد درجے خیال رہتا تھا۔

ان دنوں ایتھنز میں قدامت کی سب سے بڑی یادگار مجلس آریوپاگوس (ایریوپگیس) باقی تھی ۔ اور اس میں صرف آرکن شامل تھے جو ریاست کے دو سب سے دولتمند طبقوں سے منتخب کئے جاتے تھے ۔ پس ۴۶۲ ق م میں افیالتیس کی ایک تجویز کے مطابق ان کا وہ حقِ احتساب اڑا دیا گیا جس کی رُو سے وہ لوگوں کے ذاتی افعال و اطوار کی تحقیقات کر سکتے تھے ۔ گویا اب اس برگزیدہ جماعت کے پاس مقدماتِ قتل کی سماعت کے سوا اور کوئی اختیار نہ رہا ۔ آئندہ سے تمام قابلِ دست اندازی جرائم کے دعوے صرف مجلسِ انتظامی یا مجلس عوام کے سامنے پیش ہونے لگے اور جمہور ہی اپنی عدالتوں میں خاطی عہدہ داروں کی تحقیقات کے مجاز رہ گئے۔

اسی زمانے میں جمہوریت کی ایک اور منزل اس طرح طے ہوئی کہ آرکنی ایک با تنخواہ عہدہ بنا دیا گیا اور اس کے لئے آبادی کے کسی خاص طبقے کا فرد ہونے کی شرط نہ رہی۔ جمہوریت کی ترقی کے دو بڑے آلے قرعہ اور تنخواہ تھے ۔ اب تک آرکن اور بعض چھوٹے عہدہ داروں اور مجلسِ انتظامی کے ارکان کا تقرر اس طرح ہوتا تھا

کہ پہلے بہت سے امیدوار بہ ذریعۂ قرعہ اندازی چھانٹ لئے جاتے اور اس کے بعد با قاعدہ انتخاب سے حسب ضرورت تعداد مقرر کی جاتی تھی۔ لیکن اب یہ انتخاب کا طریقہ بالکل اُڑا دیا گیا۔ اور مجلس انتظامی کے پانچ سو افراد اور آرکنوں کا تقرّر صرف قرعہ اندازی سے ہونے لگا کہ تمام اہل ملک میں سے جس کا نام نکل آئے وہی مقرر ہو جاتا تھا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ ہر آزاد شہری کو اعلےٰ مناصب اور ملکی معاملات میں حصہ لینے کا سب کے برابر موقع حاصل ہوگیا۔

یہ ظاہر ہے کہ جب تک اِن عہدوں کی تنخواہ مقرّر نہ ہو یہ طریقہ نہ چل سکتا تھا۔ کیونکہ غریب باشندے سرکاری خدمات کی انجام دہی کے لئے وقت نہیں نکال سکتے تھے۔ پس نہ صرف آرکن بلکہ مجلس انتظامی کے ارکان کے واسطے بھی مشاہرے کا قاعدہ بنایا گیا اور پیری کلیس کی سیاسی اصلاحات میں سب سے نمایاں شئے یہی نیا آئین ہے۔ آریوپاگوس کے حقوق کے خلاف جب ہنگامہ ہوا تو پیری کلیس ہی نے یہ تجویز منظور کرائی تھی کہ ارکانِ عدالت کو بھی ایک یا دو اوبل[۱] حق الخدمت یومیہ دیا جایا کرے۔ (غالباً ۴۶۲ق م) اور اس میں کلام نہیں کہ عدالتی کام اس قدر زیادہ بڑھتا جاتا تھا کہ ارکانِ عدالت کی اتنی کافی تعداد جو روزانہ بغیر کسی معاوضے کے اسی کام میں لگی رہے، میسر آنی محال ہوتی۔

---

[۱] اوبل ۔ چاندی کا ایک چھوٹا سکہ جو ہماری دونی کے ہم قیمت ہوتا تھا۔ مترجم

لیکن اب اہلِ ایتھنز کا فائدہ اس میں تھا کہ نئے حقوق و مراعات میں حصہ لینے والوں کی تعداد، یعنی "شہریوں" کا شمار حتی الامکان، کم ہو جائے۔ چنانچہ تقریباً دس سال بعد جب باشندگانِ اٹی کا کی فہرستوں پر نظر ثانی ہوئی تو اس میں بڑی سختی کی گئی۔ اور ایک قانون نافذ کیا گیا کہ کسی ایسے بچے کا نام فہرست میں داخل نہ کیا جائے جس کے ماں باپ ایتھنز کے شہری اور با ضابطہ بیاہے ہوئے نہ ہوں۔ یہ ایسا قانون تھا کہ اگر اس وقت تمس طاکلیس اور ایتھنز کا نامور مقنّن کلیس تنیس، ہوتے تو وہ بھی خارج کر دئے جاتے کیونکہ اُن کی مائیں پردیس کی تھیں ؂

جمہوریۂ ایتھنز کی ایک دلچسپ خصوصیت جسے نظر انداز نہ کرنا چاہئے، یہ تھی کہ اس میں سرکاری مصارف کا بار دولت مندوں پر ڈالا جاتا تھا غریبوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ دوسرے یہ بار عمر بھر میں دو ایک مرتبہ ہی کسی شخص کو اٹھانا پڑتا تھا۔ سہ طبقہ جہازوں کے متعلق تو ہم اوپر پڑھ آئے ہیں کہ اُن کی تیاری اور جہازیوں کی فراہمی دولتمندوں کے ذمّے ڈال دی جاتی تھی اور وہ نہ صرف اس کے ذمے دار ہوتے بلکہ خود انہی کو اپنے اپنے جہاز میں بیٹھ کر جہاں ضرورت ہو وہاں جانا پڑتا تھا۔ خرچ کی دوسری مد یہ تھی کہ شہر کی طرف سے کبھی کبھی کسی مقدس کام کے لئے مذہبی وفد بھیجے جاتے تھے۔ اس موقع پر بھی کسی دولت مند شہری کو چن لیا جاتا کہ وہ وفد کا انتظام اپنے ذمّے لے اور بیت المال سے جو رقم دی جاتی تھی اس کی کمی کو حسب ضرورت خود اپنی جیب سے پورا کرے۔ لیکن اِن سب "رسوم" یا سرکاری

محصولات سے کہیں زیادہ قابل لحاظ اور ایتھنزی معاشرت کی خصوصیت وہ مصارف و اہتمام ہیں جو ڈایونی سیئس کے تہواروں میں سانگ تماشوں کے واسطے دولتمندونکے ذمے کردئے جاتے تھے۔ اِس کام کے لئے ہر سال ہر قبیلہ اپنے ایک مالدار ہم قبیلہ کو نامزد کردیتا تھا جسے "کورگوس" کہتے۔ اور گانے بجانے والوں کی ایک منڈلی تیار کرنا اور ناٹک کے ناچ گانے سکھانے کے لئے کسی ہوشیار استاد کو مقرر کرنا، اس شخص کا فرض ہوتا تھا۔ پھر مقابلے میں جس کی منڈلی بازی لیجاتی اسے تاج (یا مکٹ) اور ایک برنجی تپائی انعام میں ملتی۔ ریاست کی جانب سے مذہب کی یہ خدمت حقیقت میں جوہرِ قابل کی خدمت ثابت ہوئی۔ اور وہ دولت مند جو اس کام پر لگائے جاتے تھے کہ اپنا وقت اور روپیہ ناچ والوں کے فراہم کرنے میں صرف کریں، گویا ٹریجڈی اور کومڈی کے نامور اساتذہ کی، اور اس لئے تمام دنیا کی بہت بڑی خدمت انجام دے رہے تھے:

(۲) ایتھنز کی جنگ پلوپنی سس کے ساتھ

کائمن کی جلا وطنی اس بات کی علامت تھی کہ معاملاتِ خارجہ میں ایتھنز کا جو اصولِ عمل اب تک رہا تھا اس میں بہت بڑا تغیّر پیدا ہوگیا۔ اس نے لکدمونیوں کا ساتھ چھوڑ کے اب اُن کے دشمن اہلِ آرگوس و تھسالیہ کے ساتھ رشتۂ اتحاد قائم کیا تھا۔ اُسکی بحری سلطنت اور روز افزوں تجارت اُسے اسپارٹہ کے دو حلیفوں کا (یعنے کورنتھ و اجی نا کے عظیم تجارتی شہروں کا) سخت رقیب بنا رہی تھی۔ اور جب ایتھنز کے ایک سپہ سالار نے

لوکریس والوں سے نوپاکتوس چھین کر وہاں بحری مستقر بنایا تو پھر لڑائی ہونے میں کوئی شبہ باقی نہ رہا تھا۔ کیونکہ یہ مقام خاص خلیج کورنتھ پر واقع تھا اور وہاں سے اہل ایتھنز جب چاہتے کورنتھ کے تجارتی جہازوں کی جانبِ مغرب آمد رفت منقطع کرسکتے تھے؛ غرض اب لڑائی یقینی تھی اور جلد ہی اس کا موقع بھی آگیا۔

مگارا والوں نے سرحد کے متعلق کورنتھ سے کسی نزاع پر پلوپنی سس کی ہیئتِ اتحاد کا ساتھ چھوڑ دیا (۴۵۹ ق م) اور ایتھنز کے دامنِ حمایت میں آگئے؛ ایتھنز کے حق میں مگارا کے اتحاد سے بہتر کوئی فالِ نیک نہ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ یہ علاقہ تحت میں ہو تو جزیرہ نمائے پلوپنی سس کے مقابلے میں، اس کی سرحد نہایت مستحکم ہو جاتی اور مشرق کے سرے پاگی سے لے کے مغرب میں خلیج سارونی کے شہر نیسایا تک پوری خاکنائے کورنتھ اُس کے قبضے میں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ بلا تاخیر اُس نے مگارا کی پہاڑیوں سے نیچے نیسایا کی بندرگاہ تک، جو سلامیس کے بالمقابل تھی ایک دوہری فصیل بنانی شروع کی اور ان "لمبی دیواروں" میں خود اپنی فوج متعین کردی۔ اس طرح مشرقی ساحل کا راستہ اُس کے قبضے میں آگیا اور آیٹی کا پر خشکی کی جانب سے حملہ روکنے کے واسطے نہایت مستحکم مورچہ بن گیا۔

اس واقعے کے تھوڑے ہی عرصے بعد لڑائی چھڑ گئی لیکن اوّل اوّل اسپارٹہ نے اُس میں خود کوئی حصہ نہیں لیا؛ پلوپنی سس

والوں کے بیڑے کو پہلی شکست اہل ایتھنز نے لک ری فالیا کے ٹاپو پر دی جو اجی نا اور ساحلِ ارگوس کے درمیان واقع ہے! یہاں سے اہل اجی نا بھی لڑائی میں شریک ہوتے ہیں! وہ جانتے تھے کہ اگر کورنتھ کو سخت شکست ہو گئی تو پھر خود اُن کی خیر نہ ہوگی اور ساری خلیج سارونی پر ایتھنز ہی کا تسلط ہوگا۔ غرض اجی نا کے قریب ایک اور بڑا بحری معرکہ ہوا (۴۵۸ق م) جس میں اجی نا اور ایتھنز دونوں کے حلیف بھی شریک تھے۔ اہل ایتھنز نے ستّر جہاز پکڑ لئے اور جزیرے میں فوج اتار کے شہر کو گھیر لیا۔ اس وقت پلوپنی سس والوں نے پیادوں کی ایک جمعیت اہل اجی نا کی مدد کے لئے بھیجی اور ساتھ ہی کورنتھ کی سپاہ مگارا کی طرف بڑھی اور اُسے امید تھی کہ ایتھنز سے ایک ہی وقت میں مگارا کو بچانے اور اجی نا کو گھیرے رہنے کا انتظام نہ بن پڑے گا۔ لیکن ایتھنز کے جو شہری جنگی خدمت کی مقررہ عمر سے متجاوز تھے۔ اور نیز وہ نوجوان جو ابھی تک اُس کے تحت میں نہ آتے تھے۔ اُنکی ایک ہنگامی فوج فوراً مرتب کر لی گئی اور می رونی دیس کی سپہ سالاری میں مگارا کی طرف روانہ ہوئی۔ لڑائی میں دونوں فریق اپنی فتح کے مدعی تھے لیکن جب کورنتھ والے میدان سے ہٹ گئے تو نشانِ فتح اہلِ ایتھنز ہی نے قایم کیا۔ اس پر کورنتھ کے سپاہیوں کو ان کے ہم وطنوں نے اس قدر چڑایا کہ وہ بارہ دن کے بعد پھر لوٹے اور جواب میں اپنی فتح کی یادگار بنانی شروع کی۔ مگر جس وقت وہ اس کام میں لگے ہوئے تھے، اہل ایتھنز نے

شہر مگارا سے نکل کے اُن پر یکبارگی حملہ کیا اور سخت شکست دی +

اگر ان کامیابیوں کے سال کو ایتھنز کی تاریخ میں "اینوس مرابلیس" یعنی عجائبات کا سال، کہا جائے تو بجا ہے؛ لک ری فالیا اور اجی نا کی لڑائیاں اُس نے اپنے بیڑے کے صرف ایک حصّے سے جیتی تھیں کیونکہ عین اُس وقت جب کہ یونان کی حریف ریاستوں سے اُس کا مقابلہ تلوار سے ہونے والا تھا اُس نے مصر کو ایک بحری مہم روانہ کی تھی: اور یہ ایسی خطر ناک بازی تھی کہ ایتھنز نے بہت کم کوئی ایسی بازی بدی ہوگی +

ایتھنز اور اتحادیوں کے ۲ سو جہازوں کا ایک بیڑا قبرس کے سمندر میں ایران سے مصروفِ جنگ تھا کہ اُسے لبیا کے ایک رئیس اناروس نے مصر کی طرف آنے کی دعوت دی۔ کیونکہ وہ ایرانیوں کے خلاف دریائے نیل کی زیرین وادی میں لوگوں کو بغاوت پر اُبھار رہا تھا +

اناروس کے بلاوے پر سب کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اِس کے معنی یہ تھے کہ اگر ایتھنز ملک مصر کو ایرانیوں کی حکومت سے نجات دلادے تو وادئ نیل کی بیرونی تجارت پر اُسی کا قبضہ ہو جائے گا اور وہ ساحل پر ایک بحری مستقر قایم کر سکے گا۔ پس امیرِ لبیا کی صدائے استعانت پر بیڑے کے سرداروں نے لبّیک کہی اور ۴۵۹ ق م میں دریائے نیل میں اس وقت داخل ہوے جب کہ اناروس اپنی مراد کو پہنچ چکا تھا۔ اور اس ایرانی فوج کو جو بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی، نیل کے شاخ در شاخ دہانے پر شکست دے چکا تھا؛ یونانی بیڑے نے

دریا دریا آگے بڑھ کے شہر ممفس پر قبضہ کرلیا تاہم اس کا "قلعہ سفید" اُن کے ہاتھ نہ آیا جس میں ایرانی فوج برابر مقابلہ کئے گئی۔ لیکن واقعی بات یہ ہے کہ اس موقع پر ایتھنز کی قوّت کا دو طرف منقسم ہونا، اس کی بڑی بدنصیبی تھی - اپنی پوری فوج سے وہ پلوپنی سس پر کاری ضرب لگا سکتا تھا اور اسی طرح اگر پوری فوج یہاں ہوتی تو وہ مصر میں اپنی مراد پا سکتا تھا؛

غرض، اجی نا کا محاصرہ بھی برابر ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ پچھلی لڑائی کے دو سال بعد اہل اجی نا نے ہتیار رکھ دئے اور مجبوراً ایتھنز کو اپنا بیڑا حوالے کرنا اور خراج دینا قبول کیا۔ (۴۵۶ق م) ایسی مبارک اور مفیدِ مطلب کوئی فتح ایتھنز کے لئے نہ ہو سکتی تھی جیسی کہ یہ فتح تھی - اُن کا وہ رقیبِ تجارت، وہ مالدار ڈوریانی جزیرہ جو ان کی آنکھوں میں خار تھا اور جب کبھی وہ اپنی پہاڑیوں پرچڑھکر نظر دوڑاتے تو خلیج کے پار انہیں لالچ دلاتا تھا، آخرکار، آج اُن کے قدموں میں بے دست و پا پڑا تھا؛

ادھر، یونان کے دوسرے حصوں میں جو واقعات پیش آرہے تھے انہوں نے انجام کار خود لکدمونیوں کو جنگ میں حصّہ لینے پر آمادہ کرادیا۔ پلوپنی سس کے باہر سے جس کام کا بلاوا اُنہیں آیا تھا وہ صلہ رحم پر مبنی تھا۔ یعنی انہیں اپنی قدیم ڈوریانی برادری کی مدد منظور تھی (جو علاقہ ڈوریس میں آباد تھی) اور اس کے تین قصبات میں سے ایک پر اہل فوکیس قابض ہو گئے تھے۔ لیکن ان غاصبوں کو قصبے کے واپس دینے پر مجبور کرنا اتنی بڑی

فوج کے واسطے، جس میں ۱۵ سو لکدمونی ترپ لیت (پیادے)، اور دس ہزار اتحادیوں کے سپاہی شامل تھے، کوئی مشکل بات نہ تھی، مگر در اصل انہیں ایک اور ہی مہم درپیش تھی جس کی منزلِ مقصود بیوشیہ کے علاقے میں واقع تھی؛ صاف نظر آتا ہے کہ اِس علاقے میں اہل اسپارٹہ ایک طاقتور ریاست بنا دینی چاہتے تھے جو ایتھنز کو زیادہ اُبھرنے کا موقع نہ دے۔ چنانچہ اسی غرض سے انھوں نے پھر تھبز کو استادہ کیا اور بیوشیہ کے شہروں کو مجبور کیا کہ وہ اُس کے ساتھ متحد ہوں۔ یہ کام ہوچکا تو فوج کو پلوپنی سس کی واپسی کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں نظر آئیں۔ مگارا کے پہاڑی دروں کی ایتھنز کے سپاہی پاسبانی کر رہے تھے اور خلیج کورنتھ میں بھی اُن کے جہازوں نے راستہ گھیر رکھا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس پریشانی میں اسپارٹہ والوں کو یہی سوجھی کہ براہِ راست ایتھنز پر پیش قدمی کریں جہاں اُس وقت لوگ (شہر سے بندرگاہ تک) اپنی لمبی دیواریں بنانے میں مصروف تھے۔ چنانچہ پلوپنی سس کی فوج سرحد ایٹکا کا قریب تناگرا تک بڑھ آئی۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ سرحد کے اندر قدم رکھے اہل ایتھنز مقابلے کے لئے ۱۴ ہزار جوان لے کر آ پہنچے جن میں ایک ہزار ارگوس کے سپاہی اور کچھ تھسالیہ کے سوار بھی شامل تھے۔ اس موقع پر جب کہ اہل ایتھنز بیوشیہ کی سرزمین میں خیمہ زن تھے، جلا وطن سردار کائمن (جو اپنے دیس کی سرزمین پر قدم نہ رکھ سکتا تھا) اُن کے پڑاو میں آیا اور جب خود اُسے وطن کے لئے سینہ سپر ہونے کی اجازت

نہ ملی تو اُس نے اپنے دوستوں کو مردانہ وار جنگ کرنے کا جوش دلایا۔ کائمن کے اس فعل نے گویا اُس کی باز طلبی کا راستہ تیار کردیا۔ اور جب لڑائی ہوئی تو اُس کے دوست بھی اِس جانبازی کے ساتھ لڑے کہ اُن میں سے کوئی شخص زندہ نہ بچا۔ لڑائی میں طرفین کا شدید نقصان ہوا لیکن فتح لکدمونیوں نے پائی (۴۵۷ ق م) تاہم شہر ایتھنز پر اِس لڑائی کی وجہ سے کوئی آنچ نہ آئی۔ اور فتح مندوں کو اپنی فتح سے فقط اتنا فائدہ ہوا کہ وہ خاکنائے کورنتھ کے راستے واپس آگئے +

اب ایتھنز نے دم لینے کے لئے، وقت کے وقت اسپارٹہ سے صلح کرنی چاہی۔ اس کام کو خاطر خواہ انجام دینے کیلئے جلا وطن **کائمن** سے زیادہ موزوں کوئی شخص نہ تھا۔ پس پری**کلیس** کی تحریک سے لوگوں نے اس کی واپسی کا حکم نافذ کیا۔ لیکن جب صلح نامے کی شرائط طے ہوگئیں تو کائمن پھر ایتھنز سے خود ہی باہر چلا گیا +

جنگ تناگرا کے دو مہینے بعد اہل ایتھنز نے **می رونی دیس** کے ماتحت بیوشیہ پر ایک مہم روانہ کی اور مقام **انوفیتا** پر جو فیصلہ کُن جنگ ہوئی اُس نے ایتھنز کو تمام علاقۂ بیوشیہ کا مالک بنادیا۔ (۴۵۶ ق م)، لیکن یہاں کے شہروں کو اتحادِ **دلوس** میں شریک نہ کیا گیا بلکہ انہیں یہ عہد کرنا پڑا کہ ایتھنز کی بری فوج کے لئے مقررہ تعداد میں سپاہی فراہم کرتے رہیں گے۔ اسی کے ساتھ ایک طرف فوکیس تو از خود ایتھنز کا حلیف بن گیا

اور دوسری طرف لوکریس (مشرقی) کو مجبوراً اُس کا اقتدار تسلیم کرنا پڑا؛ انوفتیا اور تناگرا کی لڑائیوں کے نتائج یہ تھے۔ اور اب ایتھنز کو فرصت تھی کہ اطمینان سے اپنی لمبی دیواروں کی تکمیل کرتا رہے ۔

لیکن سمندر پار، اقصائے جنوب کے معرکوں میں اقبال نے ایتھنز کا ساتھ نہ دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ممفس کی تسخیر کے بعد وہ کوئی کامیابی مصر میں حاصل نہ کر سکے اور "قلعہ سفید" اسی طرح اڑا رہا۔ یہاں تک کہ اردشیر نے مگابازو کے ماتحت فوج کثیر مصر کو روانہ کی اور فنیقیہ کا بیڑا اس کی مدد پر تھا۔ جنگ میں شکست دے کے اُس نے یونانیوں کو ممفس سے نکال دیا اور پروسوپیتیس میں گھیر لیا۔ اس مقام کے چاروں طرف ایک نہر تھی جس نے دریائے نیل کی دو شاخوں کو بیچ میں سے کاٹ دیا تھا۔ اس لئے یہ ایک جزیرہ سا بن گیا تھا جس کی مگابازو نے ناکہ بندی کردی اور اٹھارہ مہینے تک یونانیوں کو گھیرے رہا آخر اُس نے نہر کا رخ بدل کے اس کا پانی خشک کردیا اور یونانی جہاز جو نہر میں تھے خشکی پر کھڑے رہ گئے۔ اب تمام جزیرہ ساحل سے مل گیا اور اُس پر فوج لے جانا ممکن ہو گیا تھا۔ لہذا یونانیوں نے اپنے جہاز جلا دئے اور بیب لوس میں ہٹ کر اطاعت قبول کرلی۔ (۴۵۴ ق م)۔ پھر مگابازو نے انہیں واپس جانے کی اجازت دے دی۔ تھوڑے ہی عرصے بعد محصورین کو چھڑانے کے لئے پچاس جنگی جہازوں کا ایک دستہ ایتھنز سے

آیا تھا لیکن اس پر دریائے نیل کے ایک دہانے پر فنیقیہ کے زبردست بیڑے نے حملہ کیا اور صرف چند جہاز بچ کر سلامت جا سکے ؎

ہر چند اس ناشدنی اور ناسازگار مہم میں اہل ایتھنز کے جہاز تلف ہوئے اور زرِ کثیر کا خون ہوا، لیکن یہ زمانہ اُن کی سلطنت کے انتہائے عروج کا زمانہ ہے۔ بلکہ مصر ہی کے نقصانات کو حیلہ بنا کے انہوں نے اتحادِ دلوس کا مشترکہ خزانہ اپنے قلعے میں اٹھوا منگایا کہ مبادا ایرانی بیڑا (جس کا اب مقابلہ دشوار ہے) اُن کے جزیرۂ دلوس کو چھین لے ؎

اس کے علاوہ، اب ایتھنز کی سلطنت میں نہ صرف بحری بلکہ بری علاقے بھی شامل تھے۔ سرحد پار کے دونوں ملک، مگارا اور بیوشیہ اُس کے غاشیہ بردوش تھے۔ بیوشیہ سے آگے فوکیس و لوکریس پر درۂ تھرموپلی تک اُس کی قلمرو تھی۔ ارگوس میں اُسے رسوخ حاصل تھا۔ اجی نا اس کی بحری سلطنت کا اور اجی نا کے جہاز، اُس کے بیڑے کے، جزو بن چکے تھے۔ گویا تمام خلیج سارونی اُس کی ایک جھیل بن گئی تھی جس کے قریب قریب ہر طرف ایتھنز کا مُلک تھا ؎

خاکنائے کا بڑا تجارتی شہر، کورنتھ، ایتھنز کا سب سے خطرناک دشمن تھا اور اسی لئے پری کلیس کی حکمت عملی کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ خلیج کورنتھ کو بھی ایتھنز کی جھیل بنادیا جائے تاکہ شہر کورنتھ اپنے دونوں سمندروں کی طرف سے نرغے میں آجائے، مگارا،

بیوشیہ اور خاص کر شہر نوپاکتوس کے قبضے کی بہ دولت خلیج کا شمالی ساحل، خاکنائے کورنتھ سے لے کر مغربی دروازے تک، ایتھنز کے تحت میں آگیا تھا۔ لیکن خلیج کے جنوبی کنارے ابھی تک خالص پلوپنی سسی تھے اور باہر کے رخ، ساحلِ اکرنانیہ کے کئی باموقع مقام اس قابل تھے کہ اُن پر قبضہ کیا جائے چنانچہ ادھر، کشور کشائی کا آغاز سپہ سالار تول میدیس نے کیا اور پات ری کے مقابل کورنتھ کی نو آبادی چالکیس کو فتح کرلیا۔ (۴۵۵ق م)۔ اس کے بعد خود پری کلیس ایک مہم لے کر گیا کہ تول میدیس نے جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ جاری رہے۔ (۴۵۳ق م) اور ہرچند اُسے کوئی جنگی فتح حاصل نہیں ہوئی تاہم اکائیہ کے شہروں کا ایتھنز کے حلقۂ اتحاد میں داخل ہونا بہ ظاہر اسی مہم کی کارگذاری تھا۔ اور یہ تو یقینی طور پر معلوم ہے کہ مہم جانے کے کچھ دن بعد ہی اکائیہ کا علاقہ ایتھنز کے تحت میں آگیا اور چند سال تک ایٹی کائی جہاز خلیج سارونی کی طرح خلیج کورنتھ میں بھی اسی انداز سے آتے جاتے رہے کہ گویا وہ خاص اُن کی مِلک ہے +

۳۔ ایران کے ساتھ مصالحت

پچھلے چند سال کی لڑائیوں نے ہر اعتبار سے ایتھنز پر بڑا بوجھ ڈال دیا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ بار ہلکا ہو جائے لیکن پری کلیس کی مہم کے بعد تین چار سال گزرنے تک

صلح کی کوئی صورت نہ نکلی؛ اور مصالحت کی ابتدا ہوئی بھی تو ارگوس و اسپارٹہ سے ہوئی جنھوں نے آپس میں تیس سال تک جنگ نہ کرنے کا عہد کیا۔ اسی وقت کائمن نے، جو اب ایتھنز آگیا تھا پانچ سال کے واسطے ایتھنز اور اہل پلوپنی سس میں صلح کرادی (۴۵۲ ق م)

ایتھنز اور اس کے اتحادیوں کو اب پھر فرصت مل گئی کہ اطمینان سے ایران کے خلاف جنگ تازہ کریں۔ اور سپہ سالاری کے لئے انھوں نے بالطبع کائمن ہی کو منتخب کیا؛ وہ پہلے قبرس گیا جہاں فنیقیہ کا بیڑا (مصری بغاوت فرو کرنے کے بعد) دوبارہ ایرانی اقتدار قایم کرنے میں مصروف تھا۔ مگر یونانی کی تئین کا محاصرہ کر رہے تھے کہ اسی زمانے میں کائمن مرگیا (۴۵۰ ق م)۔ پھر قلت رسد کی وجہ سے محاصرہ بھی اٹھانا پڑا۔ لیکن وہاں سے واپس ہوتے میں یونانی بیڑے کا فنیقیہ اور سلیسیہ کے جہازوں سے مقابلہ ہوگیا اور قبرس کے شہر سلامیس کے آگے یونانیوں نے خشکی اور تری دونوں پر فتح حاصل کی۔

اس فتح کے باوجود ایتھنز کو جنگ جاری رکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ایک طرف ایران سے اور دوسری طرف خود یونانی دشمنوں سے پورے زور کے ساتھ جنگ کرتے رہنا ممکن نہ تھا۔ اور ایران والوں سے صلح صرف اس صورت میں ہو سکتی تھی کہ اپنے مقبوضات سے ہاتھ اُٹھالیا جائے۔ پری کلیس ایتھنز کی شہنشاہی کا بڑا دلدادہ تھا اور اسکا مطمح نظر یہ تھا کہ خود یونان کی حدود میں ایتھنز کی شہنشاہی اور حکومت کا دائرہ وسیع ہو۔ اس کے برخلاف ایرانیوں سے جنگ کا بڑا حامی کائمن تھا۔ وہ مرگیا اور اس لئے اب ایران کے

ساتھ مصالحت آسان ہوگئی۔ چنانچہ غالباً ۴۴۸ق م میں صلح کا معاہدہ ہُوا۔ اِس میں شہنشاہ ایران نے اقرار کیا کہ ایران کے جنگی جہاز بحیرۂ ایجین میں نہ بھیجے جائیں گے اور ایتھنز نے قول دیا کہ سلطنتِ ایران کے سواحل حملوں سے محفوظ رہیں گے۔

اسی واقعے پر یونان و ایران کی کشمکش کا پہلا باب ختم ہوتا ہے۔ خاتمے پر، یونانی شہر جو کہ اجانب کے قبضے میں تھے، بجز جزیرہ قبرس کے، سب کے سب عالم یونانی کی آزاد ریاستوں میں دوبارہ آملے۔

۴ - ایتھنز کی ناکامیاں - امن سی سالہ

مگر ایرانیوں سے صلح ہو جانے کے بعد ایتھنز کے مقبوضات میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ اس کے برعکس، بعض علاقے جو حال میں اس نے حاصل کئے تھے، اُس کے ہاتھ سے نکلنے لگے ارکومنوس، شیرونیہ اور مغربی بیوشیہ کی بعض اور بستیاں اُن اُمرا نے چھین لیں جنھیں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا ایتھنز کو فوراً مداخلت کرنی پڑی مگر سپہ سالار تول میدیس جو فوج لے کے چل کھڑا ہوا اس کی تعداد بالکل ناکافی تھی۔ شیرونیہ پر تو اُس نے قبضہ کر لیا اور فوج متعین کر دی لیکن اُرکومنوس پر اُس نے پیش قدمی نہ کی اور وطن کو واپس جا رہا تھا کہ اِس شہر کے جلا وطنوں نے کچھ اور لوگوں کے ساتھ مل کر حملہ کیا اور کرونیہ کے قریب شکست دی (۴۴۷ق م)۔ خود تول میدیس جنگ میں کام آیا۔ بہت سے ہپ لیت (پیادہ سپاہی) اسیر ہو گئے اور انہی کے فدئے میں ایتھنز کو علاقہ بیوشیہ سے دست بردار

ہونا پڑا۔ گویا انوفیتا کی جنگ کا ماحصل، کرونیہ کی جنگ میں برباد ہوگیا۔ اور بیوشیہ کے ہاتھ سے نکلنے کے بعد ہی فوکیس اور لوکریس کے علاقے بھی ایتھنز کے قبضے سے نکل گئے ؛

مگر لڑائی کا اس سے بھی بدتر نتیجہ یہ وقوع میں آیا کہ عین اسی زمانے میں یوبیہ اور مگارا نے بغاوت کی۔ یہاں بھی امرا کے گروہ یا حکومتِ خواص کے حامی مایۂ فساد تھے۔ پری کلیس جو اس وقت سپہ سالار تھا فوراً سات قبایل کی فوج لے کے خود یوبیہ پر چلا اور باقی تین قبیلوں کے دستے مگارا کی طرف روانہ ہوے۔ لیکن وہ جزیرہ یوبیہ میں اُترا ہی تھا کہ خبر پہنچی کہ شہر مگارا میں جو سپاہ متعین تھی وہ قتل ہوگئی اور پلوپنی سس کی ایک فوج خود ایٹی کا پر بڑھ رہی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ بہ عجلت واپس ہوا۔ اور اُن فوجوں سے جاملا جو پہلے مگارا کی جانب روانہ ہو چکی تھیں؛ اُس کی واپسی نے افواج پلوپنی سس کے سپہ سالار شاہ پلیس تو ناکس کے منصوبے خاک میں ملا دیئے اور وہ واپس چلا گیا؛ اس طرف سے مطمئن ہوکر پری کلیس کو پھر فرصت مل گئی کہ یوبیہ کو دوبارہ تسخیر کرے؛ اس جزیرہ کے شمال میں شہر ہیس تیا یا تھا۔ اس کے ساتھ بڑا ظالمانہ سلوک کیا گیا۔ کیونکہ غالباً وہی سب سے زیادہ مقابلے پر اڑا رہا تھا۔ چنانچہ اس کے تمام باشندے شہر سے نکال دیئے گئے اور اس کی زمینیں ایتھنز نے اپنے قبضے میں لے لیں؛ لیکن اہل ایتھنز کی نظر میں اب امن اس درجے ناگزیر ہوگیا تھا کہ پائدار صلح کی

خاطر انہوں نے مجبوراً بہت سی رعایتیں دینی، گوارا کیں۔ **مگارا** ان کے قبضے سے پہلے ہی نکل چکا تھا لیکن اِس کی دو بندرگاہیں **نیسایا** اور **پاگی** اُن کے پاس تھیں۔ اب انہیں اور علاقہ اکائیہ کو بھی چھوڑنا پڑا اور انہی شرائط پر ایتھنز اور پلوپنی سس کی ریاستوں میں ایک سی سالہ معاہدہ صلح پر دستخط ہو گئے۔ (۴۴۶ق م)۔ دونوں طرف کے حلیفوں کے نام صلح نامے میں شریک تھے اور اُس کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اسپارٹہ یا ایتھنز کوئی اپنے اتحاد میں فریقِ ثانی کے کسی حلیف کو شامل نہ کرے گا۔ البتہ غیر جانب داروں کو اجازت تھی کہ وہ جس جتھے میں چاہیں شریک ہو جائیں ؛

اس صلح میں ایتھنز کی بہت سُبکی تھی اور اگر اہل پلوپنی سس کے **اٹی کا** میں گھس آنے کا اِس قدر خوف و ہراس نہ پیدا ہوگیا ہوتا تو غالباً کبھی ایسی صلح نہ ہوتی۔ کیونکہ، بیوشیہ اور اکائیہ کا تخلیہ تو بہ آسانی برداشت ہو سکتا تھا مگر مگارا کا ہاتھ سے نکل جانا بڑا داغ تھا۔ اِس لئے کہ جب تک وہ لمبی فصیلیں جو گرانیا کے دروں سے نیسایا تک ایتھنز نے تعمیر کی تھیں، اُس کے پاس تھیں، اُس وقت تک خاص **اٹی کا** کو پلوپنی سس کی فوج کشی کا مطلق خطرہ نہ تھا۔ اور یہ مورچہ نکل گیا تو سمجھنا چاہیئے کہ آیندہ سے **اٹی کا** گویا ان ترکتازوں کی زد میں آگیا ؛

۵۔ پری کلیس کی ہوسِ باج ستانی اور اُسکی مخالفت

جب ایران سے لڑائی ختم ہو گئی تو اتحادِ دلوس کے شرکاء کا یہ

دعوے کرنا حق بہ جانب تھا کہ اب ہمیں پہلی سی خود مختاری اور آزادی مل جانی چاہیئے؛ اس دعوے کا معقول جواب یہ ہوسکتا تھا کہ ایرانیوں کے ساتھ جو صلح ہوی ہے اُس کے قایم رہنے کا اسی وقت اطمینان ہو سکتا ہے جب تک کہ خود وہ قوت قائم رہے جو ایران کی سدِ مقابل ہو سکتی تھی؛ لیکن ایتھنز کو اب حکومت کی چاٹ پڑ چکی تھی اور وہ صحیح معنوں میں "باج ستاں" بن گیا تھا جس کی ہوسِ ملک گیری کسی طرح کم نہ ہو سکتی تھی۔ اپنے باجگزاروں سے جو خراج اُس نے مقرر کیا تھا وہ غالباً بہت گراں نہ تھا اور برابر اُس کی ترمیم و تجدید ہوتی رہتی تھی لیکن اُن بستیوں کے لئے، جن میں آزادی کی سچی محبت سرایت کر چکی تھی، اس محکومی میں تکلیف و دل آزاری کے اور بیسیوں اسباب موجود تھے؛

اہل ایتھنز کی ہوسِ باج ستانی میں پری کلیس اُن کا رہنما تھا۔ لیکن یہ اصولِ ملک گیری متفق علیہ نہ تھا۔ کیونکہ طبقۂ اعلےٰ کی ایک با اثر جماعت نہ صرف اپنے شہر کی جمہوریت کو ناپسند کرتی تھی بلکہ اُس کی مُلک ستانی پر بھی حرف گیر تھی۔ اور اس جماعت میں کم سے کم ایک شخص کو یہ فخر ضرور حاصل ہے کہ وہ بالکل سچائی کے ساتھ حلیفوں کی حمایت اور اپنے وطن کی خود غرضانہ زیادتی کی مخالفت کرتا رہا۔ یہ ملِسیاس کا بیٹا توسی دیدیس تھا جس کی حجت یہ تھی کہ وہ رقوم جو حلیفوں سے لی جاتی ہیں صرف ایران سے مدافعت کے کاموں میں صرف ہونی چاہئیں

کیونکہ یہی اُن کی اصلی غرض ہے اور ایتھنز کو کوئی حق نہیں کہ وہ اس روپے کو کسی اور کام میں لگائے۔ یہ سخت نا انصافی ہے کہ بیوشیہ پر فوج کشی اہل ایتھنز کریں یا مندر تو، ایتھنز میں تعمیر کیا جائے اور اُس کے مصارف کا بار اتحادیوں کے مشترکہ خزانے پر پڑے"۔ **توسی دیدیس** کا یہ کہنا سراسر انصاف پر مبنی تھا۔ لیکن کسی قوم کے سیاسی اقتدار حاصل کرتے وقت، انصاف کو کبھی دخل نہیں ہوتا۔ اور پری کلیس کو دھن لگی ہوئی تھی کہ جس طرح ممکن ہو اپنے وطن کو مقتدر بنا دے۔

اس غرض کے لئے اُس نے جو تدبیریں نکالی تھیں اُن میں سب سے زیادہ نتیجہ خیز یہ طریقہ ثابت ہوا کہ ایتھنز کے شہریوں کو حسبِ ضرورت باہر لے جاکے بسا دیا جائے۔ ان نو آبادیوں سے فائدہ یہ تھا کہ وہ محکوم علاقوں میں مقامی سپاہ کا کام دیتی تھیں اور دوسرے اِس طرح شہر کی زاید آبادی کے واسطے حصول معاش کی ایک صورت نکل آتی تھی۔ اِس قسم کی پہلی "کلروکی" (یعنے نو آبادی) **خرسونیس** علاقۂ تھریس میں قایم ہوئی اور اِس کے قیام کا انتظام پری کلیس نے بہ ذات خود کیا تھا۔ پہلے اِس علاقے کے حلیف شہروں سے زمین خرید لی گئی اور اس میں ایتھنز کے زیادہ تر مفلس اور بے کار باشندے ایک ہزار کی تعداد میں لا کے بسا دیئے اور مختلف شہروں کی زمینوں میں سے اُن کو قطعات دے دیئے گئے۔ قیمتِ زمین کے ادا کرنے کی صورت یہ تھی کہ اُس سالانہ خراج میں جو یہ شہر، ایتھنز کو ادا کرتے تھے، تا ادائے قیمت، کمی کر دی گئی۔

ایتھنز میں یہ طریقہ عام طور پر لوگوں کو پسند آیا کیونکہ ہزاروں بے کار باشندوں کو جن کی بازاروں میں بھیڑ لگی رہتی تھی، معاش کا وسیلہ مل گیا؛ لیکن اتحادیوں کو جن کی زمینوں میں یہ بستیاں بسائی گئیں یہ طریقہ اسی مناسبت سے ناپسند تھا۔

اس میں کلام نہیں کہ پری کلیس کی اس اقتدار پسندی میں بھی نظر بہت وسیع تھی۔ وہ ایتھنز کو سارے یونان کی ملکہ بنا دینا چاہتا تھا۔ وہ ایتھنز کو برو بحر پر مسلّط کر دینے کی فکر میں تھا اور اُس کی خواہش تھی کہ اُن ریاستوں میں بھی ایتھنز کا رعب مانا جائے جنھیں محکوم کرنا نا عاقبت اندیشی اور غالباً امکان سے باہر تھا۔ کرونیہ کی شکست اور پھر بیوشیہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ایتھنز نے تمام یونان میں جو اعلان شایع کیا، خود اُس سے ظاہر تھا کہ اُسے سارے یونانیوں پر اپنا سکّہ جمانے کی آرزو ہے۔ اُس نے تمام یونانی ریاستوں کو ایک متحدہ مجلس میں ایتھنز آنے کی دعوت دی تھی کہ بعض مشترکہ معاملات پر مل کر غور و بحث کی جائے۔ جن مندروں کو ایرانیوں نے جلا ڈالا تھا اُن کی از سرِ نو تعمیر، اس بلائے عظیم سے نجات ملنے پر دیوتاؤں کی ضروری نذر و نیاز، اور یونانی سمندروں کو بحری قزاّقوں سے پاک کرنے کی مشترکہ سعی، یہ وہ کام تھے جنھیں ایتھنز تمام یونان کی غور و بحث کے لئے پیش کرنا چاہتا تھا۔ اور بے شبہ اگر مجلس کی تجویز عمل میں آجاتی تو تمام یونان کی ایک ایسی ہمہ گیر "ام فک تیونی" (یعنے دینی مجلسِ ہمسایگاں) کا افتتاح ہو جاتا جس کا مرکز ایتھنز ہوتا۔ غرض تجویز نہایت شاندار تھی لیکن اسکا چل جانا

غیر ممکن تھا۔ اسپارٹہ سے یہ امید کبھی نہ ہو سکتی تھی کہ وہ ایسی تجویز کا ساتھ دے گا جو کیسی ہی بلند خیالی اور خوش اعتقادی پر مبنی ہو یہ پہلو ضرور رکھتی تھی کہ اُس کی آڑ میں ایتھنز کو اپنی ہوس جاہ اور زیادہ ستانی کے نئے نئے حیلے نکالنے کا موقع مل جائے؛ چنانچہ ایتھنز کے فرستادوں کو پلوپنی سس والوں نے جھڑک دیا اور وہ تجویز رہ گئی؛

(۶) مندروں کی ازسرِ نو تعمیر

اب ایتھنز کے لئے یہی رہ گیا کہ جہاں تک خود اُس سے تعلّق تھا، اُن تجاویز کو جیز عمل میں لائے۔ یہ اہل شہر کا مذہبی فرض تھا کہ ایرانی ملیچھوں کے ہاتھ سے جو نقصان مذہبی عمارتوں کو پہنچا تھا اسکی مرمت کریں اور ان دشمنانِ ملک کی ہزیمت پر خدا کا ایسا شکریہ بجالائیں جو اس موقع کے شایاں ہو؛ اور پری کلیس کی بلند نظری سب سے زیادہ اسی بات میں ظاہر ہوئی کہ وہ اس دینی فرض کو ایک عالیشان پیمانے پر انجام دینے کی قدر جانتا تھا اور خوب سمجھتا تھا کہ شہر کا اپنے دیوتاؤں کے مساکن کی شان بڑھانا، خود اپنی شان بڑھانا ہے۔ نیز یہ کہ اُس کے جاہ و جلال اور بلند حوصلوں کے اظہار کی سب سے معقول صورت یہی ہو سکتی ہے کہ خوب صورت مندر و معابد تعمیر کئے جائیں؛

ان یادگاروں میں، جنھوں نے بیس برس کے عرصے میں اکروپولس کی صورت بدل دی، سب سے پہلی چیز ایتھنہ دیوی کی ایک بہت بڑی برنجی مورت تھی۔ خود اس دیوی کے نام کی پہاڑی پر

اس مورت کو اس طرح نصب کیا تھا کہ اُس کا مُنہ جنوب مغرب کی طرف تھا اور اس کے خَود اور نیزے کی سِنان بہت دور سمندر سے دھوپ میں چمکتی نظر آتی تھی۔ اس دیوی کے نئے استھان کی (جو تھمس طاکلیس کے زمانے میں بننا شروع ہوا تھا) اسی پہلے موقع اور انہی آثار پہ تعمیر جاری ہوئی۔ لیکن عمارت کا نقشہ اکتی نوس جیسے ہنرمند معمار نے تیار کیا تھا۔ عمارت میں باہر سے پاروسی پتھر لانے کی بجائے، خود آیٹی کائی سنگ مرمر پن تلی کوس کی کانوں سے نکلوا کے لگایا گیا تھا۔ مندر کی پوری وضع ڈُوریانی تھی اور بعد میں یہ پارتھناں کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ اس کے اندر دو کمرے تھے جن کے درمیان کوئی راستہ نہ تھا۔ مشرقی کمرہ جس میں برآمدے سے داخل ہوتے تھے۔ اصل مندر تھا۔ یعنے یہاں دیوی کا بُت تھا۔ اس کمرے کا طول سو فیٹ کے قریب ہوگا۔ اور اسی لئے اس کا سرکاری نام "ہکاتم پڈوس" (یعنی سو فٹا) تھا۔ کمرے میں دیوی کا دیو قامت بُت زریں لباس پہنے شاہانہ شان کے ساتھ کھڑا تھا اُس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ، سر پہ خود دائیں ہاتھ میں سونے کی تصویر نصرت[1] و کامرانی اور بایاں اپنی ڈھال پہ ٹِکا ہوا تھا۔ اور اُس کا پیر یعنے ارِک تونیوس نامی سانپ کنڈلی مارے قدموں میں پڑا تھا۔ واضح ہو کہ یہ بُت چوبی تھا جس کے اوپر سونا اور ہاتھی دانت جڑ دیا گیا تھا اس طرح کہ جہاں جسم کھلا ہوا تھا وہاں ہاتھی دانت لگایا تھا اور

---

[1] یہ بھی ایک قدیم یونانی دیوی تھی ۔ مترجم

جہاں لباس دکھانا منظور تھا، وہاں سونا۔ اسی لئے اُسے "کری سل فن تین" (یعنے زرو عاج آمیز) کہتے تھے۔ یہ ایتھنز کے نامی بُت تراش فیدیاس (پسر کار میدیس) کی کاریگری تھی جو اپنے فن کا بڑا مجتہد گزرا ہے ؛

ایک بڑے مندر کی تکمیل و آرایش کے لئے اور جس قدر نقش و نگار کی ضرورت ہوتی ہے، ان کا کام بھی اسی فیدیاس کے سپرد کیا گیا تھا۔ چنانچہ دونوں پیل پایوں اور ستونوں کے درمیان دیوار کے حاشئے پر اپنی خدا داد ہنرمندی اور کمال کی جو یادگاریں اُسنے چھوڑیں وہ اہل دنیا کے لئے قابل زیارت ہیں؛ مشرقی ڈیوڑھی کے مثلث پر ایتھنہ کی پیدایش کا سماں دکھایا تھا کہ وہ یک بہ یک زیئس دیوتا کے سر سے نمودار ہوتی ہے ایک طرف چاند ڈوب رہا ہے اور دوسری طرف سورج نکل رہا ہے۔ اور آسمان کا ہرکارا یعنی دھنک چلی ہے کہ ایک سرے سے دوسرے تک سارے عالم کو یہ مژدۂ جانفزا پہنچا دے ؛ مغربی سرے پر جو پیل پایہ تھا اُس پر دیوی کی زندگی کا وہ واقعہ دکھایا گیا تھا جس کا ایٹی کا سے خاص تعلّق ہے۔ یعنی اپنے حریف پوسی ڈن پر اس کی فتح، اور اکرو پولس کے اوپر اس مقابلے میں (کہ اس سرزمین کا مالک کون ہو) اُس کے جادو سے یک بہ یک زیتُون کا زمین سے پھوٹنا جس کے آگے اس کے حریف کو ہار ماننی پڑی۔ مندر کے گردا گرد جو حیرت انگیز حاشیہ بنایا گیا تھا اُس پر ایتھنہ ماتا کے سب سے مقدّس تہوار کی تصویر تھی۔ ہر چوتھے سال اہل ایتھنز اس دیوی کا بہت بڑا تہوار مناتے تھے جس میں جلُوس بنا کے مندر تک جاتے اور ایک نئی قبا چڑھاتے تھے

اسی جلوس کا مغربی رُخ سے چلنا اور ایک ساتھ شمالی اور جنوبی پہلو سے بڑھکر مشرقی دروازے پر آ ملنا، **پارتھنان** کے بالائی حاشئے پر ہو بہو دکھا دیا تھا؛ ستونوں کے باہر باہر پھر کر دیکھنے والے کو اپنے سر کے اوپر ایتھنز کے بانکے جوان گھوڑوں پر سوار کہیں رتھوں میں کہیں پیادہ یا اہل شہر، مطربوں کے غول، قربانی کی گائیں بکریاں، متین شریف زادیاں ہاتھوں میں متبرک ظروف لئے، اور آگے آگے شہر کے نو آرکن، غرض پوری برات **ایتھنہ** کی اُس درگاہ کی طرف جاتی، دکھائی دیتی تھی، جہاں ماتا آج کے دن سکّانِ فلک کی مہمانی کرتی تھی - چنانچہ یہ آسمانی کار فرما بھی تختِ شاہانہ پر جلوہ نما تھے - اور ایتھنہ کے ایک جانب زیئس کی تصویر تھی، دوسری طرف **ہفیس توس** بیٹھا تھا - دیوی کے قریب ہی ایک پجاری کے ہاتھ میں اس کا برقعہ تھا؛ اس حاشئے کا مغربی رُخ ابھی تک اپنی جگہ پر سلامت ہے - باقی وہاں موجود نہیں اور اس کا بڑا حصہ جزیرۂ برطانیہ میں پہنچ گیا؛

ان میں اور دوسری پر شکوہ عمارات کی تیاری میں بہت کچھ روپیہ صرف ہوا تھا جس پر پری کلیس کے حریفان سیاسی کو حرف گیری کا نہایت عمدہ موقع ملا؛ **توسی ڈیڈیس** الزام دیتا تھا کہ وہ نہ صرف ریاست کا سرمایہ جو اغراضِ جنگ کے لئے محفوظ رکھنا چاہئے تھا، بے دریغ برباد کر رہا ہے بلکہ حلیفوں کا جمع کردہ روپیہ بھی بالکل غاصبانہ طریق پر خالص ایتھنز کے کاموں میں خرچ کر رہا ہے؛ اور حقیقت میں کچھ نہ کچھ رقم اس مشترکہ بیت المال سے

ضرور عمارتوں کے واسطے لی گئی تھی لیکن وہ کل مصارف کا ایک قلیل حصہ تھی ورنہ باقی تمام روپیہ ایتھنہ کے مندر اور ایتھنز کے سرکاری خزانے کا لگایا گیا تھا۔ بایں ہمہ پریکلیس محض چرب زبانی سے یہہ حجت پیش کرتا تھا کہ جب تک ایتھنز اتحادیوں کی مدافعت کا فرض بہ خوبی انجام دے رہا ہے، انہیں اپنے روپے کے متعلق کسی شکایت کا حق نہیں۔ اسی طرح اُن میں کچھ عرصے تک ہنگامہ آرائی ہوتی رہی آخر سی سالہ صلح نامے کے تیسرے سال توسی دیدیس نے ٹھیکروں پر جمہور کا فتوےٰ مانگا۔ لیکن لوگوں نے خود اسی کے خلاف رائے دی اور اس کے خارج البلد ہونے کے بعد (۴۴۲ ق م) پریکلیس کا کوئی بھی با اثر مخالف نہ رہا جو آیندہ اس کی حکمت عملی میں خلل انداز یا راستے میں حایل ہوتا۔

جب پریکلیس اپنے محبوب وطن کو سارے یونان کا فرمانروا نہ بنا سکا تو اس کی آرزو یہ تھی کہ اُسے یونان کا استاد منوادے اور فنونِ لطیفہ کے میدان میں ایتھنز نے جو کام کئے، اُن سے ایک حد تک اُس کا یہ ارمان پورا ہوگیا۔ جس وقت فیدیاس نے ایتھنہ کی عظیم الشان مورت "زر و عاج" سے تیار کرلی اور اُسے نئے مندر میں لا کے نصب کردیا تو اُسے الیس کے لوگوں نے بلا بھیجا کہ اولمپیہ کے مندر کے واسطے زئیس دیوتا کی مورت بنائے چنانچہ مسلسل پانچ سال تک یہ ایتھنز کا باکمال اس زر و عاج آمیز، بھاری بت کے تراشنے میں مصروف رہا اور غالباً

اس عظیم الجثہ تصویر کے ہم پلّہ کوئی شے یونان کے فنِ بت تراشی نے کبھی نہیں پیدا کی۔ یہ خُدائے "ہمہ یونان" بہت اونچے تخت پر قبائے پُرزر پہنے بیٹھا تھا اور اس کے دائیں ہاتھ میں **نصرت و کامرانی** تھی اور بائیں میں عصائے شاہی۔ اور اس کی داڑھی کے ساتھ بالوں میں زیتون کی ایک شاخ گندھی ہوئی تھی۔ اس بات کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں کہ زمین پر اس دیوتا کی پُر وقار صورت دیکھکر دیکھنے والے کے دل پر کیا کیفیت گزرتی تھی۔ ایک شخص کا قول ہے کہ کیسا ہی رنجور و پژمردہ شخص، جسے مصائب و آلام نے کبھی چین کی نیند نہ سونے دیا ہو، ایک مرتبہ اِس مورت کے سامنے آکھڑا ہو، مَیں تو سمجھتا ہوں کہ انسانی زندگی کے سارے دُکھ اور اور خطرے اس کے دل سے محو ہو جایں گے!

الوہیّت کے متعلق یونان کا جو بلند سے بلند تصوّر تھا، یہ مورتیں اس کا جسمانی مظہر تھیں اور یونانی مذہب کے دو بڑے مرکزوں میں انہیں ایک ایتھنزؔ، باکمال ہی کی صنّاعی نے تکمیل کو پہنچایا تھا۔

۷۔ پی رئیوس ایتھنز کا تجارتی اصول عمل

اب پی رئیوس کا یونان کی بڑی بندرگاہوں میں شمار ہونے لگا تھا اور اس کے جنگی استحکامات میں ایک اور فصیل بنا کے اضافہ کیا گیا تھا جو شمالی فصیل کے متوازی اور برابر سے گذرتی تھی۔ فالرَن کی جنوبی فصیل کی اب کوئی مرمت نہ کرتا تھا اور وہ گرگئی تھی۔ مگر دوسری تینوں بندرگاہوں کے اردگرد جہازرانی کی سہولت کے

واسطے، نئی نئی گودیاں، مال خانے اور مختلف عمارتیں بنا دی گئی تھیں۔
شہر ایتھنز اور اس کی بندرگاہ کی آبادی برابر بڑھ رہی تھی۔ اور
اس زمانے میں ایٹی کا کی کل آبادی کم و بیش ڈھائی لاکھ (یعنے ریاست
کورنتھ کی آبادی سے دُگنی) تھی لیکن اس میں نصف کے قریب غلام تھے۔
مغرب میں ایٹی کا کی شہرت اور تجارت کو فروغ تھا۔ صقالیہ کے
یونانی شہروں نے اُسی کے سکّے کا معیار اپنے ہاں رائج کر دیا تھا۔ شہر
روما سے قوانینِ سولن کی نقل لینے ایلچی وہاں آتے تھے۔ لیکن ایتھنز
کی اصلی اغراض مشرق ہی سے وابستہ تھیں۔ خاص کر بحیرۂ افشین کی
بندرگاہوں سے، جہاں سے ایٹی کا کو غلہ دساور آتا تھا۔ ان علاقوں میں
جہاں کوئی فتنہ و فساد ہوا، اناج کی قیمت پر اُس کا اثر پڑتا تھا اور اسلئے
یہ نہایت ضروری تھا کہ ادھر کا تجارتی راستہ ایتھنز کے زیر اقتدار رہے۔
علاقۂ خرسونیس میں اُس کے مقبوضات جنھیں پری کلیس نے اور مستحکم
کر دیا تھا، آبنائے دردانیال کے پاسبان تھے۔ باسفورس پر اُس کے
حلیف، بای زنطہ اور چالکِدن کا قبضہ تھا۔ اور بحیرۂ افشین (یا آسود)
میں خود پری کلیس بڑے رعب داب کے ساتھ ایک بحری دستہ لے کے
گیا تھا کہ اُن علاقوں کے غیر یونانی باشندوں پر ایتھنز کی سطوت کا
نقش بٹھا دے:

اسی زمانے میں تھریس (تراقیہ) کے قبیلے ایک طاقتور بادشاہ
تریس اور اوس کے بیٹے سی تال کیس کے ماتحت باہم متحد ہو گئے
تھے (غالباً ۴۴۰ق م)۔ اور اس نوخیز قوّت پر نظر رکھنا، ایتھنز
کے لئے ضروری تھا۔ ستری مَن کے دہانے پر پہلے سے ایک با موقع

بندرگاہ یعنے قلعہ اِیٔون اہل ایتھنز کے قبضے میں تھی اور اسی کے قریب وہ پُل تھا جس پر سے تھریس و مقدونیہ کے مابین تمام اسبابِ تجارت نیز ہمسایہ معادن کا سونا ڈھل ڈھل کے آتا تھا۔ اب اسی پُل پر لب دریا ایک اور شہر کی بنیاد رکھی گئی (۴۳۶ ق م) جو امفی پولس کے نام سے موسوم، اور بہت جلد ساحل کا سب سے ممتاز شہر ہو گیا۔

۸ - ساموس کا انحراف

تو سی دیدیس کی جلاوطنی کے بعد قریب قریب پندرہ سال تک پری کلیس شاہانہ مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ لیکن اصلی فرمانروا، یعنے جمہور، پر اس کا اقتدار محض اخلاقی تھا۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ جس چیز کو وہ بہتر سمجھتا تھا اس پر جمہور کو رضامند کر لینے کی اِس میں قدرت تھی اور انہیں کی کثرت رائے سے وہ (اپنے حریف کے اخراج کے بعد) پندرہ سال تک متواتر سپہ سالار منتخب ہوتا رہا۔ اور گو دسوں سپہ سالاروں میں سے ہر ایک کے اختیارات رسمی طور پر یکساں تھے لیکن دراصل جس کے پاس سیاسی اقتدار تھا وہی ان دسوں کا بھی سردار تھا اور معاملاتِ خارجہ اسی کی منشا کے مطابق سرانجام پاتے تھے؛ بایں ہمہ پری کلیس خود مختار نہ تھا۔ بلکہ ہر سال تمام پر لوگ چاہتے تو اُسے دوبارہ منتخب نہ کرتے اور جو کچھ اُس نے کیا ہو، اس کے متعلق بازپرس کر سکتے تھے؛ گویا ایک مرتبہ بلا شرکتِ غیرے حکومت مل گئی تو پھر اس کو پری کلیس نے محض اپنی فصاحت و دانائی کے بل پر قائم رکھا تھا۔ اور گو مطلق العنانی کی خواہش اُس کی طبیعت میں داخل تھی لیکن وہ نہایت سلیم الفطرت تھا اور اس بات کی بہ خوبی حس رکھتا تھا کہ ایسی ذلیل رعایا پہ راج کرنے کی نسبت، جو اس کے ہر

اشارے پر دوڑ پڑے، کسی گروہِ احرار کا (جنھیں ہر قدم پر تقریر سے قایل کرنا پڑے) سر گروہ ہوتا، کہیں بڑی اور کہیں زیادہ قابلِ تعریف بات ہے۔
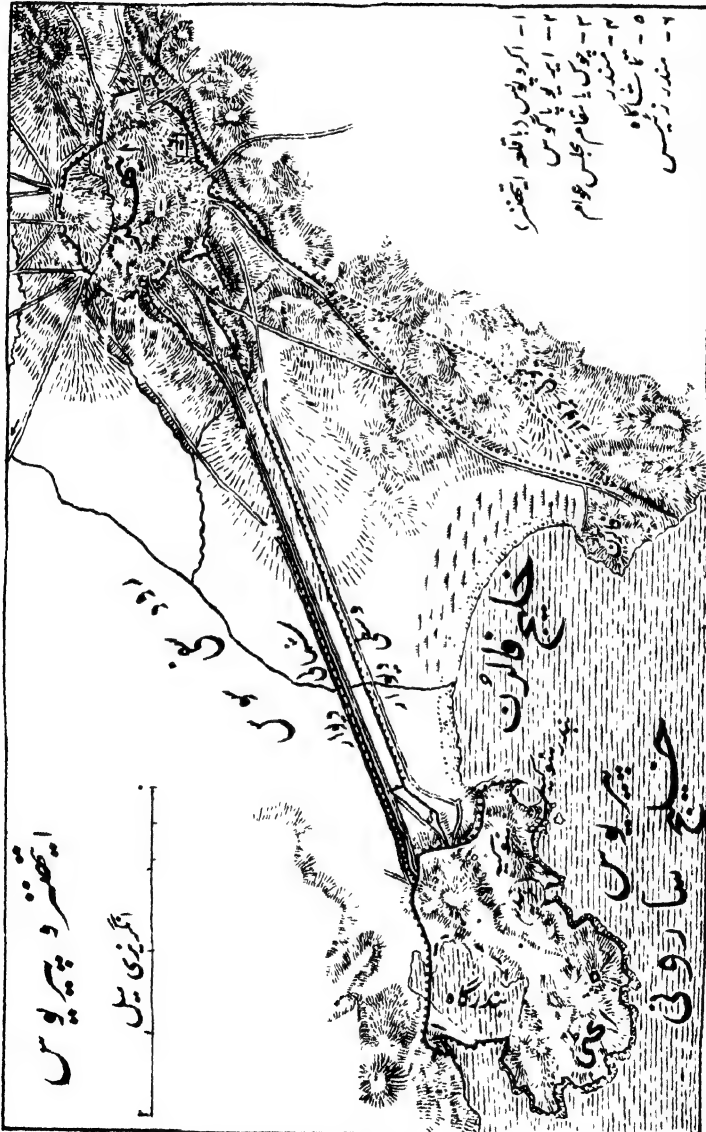
سی سالہ معاہدے کے پانچ سال بعد اُسے اپنی سپہ سالاری کے جوہر دکھانے کا موقع پیش آیا۔ ایتھنز کی جزیرۂ ساموس کے ساتھ جنگ چھڑ گئی تھی اور یہ ریاست اتحاد کے قوی ترین ارکان میں تھی۔ دراصل ساموس اور ایک دوسرے اتحادی ملطہ میں پرائنی کے قبضے کے متعلق نزاع تھی، ایتھنز نے ملطہ کے حق میں فیصلہ دیا اور یہی جنگ کا سبب ہوگیا۔ پری کلیس چوالیس جنگی جہازوں کا بیڑا لے کے ساموس گیا اور وہاں کی حکومتِ اُمرا کو توڑ کے جمہوری نظامِ حکومت قائم کیا اور اس کی حفاظت کے لئے فوج کا دستہ متعین کر آیا۔ لیکن وہاں کے امرا جو جزیرے کے اندرونی حصے میں بھاگ گئے تھے ایک رات واپس آئے اور متعینہ سپاہ کو پکڑ لیا۔ اسی زمانے میں ایتھنز کو ایک دوسرا نقصان یہ پہنچا کہ شہر بائی زنطہ اُس سے منحرف ہوگیا۔ بہر حال، پری کلیس بہ عجلت ساموس گیا اور ایک بڑے بیڑے سے جزیرے کا محاصرہ کرلیا۔ نو مہینے کے خاتمے پر شہر والوں نے ہتھیار رکھ دیئے (۴۳۹ ق م)۔ اور اپنی فصیلیں گرانے اور جہازوں کے حوالہ کر دینے کا اقرار کیا۔ نیز تاوانِ جنگ دینا پڑا جس کی مقدار کم و بیش ۱۵ سو ٹیلنٹ تھی۔ اس کے بعد بائی زنطہ بھی دوبارہ اتحاد میں آملا۔

۹۔ اعلیٰ تعلیم۔ سوفسطائی گروہ

نسطور و اُڈیسئس کے زمانے سے یونان میں دل پذیر تقریر و گویائی کی قدر تھی۔ جمہوری حکومتوں کو فروغ ہوا تو یہ فن اور بھی دقیع ہوگیا۔

دوسرے اگر کسی شخص کو اُس کے دشمن عدالت میں کھینچ بلائیں، اور وہ تقریر کرنی نہ جانتا ہو، تو وہاں اُس کی حالت ایسی ہو جاتی تھی جیسے کسی غریب منشی منش پر مسلح سپاہیوں نے حملہ کردیا ؛ مختصر یہ کہ اپنے خیالات کو ایسے دل نشین الفاظ میں ادا کرنا کہ سامعین پر اثر پڑے، قابلِ تعلیم و تعلّم فن بن گیا تھا۔ اور اسکی طلب پیدا ہوئی تو سکھانے والے بھی پیدا ہو گئے جو مقام بہ مقام فنِ خطابت و استدلال کی عام تعلیم دیتے پھرتے تھے۔ اور کوئی مضمون ایسا نہ تھا جس کے متعلق وہ اپنی ہمہ گیر معلومات کے بَل پر تقریر نہ کر سکتے ہوں۔ وہ لوگوں سے اپنے درس کا معاوضہ لے لیتے تھے اور "سوفسطائی" کہلاتے تھے جس کا بہترین مُرادف انگریزی میں لفظ "پروفیسر" (یعنے بیان کرنے والا) ہے ؛ لیکن سوفسطائی کے لفظ میں آگے چل کر ذم کا ایک خفیف پہلو آگیا تھا۔ اور اس کا سبب ایک حد تک وہ بدظنی تھی جو عوام الناس کے دل میں زیادہ پڑھنے والوں کی طرف سے پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اِس بدظنی کے یہ معنے نہیں کہ لوگ انہیں محض جعل ساز جانتے تھے جو جان بوجھ کر جُل دیتے یا بلا ذاتی یقین کے مصنوعی دلائل سے لوگوں کو قائل کرتے پھرتے ہوں۔

سوفسطائیوں نے محض درس دینے پر قناعت نہ کی بلکہ بہت کچھ تحریر بھی کیا۔ وقتاً فوقتاً جو مباحث پیش آئے اُن پر بحث اور سیاسی معاملات پر ردّ و قدح کر کے اپنے خیالات لوگوں کے دل نشین کئے۔ لیکن سب سے نامور سوفسطائیوں کا میدان، درس و صحافت سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ انہوں نے نہ صرف بعض خیالات کو دلنشین کیا

بلکہ بہت سے نئے خیالات کی نشر و اشاعت کی اور علم انسانی میں اضافہ کر کے دنیا کو مالا مال کیا۔ وہ بلا استثنےٰ سب کے سب "معقولی" اور روشن خیالی پھیلانے والے تھے۔ لیکن اُن کے خیالات و عقائد میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ چنانچہ لیَون تینی کا باشندہ گرگیاس، آبؔ ورا کا پروتاگوراس، کیؔوس کا پرودی کوس، الیؔس کا ہیپیاس، ایتھنز کا حکیم سقراط یہ سب ذاتی خصائص اور خیالات کے اعتبار سے باہم بالکل مختلف اور ایک دوسرے سے الگ تھے؎

باب دہم
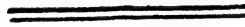
محاربہ اتھنز و پلوپنی سس

(۴۳۱ ؁ تا ۴۲۱ ؁ ق م)

۱۔ جنگ کا پیش خیمہ

"جنگ پلوپنی سس" جن اسباب کا نتیجہ تھی وہ کرکایرا اور پٹی دیہ، یعنی کورنتھ کی دو نوآبادیوں سے تعلق رکھتے ہیں :۔

(۱) کرکایرا کی نوآبادی اپی دامنوس میں سیاسی کشمکش کا ہنگامہ بپا ہوا۔ پھر وہاں کے خارج شدہ اُمرا اور اُن کے غیر یونانی حلیفوں نے شہر والوں کو اس قدر ستانا شروع کیا کہ انہوں نے عاجز آکر اپنے وطنِ آبا ی سے مدد کی درخواست کی ؛ کرکایرا نے جواب دیدیا۔ اپی دامنوس نے کورنتھ کا سہارا ڈھونڈا اور کورنتھ والوں نے مدد کے لئے سپاہی اور بسنے کے لئے کچھ آبادکار بھیجے۔ اہل کرکایرا نے مطالبہ کیا کہ انہیں نکال دیا جائے اور جب اپی دامنوس کے لوگوں نے انکار کیا تو اُن کا محاصرہ کر لیا۔ اس پر کورنتھ نے ۷۵ جہاز اور ۲ ہزار ہپ لیت (پیادہ سپاہی) کرکایرا کے مقابلے میں روانہ کئے ؛ کرکایرا کے طاقتور جنگی بیڑے میں ۱۲۰ جہاز تھے جن میں سے ۴۰ اپی دامنوس کی ناکہ بندی میں لگے ہوئے تھے لیکن باقی

۸۰ جہازوں سے انہوں نے خلیج امبراکیہ کے باہر کورنتھ والوں پر کامل فتح حاصل کی اور اسی روز ایپی دامنوس نے بھی اطاعت قبول کرلی ہے (۴۳۵ ق م)

لیکن اب کورنتھ نے اپنی منحرف اور قوی نو آبادی کے مقابلے میں ایک زبردست حملے کی تیاریاں شروع کیں اور جب اہل کرکایرا کو اُن جہازوں اور بیڑوں کی خبریں ملیں جو کورنتھ خود بنا رہا تھا یا کرائے پر لے رہا تھا، تو وہ نہایت سراسیمہ ہوئے کیونکہ اُن کا کوئی حلیف نہ تھا۔ لہٰذا اس موقع پر اُنہیں بالطبع ایتھنز سے راہ و رسم نکالنے کا خیال آیا اور انہوں نے ایتھنز کے ساتھ اتحاد کرنے کی ٹھان لی۔ کورنتھ والوں کو جب یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے اس کام میں رخنہ ڈالنا چاہا اور ان دونوں شہروں کے سفیر ساتھ ہی ساتھ ایتھنز کی مجلس کے روبرو پیش ہوئے۔ ان سفیروں کی زبانی جو تقریریں مورخ توسی ڈائی ڈیز (طوسی دیدش)، نے نقل کی ہیں اُن سے صورت حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے اور بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ایتھنز کا فیصلہ خود اپنے لئے کس قدر اہمیت رکھتا تھا۔ کیونکہ کرکایرا کے سفیر مجوزہ اتحاد کے حق میں جو خاص دلیل پیش کرتے تھے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک پلوپنی سس کے ساتھ ایتھنز کی لڑائی ہونی، مسلّم تھی۔ چنانچہ انہوں نے ایتھنز والوں سے کہا کہ "لکدمونیوں کو تمہاری ترقی دولت کا خوف ہے اور وہ لڑنے پر تُلے بیٹھے ہیں اور اُن کے مزاج میں سب سے زیادہ دخل کورنتھ والوں کو حاصل ہے جو تمہارے دشمن ہیں..... اگر تم خاموش دیکھتے

رہے اور کورنتھ نے ہمارا بیڑا چھین لیا تو پھر تمھیں پلوپنی سس اور کرکایرا دو دو طاقتوں کے متحدہ بیڑے سے جنگ کرنی ہوگی۔ حالانکہ اگر ہم سے تم نے اتحاد کرلیا تو ہمارے جنگی جہازوں کا تمھارے بیڑے میں اضافہ ہوجائے گا"۔

اُدھر کورنتھ کے سفیروں کی سب سے قوی حجّت یہ تھی کہ اگر ایتھنز نے کرکایرا کے ساتھ اتحاد کرلیا تو یہ کارروائی خواہ فی نفسہ سی سالہ معاہدہ صلح کے منافی نہ ہو، لیکن اُس کی خلاف ورزی کا سبب ضرور بن جائے گی۔

آخر دو مباحثوں کے بعد، مجلس نے کرکایرا کے ساتھ محض دفاعی معاہدۂ اتحاد کرنا منظور کرلیا کہ جس صورت میں خود کرکایرا پر کوئی حملہ ہو تو ایتھنز اُسے جنگی امداد دیگا۔ اِس طریقے سے اُس نے گویا سی سالہ معاہدہ صلح کی براہ راست خلاف ورزی کا پہلو بچایا اور دس جنگی جہاز اِس حکم کے ساتھ کرکایرا روانہ کئے کہ جب تک خاص کرکایرا یا اُس کے مقبوضات پر حملہ نہ ہو، وہ کسی لڑائی میں حصّہ نہ لیں۔(۴۳۲ ق م)۔چنانچہ جب سی بوتا نامی ٹاپو کے قریب ایک قیامت خیز معرکہ ہوا اور کورنتھ کی دو سال کی سعی و محنت کا نتیجہ، یعنی ۱۵۰ جہاز کرکایرا کے ۱۱۰ کے مقابلے میں صف آرا ہوئے تو اوّل اوّل ایتھنزی جہاز بالکل الگ کھڑے رہے۔ لیکن جب کرکایرا کا دایاں بازو بالکل دب گیا تو اُسے کامل ہزیمت سے بچانے کے واسطے ایتھنز کے جہاز بھی شریک ہوگئے۔ اور جب شام کے وقت ایتھنز کے بیس تازہ جہاز یکایک اُفق کی جانب سے نمودار ہوئے

تو انہیں دیکھکر کورنتھ کا بیڑا پسپا ہوا اور دوسرے دن بھی اُس نے مقابلہ کرنے سے گریز کیا ؛

(۲) کورنتھ سے فساد ہونے کے باعث اب ایتھنز مجبور تھا کہ جزیرہ نمائے کالسی ڈیس میں بھی اپنے حقوق کا تحفظ کرے۔ کیونکہ یہاں کا شہر پُتی دیہ جو خاکنائے پالنی پر آباد اور اُس کا پاسبان تھا، ایک طرف تو ایتھنز کا باج گزار حلیف تھا اور دوسری طرف وہاں کے حکام ہر سال وطن آبائی یعنے کورنتھ سے مقرر ہوکر آتے تھے ؛ پس جنگ سی بوتا کے تھوڑے ہی دن بعد ایتھنز نے چاہا کہ اس شہر کی جنوبی فصیل منہدم کرادی جائے کیونکہ اِدھر اہل مقدونیہ کی حملہ آوری کا خطرہ نہ تھا۔ اور دوسرے یہ کہ اہل پتی دیہ کورنتھ سے ہر سال حکام بلانے کا طریقہ بھی ترک کردیں ؛ اہل پُتی دیہ نے دونوں باتوں سے انکار کیا۔ انہیں اہل اسپارٹہ کی مدد کا بھروسہ تھا، جنھوں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر ایتھنز نے پُتی دیہ پر حملہ کیا تو ہم خاص ایٹی کا پر یورش کریں گے ؛ ادھر پردکاس شاہ مقدونیہ نے ایک اور خلفشار یہ پیدا کردیا کہ تمام کالسی ڈیس میں ایتھنز کے خلاف بغاوت کرادی بلکہ باشندوں کو یہاں تک اغوا کیا کہ وہ اپنے ساحلی شہر خود برباد کردیں اور اندرونی علاقے کے مستحکم شہر اولن تھس میں مجتمع ہو جائیں ؛ غرض یہ کہ خود پتی دیہ کی سرکشی اب اُس عام تحریک کا محض ایک جزو رہ گئی جو اس تمام علاقے میں ایتھنز کے خلاف پیدا ہو گئی تھی ؛

اہل ایتھنز پُتی دیہ پر بڑھے ، اور کورنتھی سپہ سالار اریس تیوس پر غالب آئے، جو پلوپنی سس کی کچھ فوج لے کے یہاں آپہنچا تھا۔

(۴۳۲ ق م)، پھر انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا؛ اس وقت تک لڑائی میں صرف کورنتھ نے حصہ لیا تھا لیکن پتی دیہ کی نازک حالت دیکھکر اب انہوں نے لکدمونیوں کو اشتعال دلایا کہ ایتھنز کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیں۔

پرِی کلیس نے جان لیا تھا کہ اب لڑائی نہ ٹلے گی، لہذا اُس نے فوراً یہ کارروائی کی کہ ایتھنز میں تحریک کرکے اہل مگارا کو اپنی سلطنت کی تمام منڈیوں اور بندرگاہوں سے خارج قرار دیا (۴۳۲ ق م) کیونکہ اس ریاست نے سی بوتا کی لڑائی میں کورنتھ کا ہاتھ بٹایا تھا؛ ایتھنز کی یہ کارروائی مگارا کی کامل مالی تباہی کے مُرادف تھی اور ظاہر ہے کہ مگارا ریاست ہائے پلوپنی سس کا ایک ممتاز حلیف تھا۔

اب پلوپنی سس کے اتحادی اسپارٹہ میں جمع ہوے اور انہوں نے باضابطہ ایتھنز پر معاہدۂ صلح کی خلاف ورزی اور بہت سی ناجائز زیادتیوں کے الزام پیش کئے۔ لیکن واضح ہو کہ لڑائی کی اصل وجہ نہ کرکایرا کا معاملہ تھا نہ پتی دیہ کا محاصرہ اور نہ مگارا کا تجارتی اخراج۔ بے شبہ ان واقعات نے مل کر آتش جنگ کو جلد بھڑکا دیا۔ تاہم اصلی سببِ مخاصمت سلطنتِ ایتھنز کا حسد اور خوف تھا۔ اسی لئے جنگ بہر حال ناگزیر تھی۔ باقی اِس موقع پر اہل پلوپنی سس کو جو کچھ طے کرنا تھا وہ صرف یہ تھا کہ آیا اس طاقت آزمائی کا مناسب وقت یہی ہے یا نہیں؟ آرکی داموس شاہ اسپارٹہ کی صلاح تھی کہ ابھی تامل کیا جاے۔ مگر افور (اسپارٹہ کے عمال) نے جنگ کے حق میں فتوے دیا؛ غرض مجلس نے طے کیا کہ قصور ایتھنز کا ہے۔

اور یہ فیصلہ لازمی طور پر اعلانِ جنگ کا پیش خیمہ تھا۔

تُوسی ڈائی ڈیز، اس جلسے میں کورنتھ کے وکلا کی زبانی ایتھنز و اسپارٹہ کا ایک مشہور موازنہ نقل کرتا ہے: "اے لکدمونیو، تم نے کبھی غور ہی نہیں کیا کہ جن اہل ایتھنز کے ساتھ تمہیں لڑائی میں سابقہ پڑے گا وہ کیسے لوگ ہیں اور تم سے کس درجے متضاد طبیعت رکھتے ہیں۔ وہ انقلاب پسند ہیں اور تم پرانی لکیر کے فقیر ہو۔ وہ اپنی بساط سے بڑھکر دلیر ہیں اور تمہارا خاصہ یہ ہے کہ طاقت کے باوجود، کام جب کرتے ہو مردہ دلی کے ساتھ۔ وہ جو کچھ کرنا ہے فوراً کر گذرتے ہیں اور تم لیت و لعل میں رہ جاتے ہو۔ انہیں جب دیکھو وطن سے باہر ہیں اور تم ہو کہ گھر سے باہر ہی نہیں نکلتے"۔

لیکن اس موقع پر تو اہل ایتھنز نے بھی کام کرنے میں کوئی نمایاں مستعدی نہ دکھائی۔ اسپارٹہ کا مطلب دیر لگا کے فرصت نکالنا تھا؛ چنانچہ اُس نے سفارتیں بھیج کر بعض فضول فضول مطالبات پیش کئے۔ مثلاً یہ کہ دیوی کے گنہگار یعنے الکمیونی خاندان پر جو داغِ معصیت لگا ہوا ہے اُسے دور کیا جائے۔ اس میں درحقیقت پری کلیس پر چوٹ تھی کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے اسی گنہگار خاندان میں داخل تھا؛ ایتھنز نے بھی جواب میں اسی قسم کی فضول شرطیں پیش کردیں غرض یہ مصالحانہ گفت و شنید تو ختم ہوئی اور جنگ کی دھمکی کے ساتھ آخری پیام بھیجدیا گیا۔ ایتھنز میں ایک صلح پسند گروہ بھی موجود تھا مگر پری کلیس کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی اُس نے کہا "ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ لڑائی کبھی نہ کبھی ضرور ہوگی۔ پس ہم اُسے قبول

کرنے پر جس قدر پہلے آمادہ ہو جائیں گے اسی قدر ہمارے دشمنوں کو ہم پر حملے کی تیاری کا موقع کم ملے گا"۔

جنگ میں اصلی حریف اسپارٹہ اور ایتھنز تھے۔ انہی میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ یونان کی متعدد ریاستیں، اس طرح تقسیم ہو گئی تھیں کہ علاقۂ اکائیہ اور دشمنِ قدیم آرگوس کے سوا، تمام جزیرہ نمائے پلوپنی سس اسپارٹہ کے ساتھ تھا۔ خاکنائے کورنتھ پر اسی کا عمل دخل تھا کیونکہ یہاں کی دونوں ریاستیں (کورنتھ و مگارا) اس کی شریک تھیں۔ پھر، شمالی یونان میں بیوشیہ، فوکیس، لوک ریس اور مغرب میں امبراکیہ، ناک توریَن اور جزیرہ لیوکاس کے علاقے اس کے حلیف تھے۔ ادھر، مغربی یونان میں اکرنانیہ، کرکایرا، زاکن توس اور نوپاکتوس کے مسنوی باشندے، ایتھنز کی طرف تھے اور شمالی یونان میں ریاست پلاٹیہ اس کی حلیف تھی۔ اپنے پرانے اتحادیوں کے علاوہ، صرف یہی یونانی ریاستیں اس موقع پر اس کے ساتھ ہو گئی تھیں۔ اور اہل اتحاد میں اب صرف خیوس اور لس بوس کی ریاستیں خود مختار تھیں ورنہ باقی سب اس کے خراج گزار کی حیثیت سے شریک جنگ ہوئے۔ لس بوس، خیوس اور کرکایرا کے بیڑے کے علاوہ ۳۰۰ جنگی جہاز خاص ایتھنز کے تھے۔

۲۔ جنگ پر عام تبصرہ۔ توسی ڈائی ڈیز

یہ جنگ جس تک سلسلۂ واقعات نے اب ہمیں پہنچایا ہے حقیقت میں کسی قدر بڑے پیمانے پر اسی جنگ کی تجدید تھی جسے

سی سالہ معاہدۂ صلح نے بہ ظاہر ختم کر دیا تھا۔ اِس جنگ کی لڑائیوں کا سلسلہ دس سال تک جاری رہا اور **امن نامہ نکیاس** پر ختم ہوتا ہے مگر امن کے بعد پھر لڑائی چھڑ جاتی ہے، گو میدانِ رزم یونان سے ہٹ کر، **صقالیہ** میں گرم ہوتا ہے۔ اس دوسرے سلسلے کا خاتمہ، **جنگ اگوس تپامی** پر ہوا جس نے سلطنت ایتھنز کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ اس طرح کل ملا کر دیکھئے تو ایتھنز کو پچپن برس تک سلطنت کے لئے اہل پلوپنی سس سے نبرد آزمائی کرنی پڑی اور ان محاربات کی علیحدہ علیحدہ تین سلسلوں میں تقسیم ہو گئی۔ یعنی ایک تو وہ جو سی سالہ معاہدۂ صلح پر ختم ہوا (۴۶۰ سنہ تا ۴۴۵ سنہ ق م)۔ دوسرا امن نامہ نکیاس پر اور تیسرا وہ جس کا جنگِ **اگوس تپامی** نے خاتمہ کیا۔ لیکن پہلے اور دوسرے سلسلے کے درمیان تیرہ سال کا وقفہ تھا حالانکہ دوسرے اور تیسرے میں ایسا کوئی وقفہ نہیں نظر آتا یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کو جنھیں **توسی ڈای ڈیز** نے اپنی تاریخ میں ملا کے لکھا ہے، بالعموم ایک ہی سلسلہ میں داخل کر لیتے ہیں (۴۳۰ سنہ تا ۴۰۴ سنہ ق م)، اور "جنگ **پلوپنی سس**" کے مشترکہ نام سے موسوم کرتے ہیں۔

ان لڑائیوں میں یاد رکھنے کے قابل نکتہ یہ ہے کہ فریقین میں سے ایک کا دارو مدار تو برّی فوجوں پر تھا اور دوسرے کا بحری قوت پر۔ پس برّی طاقت مجبور ہے کہ اپنے بحری حریف کے صرف برّی مقبوضات پر حملے کرتی رہے۔ اور اسی طرح بحری طاقت کا ہدف بھی دشمن کے صرف ساحلی یا بحری مقامات ہو سکتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ لڑائی میں ہم ایتھنز کے بحری اور اسپارٹہ کے برّی یا اندرونی علاقوں کو

بالعموم آتش جنگ سے بچا ہوا پائیں گے۔ پلوپنی سس والے اپنی بری افواج سے خاص ایٹی کا اور یا تھریس کے علاقوں پر حملہ کرسکتے تھے چنانچہ ایٹی کا پر ہم انہیں ہر سال یورش کرتے دیکھتے ہیں اور اسی طرح تھریس میں مسلسل جنگ و قتال کا بازار گرم رہتا ہے۔ ادھر ایتھنز کی جارحانہ مساعی کا میدان ہم بیش تر مغربی یونان کو پاتے ہیں جس سے خلیج کورنتھ کے دہانے کے قریب کا اور بحیرۂ آیونیان کے جزیروں کا علاقہ مراد ہے۔ کیونکہ اپنی بحری فوقیت کی بدولت وہ انہی اطراف میں پلوپنی سس کے اتحادیوں کو توڑ سکتے تھے۔ غرض جنگ پلوپنی سس کے سب سے بڑے میدان کارزار یہی تھریس، ایٹی کا اور مغربی یونان کے سمندر ہیں جہاں متواتر معرکے ہوتے رہے

اس موقع پر پری کلیس نے وہی راہ اختیار کی جو پہلے تمس طاکلیس نے سمجھائی تھی۔ یعنے اپنی ساری کوششیں بحری قوت بڑھانے پر مجتمع کردیں۔ اس کا قول تھا "زمینیں اور گھر چھوڑ کر ہمیں ہر وقت سمندر اور شہر پر نظر رکھنی چاہیئے" علاقہ ایٹی کا کے نقصان کو گوارا کر لینا حقیقت میں اسی نقشۂ جنگ کے مطابق تھا جس کے مالہٗ و ماعلیہ پر غور کر لیا گیا تھا۔ پری کلیس نے ارادہ کر لیا تھا کہ کسی بڑی میدانی لڑائی کا موقع نہ آنے دے کیونکہ اس کے واسطے ایتھنز کی فوجوں کا بالکل ناکافی ہونا آشکار تھا۔ دشمنوں میں اکیلے بیوشیہ ہی کی فوج اس کے مقابلے کے لئے کافی تھی۔ پس وہ غنیم کو تھکا دینا چاہتا تھا۔ انہیں مغلوب کرنا یا کامل شکست دینا اس کا مقصود نہ تھا۔

۴۔ تھبز کا حملہ پلاٹیہ پر

یونان کی دو بڑی ریاستوں میں اعلانِ جنگ ہوتے ہی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں جو عداوتیں دبی ہوئی تھیں وہ بھڑک اٹھیں بہار کا موسم شروع تھا (۴۳۱ ق م) کہ ایک اندھیری رات میں تھبز کے تین سو جوانوں کا گروہ پلاٹیہ میں داخل ہوگیا۔ انہیں خود شہر کی ایک قلیل جماعت نے بلایا تھا اور اسی نے اندر لے لیا۔ مگر فوراً حملہ کرنے کے بجائے انہوں نے چوک میں قدم جمالئے اور منادی کے ذریعے اہل پلاٹیہ کو دعوت دی کہ وہ بیوشیہ کے اتحاد میں شریک ہو جائیں۔ اس اچانک اعلان نے پلاٹیہ والوں کو بدحواس کردیا اور انہوں نے اطاعت قبول کرلی لیکن صلح کی گفتگو کے وقت اُنہیں معلوم ہو گیا کہ دشمن کی تعداد کتنی قلیل ہے۔ پھر اس خیال سے کہ گلیوں میں اُن کی آمد رفت شبہ نہ پیدا کرے، انہوں نے اندر ہی اندر اپنے گھروں کی دیواریں توڑ لیں اور ملکر ایک تدبیر سوچی۔ اور جب سب بندوبست ہو گیا تو صبح ہونے سے پہلے انہوں نے دشمن پر حملہ کیا۔ اہل تھبز جلد تتّر بتّر ہو گئے اور تھوڑے سے تو بچ کر نکل گئے لیکن تعدادِ کثیر ایک بڑی عمارت کے پھاٹک میں شہر کا دروازہ سمجھ کر گھس گئی اور وہیں زندہ اہلِ پلاٹیہ کے ہاتھ میں اسیر ہو گئی۔

اصل یہ ہے کہ یہ تین سو جوان ایک بڑی فوج کا صرف ہراول تھے جو خود بعد از وقت پہنچی۔ اس کے بعد تھبز والوں کا بیان ہے

کہ اہل پلاٹیہ نے قطعی طور پر یہ عہد کر لیا تھا کہ اگر تھبز کی دوسری فوجیں اُنکے علاقے سے چلی جائیں تو وہ اسیرانِ جنگ کو واپس دے دیں گے۔ لیکن جب اپنا اسباب شہر میں لا کے محفوظ کر چکے تو انھوں نے تمام قیدیوں کو جن کی تعداد ۱۸۰ تھی، قتل کرا دیا۔ اُنھوں نے ایتھنز بھی اطلاع بھیج دی تھی اور اہل ایتھنز نے بیوشیہ کے تمام باشندوں کو جو ایٹی کا میں تھے گرفتار کرا لیا تھا اور پلاٹیہ میں کہلا بھیجا تھا کہ وہ اپنے اسیروں کو کوئی ضرر نہ پہنچائیں لیکن جب یہ ہرکارہ وہاں پہنچا تو تھبز کے قیدی ہلاک ہو چکے تھے۔ اسکے بعد ہی اہل ایتھنز نے پلاٹیہ کو محاصرے کے لئے مستحکم بنا دیا اور قلعے کی حفاظت کے لئے اپنے اسّی سپاہیوں کی جمعیت روانہ کی۔

تھبز کا پلاٹیہ پر یہ حملہ سی سالہ معاہدہ صلح کی صریح خلاف ورزی تھی اور اس نے آتش جنگ کو اور بھی جلد بھڑکا دیا۔

۴۔ وبائے طاعون

ماہ مئی (۴۳۱ ق م) کے آخری ایام میں جب گیہوں کی فصل تیار تھی، شاہ آرکی داموس نے پلوپنی سس کی دو تہائی فوج سے ایٹی کا پر چڑھائی کی۔ یہاں کے باشندے اپنے اہل و عیال اور اسباب شہرِ ایتھنز میں لے آئے اور اُن کے مویشی حفاظت کے ساتھ جزیرہ یوبیہ میں پہنچا دئے گئے۔ مگر شہر میں اتنے آدمیوں کے بھر جانے سے ہر جگہ سخت ہجوم ہو گیا۔ آنے والوں نے مندر، خانقاہ غرض جہاں گنجائش دیکھی، وہاں قبضہ کر لیا اور پیارگی گن کا

قدیم احاطہ بھی انہوں نے نہ چھوڑا حالانکہ ایک الہامی قول میں اُس جگہ کا گھیرنا ممنوع بتایا گیا تھا۔

آرکی داموس آکے ضلع اکارنی کے علاقے میں پارنیس کی پہاڑیوں کے نیچے ٹھیر گیا جہاں دُور سے ایتھنز کا قلعہ سامنے نظر آتا تھا۔ حملہ آوروں کے اتنے قریب آجانے سے شہر میں سخت اضطراب اور پری کلیس کی مخالفت کا شور پیدا ہوگیا کہ وہ نواحِ شہر میں طلاے کے چند سواروں کے سوائے۔ اور فوجوں کو نکل کر لڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ بارے اُسی اثنا میں غنیم شمال میں دِکلیہ کی جانب بڑھا اور علاقۂ اوروپوس سے گزرتا ہُوا بیوشیہ کو چلا گیا۔

ادھر اہل ایتھنز نے پلوپنی سس کا چکّر دے کے سو جہاز بھیجے اور سفالینا کے با موقع جزیرے پر قابض ہو گئے۔ ساحل اکرنانیہ پر بھی انہوں نے چند شہر لے لئے مگر اس برس کا سب سے زیادہ اہم واقعہ وہ سفاکی ہے جو اہل ایتھنز نے اپنے قدیم حریف اور اب محکوم جزیرے، اجی نا کے ساتھ برتی۔ اس میں ڈورئین قوم کے لوگ آباد تھے اور اب اُنہیں اہل ایتھنز نے جبراً وہاں سے نکال دیا اور خود اپنے ہم وطنوں کی ایک "کل روکی" یعنے نوآبادی وہاں بسادی اور سلامیس کی طرح اجی نا بھی خاص ایٹی کا میں شامل ہوگیا۔

آرکی داموس کے ایٹی کا سے جانے کے بعد پری کلیس نے ایک مدِ محفوظ کا انتظام کیا۔ پہلے خزانے میں ۱۰۰۰ تیلنت کی رقم جمع

تھی لیکن قلعے کی عمارتوں اور جنگ پتی دیہ میں جو مصارف برداشت کرنے پڑے، اُن کی وجہ سے صرف ۶ ہزار تیلنت باقی رہ گئے تھے۔ اب اس بات کی منظوری دے دی گئی کہ اس میں سے ایک ہزار تیلنت بہ مد محفوظ جمع رہیں اور جب تک دشمن سمندر کی جانب سے ایتھنز پر حملہ نہ کرے اس رقم کو بالکل ہاتھ نہ لگایا جائے۔ اور اسی طرح سو جنگی جہاز ہر سال بنا کے الگ کردئے جایا کریں تا کہ صرف بحری حملے کے وقت اُن سے کام لیا جائے۔

دوسرے سال (۴۳۰ ق م) **پلوپنی سس** والوں نے دوبارہ ایٹی کا پر فوج کشی کی۔ مگر اس مرتبہ اہل شہر کو ان کی زیادہ فکر نہ ہوئی کیونکہ خود گھر کے اندر ایک زیادہ خوفناک دشمن سے مقابلہ درپیش تھا۔ یعنے شہر میں وبا پھوٹ پڑی تھی۔ **توسی ڈای ڈیز** نے جو خود اس بلا میں گرفتار ہوا تھا اُس کی غارتگری اور لوگوں کی مصیبت کا نہایت ہیبت انگیز سماں دکھایا ہے۔ شہر کے طبیبوں کو اس نامعلوم مرض متعدی کا کچھ تجربہ نہ تھا اور وہ اس کے علاج سے قاصر تھے، جس کا زور لوگوں کی کثرت اور گرمی کی شدت کے سبب سے اور بڑھ گیا تھا۔ شہر کے مندروں میں ہر طرف لاشوں کے انبار لگ گئے تھے اور کوئی انہیں کفن دفن کرنے والا نہ تھا تجہیز تکفین کا کسی کو ہوش نہ تھا اور ان شعایرِ دین کی صریح خلاف ورزی ہو رہی تھی؛ اس مہلک وبا نے شہر کی آبادی کو مستقل طور پر کم کر دیا تھا۔ پانچویں صدی (ق م) کے ربع اوّل میں ایتھنزی

شہریوں کی کل آبادی (ہر عمر کے مرد و عورت ملا کے) اسّی ہزار نفوس کے قریب تھی۔ جس وقت جنگ پلوپنی سس شروع ہوئی تو فراغت و خوش حالی نے اس آبادی کا شمار ایک لاکھ تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن طاعون نے گھٹا کے اسے پہلی میزان سے کم کردیا اور آیندہ وہ کبھی اسّی ہزار بھی نہ ہو سکا:

سال گزشتہ کی طرح اب کے بھی ایتھنزی بیڑے نے پلوپنی سس پر حملہ کیا تھا۔ مگر کوئی فایدہ حاصل نہ ہوا۔ البتہ پٹی دیہ کے محاصرے نے جو اس سال برابر ہوتا رہا تھا محصورین کو اس درجے عاجز کردیا کہ انہیں مجبور ہوکر آدمی تک کا گوشت کھانا پڑا۔ آخر موسم سرما میں انہوں نے اطاعت قبول کرلی اور تھوڑے ہی عرصے بعد ایتھنز نے یہاں اپنے آدمی لا کے بسادیئے:

اس اثنا میں اہل ایتھنز وبا کی وجہ سے اس قدر ہراساں تھے کہ انہوں نے اسپارٹہ سے صلح کی سلسلہ جنبانی کی۔ اور جب وہاں سے صاف جواب مل گیا تو انہوں نے اپنا غصّہ پریکلیس پر اتارا۔ وہ اپنے عہدۂ سپہ سالاری سے معطّل کردیا گیا۔ اُس سے حسابات طلب ہوئے اور ججوں نے انتظامی نے ان کی تنقیح شروع کی۔ اس میں وہ پانچ تلینت کی حقیر رقم کی "چوری" کا مجرم ثابت ہوا۔ مگر فیصلۂ عدالت نے اُسے قریب قریب بالکل بری کردیا۔ اگرچہ مذکورۂ بالا رقم سے دس گنی رقم بہ طور جرمانہ اُس کو ادا کرنی پڑی۔ اس کے بعد ہی جس عہدے سے وہ معطّل ہوا تھا اسی پر دوبارہ منتخب کیا گیا۔ لیکن اُس کی رہ نمائی سے تقدیر اب اہل ایتھنز کو جلد محروم کرنیوالی

تھی؛ طاعون میں اُس کے دو بیٹے مر چکے تھے - وہ خود بھی زیادہ نہ جیا اور ایک سال بعد مر گیا۔ (۴۲۹ء ق م) - اُس کی زندگی کے آخری سال، مخالفین کے بالواسطہ حملوں نے، تلخ کر دئے تھے ۔مثلاً **فیدیاس** پر الزام لگایا گیا کہ قلعے کی عمارتوں کے لئے جو سرکاری رقوم دی گئی تھیں اُن میں اُس نے اپنے کام کرنے کے زمانے میں تغلب کیا۔ اور کنایتہً اس الزام کے معنے یہ تھے کہ خود پری کلیس اُس کی بد دیانتی سے واقف تھا۔ **فیدیاس** کو اِس جرم کی سزا دی گئی - اور اس کے بعد پری کلیس کے دوسرے دوست، حکیم **اناگساگورس** پر بے دینی اور ملحدانہ خیالات پھیلانے کا الزام قائم ہوا - پری کلیس نے اپنے دوست کی حمایت کی لیکن عدالت نے اُس پر پانچ تیلنت جرمانہ کر دیا اور وہ اپنے فلسفیانہ مطالعے کے لئے، ایتھنز سے نکل کے **لمپاسکوس** چلا گیا؛ اسی قسم کا ایک حملہ پری کلیس کی مدخولہ اَسپاژیہ پر ہوا لیکن پری کلیس کی مِنت سماجت کارگر ہو گئی - وہ بری ہوئی اور پری کلیس کی عمر کے آخری سال **جمہور** نے اُس کے بیٹے کو بھی قانوناً وِلد الحلال تسلیم کر لیا - پری کلیس کے آخری الفاظ سے جن خیالات کا اظہار ہوتا ہے وہ تمدنِ انسانی کی تاریخ پڑھنے والوں کی نظر میں اُس کی سیرت بلکہ شرافت نفس کی سب سے نمایاں خصوصیت ہیں: "میں نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جس کی وجہ سے کسی ایتھنزی کو ماتمی لباس پہننا پڑا ہو!"؛

۵ - محاصرہ اور تسخیر پلاٹیہ

اگلی گرمیوں میں (۴۲۹ء ق م) تھبز والوں نے آرکی داموس کو

اُبھارا کہ ایٹی کا پر حملہ کرنے کی بجائے وہ کوہ سِتھی رُن کو اُتر کے پلاٹیہ کا محاصرہ کرے۔ پلاٹیہ کا علاقہ واجب الاحترام مانا جاتا تھا۔ پس شاہ اسپارٹہ نے پہلے وہاں کے باشندوں کو پیام بھیجا کہ وہ جنگ کے ختم ہونے تک اپنا علاقہ خالی کردیں۔ بعد میں وہ انہیں بجنسہٖ واپس مل جائے گا۔ پلاٹیہ نے ایتھنز کی صلاح سے جس نے انہیں بچانے کا وعدہ کیا، اس تجویز کو مسترد کر دیا اور اب ارکی داموس محاصرے کا سامان کرنے لگا۔ بایں ہمہ ایتھنز نے کوئی امداد نہ بھیجی۔

محاصرین نے طرح طرح سے شہر پناہ کو توڑنے یا اس پر چڑھ جانے کی کوششیں کیں مگر محصورین کی ہوشیاری اور استقلال کے مقابلے میں ہر دفعہ ناکامی ہوئی۔ آخر بہ درجہ مجبوری انہوں نے شہر کو آگ لگا دینے کی تدبیر کی مگر جب یہ بھی نہ چلی تو انہیں معلوم ہوگیا کہ پلاٹیہ کی ہر طرف سے راہ بند کردینے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں چنانچہ اس غرض کے لئے انہوں نے سو گز فاصلہ چھوڑ کے شہر کے گرد دیواریں بنائیں اور اس کے اندر باہر دو کھائیاں کھودیں۔ اس کے بعد آرکی داموس نے موسم سرما میں ایک حصۂ فوج محاصرہ جاری رکھنے کے لئے متعین کر دیا اور جب اسی طرح ایک سال گزرنے کو آیا تو پلاٹیہ والوں کو ادھر تو ایتھنز کی مدد ملنے سے مایوسی نظر آئی اور اُدھر سامانِ رسد کم ہونے لگا۔ پس انہوں نے ٹھان لیا کہ ایک مرتبہ بچ نکلنے کی کوشش کی جائے۔

(دسمبر ۴۲۸ ق م)

پلوپنی سس والوں نے اپنے حصار میں دو دیواریں بیچ میں

۱۶ فیٹ جگہ چھوڑ کر بنائی تھیں - اوپر کے سرے پر دونوں میں مورچے بنے ہوئے تھے اور ہر دسویں مورچے پر ایک برج تھا جس کا عرض ایک دیوار سے دوسری دیوار تک رکھا تھا اور انہی برجوں کے اندر سے آمد رفت ہو سکتی تھی - مگر اُن کے باہر کے پہلوؤں سے راستہ نہ تھا بلکہ اندر سے ہو کے دوسری دیوار تک پہنچ سکتے تھے - اور شبنم یا طوفان کے موسم میں پہرے والے رات کو مورچے چھوڑ کر انہی برجوں میں آجاتے تھے *

محصورین کے بھاگ نکلنے کی کوشش کچھ کم مخدوش نہ تھی اور اس میں آدھے سے زیادہ قلعے کی فوج شریک کی گئی تھی منصوبہ کرتے وقت ہر بات کا بڑی احتیاط سے اندازہ کر لیا گیا تھا - دیوار کی ٹھیک بلندی معلوم کرنے کے لئے اُس جگہ سے اینٹوں کے ردّے کئی کئی دفعہ گن لئے تھے جہاں دیوار پر استرکاری نہ ہوئی تھی پھر ٹھیک اسی قدر لمبی سیڑیاں تیار کر لی گئی تھیں ؛ غرض سب سامان درست ہو گیا تو ایک اندھیری رات مینہ اور طوفان میں محصورین شہر سے نکلے اور ادھر کی کھائی اُتر کے پہلی دیوار تک اس طرح پہنچ گئے کہ کسی کو خبر تک نہ ہوئی ؛ قریب کے دو برجوں پر پہلے بارہ آدمی اُوپر چڑھے اور انہوں نے پہرے والوں کو مار کر دونوں برجوں کے راستے لے لئے اور جب تک اُن کے سب ساتھی چڑھ کے دوسری طرف نہ اُتر گئے وہ اسی جگہ قائم رہے - اوپر چڑھتے میں کسی پلاٹیہ والے کے ہاتھ سے ایک مورچے کی اینٹ اُکھڑ کے گر پڑی اور کھٹکا ہوتے ہی محاصرین ہوشیار

ہوگئے اور برجوں سے نکل نکل کے دیوار پر آئے مگر تاریکی میں کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ آواز کیسی تھی اور اپنی جگہ سے آگے بڑھنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ جدھر سے یہ لوگ نکل رہے تھے اُس کی بالکل مخالف سمت میں شہروالوں نے محاصرین کی توجہ منتشر کرنے کی غرض سے باہر نکل کے حملہ کیا کہ اُن کے ہم وطن دوسری طرف سے بلا دقّت نکل جائیں، لیکن انہیں سب سے زیادہ خوف اُن تین سو جوانوں کا تھا جو رات کے وقت دیوار کے باہر طلاے پر گشت کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جس وقت پلاٹیہ کا آخری آدمی اُتر رہا تھا، یہ طلاے کے جو ان روشنیاں لئے ہوے ادھر آگئے۔ مگر روشنی خود انہیں پر زیادہ پڑ رہی تھی اور اس لئے وہ اہل پلاٹیہ کے تیر اور برچھیوں کا بہت اچھا نشانہ بن گئے۔ دوسرے بھاگنے والے ان کے آنے تک بیرونی خندق کے کنارے پر پہنچ گئے تھے۔ مگر خندق میں بارش کا پانی بھر گیا تھا اور اُوپر برف کی پتلی تہ جمی ہوی تھی جو آدمی کا بار نہیں اُٹھا سکتی تھی۔ اُسے عبور کرنے میں دقّت پیش آئی باایں ہمہ ایک تیر انداز کے سواے جو عین کنارے پر گرفتار ہوگیا، باقی سب کے سب پار ہو گئے۔

یہ دو سو بارہ آدمی تھے جو صحیح سلامت ایتھنز پہنچ گئے۔ کچھ اور لوگ بھی روانہ ہوے تھے مگر دیوار پر چڑھنے سے پہلے انہوں نے ہمت ہار دی اور واپس ہو گئے تھے۔ غرض یہ سب جو شہر کے اندر رہ گئے تھے۔ اگلی گرمیوں میں (۴۲۷ ق م) قلت خوراک کی وجہ سے

بالکل مجبور ہو گئے اور بغیر کسی شرط کے اطاعت قبول کر لی۔ اسپارٹہ سے پانچ آدمی اُن کی قسمت کا فیصلہ کرنے بھیجے گئے تھے۔ مگر ان کا ہر قیدی سے فقط یہ سوال ہوتا تھا کہ "آیا تم نے اس جنگ میں لکدسونیوں کی یا اُن کے اتحادیوں کی کوئی خدمت انجام دی؟" باقی اہل پلاٹیہ کا اُن قبروں کا بہ منت واسطہ دلانا جن میں اسپارٹہ کے پہلے مقتولینِ جنگ مدفون تھے اور جن کی یادگار میں ہر سال پلاٹیہ کی جانب سے رسومِ نذر و نیاز ادا کی جاتی تھیں، بالکل بے اثر ثابت ہوا اور وہ سب کے سب، جن کی تعداد ۲ سو تھی، اپنے ۲۵ ایتھنزی رفیقوں سمیت مروا دیئے گئے اور شہر کو تڑوا کے زمین کے برابر کرا دیا گیا۔

۶۔ مِتی لِنہ کی بغاوت

آرکی داموس نے تیسری دفعہ ایٹی کا پر فوج کشی کی (۴۲۸ ق م) اور وہ ابھی واپس گیا تھا کہ اس تازہ فساد کی اطلاع ملی کہ شہر متی لنہ اور جزیرۂ لس بوس کی دوسری ریاستوں نے، باستثنائے متیم نا حکومتِ ایتھنز سے سرتابی کی۔ ان لوگوں کے پاس بڑا بیڑا تھا اور اہل ایتھنز وباے طاعون اور جنگ کے ایسے صدمے اٹھا رہے تھے کہ اگر اس وقت پلوپنی سس والے مستعدی کے ساتھ باغیوں کی امداد کریں تو بغاوت کا کامیاب ہو جانا ذرا بھی قابلِ تعجب نہ تھا۔ اُن سے مدد مانگنے کے لئے ایلچی بھی گئے تھے جنہوں نے اولمپی تہوار کے موقع پر جو اس سال منایا جا رہا تھا لس بوس کی بہت کچھ وکالت کی۔ بایں ہمہ اپنے اتحاد میں شریک کر لینے کے سوا اہل پلوپنی سس

نے اور کسی قسم کی مدد انہیں نہ دی ؛

ادھر اہل ایتھنز مِتی لِنہ کی دونوں بندرگاہوں کی ناکہ بندی کر رہے تھے اور تھوڑے ہی دن بعد جب پاکیس ایک ہزار ہپ لیت لے کر آپہنچا تو محاصرہ کامل ہو گیا۔ موسم سرما کے اواخر میں اہل اسپارٹہ نے بھی ایک شخص سالتیوس نامی، کو روانہ کیا کہ مِتی لِنہ والوں کو اطمینان دلادے کہ انہیں نجات دلانے کے لئے جلد ایک بیڑا بھیجا جائے گا۔ یہ شخص ایتھنز والوں کو کسی نہ کسی طرح دھوکا دے کر شہر میں پہنچ گیا۔ جب گرمیاں آگئیں تو اسپارٹہ سے الکی ڈس کو ۴۲ جہاز دے کے روانہ کیا گیا اور اسی کے ساتھ پلوپونی سس والوں نے چوتھی مرتبہ پھر ایٹی کا پر فوج کشی کی تاکہ ایتھنز کی توجہ مِتی لِنہ کی طرف سے منتشر ہو جائے۔ لیکن اُن کے فرستادہ جہاز آخر تک محصورین کی مدد کو نہ پہنچ سکے اور سامانِ خوراک ختم ہونے لگا۔ اُس وقت سالتیوس نے مجبور و مایوس ہوکر قصد کیا کہ قلعے سے نکل کے دشمن پر جا پڑے۔ اور اس غرض کے لئے عوام الناس کو نیزہ و سپر سے مسلّح کیا لیکن اسلحہ مل جانے کے بعد لوگوں نے تعمیلِ احکام سے انکار کر دیا اور دھمکی دی کہ عمائدینِ شہر کے پاس جو غلّہ ہے اگر اُسے منگا کر انصاف کے ساتھ سب پر تقسیم نہیں کرتے تو ہم شہر کو دشمن کے حوالے کر دیں گے۔ اس پر حکومت نے بھی مجبور ہو کے بلا شرط محاصرین کے آگے ہتیار ڈال دیئے (۴۲۷ھ ق م)؛

سازش کے تمام اسیر شدہ سرغنہ اور سالتیوس ایتھنز

بھیجے گئے جہاں ساآلیتیوس کا جاتے ہی سر قلم کرا دیا گیا۔ پھر مجلسِ عوام کا جلسہ ہوا کہ باقی اسیرانِ جنگ کی قسمت کا فیصلہ کیا جائے اور اس میں طے پایا کہ مِتّی لِنہ کے تمام ذکور مروا دئیے جائیں، اور عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنا لئے جائیں۔ ساتھ ہی ایک جنگی جہاز روانہ کر دیا گیا کہ پاکیس کو یہ سفّاکانہ فرمان پہنچا دے ؛

جنگ میں فتح پا کے، مجلسِ عوام کا اس درجے ظلم پر کمر بستہ ہو جانا اور مفتوحین کی پوری آبادی کو فنا کر دینے کا فیصلہ دے دینا اس بات کی شہادت ہے کہ ایتھنز میں مِتّی لِنہ کے خلاف کیسا غیظ و غضب طاری تھا۔ اس شہر نے انحراف اس وقت کیا جب کہ ایتھنز طاعون اور جنگ کی مصیبتوں میں گھرا ہوا تھا۔ اور پھر یہ سرکشی بھی کسی محکوم شہر کی نہ تھی بلکہ برابر کے حلیف کی؛ اگر کوئی محکوم ریاست ایتھنز کا طوقِ اطاعت اُتار پھینکنے کی کوشش کرتی تو اُسے معاف کر دینا آسان تھا لیکن ایک حلیف کا ایسے نازک وقت میں حلقۂ اتحاد سے انحراف کرنا کسی طرح معاف نہ ہو سکتا تھا کیونکہ مِتّی لِنہ کی اس حرکت کے درحقیقت یہ معنی تھے کہ ایتھنز کی سلطنت سرتاپا ظلم و جبر پر مبنی ہے اور اُس کے اتحادی تک جس طرح ممکن ہو اس جال سے نکلنے کا موقع ڈھونڈتے رہتے ہیں ؛

دوسرے ایتھنز کی مجلس میں اب پری کلیس جیسا متین و ہوش مند رہنما کوئی نہ رہا تھا کہ ہر بات کے نشیب و فراز لوگوں کو سمجھاتا، اُس کی جانشینی کا اب ہم ایسے جمہوریت پسند مدبّروں کو

دعویدار پاتے ہیں جو پری کلیس سے کوئی مناسبت نہ رکھتے تھے۔ اس وقت مجلس جن کے ہاتھوں میں ادھر سے اُدھر جھکولے کھاتی ہے وہ ایسے پیشہ ور لوگ ہیں جیسے **کلیون** چرم فروش اور **ہیپربلوس** فانوس گر۔ انہیں کوئی ایسی خاندانی وجاہت لوگوں میں روشناس یا با اثر بنانے والی نہ تھی جیسی آرس تدیز، کائمن یا پری کلیس کو حاصل تھی۔ اور نہ ان کی جمہوریت پسندی، اُس بلند خیالی پر مبنی تھی جو شریف النسب اُمرا کی میراث ہوتی ہے۔ انہوں نے جو کچھ عروج پایا ذاتی کوشش سے پایا تھا۔ اور سلطنت میں انہیں جو کچھ اقتدار و رسوخ ملا وہ محض چالاکی، زورِ تقریر، محنت اور سرزوری کے طفیل تھا؛

غرض یہ کلیون کے دم قدم کی برکت تھی کہ متی لنہ پر یہ قہر و عتاب نازل ہوا اور مجلسِ عوام نے وہاں کی تمام آبادی کی جان لینے کا فتویٰ نافذ کردیا۔ لیکن جلسہ منتشر ہونے کے بعد جب لوگوں کا غصہ دھیما ہوا تو انہیں رفتہ رفتہ اپنے فعل کی شرمناک بہیمیت کا اندازہ ہونے لگا اور وہ اس طرز عمل پر اعتراض کرنے لگے؛ متی لنہ کے وکلا کو ایتھنز آنے کی اور اپنے شہر کی صفائی پیش کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی، ان لوگوں نے جب اہل شہر کے خیالات میں یہ تبدیلی ہوتے دیکھی تو سپہ سالاروں کو آمادہ کیا کہ وہ دوسرے دن اس فرمان پر نظر ثانی کی غرض سے پھر مجلس کا ایک غیر معمولی جلسہ منعقد کریں؛ توسی ڈائی ڈیز کا بیان ہے کہ اس دوسرے جلسے میں بھی کلیون علانیہ اس اصول کی حمایت کرتا تھا کہ جو ریاست دوسرں کی آزادی سلب کرچکی ہے اُس کے لئے لازم ہے کہ ظلم و جبر کو اپنا

دستورالعمل بنائے اور رعب و تخویف کے ساتھ حکومت کرے؛ دوسری طرف کا ممتاز مقرر ڈیوڈِوٹس نامی ایک شخص تھا جس کی تمام بحث کا موضوع مصلحت اندیشی تھا۔ اُس کا قول تھا کہ اس مسئلہ میں اہل ایتھنز کو یہ دیکھنا نہیں ہے کہ مِتی لنہ اس سزا کا مستحق ہے یا نہیں۔ بلکہ غور طلب صرف یہ امر ہے کہ آیا ایسی سزا دینا مصلحتِ وقت بھی ہوگا یا نہیں؟ اب اگر مِتی لنہ کے باشندوں کو جو بغاوت میں محض حکومتِ خواص کے جبر سے شریک ہوئے، اس طرح نیست نابود کردیا گیا تو ہر جگہ گروہِ جمہور ایتھنز سے بیزار ہو جائے گا۔

جلسے میں بہت سے حاضرین کا خیال، جو نرم دلی کی وجہ سے پہلے ہی عفو تقصیر پر مائل تھے، ضرور ہے کہ ڈیوڈوٹس کا استدلال سنکر اور بھی راسخ ہوگیا ہوگا۔ کیونکہ وہ استدلال حکمت عملی کی نہایت معقول دلائل پر مبنی تھا؛ بہر حال، صرف چند رائے کی کثرت سے اُسی کی تحریک منظور ہو گئی۔ لیکن اب دیکھنا یہ تھا کہ اُس جہاز کو جو قضا کا پیام لے کے ایک دن ایک رات پہلے روانہ ہو چکا ہے، دوسرا جہاز جو آج مژدۂ معافی لے کے چلے راستے میں جا بھی لے گا یا نہیں؟ پتواریوں نے پتوار سنبھالی اور پوری قوت سے جہاز کو کھینا شروع کیا۔ شراب اور تیل میں گندھی ہوئی جو کی روٹی کھاتے جاتے تھے اور برابر پتوار چلا رہے تھے۔ ایک تھک جاتا تو لیٹ کے سو جاتا اور دوسرا تازہ دم آکے اُس کی جگہ لے لیتا تھا؛ ادھر پہلا جہاز جو ایسا منحوس پیام لے کے چلا تھا، اُسے پہنچنے کی جلدی نہ تھی۔ وہ آہستہ آہستہ گیا اور دوسرے سے تھوڑی ہی دیر پہلے

متی لنہ پہنچا تھا پاکیس کے ہاتھ میں تحریری فرمان تھا اور اب وہ اس کی تعمیل کا حکم دینے والا ہی تھا کہ دوسرا جہاز بندرگاہ میں داخل ہوا اور شہر والوں کی جان بچ گئی ؛ ادھر اہل ایتھنز کو اپنے باغی حلیف پر جو غصّہ تھا اس کے فرو کرنے کے لئے بھی اُن لوگوں کی تحقیقات اور سزاے موت کافی تھی، جو سرغنہ ہونے کی وجہ سے گرفتار کر کے ایتھنز بھیج دئے گئے تھے ؛ شاید ان کی تعداد تیس کے قریب تھی ؛

متی لنہ کی شہر پناہ تڑوانے اور س بوس کا بیڑا اپنے قبضے میں لے لینے کے بعد، اہل ایتھنز نے جزیرے کی تمام زمین کو (بہ استثناے متیم نا) تین ہزار قطعات میں تقسیم کیا اور اس میں سے تین سو قطعات دیوتاؤں کے نام پر وقف کر دئے۔ باقی ماندہ ایتھنز کے آبادکار یا "کلِروکوں" کو دے دئے گئے جو لس بوس والوں سے زمین کاشت کراتے اور سالانہ لگان وصول کر لیا کرتے تھے ؛

۷۔ مغربی یونان کی معرکہ آرائی۔ کُرکایرا کے اندوہناک واقعات

جس وقت تمام یونان کی نظریں پلاٹیہ اور متی لنہ کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ دیکھئے ان کا کیا حشر ہوتا ہے، اسی زمانے میں یونان کے مغربی علاقوں میں ایتھنز کا بیڑا بہت نام کر رہا تھا ؛ اہل امبرکیہ نے اسپارٹہ کو اُبھارا تھا کہ اکرنانیہ پر فوج کشی کی جاے اور پلوپنیسس والوں کا ایک بیڑا کورنتھ سے روانہ ہونے والا تھا۔ اس میں ۴۷ جہاز تھے اور اسے ایتھنزی امیرالبحر فورمیو کے آگے سے گزرنا تھا جو صرف ۲۰ جہاز لئے خلیج کے راستے کی پاسبانی کر رہا تھا۔ اُس نے

انہیں پہلے آگے بڑھنے دیا اور کھلے سمندر میں حملہ کرنے کو ترجیح دی - اور پھر اس خوبی سے گھیر کہ غنیم کے جہاز ہٹتے ہٹتے ایک تنگ مقام میں آگئے - نسیم سحر نے منجانب اللہ **فورمیو** کی مدد کی کہ یہ جہاز آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے - اسی عالم انتشار میں ایتھنز والے اُن پر ٹوٹ پڑے اور کامل فتح حاصل کی ؛

پلوپنی سس والوں نے دوبارہ بیڑے کو مرتب کیا اور وہ اکائیہ میں مقام **پنورموس** پر لنگر انداز ہوا جس کے مقابل ساحل پر **فورمیو رہیون** میں مقیم تھا - اسپارٹہ کے امیرالبحر کا منشا یہ تھا کہ جبراً یا فریب سے دشمن کو خلیج کے اندر بڑھا لائے تاکہ وہاں اُس کی بحری کاردانی اس قدر کارگر نہ ہوسکے جس قدر کہ کھلے سمندر میں ہو سکتی تھی ؛ اسی غرض سے اُس نے **نوپاکتوس** کا رُخ کیا اور **فورمیو** بھی گھبرا کر اس مقام کو بچانے، ساحل ساحل روانہ ہوا ؛ مگر ساحل کے قریب قریب ایتھنزی جہاز اکہری قطار میں جا رہے تھے کہ یکایک غنیم کے جہاز گھوم کے پلٹے اور اُس کے ملاح پوری قوت سے جہاز کھیتے ہوئے ایتھنزیوں پر پل پڑے ؛ ایتھنز کے گیارہ جہازوں کو جو نوپاکتوس کے نزدیک پہنچ چکے تھے بھاگنے کا موقع مل گیا اور وہ دشمن کی دہنی قطار کے گرد چکر دے کے نکل گئے - لیکن باقی کو خشکی پر چڑھ جانا پڑا - ادھر اُن گیارہ کے تعاقب میں جنھوں نے **نوپاکتوس** کا راستہ لیا تھا پلوپنی سس کے بیس جہاز جا رہے تھے ایک **لیوکادیہ** کا جہاز سب سے آگے بڑھا ہوا تھا اور ایک ایتھنزی جہاز کو جو پیچھے رہا جاتا تھا، اُس نے قریب قریب جا لیا تھا

لیکن اسی میں **نوپاکتوس** کے قریب ایک تجارتی جہاز اُن کے راستے میں آگیا جو گہرے سمندر میں لنگر ڈالے پڑا تھا۔ ایتھنزی جہاز نے اسی تجارتی جہاز کے گرد چکّر دے کے اپنے تعاقب کرنے والے جہاز کے وسط میں ایسی ٹکّر ماری کہ وہ اسی وقت ڈوب گیا۔ یہ صفائی اور دلیری دیکھ کے پلوپنی سس والوں کے ہوش اُڑ گئے یا تو وہ فتح کے گیت گاتے ہوے آرہے تھے یا اگلے جہازوں کے ملّاحوں کے ہاتھ سے پتواریں چُھٹ گئیں اور وہ وہیں ٹھیر کر ساتھیوں کے آجانیکا انتظار کرنے لگے۔ یہ کیفیت دیکھکر ایتھنزی جہاز جو **نوپاکتوس** پہنچ گئے تھے پھر پلٹے اور ایک اور کامل فتح حاصل کی ؛

اسی زمانے میں کرکایرا میں ایک خوں ریز انقلاب بپا ہوگیا اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی کے شعلے اس جزیرے میں بھی بھڑکنے لگے۔ (۴۲۷ھ ق م) دراصل **اپی دامنوس** کی لڑائی میں اہل کورنتھ نے جو قیدی گرفتار کئے تھے انہیں یہ وعدہ لے کے اب رہا کر دیا تھا کہ وطن میں جاکر اہل ایتھنز کے خلاف سازش کریں۔ چنانچہ عمائدین شہر کے ساتھ مل کے انہوں نے جمہوریت پسند سرگروہوں کو جو ایتھنز کے حامی تھے مارڈالا۔ اس واقعے پر وہاں سخت خانہ جنگی ہو گئی اور جب پلوپنی سس کے بیڑے کو جو مدد کے واسطے آیا تھا، ایتھنز کے قوی تر بحری دستے کے سامنے سے ہٹنا پڑا تو پھر جمہوریت پسندوں کی بن آئی اور انہوں نے خواص و عمائدین کو بلا استثنا قتل کرنا شروع کیا۔ اس گروہ کے تقریباً ۶ سو آدمی بچ کر نکل گئے اور جزیرے کے شمال مشرق میں کوہ **الیستون** پر انہوں نے

قدم جمائے جہاں سے دو سال تک وہ اپنے دشمنوں کو تنگ کرتے رہے۔ حتےٰ کہ ایتھنزی بیڑا اس مقام پر دھاوا کرنے کے لئے کمک لے کر آیا، (۴۲۵ء ق م) اور تب اس قرار داد پر کہ اُن کی قسمت کا فیصلہ اہل ایتھنز کریں گے، خواص نے اپنے تیئں اُن کے حوالے کر دیا۔ لیکن پھر جمہوریت پسندوں کی چال میں آکے بھاگ نکلنے پر آمادہ ہوے اور گرفتار ہوکر الگ الگ جماعتوں میں قتل کر دیئے گئے۔ اس تمام داستان پر توسی ڈای ڈیز نے اپنی تاریخ میں تبصرہ کیا ہے اور اسے اہل یونان کی شدید باہمی نفرت کی علامت بتایا ہے جو گروہ بندی کی بلانے اُن کی شہری ریاستوں میں پیدا کردی تھی ‌+

۸۔ نکیاس و کلیون ایتھنز کے سیاسی حالات

ان دنوں ایتھنز کے جنگی معاملات میں سب سے زیادہ موقر درجہ نکراتوس کے بیٹے **نکیاس** کو حاصل تھا۔ یہ بہت سے غلاموں کا مالک اور ایک قدامت پسند متموّل شخص تھا۔ **لاورِیُن** کی چاندی کی کانوں پر اُس نے روپیہ لگایا ہوا تھا۔ اور اپنے تموّل کی وجہ سے اُس جماعت کی بڑی پشت پناہ تھا جو کلیون جیسے نئے اربابِ سیاست کی سخت مخالف تھی۔ اس میں شک نہیں کہ نکیاس ماتحت بن کر کام کرنے کی بہت اچھی قابلیت رکھتا تھا لیکن وہ اوصاف اُس میں نہ پائے جاتے تھے جو کسی رہ نمایا ملکی مدبّر کے لئے ضروری ہیں۔ پھر بھی اُس کی کامل خودداری، رشوت سے قطعی بے لوثی، مذہبی

ادہام کی پابندی، اور اسی کے ساتھ جنگی معاملات سے تفصیلی واقفیت
یہ سب ایسی چیزیں تھیں جن کی بہ دولت ایتھنز میں اُس کا بڑا اثر
قائم اور مُحکم ہو گیا تھا؛ دین کے معاملے میں اُسے چھوٹی چھوٹی باتوں
سے اپنے ہم وطنوں کو خوش کر لینا آتا تھا اور اس کے سیاسی فوائد
وہ خوب سمجھتا تھا۔ نیز ان تعصبات و توہمات میں وہ خود بھی عوام الناس کا
ہم عقیدہ تھا، اور سلطنت کی مذہبی خدمت بجالانے میں روپیہ خرچ کرنے
سے کبھی دریغ نہ کرتا تھا؛ چنانچہ جزیرۂ دلوس کی تطہیر کے وقت
نکیاس کو اپنا مذہبی جوش اور فیاضی دکھانے کا موقع ملا۔ اور یہ رسم
غالباً اس لئے ادا کی گئی تھی کہ آپالو دیوتا کی رحمت سے شہر ایتھنز طاعون سے
نجات پاجائے (۴۲۶ ق م)۔ اس غرض کے لئے جزیرے میں جتنی
قبریں تھیں اُن سب کی لاشیں وہاں سے ہٹوا دی گئیں اور یہ ضابطہ
بنادیا گیا کہ آیندہ سے نہ تو اس مقدّس سرزمین پر کوئی شخص مرے
نہ وہاں کوئی زچگی ہو۔

ایتھنز کی سیاسی تاریخ کا ایک قابلِ لحاظ واقعہ یہ ہے کہ انھی
چند سال کے اندر وہاں جو رسوخ سپہ سالاروں کو مجلس میں حاصل
تھا وہ زائل ہوگیا؛ وہ اہلِ حرفہ جو اب مجلس پر حاوی تھے کسی
قسم کی جنگی تعلیم یا قابلیت نہ رکھتے تھے اور اسی لئے جنگ کے
معاملات میں، سلطنت کے طریقِ عمل کے متعلق اُن کی مخالفت کوئی
ایسا شخص کرتا جو منصبِ سپہ سالاری سے بھی ممتاز ہو، تو اُس کے
آگے اُن کی رائے نہ چلتی تھی؛ پھر یہ کہ، چند سال پہلے تک سپہ
سالاری کے عہدے پر بالعموم وہی لوگ منتخب ہوتے تھے جو عالی

خاندان اور صاحب ثروت ہوں۔ لیکن شاید پریؔ کلیس کی وفات کے تھوڑے ہی عرصے بعد یہ تغیر پیدا ہوا کہ گروہ عوام کے افراد سپہ سالار منتخب ہونے لگے۔ **کلیون** بہت سیانا اور دُھن کا پکا تھا۔ اُس کی آرزو تھی کہ پریؔ کلیس کی طرح سلطنت کے جُز و کل پر حاوی ہو جائے۔ اور وہ سمجھ گیا تھا کہ جب تک بزمِ **مجلس** کی طرح میدانِ رزم میں بھی نصرت و کامیابی نہ حاصل کی جائے، یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ پس نظم و نسقِ سلطنت میں مستقل دخل پانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ جب کوئی اچھا موقع آئے تو وہ فرائضِ سپہ سالاری کی انجام دہی کے واسطے بھی کمربستہ پایا جائے۔ اور اگر کوئی تجربہ کار رفیق معین و مددگار ہو جائے تو ان فرائض کی بجاآوری میں بدنام ہونے کا بھی چنداں اندیشہ نہ تھا۔ اُس کا ایسا ہم منصب رفیق **دموس تنیس** ہو سکتا تھا۔ اور یہ وہ منچلا سپہ سالار تھا۔ جس نے اُسی زمانے میں امبراکیہ کے معرکوں میں بہت کچھ نام پایا اور فتوحات حاصل کی تھیں ؀

۹۔ تسخیر پیلوس

بے شبہ یہ **کلیون** ہی کی سعی و سفارش کا نتیجہ تھا کہ جب ۴۲۵ ق م میں، چالیس جہازوں کا بیڑا **یوری مڈن** اور **سفوکلیس** کی قیادت میں مغرب کی طرف روانہ ہوا تو **دموس تنیس** کو بھی ان کے ساتھ کر دیا گیا حالانکہ اُسے باضابطہ کوئی منصبِ سپہ سالاری نہ دیا گیا تھا۔ بہر حال یہ وہی بیڑا تھا جسے ہم کرکایرا میں جمہور کی طرف سے اُن مفرور اُمرا کا استیصال کرتے دیکھ چکے ہیں جنھوں نے کوہ **ایستون** میں

قدم جما لئے تھے؛ دموس تنیس کے دماغ میں اس وقت کچھ اور ہی خیال چکّر لگا رہے تھے۔ اس نے مغربی پلوپنی سس میں ایک فوجی چوکی قایم کرنے کا منصوبہ سوچا تھا اور جب وہ مِسّینیہ کے ساحل پر پہنچے تو اُس نے اپنے سپہ سالاروں سے پیلوس پر ٹھیرنے کی درخواست کی۔ مگر اُنھیں اطلاع مل چکی تھی کہ پلوپنی سس کے جہاز کرکایرا پہنچ گئے ہیں لہذا تاخیر کرنے میں تامّل ہوا۔ لیکن حسنِ اتفاق سے دموس تنیس نے جو ارادہ کیا تھا اُس کا قدرتی سامان یہ ہو گیا کہ خود طوفانی ہواؤں نے انہیں پیلوس کی بندرگاہ میں ڈھکیل دیا اور دموس تنیس نے پھر اصرار کیا کہ اس مقام پر مورچے تیار کرلئے جائیں۔ سپہ سالاروں نے اس خیال کا مضحکہ کیا۔ لیکن طوفانی موسم کی وجہ سے جہازوں کو وہاں ٹھیر جانا پڑا۔ چونکہ سپاہیوں کو کوئی کام نہ تھا پس محض اس خیال سے کہ خالی سے بیگار بھلی، انھوں نے دموس تنیس کی تجویز کے مطابق پیلوس کی مورچہ بندی کا کام شروع کردیا۔

اس مقام کا نقشہ بہ خوبی ذہن نشین کرلینا ضروری ہے کیونکہ یہیں وہ یادگار معرکہ ہونے والا ہے جس نے اس مقام کے ہر قطعہ کو شہرہ آفاق کردیا؛ پیلوس کی بلند راس کے تین طرف سمندر ہے بلکہ ایک زمانے میں، سفاک ترِیا کی طرح جو اس کے جنوب میں واقع ہے، یہ مقام جزیرہ تھا۔ لیکن جس وقت کا ہم ذکر کر رہے ہیں اُس وقت شمال میں نیچی نیچی ریتی آگئی تھی اور اسی نے پیلوس کو ساحل سے مِلا رکھا تھا۔ آج کل یہاں ایک دلدلی جھیل بن گئی ہے لیکن اُسوقت

یہی شمالی گوشہ ایک خلیج کی صورت میں، جہازوں کی گودی اور مامن تھا، پیلوس کا کل طول ایک میل سے بھی کم ہے اور کھلے سمندر کی طرف کناروں سے جہاز لگا کے اُترنا دُشوار تھا۔

۲۴۱
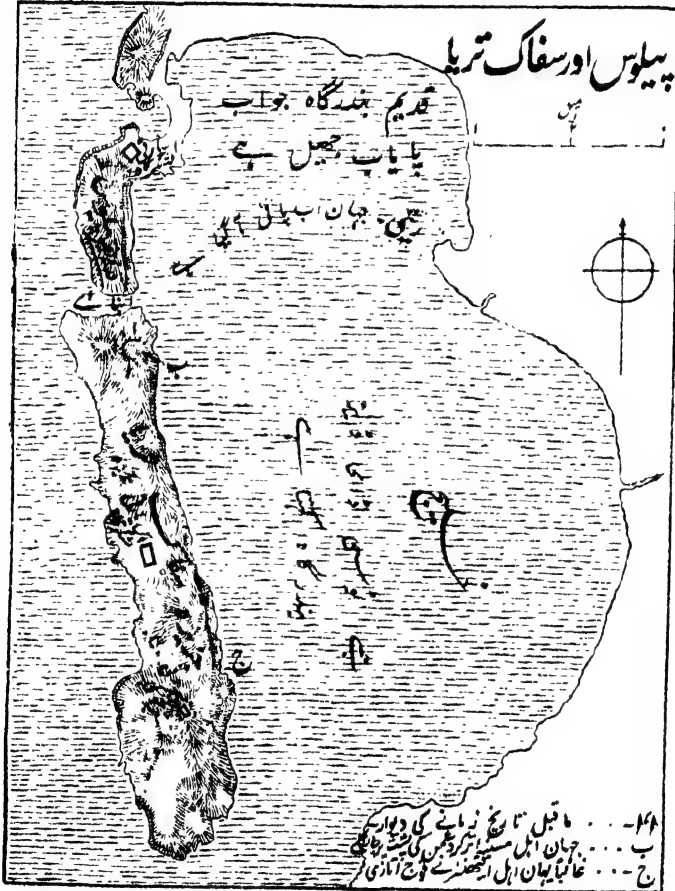
لنگرگاہ کی جانب سیدھی چٹانیں اٹھی ہوئی ہیں اور ان کی وجہ سے یہ رُخ بھی نہایت محفوظ و مصئون تھا۔ باقی جو حصے غیر محفوظ تھے

وہاں اب ایتھنز والوں نے اِدھر اُدھر سے پتھر لا کے، جس طرح جم سکے، اوپر نیچے لگا دیئے تھے۔ یہ کام چھ دن میں پورا ہوا اور اس کے بعد دموس تنیس کو پانچ جہازوں کے ساتھ یہیں پیلوس میں چھوڑ کر بیڑے نے اپنی راہ لی۔

لکدمونی فوج نے اس مرتبہ شاہ ایجیس کے زیرِ علم معمول سے کچھ پہلے اینی کا پر فوج کشی کی تھی اور صرف دو ہفتے وہاں رہ کر اسپارٹہ واپس ہوئی تھی۔ انہوں نے فوراً پیلوس کا رُخ نہیں کیا۔ تاہم اسپارٹہ کی ایک اور جمعیت اِدھر بھیج دی گئی اور اُن ساٹھ جہازوں کو جو کرکایرا گئے تھے بہ عجلت طلب کر لیا گیا۔ اِدھر دموس تنیس کو جب اسپارٹہ کے سپاہیوں نے آکر گھیرا تو اُس نے فوراً دو جہاز دوڑائے کہ ایتھنزی بیڑے کو راستے میں جالیں اور امیرالبحر یوری مڈن سے مدد کے لئے واپس آنے کی درخواست کریں۔

لکدمونیوں کا منشاء یہ تھا کہ پیلوس کی پہاڑیوں کی خشکی اور تری دونوں طرف سے ناکہ بندی کر دی جائے۔ اور جو کمک آئے اُسے ساحل پر اُترنے سے روکا جائے۔ انہیں یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں دشمن سفاک تریا پر قابض ہو کر اُسے اپنا جنگی مستقر نہ بنا لے لہذا اپی تادس نے ۴۲۰ اسپارٹی اور اُن کے ہمراہی ہلوتوں کو لے کر اس جزیرے پر خود قبضہ کر لیا اور پھر، اس سے قبل کہ اہل ایتھنز کو کمک پہنچ سکے، پیلوس پر حملہ کرنے کی تیاریاں کیں۔ دموس تنیس نے اپنی جمعیت کا زیادہ حصہ شمالی اور جنوب مشرقی گوشے کی حفاظت کے لئے متعین کیا تھا اور خود ساٹھ جوان اور چند تیرانداز لے کے

جنوب مغرب کی طرف لبِ ساحل قدم جما لئے تھے کہ مخدوش اور سنگستانی ہونے کے باوجود یہی وہ مقام تھا جہاں غنیم کو ساحل پر اُترنے میں سب سے زیادہ کامیابی کی امید ہو سکتی تھی۔ اسپارٹہ کے ۴۳ جہاز دستہ دستہ ہوکر آئے تھے اور انہی میں سے ایک کا سردار براسی ڈس حملے کی روح رواں تھا۔ لیکن ساحل پر اتر سنے کی کوشش میں وہ زخمی ہوا اور ڈھال چھوٹ گئی۔ یہ حملہ پیہم دو دن تک ہوتا رہا مگر دونوں دن حملہ آور پسپا کر دیئے گئے۔

آخرکار ایتھنزی بیڑا جس میں تازہ کمک مل کے اب پچاس جہاز ہو گئے تھے، جزیرہ زاکین توس سے آپہنچا۔ لیکن سفاک تریا اور پیلوس کے شمال میں خلیج اور ساحلوں پر دشمن کا قبضہ دیکھ کے وہ پہلے واپس ہو گئے اور دوسرے دن دونوں راستوں سے اپنے جہاز کھیتے ہوے لائے اور غنیم کے جو جہاز مقابلے کے لئے نکلے تھے اُنہیں پکڑ لیا۔ اسی کے ساتھ ساحل کے قریب فریقین میں سخت کشمکش برپا ہوئی کہ ایتھنز والے تو دشمن کے خالی جہازوں کو جو سمندر کی ریتی تک لا کے کھڑے کر دئے گئے تھے، اپنی طرف گھسیٹنا چاہتے تھے اور ساحل پر سے لکدمونی سپاہی جھپٹ جھپٹ کے آتے اور انہیں واپس اپنی طرف کھینچتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بہت سے جہازوں کو بچا لیا۔ پھر بھی انہیں اتنا نقصان پہنچا اور دشمن کے مقابلے میں اُن کی تعداد اتنی قلیل رہ گئی کہ اب ایتھنزی بیڑا بے خطر جزیرۂ سفاک تریا کی ناکہ بندی کر سکتا تھا۔

اس طرح یا تو پیلوس کی ناکہ بندی اسپارٹہ والے کر رہے تھے

اور یا اب خود اپی تا دس اور اس کے اسپارٹی سپاہی سفاک ترِیا میں گھِر گئے۔ اور جب اسپارٹہ میں معاملہ دگرگوں ہو جانے کی خبر پہنچی تو وہاں سخت تشویش پیدا ہوگئی اور چند افور، مقامِ کارزار تک خود یہ دیکھنے آئے کہ اب کیا تدبیر کی جائے؟ انہوں نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ محصورین کو نجات دلانی محال ہے۔پس ایتھنزی سپہ سالاروں سے ہنگامی صلح کی اتنی مہلت لی کہ جس میں سفیر بھیج کر ایتھنز سے صلح درخواست کی جاسکے۔ہنگامی صلح کی شرائط یہ تھیں:۔ لکدمونی اپنے جہازوں کو پیلوس کی ایتھنزی فوج کے حوالہ کردیں گے اور خشکی یا تری کسی طرف سے حملہ نہ کریں گے؛ ساحل پر جو لکدمونی فوجیں ہیں انہیں اجازت ہوگی کہ رسد کی ایک مقدارِ معینہ سفاک ترِیا کے محصورین کو بھیجتے رہیں۔ اور ایتھنزی سپاہی جزیرے کی پاسبانی کرتے رہیں گے مگر وہ اہل پلوپنی سس پر حملہ نہ کریں گے؛ یہ قرار داد اُس وقت تک واجب العمل تھی جس وقت تک کہ لکدمونی سفارت ایتھنز سے واپس آجائے۔ اور اسی کی مراجعت پر لکدمونی جہازوں کا واپس دے دیا جانا، طے پایا تھا۔

ان شرائط کی بہ موجب، اسپارٹہ والوں نے اپنے ساٹھ جہاز ایتھنزی سپاہ کے حوالہ کردیئے اور اُدھر اُن کے سفیر، ایتھنز روانہ ہوئے؛ لیکن وہاں مجلسِ عوام پر کلیون حاوی تھا۔ اور اُس نے نکیاس اور صلح پسند فریق کی مخالفت میں جو شرائطِ صلح تجویز کیں اُنکا قبول کیا جانا محال تھا؛ یعنے سفاک ترِیا کے محصورین کے فدیہ میں نہ صرف علاقۂ مگارا کی بندرگاہیں نیسایا اور پاگی، بلکہ اکائیہ

اور ترزیزن تک کے علاقے طلب کئے گئے تھے۔ غرض سفارت مایوس ہو کر پیلوس چلی آئی اور ہنگامی صلح ختم ہو گئی۔ مگر لکدمونیوں کی جانب سے شرائط کی کسی خفیف خلاف ورزی کے بہانے، اہل ایتھنز نے اُن کے وہ ساٹھ جہاز جو واپسی کی شرط کے ساتھ انہیں دئے گئے تھے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

لیکن ناکہ بندی کو ایتھنز والوں نے جتنا سمجھ رکھا تھا، اُس سے کہیں دشوار نکلی۔ اُن کے پاس ایتھنز سے بیس جنگی جہاز کی کمک آگئی تھی اور یہ سب جزیرے کے گرد خلیج اور کھُلے سمندر کی طرف، بجز اس کے کہ پانی میں تلاطم ہو، پڑے رہتے تھے۔ دو جہازوں کا کام یہ ہوتا تھا کہ ایک جزیرے کے ایک طرف سے اور دوسرا دوسری طرف سے، برابر چکر لگاتے رہیں۔ لیکن محصورین نے جزیرے میں سامانِ خوراک اور مکھن شراب لانے کی بڑی بڑی رقمیں مقرر کر رکھی تھیں اور اگر کوئی ملوت اس قسم کی خدمت انجام دیتا تو اُسکے صلے میں اُسے آزاد کر دیتے تھے۔ جب مغرب یا شمال سے باد تند چلتی اور ایتھنزی جہازوں کو بہا کے خلیج میں پہنچا دیتی تو اس وقت رسد کی کشتیاں لانے والے جان پر کھیل کر کھُلے سمندر کے مخدوش ساحل پر چپو مارتے نظر آتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض مشتاق غوطہ خور، مشک کی مدد سے کسی نہ کسی طرح جزیرے کا ساحل جا لیتے تھے۔ اور مشک میں وہ پوست کے بیج شہد میں ملا کے اور السی کوٹ کے بھر لیتے تھے۔

سفاک ترِیا کا محاصرہ اس قدر طول کھینچتا گیا کہ ایتھنز کے

لوگوں سے صبر نہ ہو سکا۔ وہ پچھتانے لگے کہ انہوں نے لکدمونیوں سے صلح کا موقع کیوں کھو دیا۔ ساتھ ہی کلیون، جیسا پہلے ہر دلعزیز تھا اب اس سے برگشتگی پیدا ہونے لگی۔ لیکن اُس نے یہ دلیری اختیار کی کہ پیلوس کے حالات کی جو اطلاعیں آئی تھیں انہیں غلط بتایا۔ اور کہنے لگا کہ "اگر ہمارے سپہ سالاروں میں ذرا بھی ہمت ہو تو وہاں جاکر محصورین سے ہتیار رکھوا لینا کونسی دشوار بات ہے۔" اس میں سپہ سالار نکیاس پر چوٹ تھی۔ اور پھر اُس نے دعوے کیا کہ "اگر میں سپہ سالار ہوتا تو جو کچھ کہا ہے اُسے کر دکھاتا!" یہ سُن کر نکیاس اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے ہم منصب سپہ سالاروں کی طرف سے آمادگی ظاہر کی کہ کلیون کو جس قدر فوج کی ضرورت ہے، اُن سے لے اور ایک کوشش وہ بھی کر کے دکھائے۔

توسی ڈای ڈیز کا بیان ہے کہ کلیون اوّل نکیاس کے اس قول کو محض مصنوعی سمجھا اور خود پیلوس جانے پر آمادہ ہوگیا۔ لیکن جب اُسے معلوم ہوا کہ نکیاس نے جو کچھ کہا تھا اُسے حقیقت میں پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو اُس وقت اُس نے گریز کرنا چاہا اور کہنے لگا کہ میں سپہ سالار نہیں ہوں۔ نکیاس سپہ سالار ہے، وہی جائے۔ مگر مجمعِ عام میں ہر طرف سے اصرار ہونے لگا اور اُسے اپنے قول سے پھرنے کی کوئی راہ نہ ملی تو آخر وہ مہم لیجانے پر کمر بستہ ہو گیا اور علی الاعلان دعوے کیا کہ یا تو وہ لکدمونیوں کو زندہ گرفتار کر کے لائے گا اور یا وہیں اُن کا فیصلہ کر دے گا۔ مگر یہ روایت اتنی پُر لطف ہے کہ بناوٹی معلوم ہوتی ہے۔ بہر نوع،

کلیون اپنی خوشی سے سپہ سالار بنکر گیا یا مجبوراً، اُس نے جو کچھ کہا تھا اور جس پر ایتھنز کے لوگوں کو ہنسی آگئی تھی، اس کو حرف بہ حرف صحیح ثابت کردیا۔ مجلسِ ملکی میں یہ قرارداد ہوتے ہی **کلیون** نے **دموس تنیس** کو اپنا شریکِ منصب منتخب کیا اور بلا تاخیر جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوگیا۔

سفاک تریا پر فوج اُتارنی دشوار تھی۔ دوسرے وہاں ہر طرف جھاڑیاں تھیں اور محصورین کو جو اس جزیرے کے چپے چپے سے واقف تھے مدافعت کرنے میں ان سے بہت مدد مِل سکتی تھی۔ لیکن کلیون کے پہنچنے سے پہلے ان جھاڑیوں میں اتفاقیہ آگ لگ گئی اور ان کا بہت سا حصّہ صاف ہوگیا تھا۔ اور اب لکدمونیوں کی تعداد اور صف آرائی اچھی طرح نظر آسکتی تھی۔ ان کے پاس صرف ۴۲۰ اسپارٹی جوان (ہپ لیت) اور شاید اسی قدر تعداد ہلوتوں کی تھی۔ تاہم اس پہاڑی زمین پر بچاؤ کے قدرتی موقعے ایسے موجود تھے کہ جب ایک دن صبح ہونے سے پہلے کلیون اور دموس تنیس نے چودہ ہزار سپاہی ساحل پر اُتار دئے تو اس وقت بھی یہ مہم سر کرنا نہایت دشوار تھا۔ لیکن اسپارٹہ والوں کی خبر رسانی کا انتظام ناقص تھا اور اُن کی اگلی چوکیاں پہلے ہی حملے میں دشمن کے قبضے میں آگئیں اور انہیں نیم مسلّح سپاہیوں اور تیر اندازوں کی جماعتِ کثیر نے ہر طرف سے گھیر لیا جنھیں اس موقع کے لئے **کلیون** خاص طور پر اپنے ہمراہ لے کر چلا تھا۔ پھر بھی اسپارٹہ کی سپاہ لڑتی ہوئی جزیرے کے شمال میں ایک اونچی پہاڑی تک

ہٹ آئی جس کے گرد قدیم "جناتی" وضع کی دیوار بنی ہوئی تھی اور اب بھی اُس کے آثار باقی ہیں۔ یہاں پہنچکر وہ مقابلے میں ڈٹ گئے، آخر ایک مسّنوِی سردار نے جو اَب نوپاکتوس میں جا بسا تھا، اہلِ ایتھنز کی مشکل حل کی اور ایک راستے کا جو مدافعین کے عقب میں نکلتا تھا پتہ بتایا۔ پھر چند نیم مسلّح سپاہی کشتی میں ساتھ لے کے وہ دوسری طرف سے پہاڑی کے دامن میں پہنچا اور ایک ایسے تنگ درے سے اُوپر چڑھا جس میں بہ ظاہر جانے کا راستہ نہ مل سکتا تھا۔ اسی سے گزر کے وہ اپنے سپاہیوں کو لئے ہوئے خاص اس پہاڑ کی چوٹی پر آنکلا جس کے سامنے نیچے کی ڈھلانوں پر اہل اسپارٹہ ہلالی صف جمائے پڑے تھے۔ عقب میں پہنچتے ہی انہوں نے لکدمونیوں سے ہتیار ڈال دینے کی فرمایش کی اور اعلیٰ سپہ سالار سے گفتگو کے بعد جو دوسری طرف سامنے کے میدان میں صف آرا تھا، انہوں نے ہتیار رکھ دیئے۔ ان اسپارٹی اسیرانِ جنگ کی تعداد ۲۹۴ تھی اور جب یہ ایتھنز لائے گئے تو ساری دنیائے یونان یہ خبر سُنکر حیران رہ گئی کیونکہ اب تک سب کو یہی یقین تھا کہ اسپارٹہ کے سپاہی مرجاتے ہیں مگر ہتیار نہیں رکھتے۔

کلیون نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ بیس دن کے اندر وہ اسیرانِ جنگ کو ایتھنز لے آیا۔ مگر یہ کامیابی جنگی اعتبار سے اتنی وقیع نہ تھی جس قدر کہ سیاسی اثرات کے لحاظ سے۔ بے شبہ اب پیلوس کو اپنا مستقر بنا کے وہ لکدمونیوں کا علاقہ تاخت و تاراج کرسکتے تھے لیکن اس سے کہیں بڑھ کر فائدہ یہ تھا کہ ایٹی کا پر آیندہ

یورشیں روکنے کے لئے، یہ قیدی گویا یرغمال کے طور پر اُن کے ہاتھ میں تھے اور وہ جب چاہیں بہتر سے بہتر شرائط پر صلح کر سکتے تھے۔ نظر بریں تمام جنگ میں سب سے اہم فتح سفاک تریا کی تھی؛ دوسرے ہی سال نکیاس نے جزیرہ کیتھرا کو چھین لیا جہاں سے وہ خاص لقونیہ پر تاخت کر سکتا تھا۔ بنفسہ اس جزیرے کا نقصان اسپارٹہ کے حق میں پیلوس سے زیادہ اندیشہ ناک تھا۔ لیکن دیگر متعلقہ واقعات کی وجہ سے پیلوس نے جتنی ہل چل پیدا کر دی تھی اُس کی آدھی بھی کیتھرا کے واقعے سے نہ پیدا ہوئی؛

۱۰- ایتھنز کی فوج کشی بیوشیہ پر

جنگ کے ابتدائی سات سال تک، دو دفعہ کے سوا ایٹی کا پر ہر برس دشمن نے یورش کی۔ اور وہ دو برس جن میں یہ علاقہ پامالی سے بچا رہا ۴۲۹ اور ۴۲۶ ق م تھے کہ پہلے میں تو حملے کا ہدف پلاٹیہ تھا اور دوسری دفعہ یعنے ۴۲۶ ق م میں زلزلوں کی وجہ سے پلوپنی سس کی فوج خاکنائے کورنتھ سے آگے نہ بڑھی؛ اس کے جواب میں اہل ایتھنز بھی علاقۂ مگارا پر ہر موسم بہار و خزاں میں یعنے سال میں دو مرتبہ حملہ کرتے رہتے تھے۔ لیکن تسخیر پیلوس کے بعد اُن کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے مگارا کے خلاف زیادہ وسیع پیمانے پر فوج کشی کی۔ اس منصوبے کو عمل میں لانے کا انتظام دموس تینیس اور ہیپوکراتیس نامی سپہ سالاروں کے سپرد تھا اور وہ نیسایا بلکہ لمبی دیواروں کو بھی چھین لینے میں کامیاب

ہو گئے ۔(۴۲۴ ق م) اور اگر اسپارٹی سپہ سالار براسی ڈس بروقت نہ آنکلے تو خود شہر مگارا پر بھی اُن کا قبضہ ہو جاتا۔ مگر براسی ڈس کے ساتھ انہیں قوت آزمائی کی جرأت نہ ہوئی ؛

با ایں ہمہ نیسایا کی (جو سی سالہ معاہدۂ صلح کے وقت اُن کے ہاتھ سے نکل گیا تھا) دوبارہ تسخیر نہایت وقیع کامیابی تھی اور جن سپہ سالاروں نے اسے حاصل کیا تھا اُن کی چشم پُر ہوس کو یہ فتح اُن کل علاقوں کی دوبارہ تسخیر کی تمہید نظر آنے لگی جو کسی وقت ایتھنز کے تسلط میں تھے۔ اور اب انہوں نے اپنے ہم وطنوں کو بیوشیہ کے دوبارہ لینے پر اُبھارا جسے ایتھنز کرونیہ کے میدان میں ہار آیا تھا؛

تجویز یہ تھی کہ دموس تنیس پہلے نوپاکتوس جائے اور وہاں سے اہل اکرنانیہ کی ایک جمعیت فراہم کرکے سی فی پر قبضہ کرلے جو کوہ ہلی کُن کے دامن میں ایک راس پر، شہر تھس پیہ کی بندرگاہ تھی۔ جس روز وہ وہاں پہنچے، اسی روز ہیپوکراتیس کو قرار داد کے موافق شمال مشرق سے بیوشیہ میں گھس کر شہر دلیوم میں اپالو دیوتا کے مندر پر قبضہ کرنا تھا اور یہ وہ مندر ہے جو یوبیہ کے للانتی میدانوں کے مقابل یونانی ساحل پر بنا ہوا تھا؛ اس کے علاوہ علاقۂ بیوشیہ کے سب سے مغربی شہر شیرونیہ کے بعض شہریوں سے یہ سازش ہوگئی تھی کہ ایتھنزی حملے کے ساتھ ہی وہ اس شہر پر قبضہ کرلیں گے۔ غرض بیوشیہ کی حکومت پر وقتِ واحد میں تین طرف سے ضربیں لگنے والی تھیں، اور تینوں حملوں کا ایک دن مقرر ہوگیا تھا؛ لیکن فوکیس کے ایک باشندے نے راز فاش کردیا اور بیوشیہ کے

بیوتارک (یعنے حاکم اعلےٰ) نے تسی فی پر قبضہ کر کے سارا منصوبہ خاک میں ملا دیا اور دوسری جانب ہیپوکراٹیس کے مقابلے کی غرض سے اُس نے بیوشیہ کی تمام قابلِ جنگ آبادی کو فوج میں بھرتی کرلیا۔

ہیپوکراٹیس کو ڈلیوم پہنچ کر مورچہ بندی کی فرصت مل گئی تھی (۴۲۴ ق م) اُس کے پاس ۷ ہزار ہُپ لیت اور ۳۰ ہزار نیم مسلح سپاہی تھے۔ اور مندر کے گرد کھائی کھود کر اُس نے ایک مضبوط حصار اور لکڑیوں کی باڑ تیار کرلی تھی لیکن اب وہ فوج لیکے واپس ایتھنز جارہا تھا کہ راستے میں دفعتاً اُس پر بیوشیہ کے حاکم پگون ڈس نے حملہ کیا۔ اُس کے پاس بھی اپنے حریف کے برابر ۷ ہزار ہُپ لیت سپاہی تھے اور ایک ہزار سوار اور دس ہزار سے زیادہ نیم مسلح پیادے۔ میمنے میں تھبز کے سپاہی آگے پیچھے پچیس قطاروں کی نادِر ترتیب میں صف آرا تھے اور باقی حصّوں کی ترتیب مختلف تھی۔ مگر ایتھنزی فوج، ایک سرے سے دوسرے تک مساوی فصل کی آٹھ قطاروں میں صف بستہ تھی۔ لڑائی میں بازوؤں کی فوج کے لڑنے کی نوبت ہی نہ آئی کیونکہ یہاں فریقین کے بیچ میں ندی نالے حائل تھے لیکن باقی سپاہ صفِ مقابل سے مل گئی، اور ڈھال پہ ڈھال مار مار کے دونوں طرف کے سپاہی غضب ناک تُندی کے ساتھ ایک دوسرے پر حملہ آور ہوے۔ ایتھنز کا دایاں بازو جنگ میں غالب تھا لیکن اُن کا میسرہ تھبز کی گنجان قطاروں کا ریلا نہ روک سکا۔ اُدھر میمنے کو جو غلبہ حاصل ہوا تھا وہ اِس لئے بے کار ہوگیا کہ اسی وقت ایک طرف سے سواروں کا دستہ دفعتاً نمودار ہُوا۔ دراصل پگون ڈس نے

ادھر اپنی صفوں کی حالت دگرگوں دیکھ کر، اس دستے کو پہاڑی کے گرد چکر دے کے اس طرح بھیجا تھا کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائی۔ ایتھنز والوں نے سمجھا کہ یہ کسی بڑی فوج کا ہراول ہے اور اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ ہپوکراتیس مارا گیا اور تمام فوج تتر بتر ہوگئی۔

دلیوم کی جنگ نے کرونیہ کے فیصلے پر مہرِ تصدیق ثبت کردی۔ ایتھنز کو بیوشیہ میں راج کرنے کی جو امیدیں تھیں، ان کا خاتمہ ہوگیا۔

۱۱۔ تھریس کے معرکے سقوط امفی پولس

دلیوم کی شکست سے ایتھنز کی ناموری میں ضرور داغ آگیا تھا۔ لیکن اُس کی قوت کو کوئی بڑا صدمہ نہ پہنچا تھا۔ مگر اُس کے لئے یہ سال ہی نہایت منحوس تھا اور تھریس کے علاقے میں ایک اور ضرب کاری لگنے والی تھی۔

مقدونیہ کا ابن الوقت بادشاہ پردکاس ایتھنز اور اسپارٹہ دونوں سے سازباز رکھتا تھا۔ ایک دفعہ تو اُس نے ایتھنز کے خلاف کالسی ڈیس والوں کی مدد کی تھی اور پھر ایک موقع پر انہی باغیوں کے مقابلے میں اہلِ ایتھنز کی طرف جا ملا تھا۔ پیلوس کی کامیابی سُن کر اُسے اور کالسی ڈیس کے باشندوں کو خوف ہوا کہ مبادا اب ایتھنز تھریس میں بھی پاؤں پھیلائے۔ اسی خیال سے انہوں نے اسپارٹہ کو سفیر بھیج کر مدد کی درخواست کی اور اپنی یہ تمنا ظاہر کی کہ امداد کے لئے جو فوجیں بھیجی جائیں اُن کا سپہ سالار براسی ڈس ہو۔ اس فوج میں اسپارٹہ کا کوئی شہری نہیں بھیجا گیا تھا۔ صرف ۷۰۰ ہلوت

ہپ لیتوں کی مثل آراستہ کر دیے گئے تھے۔اور انہی میں پلوپنی سس کے چند نو آموز آملے تھے جنھیں براسی ڈس شمال کی طرف لے کے چلا تھا اور راستے میں محض اتفاق سے بر وقت پہنچ کر شہر مگارا کو اُس نے ایتھنز کے پنجے میں پڑنے سے بچا لیا تھا جس کا حال ہم اُوپر پڑھ آئے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ براسی ڈس بھولے سے اسپارٹہ میں پیدا ہوگیا تھا، ورنہ شجاعتِ ذاتی کے سوا اُس میں اور اُس کے ہم وطنوں میں اور کوئی بات مشترک نہ تھی۔اور شجاعتِ ذاتی، براسی ڈس کے دیگر اوصاف میں گویا سب سے کم درجے کا وصف ہے۔اُس نے ایسی بے چین طبیعت پائی تھی اور کارہائے مردانہ کا اس قدر جوش اُس کے دل میں بھرا ہوا تھا کہ اُسکے وہمی اور کاہل ہم وطن اُسکی کوئی قدرو ہمت افزائی تک نہ کرتے تھے۔اس میں اور لکدمونیوں میں دوسرا ما بہ الامتیاز یہ تھا کہ اُس کے ہم وطن اس بارے میں بدنام تھے کہ اُنہیں تقریر کرنی نہیں آتی۔اور براسی ڈس میں خاص خطیبانہ قابلیت موجود تھی۔پھر یہ کہ ملکی تعصبات سے وہ بالکل پاک تھا اور سیاسی مباحث میں حصہ لیتے وقت کبھی بُردباری، اعتدال اور متانت کو ہاتھ سے نہ دیتا تھا۔اس کے علاوہ وہ مزاج کا بہت سادہ اور کھرا آدمی تھا۔لوگوں کو کامل اعتبار تھا کہ وہ جو کچھ کہہ دیتا ہے اُس کے خلاف کبھی نہیں کرتا لیکن براسی ڈس کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ بیرونی ممالک میں بھی محبوب و ہر دل عزیز تھا۔اور پردیسی اور اجنبی تک اُس کے گرویدہ ہوجاتے تھے۔

یہی وہ خوبی ہے جس نے براسی ڈس کی زندگی کے کارناموں کو چار چاند لگادئے اور جسے دیکھکر شاید کسی طرح یقین نہ آسکتا تھا کہ وہ اسپارٹہ کے دُودمان سے ہے ۔

بہر حال کچھ اپنی محل شناسی اور سُرعتِ رفتار کی بہ دولت اور کچھ پردکاس کی وجاہت کے طفیل، براسی ڈس تھسالیہ سے گزر گیا ۔ حالانکہ یہ علاقہ لکدمونیوں سے ذرا بھی موافقت نہ رکھتا تھا؛ پھر جب وہ مقدونیہ پہنچا تو پردکاس نے شمالی مقدونیہ میں لن سِس تیانیوں کے مقابلے میں اُس کی اعانت چاہی ۔ لیکن براسی ڈس کالسی ڈیس پہنچنے کے لئے بیقرار تھا اور اُس نے کسی نہ کسی تدبیر سے اس قوم سے علیٰحدہ قرار داد کرلی ۔ پردکاس دیکھتا رہ گیا، اور براسی ڈس اکان توس اور دوسرے یونانی شہروں کو وابستۂ اتحاد بناتا ہوا مغرب میں دریاے سترِیمُن تک بڑھا کہ شہر امفی پولس پر حملہ کرے جو نہ صرف تھریس میں سب سے ممتاز بلکہ ایتھنز کی کل سلطنت کے چیدہ مقامات میں داخل تھا؛ جاڑے کی سردرات میں کوچ کرتا ہوا جب وہ سترِیمُن کے پُل پر پہنچا تو وہاں روکنے کے لئے پاسبانوں کی ایک قلیل جماعت ملی جسے اُس نے بلا دقّت مغلوب کرلیا؛ خود امفی پولس میں کسی قسم کی تیاّری نہ کی گئی تھی ۔ لیکن براسی ڈس کو شہر پر بلا تکان حملہ کر دینے کی جرأت نہ ہوئی ۔ اُسے انتظار تھا کہ خود شہر کے اندر جو لوگ مل گئے تھے وہ اس کا دروازہ کھول دیں؛ اتنے میں خود وہ گرد و نواح کے علاقے پر اپنا تسلط جماتا رہا؛ امفی پولس جیسے اہم مقام کا جنگ کے ایسے نازک وقت میں

اس طرح بے سروسامان پڑا رہنا، اُن دو سپہ سالاروں کی سخت مجرمانہ غفلت نظر آتی تھی جنھیں ایتھنز کے تھریسی مقبوضات سپرد کئے گئے تھے۔ ان میں ایک الوروس کا بیٹا توسی ڈای ڈیز (مورخ) تھا اور دوسرا یوکلیس۔ یوکلیس آمفی پولس میں موجود تھا اور اُس کا پُل پر اس قدر ناکافی پہرہ قائم کرنا ایسا قصور ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی اِدھر توسی ڈای ڈیز کا ایسے وقت میں بیڑے کو تھاسوس لے کے چلا جانا، جہاں (لوگ الزام لگاتے تھے کہ) بعض کانیں خود اُس کی مملوکہ تھیں، سخت قابلِ مواخذہ کارروائی تھی۔ اُسے فوراً براسی ڈس کے پہنچنے کی اطلاع بھیجی گئی اور وہ سات جنگی جہاز لے کر بہ عجلت اُسی روز شام کو ستری مُن کے دہانے پر آپہنچا تھا۔ لیکن اس اثناء میں براسی ڈس نے آمفی پولس کے لوگوں کے سامنے اتنی آسان شرائط پیش کیں کہ وہ انہیں قبول کرچکے تھے۔ (۴۲۴ء ق م)۔ توسی ڈای ڈیز ذرا ہی بعد از وقت پہنچا تاہم دریا کے دہانے پر شہر ائیون کو اُس نے بچا لیا اور اس پر سے براسی ڈس کا حملہ بھی دفع کردیا۔

جنگِ پلوپنی سس کی تاریخِ کبیر جو توسی ڈای ڈیز نے لکھی ہے عجب نہیں کہ محض سقوطِ امفی پولس کی بہ دولت عالمِ وجود میں آئی ہو۔ کیونکہ اہل ایتھنز نے اپنے نہایت قیمتی علاقے کے نکل جانے کا انہی سپہ سالاروں کو الزام دیا۔ اور توسی ڈای ڈیز کو جلا وطنی کی سزا ملی۔ غالباً اتنی سخت سزا جس کا وہ مستحق نہیں معلوم ہوتا کلیون کی کوشش کا نتیجہ تھی جو توسی ڈای ڈیز سے کاوش رکھتا تھا۔ لیکن ایتھنز کا یہ بدنام سپہ سالار جلا وطنی ہی کے زمانے میں یونان کا سب سے

بڑا مورخ بنا۔ اور جیسا کہ خود تحریر کرتا ہے اس کو "اسی کنجِ عزلت میں بیٹھ کر اطمینان سے واقعاتِ جنگ دیکھنے کا موقع ملا۔ اور اب دونوں فریقوں سے میرا تعلق ایک سا تھا۔ یعنے جتنا پلوپنی سِس والوں کے ساتھ تھا اُتنا ہی جلا وطنی کی بہ دولت ایتھنز والوں کے ساتھ رہ گیا تھا"۔

دریائے سٹریمَن پر مُسلّط ہونے کے بعد براسی ڈس پلٹ پڑا اور کالسی ڈیس کی مشرقی اور بلند شاخ پر جتنے چھوٹے چھوٹے قصبے آباد تھے انہیں مطیع و منقاد کیا اور بسی تھونیہ کے سب سے مستحکم شہر تروَن پر قابض ہو گیا۔

۱۲- صلح کی سلسلہ جنبانی

اس عرصے میں اہل ایتھنز نے براسی ڈس کے فاتحانہ حملے روکنے کی کوئی تیاری نہ کی۔ دلیوم کی ہزیمت نے اُن کے حوصلے ایسے پست کر دیئے تھے کہ اب وہاں کے شہری تھریس جا کر پھر مشقّتِ جنگ برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ اس بات کو ہمیشہ مدِنظر رکھنا چاہیئے کہ تاریخِ یونان کی لڑائیوں میں ہم جن سپاہیوں کا حال پڑھتے ہیں وہ پیشہ ور سپاہیوں کی کوئی علیحدہ فوج نہ ہوتی تھی بلکہ عام اہل شہر ہی جنگ کے وقت مجتمع کر لئے جاتے تھے۔ جنگ سے پہلو تہی کا دوسرا سبب یہ تھا کہ ایتھنز میں ایک فریق صلح کا حامی تھا اور اس کے خاص سرگروہ نکیاس اور لاکیس نامی سپہ سالار تھے۔ اور اس فریق کو لوگوں کی افسردہ خاطری دیکھ کر بہت اچھا موقع مل گیا تھا کہ

اُنہیں صُلح پر مائل کرے۔ ادھر، لکدمونیوں کا جہاں تک تعلق ہے، وہ لوگ اہلِ ایتھنز سے زیادہ اور از خود صلح کے متمنی تھے۔ ایک طرف تو اُنہیں سفاکٹریا کے اسیرانِ جنگ کو چُھڑانے کی فکر زیادہ ہوتی جاتی تھی اور دوسرے وہ خود اپنے ہم وطن براسی ڈس کی مساعیِ جنگ کو روک دینے کے خواہاں تھے۔ کالسی ڈیس میں جو کچھ کامیابیاں وہ حاصل کرچکا تھا اُن سے وہ فایدہ اٹھانا چاہتے تھے تاکہ اس سے قبل کہ اُسے کسی شکست کا منہ دیکھنا پڑے یا کیا کرایا کام خراب ہو جائے، اہلِ ایتھنز سے حسبِ دلخواہ شرائط پر صلح کرسکیں۔ علاوہ بریں براسی ڈس کے شجاعانہ کارناموں کی خبریں جب اسپارٹہ پہنچیں تو وہاں لوگوں کو خالص مسرّت نہ پیدا ہوی تھی بلکہ اس کی فتوحات حسد اور بدگمانی کی نظر سے دیکھی جانے لگی تھیں۔ غرض ان سب اسباب کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارچ ۴۲۳ ق م میں ان دونوں ریاستوں کی ایک سال کے لئے ہنگامی صلح ہو گئی کہ اس عرصے میں فرصت اور اطمینان سے بیٹھ کر مستقل صلح کی شرائط طے پا سکیں۔

لیکن اسی زمانے میں کالسی ڈیس کی مغربی شاخ پر شہرِ سکیونہ نے ایتھنز سے سرتابی کی اور دستگیری کے لئے براسی ڈس کو بلایا۔ اس بغاوت سے چندہی روز بعد ہمسائے کے شہر مندہ نے بھی اُس کی تقلید کی۔ لیکن براسی ڈس کی فوجوں کو اس وقت شاہِ مقدونیہ (پردکاس) تنخواہ دے رہا تھا اور اس لئے وہ مجبوراً لن سس تیاینیوں پر فوج کشی میں دوبارہ پردکاس کے ساتھ ہو گیا تھا۔ لن سس تیاینیوں کی کمک پر الیریہ والوں کی فوج آپہنچی تھی اور اس قوم کی خونخواری کا

ایسا رعب تھا کہ اُن کے آتے ہی اہل مقدونیہ کے حواس درست نہ رہے اور پردکاس کی تمام فوج بھاگ نکلی، اور براسی ڈس کی قلیل جمعیت کو اُس کے حال پر چھوڑ گئی کہ جس طرح ممکن ہو اپنا راستہ خود نکالے۔ براسی ڈس اُس وقت نہایت خطرے میں گھر گیا تھا تاہم صحیح سلامت اپنی فوج کو نکال لے گیا؛ مگر اس واقعے سے اس میں اور اہل مقدونیہ میں نا چاقی ہوگئی۔ ابن الوقت پردکاس نے پھر پہلو بدلا اور ایتھنز کے ساتھ ہوگیا اور اپنی نئی دوستی کے ثبوت میں، اُس نے اُن فوجوں کو تھسالیہ میں گزرنے سے روک دیا جو براسی ڈس کی کمک پر اسپارٹہ سے روانہ کی گئی تھیں۔

براسی ڈس تِرُون میں واپس آیا تو معلوم ہوا کہ ایتھنز کے ایک بیڑے نے شہر مندہ کو پھر لے لیا اور اب سکیونہ کو گھیر رہا ہے؛ واضح ہو کہ اسپارٹہ اور ایتھنز میں جو ہنگامی صلح ہوئی اُس کی اور سب جگہ پابندی کی جارہی تھی لیکن تھریس کی معرکہ آرائی کے معاملے میں فریقین "خاموشی، نیم رضا" برت رہے تھے اور ان لڑائیوں کا دوسرے مقامات کی ہنگامی صلح پر کچھ اثر نہ پڑنے دیتے تھے؛ بایں ہمہ سال کے خاتمے پر ایتھنز کی عام راے میں نمایاں تبدیلی ہوگئی۔ پھر کلیون سب پر حاوی ہوگیا۔ اور وہ پری کلس کے اس اصول پر چلتا تھا کہ ایتھنز کے مقبوضات میں کوئی کمی نہ آنے پائے۔ اس موقع پر اُسے نظر آرہا تھا کہ جب تک براسی ڈس کی دراز دستی کو پوری مستعدی سے تھریس میں نہ روکا جائے گا ایتھنز کے مقبوضات کی سلامتی محال ہے۔ لہٰذا جب ہنگامی صلح کی میعاد ختم ہوئی تو اُس نے اپنے حسب منشا

یہ تحریک منظور کرالی کہ امفی پولس کو دوبارہ تسخیر کرنے کے لئے ایک مہم روانہ کی جاے۔

۱۳- جنگ امفی پولس اور معاہدۂ نکیاس

کلیون تیس ۳۰ جہاز لے کے تھریس روانہ ہوا۔ جہازوں میں ۱۲ سو ایتھنزی ہمپ لیت اور ۳ سو سوار ایتھنز اور نیز اتحادیوں کے، ساتھ تھے۔ ابتدا ہی میں اُسے ایک معقول کامیابی تو یہ حاصل ہوئی کہ ترون پر قبضہ ہوگیا اور وہاں کا لکدمونی عامل گرفتار کرلیا گیا۔ براسی ڈس اسے نجات دلانے پہنچا تو وقت نکل چکا تھا۔ اس کے بعد کلیون نے دریاے سترمن کے دھانے پر ائیون کو اپنا مستقر بنایا اور مزید کمک آجانے تک یہیں قیام کرنے کا ارادہ کیا۔

ادھر براسی ڈس، دریائے سترمن کی دوسری طرف، شہر امفی پولس کے بالائی رخ ایک پہاڑی پر خیمہ زن تھا۔ ایتھنزی سپاہی اپنے سپہ سالار کے اس طرح بیکار پڑے رہنے پر جیں بجبیں ہورہے تھے۔ لہذا کلیون ایک روز موقع کی دیکھ بھال کے لئے نکلا اور امفی پولس کی شہر پناہ کے قریب تک پہنچ گیا تھا کہ اُس وقت یہ بھید کھلا کہ براسی ڈس اُن کو دیکھتے ہی چپکے سے شہر کے اندر اُتر آیا اور اب حملہ کیا چاہتا ہے۔ فوراً سپاہیوں کو واپسی کا حکم دیا گیا لیکن اس کی بے پروائی سے تعمیل ہوئی اور براسی ڈس دفعتاً ۱۵۰ سپاہی لے کر اُن پر آپڑا اور پوری قطار درہم برہم کردی۔ کلیون اپنے ساتھیوں سمیت بھاگا اور بھاگتے میں تیر کھا کے مارا گیا۔ لیکن اور

ہر طرف اہل ایتھنز نے جم کر مقابلہ کیا اور اسی گھمسان میں براسی ڈس نے مہلک زخم کھایا۔ وہ اتنی ہی دیر جیا کہ فتح میں کچھ شک باقی نہ رہا لیکن خود اُس کی موت ایسی شکست تھی جس نے اس فتح کی تمام خوشی کو رنج و حسرت سے بدل دیا تھا۔ امفی پولس والوں نے اوتار یا سُورما بنا کے اُس کی تجہیز و تکفین کی، اُس کے نام قربانیاں کیں اور اس کی یاد گار میں سالانہ تہوار منایا جانے لگا۔

۱۰۔ براسی ڈس کے مرتے ہی صلح کی سب سے بڑی رکاوٹ دُور ہوگئی۔ کیونکہ اب کوئی شخص نہ اس قابل تھا نہ آمادہ کہ تھریس میں براسی ڈس کے وسیع منصوبوں کی تکمیل کا پھر بیڑا اٹھاتا۔ اِدھر کلیون کی شکست اور موت نے نکیاس اور صلح جو فریق کو مختار کار بنا دیا تھا۔ غرض صلح کی گفتگو شروع ہوئی اور تمام موسم خزاں اور سرما میں طویل بحث مباحثے کے بعد ماہ مارچ کے آخر میں صلح نامہ مکمل ہوگیا۔ (۴۲۱ ق م)۔ قیام امن کی یہ قرار داد (جس کے بانی مبانی نکیاس اور اُدھر اسپارٹہ کا بادشاہ پلیس تو ناکس تھے) پچاس سال کے لئے ہوئی تھی۔ اور اس کی رو سے ایتھنز کو پیلوس اور کیتھرا سمیت تمام علاقے جو جنگ پلوپنی سس میں اُس نے چھینے تھے واپس دینے پڑے۔ مگر نیسایا اور ساحل اکرنانیہ کی دو بندرگاہیں اپنے قبضے میں رکھنے پر اہل ایتھنز اڑے رہے۔ یہ بندرگاہیں، سلیئن اور اناک ٹریئن تھیں جہاں سے کرکایرا کی بحری شاہ راہوں کی نگہبانی کی جا سکتی تھی۔ اور لکدمونیوں نے امفی پولس، اکان توس وغیرہ تھریس کے جو شہر لئے تھے، انہیں واپس دیدیا۔ اور فریقین نے

جنگ میں جن سپاہیوں کو اسیر کیا تھا، اُن سب کو آزادی مل گئی ؛

جب متحدہ ریاست ہائے پلوپنی سس کے نائبین کے سامنے یہ شرائط پیش کی گئیں تو سُلئین اور اناک تُرئین کو چھوڑ دینے پر اہل کورنتھ بہت ناراض ہوئے۔ مگارا کو نیسایا کے حوالے کردیئے جانے پر نہایت غُصّہ آیا۔ اور اہل بیوشیہ کو کوہ ستھی رُن کا ایک قلعہ نپاکٹُن چھوڑنا ناگوار ہوا جسے انھوں نے اُسی زمانے میں فتح کیا تھا؛ لیکن وہ خوش ہوں یا ناراض، اتھنز اپنی ان شرائط میں کوئی کمی گوارا نہ کرسکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صلح ناقص رہی۔ اتّحاد پلوپنی سس کی سب سے با اثر ریاستوں نے اُن شرائط کے قبول کرنے سے انکار کردیا اور علاقہ الیس بھی اُن کا شریک ہوگیا۔ غرض اس مقصد میں کہ جو حصارِ امن و صلح بنایا جائے وہ دیرپا ہو، نکیاس کی سیاسی داد وستد بالکل ناکام ثابت ہوئی ؛

باب یازدہم

سلطنت ایتھنز کا زوال اور خاتمہ

۱۔ ارگوس کے ساتھ نیا سیاسی اتحاد

عہد نامہ نکیاس سراسر ناکام رہا۔ نہ صرف کورنتھ اور بعض دوسرے حلیفوں نے شرائط صلح ماننے سے انکار کیا بلکہ جن فریقین نے دستخط کردئیے تھے انہیں بھی اپنی قرارداد شرائط پر عمل کرانے کی کوئی صورت نہ نظر آئی۔ اہل کالسی ڈیس امفی پولس کے حوالے کرنے پر رضامند نہ ہوے اور اسپارٹہ والوں کی اُن پر کوئی زبردستی نہ چل سکتی تھی۔ اس پر ایتھنز نے سفاکٹریا کے قیدیوں کو چھوڑنے سے انکار کیا تو یہ حق بجانب تھا۔ مگر اسپارٹہ انہیں جس طرح بنے آزادی دلانے کیلئے

بیقرار ہو رہا تھا اور اُس نے نہ صرف صُلح بلکہ اپنے سابق دشمن (ایتھنز) کے ساتھ ایک دفاعی اتحاد کرنے کی تدبیر سوچی۔ یہ تجویز جس کی نکیاس نے بڑی گرمجوشی سے تائید کی قبول کرلی گئی اور آخر کار اسپارٹی اسیرانِ جنگ کو نجات حاصل ہوئی۔ مگر پیلوس اور کیتھرا اب بھی ایتھنز کے قبضے میں رہے؛ اسپارٹہ کے ساتھ ایسا اتحاد کرنا اتھنز کی غلطی تھی۔ اُسے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا اور قیام امن کی بہترین ضمانت (یعنی اسپارٹہ کے قیدی) اس کے ہاتھ سے نکل گئی؛ ادہر اس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست ہائے پلوپنی سس کی انجمن اتحاد جو اسپارٹہ کی سیادت میں قائم تھی، ٹوٹ گئی۔ کورنتھ، مان تینیا اور الیس نے سمجھا کہ اُن کے سرگروہ اسپارٹہ نے اُنہیں نہ صرف دغا دی بلکہ عجب نہیں کہ ایتھنز کی طرف سے مُطمئن ہو کے، اب وہ پلوپنی سس میں بالکل فرعون ہوجائے اور جو چاہے وہ کرے۔ پس کورنتھ کی شہ سے ان ریاستوں نے ارگوس کے ساتھ ایک جدید اتحاد قائم کیا۔ اور اب یہ ریاست (ارگوس) پھر یونانی تاریخ کے منظرِ عام پر جلوہ گر ہوتی ہے؛ کالسی ڈیس (تھریس) والوں نے اس اتحاد میں شرکت کی اور اس طرح یونان کی دو سربرآوردہ ریاستوں (یعنی ایتھنز و اسپارٹہ) کے مقابلے میں ایک نیا حریف صف آرا ہوگیا جسے عہد نامہ نکیاس کے تسلیم کرنے سے انکار تھا۔

مگر اگلے ہی سال (۴۲۰ء ق م میں) ایتھنز کی ایک نئی

کرشمہ ساز قوت نے ان ناپایدار فرقہ بندیوں کا تار و پود بکھیر دیا۔
کلیناس کا بیٹا الکی بیادیز جمہوریت پسند گروہ کا ہم آہنگ ہوگیا
تھا اور پری کلیس کے ہم خاندان ہونے کے اعتبار سے اسی
گروہ کی حمایت گویا ورثے میں اُسے ملی تھی؛ یہ صاحبِ
ثروت نوجوان غیر معمولی حسن و جمال اور ذاتی اوصاف کے ساتھ،
نمود و نمایش کا شائق اور اس درجے بے ادب تھا کہ اس کے
ہم وطن بعض اوقات اس کی بیہودگیوں کی تاب نہ لا سکتے تھے؛
وہ اپنی مردانگی کے جوہر دلیوم کی لڑائی میں دکھا چکا تھا جہاں
اس کی جان اُس کے دوست حکیم سقراط نے بچائی۔ خداداد
قابلیت اور ہمت مردانہ کے سوا یہ دونوں ہر لحاظ سے ایک
دوسرے کی ضد تھے مگر ان کی دوستی تاریخ میں مشہور ہے اور یہ
تعلق اِس نوجوان مُدبّر کی ذہنی تربیت کے حق میں یقیناً نہایت
سُود مند تھا۔ لیکن الکی بیادیز اپنے سیاسی عقائد میں فریق بندی
کے اُصول کا مطلق قائل نہ تھا اور اب بھی وہ صلح پسند فریق
کے خلاف میدان میں آیا تو اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ
نہ تھی کہ اِس وقت اُسے جنگ اور فتوحات ہی کے ذریعے شہرت
و اقتدار حاصل کرنے کی اُمید تھی۔

ادھر اسپارٹہ میں ایتھنز کے خلاف اور جنگ کا خواہاں ایک
فریق پیدا ہوگیا تھا جو ارگوس کے ساتھ رشتۂ اتحاد جوڑنے کی
فکر میں تھا؛ اسی کے توڑ میں الکی بیادیز کو یہ تدبیر سوجھی کہ تمام
جمہوری حکومتوں کی ایک انجمن بنائی جائے۔ چنانچہ اُس نے

ارگوس اور اُس کے حلیف الیس و مان تینیا کے ساتھ سو برس تک اتحاد کا معاہدہ طے کرلیا۔ (۴۲۰ قم) اور آیندہ موسم سرما میں ساز باز کرکے اولمپی تہوار سے بھی لکدمونیوں کو خارج کرادیا۔ اخراج کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ انھوں نے اس مبارک زمانے میں لیپ ریئن پر حملہ کیا اور مذہبی عہدو پیمان کی خلاف ورزی کی؛ اسی سال الکی بیادیز رتھ کی دوڑ جیتا اور اسطرح گو الکی بیادیز کی عام شہرت اور قوت بڑھی لیکن اسپارٹہ اور اتھینز میں سخت کشیدگی ہوگئی؛ بایں ہمہ امن نامہ نکیاس ابھی تک باضابطہ منسوخ نہیں ہوا تھا؛

سالِ آیندہ (۴۱۹ قم) موسم بہار میں الکی بیادیز کے اغوا سے اہل ارگوس نے علاقۂ اپی ڈُروس پر چڑھائی کی مگر الکی بیادیز ان حلیفوں کو اپنے ہم وطنوں سے کوئی کافی امداد نہ بھجوا سکا، اور اہل اسپارٹہ نے انتقام لینے کی غرض سے شاہ اگیس کے زیر علم خاص ارگوس کے علاقے پر فوج کشی کی۔ فریقین کا نمیہ کے قریب میدان میں مقابلہ ہوا اور معلوم ہوتا ہے نتیجہ اس قدر غیر یقینی تھا کہ دونوں طرف کے سپہ سالاروں نے لڑائی کی بجائے چار مہینے کی ہنگامی صلح کرلی؛ دونوں طرف نقیب صلح کی منادی کرچکے تھے کہ الکی بیادیز کچھ فوج کے ساتھ ارگوس پہنچا اور اتحادیوں کو اُبھارا کہ ہنگامی صلح کی کچھ پروا نہ کریں اور پھر لڑائی چھیڑ دیں - اس اتھینزی فوج کے سپہ سالار، لاکیس اور نکوس تراتوس تھے؛ مگر جب

اتحادیوں نے لِپ رِیُن کو دوبارہ لینے کے لئے چلنے سے انکار کیا تو الیس کی فوج الگ ہوگئی ۔ اور چونکہ اس کی تعداد ۳ ہزار تھی لہٰذا اُس کے ساتھ چھوڑ دینے سے اتحادیوں کی قوت اور بھی کمزور ہوگئی اور اسی حال میں اُن کو مان تینیا کے بچانے کی غرض سے بہ عجلت جنوب کی طرف روانہ ہونا پڑا کیونکہ اس عرصے میں ایجیس شاہ اسپارٹہ اُس پر بڑھ رہا تھا اور تیجیا کی فوج بھی اُس کے ہمرکاب تھی ⋅

دونوں فوجوں کا مان تینیا کے قریب سامنا ہوا اور آخرکار ایک معرکے کی لڑائی ہوئی ۔ دونوں طرف ، سپاہیوں کا شمار بھی دس دس ہزار کے قریب ضرور تھا ۔ (۴۱۸ ق م) اور کچھ عرصے تک لڑائی برابر تلی رہی ۔ اور جب ایک ہزار ارگوسی جوان دشمن کی صف چیر کر اندر گھس گئے تو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ فتح کس کی ہوگی ۔ آخر لکدمونی سپاہ کو غلبہ ہوا اور لاکیس اور نکوس تراتوس دونوں کام آئے ۔ اسپارٹہ کی سطوت کا آفتاب جو سفاک تریا کی ہزیمت کے بعد گہنا گیا تھا اس فتح سے پھر چمک اٹھا اور ساتھ ہی جزیرہ نمائے پلوپنی سس کی حالت میں اس معرکے نے انقلاب پیدا کر دیا ۔ ارگوس میں جمہوریت کا نظام درہم برہم اور پھر حکومتِ خواص کا دَور دَورہ ہوگیا اور اس حکومت نے ایتھنز سے رشتہ اتحاد توڑ کے اسپارٹہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ۔ اسی طرح مان تینیا ، الیس اور اکائی ریاستیں بھی دوبارہ فریقِ غالب سے جا ملیں اور ایتھنز پھر سب سے الگ اور تنہا رہ گیا ⋅

ارگوس کو جو مدد دی گئی وہ کچھ بھی کارگر نہ ثابت ہوئی اور اسی لئے غالباً لوگ نکیاس سے ناراض ہوگئے تھے جسے دیکھکر جمہوریت پسندوں کے سرگروہ ہیپربلوس نے فتوئ عام کی تحریک کی۔ اور وہ سمجھتا یہ تھا کہ خود نکیاس کے ہوا خواہ الکی بیادیز کے خلاف رائے دیں گے لیکن الکی بیادیز نے اپنی حالت مخدوش دیکھی تو نکیاس کے ساتھ سازباز کرلیا اور اب دونوں کے طرفداروں نے اپنے ٹھیکروں پر ہیپربلوس کا نام تحریر کیا اور خود اس فانوس گر کو جلا وطنی کا منہ دیکھنا پڑا۔ (۴۱۷ قم) ایتھنز میں فتوئ عام کی یہ آخری نظیر ہے۔ اس کے بعد وہاں یہ سلسلہ موقوف ہوگیا اور جمہوری آئین کے تحفظ کے لئے صرف "گرافہ پرانومن" کا قانون کافی سمجھا جانے لگا جس کی رُو سے آئین سلطنت میں تبدیلی پیدا کرنے والے پر مقدمہ دائر ہوسکتا تھا اور قانون مذکور کی خلاف ورزی ثابت ہو تو مجرم سزائے موت کا مستوجب ہوتا تھا۔

نکیاس کی زیرِ قیادت جو مہم اس سال کالسی ڈیس بھیجی گئی تھی وہ ناکام رہی۔ لیکن سالِ آئندہ جزیرۂ ملوس کو جو اُب تک ایتھنز کے مقبوضات میں شامل نہ تھا، بغیرِ کسی معقول عذر کے گھیرلیا گیا اور جبراً ہتھیار رکھوا لئے۔ پھر تمام باشندے یا قتل کرادئے گئے یا انہیں لونڈی غلام بنا لیا اور جزیرے میں ایتھنز کے باشندوں کو لاکے بسادیا گیا۔ (۴۱۶ قم)۔

۲۔ صقالیہ کی مہم

پانچویں صدی قبل مسیح میں ایتھنز کے ارباب بست وکشاد بار بار اپنی نظریں مغرب میں سمندر پار کے یونانی علاقوں پر ڈالتے تھے؛ شہر سِگِستا اور پھر لیون تینی اور رگیوم سے ایتھنز کا پیمانِ اتحاد ہوگیا تھا اور اس علاقے میں عام طور سے یہ امر اس کے مرکوزِ خاطر تھا کہ ڈورئین ریاستوں اور خاص کر کورنتھ کی قدیم نوآبادی سیراکیوز کے مقابلے میں، آیونیانی شہروں کی حمایت کرے؛ ۴۲۷ ق م میں باشندگان لیون تینی نے ایتھنز کو سفارت بھیجی اور التجا کی کہ سیراکیوز سے انہیں بچایا جائے جو اُن کی آزادی چھیننے کے درپے نظر آتا تھا۔ قریب قریب تمام ڈورئین ریاستیں سیراکیوز کی طرف تھیں اور کتانہ، رگیوم، کمارینا اورنکسوس لیون تینی کے حامی و مددگار تھے؛ فن خطابت کا مشہور معلم گرگیاس بھی اسی سفارت میں شامل تھا اور اُس کی آمد کا ایتھنز میں غلغلہ بپا ہوگیا تھا۔ مگر صقالیہ کے معاملات پر توجہ دِلانے کے لئے اُس کی جادو بیانی کی بھی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اہل ایتھنز خود ایسا موقع تلاش کرتے تھے اور اُنھوں نے لاکیس کی سرداری میں فوراً ایک فوج روانہ کردی۔ لیکن شہر مسانا کو اتحاد ایتھنز میں شریک کرلینے کے سوا اوراس مہم نے کوئی خاص کام انجام نہ دیا اور جب تک دوسرا بیڑا ۴۲۵ ق م میں یوری مدن اور سفاکلیس لے کر وہاں جائیں

خود مِسانا اُن سے منحرف ہوگیا۔ کیونکہ ان سپہ سالاروں کو پیلوس اور کرکایرا کے اُن معرکوں سے بہت دن تک فرصت ہی نہ مل سکی، جن کا ذکر ہم پہلے پڑھ آئے ہیں +

اس کے بعد شہر گِلا میں صقالیہ کے یونانیوں کا جلسہ ہوا کہ وہ صورتِ حالات پر غور کرے۔ اور اس میں ہرموکراتیس باشندۂ سیراکیوز اس اُصول کی وکالت میں سب سے پیش پیش تھا کہ اہالی صقالیہ اپنے اندرونی تنازعات کا تصفیہ خود کریں اور ایتھنز یا کوئی اور بیرونی طاقت مداخلت کرے تو سب ملکر اُس کا مقابلہ کریں۔ لیکن اس جلسے کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ لیون تینی کے باشندوں میں باہم فساد پیدا ہوا اور یہ موقع پاتے ہی سیراکیوز نے اس شہر پر قبضہ کرلیا۔ اب صاف ظاہر ہوگیا کہ سیراکیوز بیرونی مداخلت کا محض اس لئے مخالف ہے کہ خود سب پر حاوی ہوجائے اور بلا اندیشہ راج کرے۔ پس دوبارہ ایتھنز سے دستگیری کی التجا کی گئی۔ مگر جزیرہ ملوس کی تسخیر تک اہل ایتھنز نے اس معاملے میں کوئی خاص کارروائی نہیں کی +

لیکن ملوس کی فتح کے سال یعنی ۴۱۶ سنہ ق م میں پھر سِگِستا نے صدائے استعانت بلند کی۔ اور یہ شہر اُس وقت ریاستِ سلینوس اور لیون تینی کے جلا وطن باشندوں سے لڑائی میں اُلجھ رہا تھا۔ حکومت ایتھنز نے اول اپنے ایلچی روانہ کئے کہ سِگِستا جو مصارفِ جنگ برداشت کرنے کا اقرار کرتا ہے، پہلے اُس کے مداخل یا وسائلِ آمدنی معلوم کرلئے جائیں۔ انھوں نے

واپس آکے اہل سِگِسِتا کی بے شمار دولت کے وہ وہ رنگین قصّے بیان کئے کہ لوگوں کے منہ میں پانی بھر آیا؛ دُور اندیش نکیاس وہاں مہم بھیجنے کا مخالف تھا مگر ملوس کی تازہ فتح سے لوگ پھول گئے تھے اور ایک بعید وغیر معروف اقلیم میں کشور کشائیوں کا خیال بہت دلفریب تھا لیکن نادانی سے نکیاس کی نہ سننے کے علاوہ انھوں نے اس سے بھی بڑھ کر حماقت یہ کی کہ نکیاس ہی کو اس مہم پر بھیجا جس کا وہ سرے سے مخالف تھا، اور الکی بیادیز اور لاماکوس کے ساتھ اُسے سپہ سالار مقرر کردیا ؛

فوج جہازوں میں سوار ہونے کے لئے تیار تھی کہ یہ پُر اسرار واقعہ اُس کی تاخیر کا سبب ہوگیا کہ ماہ مئی میں ۴۱۵ ق م ایک روز صبح کو ہرمیس دیوتا کی مورتیں ٹوٹی ہوئی ملیں - یہ چوکور پتھر کی مورتیں ایتھنز کے مندروں اور عام مکانات کے دروازوں کے سامنے لگی ہوئی تھیں اور ان کی کسی نے راتوں رات صورت بگاڑدی تھی ؛ الکی بیادیز کے دشمنوں نے موقع پاتے ہی اُسے بھی اس گناہِ کبیرہ کے ارتکاب میں شریک بنانا چاہا اور جب الکی بیادیز نے اصرار کیا کہ بیڑے کے روانہ ہونے سے پہلے اُسے اپنی صفائی کا حق دیا جائے تو اُس کے دشمنوں نے اس کی واپسی تک جرم کی سماعت ملتوی کرادی ؛ غرض بیڑا روانہ ہوگیا - اور توسی ڈای دیز کا بیان ہے کہ ایسا شاندار بیڑا کبھی کسی یونانی ریاست نے آراستہ نہ کیا تھا- اُس میں ۱۳۴ (سہ طبقہ) جنگی جہاز تھے اور چھوٹی کشتیوں کی تعدادِ کثیر ساتھ تھی - صرف ہُپ لیت ۱۰۰

تھے اور کُل سپاہیوں کا شمار ۳۰ ہزار سے بھی اوپر پہنچتا تھا۔
بیڑے نے رگیوم پہنچ کے قیام کیا جہاں کئی باتیں خلافِ توقع نکلیں۔ اول تو رگیوم کے لوگ اُن سے ایسے الگ الگ رہے جس کی ایتھنزیوں کو اُمید نہ تھی۔ دوسرے انہیں پورا یقین تھا کہ مہم کے مصارف سگِستا کی دولت مند ریاست برداشت کرے گی۔ مگر اب معلوم ہوا کہ جب ایتھنز کے ایلچی وہاں آئے تھے تو سگِستا والوں نے اپنے اور دوسرے شہروں کے قیمتی قیمتی ظروف جمع کر کے، ہر گھر میں انہی ظروف سے ایلچیوں کی دعوتیں کی تھیں اور مہمانوں کو یقین دلا دیا تھا کہ ہر شخص جو اس تکلف و شان کے ساتھ علٰحدہ علٰحدہ میزبانی کا حق ادا کر رہا ہے اس بیش قیمت سازو سامان کا خود مالک ہے۔

یہ حقیقت نہایت حوصلہ فرسا تھی لیکن محض اس بناء پر مہم سے دست بردار ہو جانے کا نکیاس سمیت کسی کو بظاہر خیال تک نہ آیا۔ جنگ کے متعلق رگیوم میں مجلس شوریٰ منعقد کی گئی۔ اور نکیاس نے رائے دی کہ جہازوں کو بطور مظاہرہ ہر طرف پھرایا جائے جہاں بلا دقت کچھ ہاتھ آسکے اُس پر قبضہ کر لیا جائے اور جوکھوں میں پڑے بغیر لیون تینی کی جس حد تک ممکن ہے مدد کی جائے۔ الکی بیادیز نے تجویز پیش کی کہ صقالیہ کی ریاستوں سے سازباز کرنے کی پوری کوشش کی جائے اور جب وہ مل جائیں اور ہمیں تقویت حاصل ہو جائے تو سلی نوس اور سیراکیوز کو جس طرح بن پڑے مجبور کیا جائے کہ وہ سگِستا اور لیون تینی کا حق

واپس دیں، مگر لاماکوس ان تمام معاملات پر ایک سپاہی کی حیثیت سے نظر ڈالتا تھا اور اُس نے صلاح دی تھی کہ سیراکیوز پر اس حال میں کہ ابھی وہاں کے لوگ تیار ہونے نہیں پائے ہیں، بلا تاخیر حملہ کردیا جائے۔ لیکن سیراکیوز کی قسمت اچھی تھی کہ میدانِ رزم کے سوا، لاماکوس کا کہیں کچھ اثر نہ تھا۔ اور جب وہ اپنے ہم منصبوں کو قائل نہ کرسکا تو آخر اُس نے بھی الکی بیادیز کے منصوبے کی تائید میں رائے دے دی۔

نکسوس اور کتانہ کو ملا لینے میں کامیابی ہوگئی۔ ایتھنز کے بیڑے نے سیراکیوز کی بڑی بندرگاہ میں جنگی مظاہرہ کیا اور ایک جہاز کو بھی پکڑلیا۔ لیکن اس کے سوا اور کچھ کرنے نہ پائے تھے کہ ایتھنز سے الکی بیادیز کی بازطلبی کا فرمان پہنچا کہ مذہبی توہین کے مقدمے میں حاضر عدالت ہو۔ اصل یہ ہے کہ ایتھنز میں ہرمیس کی مورتوں کے توڑے جانے پر پھر مذہبی بحران طاری ہوا تھا اور اثنائے تحقیقات میں بعض اور بے حرمتی کی باتوں کا (خاص کر الیوسسی تہوار "مستریز" کے قواعد کی خلاف ورزی کا) حال کھلا تھا اور الکی بیادیز بھی انہی الزامات کی لپیٹ میں آگیا تھا۔ غرض اُسے واپس لانے کے لئے "سلامینیا" نامی جہاز بھیجا گیا اور وہ اُس میں بیٹھکر شہر تھری تک آیا۔ مگر وہاں پہنچ کر فرار ہوگیا۔ اہل ایتھنز نے اُسے اور اُس کے بعض اہل خاندان کو سزائے موت کا مستوجب قرار دیا اور اُس کی املاک ضبط کرلی گئی۔

صقالیہ میں، الکی بیادیز کے جانے کے بعد، سال کا باقی زمانہ چھوٹے چھوٹے کاموں میں ضائع ہوتا رہا جن کا کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ آخر جب سردی آگئی (۴۱۵ ق م) تو سیراکیوز کی فوج دھوکا کھاگئی اور اسی دھوکے میں کہ دشمن بے خبر پڑا ہے، وہ اس کی قیام گاہ پر اچانک حملہ کرنے کی غرض سے کتانہ روانہ ہوئی۔ اور اُدھر ایتھنزی لشکر جہازوں میں سوار ہوکے خود سیراکیوز کی بڑی بندرگاہ میں جا اُترا۔ اور جب سیراکیوزی سپاہ واپس آئی تو محارباتِ صقالیہ کا پہلا معرکہ ہوا جس میں اہل ایتھنز نے فتح پائی۔ لیکن کامیابی پانے کے باوجود دوسرے ہی دن نکیاس نے پھر فوجوں کو جہاز میں سوار ہونے اور کتانہ واپس چلنے کا حکم دیا۔ اس کارروائی کے وہ متعدّد عذر پیش کرتا تھا۔ مثلاً سردی کا موسم، اور یہ کہ ہمارے پاس نہ سوار فوج ہے نہ روپیہ نہ کوئی حلیف و مددگار؛ غرض وہ تو گیا اور سیراکیوز کو تیاریاں کرنے کی فرصت مل گئی۔

حقیقت میں، معلوم یہ ہوتا ہے کہ خود تقدیر ایتھنز کی دشمنی کے درپئے تھی؛ اگر نکیاس نہ ہوتا تو گمان غالب یہ ہے کہ الکی بیادیز اور لاماکوس، سیراکیوز کو فتح کرلیتے۔ لیکن ایتھنز نے نکیاس کے نامُساعد انتخاب پر ہی اکتفا نہ کی تھی بلکہ الکی بیادیز کی شرکت سے محروم کرکے، گویا خود مہم کی جان نکال لی تھی۔ اور یہ پُرجوش شاطر جس مستعدی کے ساتھ اُسے ترتیب دے کے لایا تھا اب اسی مستعدی سے اسکی

تخریب میں کوشاں تھا؛ وہ اسپارٹہ پہنچا اور جس وقت سیراکیوز کی سفارت اسپارٹہ سے مدد کی التجا کرنے آئی تو وہ بھی مجلس کے خاص اُس جلسے میں موجود تھا جس میں سفیروں کو اہلِ اسپارٹہ نے باریاب کیا۔ اور اُسی نے اُن سے اصرار کیا کہ یہ دو کارروائیاں ضرور کی جائیں:۔ ایک تو فوراً اسپارٹہ سے کوئی سپہ سالار صقالیہ بھیج دیا جائے کہ وہاں مدافعت کا انتظام کرے۔ اور دوسرے ایٹی کا کے مقام دِکلیہ کو مورچہ بند کردیا جائے اور یہ وہ سخت آفت تھی جس سے اہلِ ایتھنز ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے؛ پھر جب لکدِمونیوں نے اس کی صلاح پر عمل کیا اور گلپّس نامی سردار کو سیراکیوزی افواج کا سپہ سالار بناکے صقالیہ روانہ کیا، تو کہنا چاہیئے کہ عین اُس وقت جب کہ یونان کی قسمت کانٹے میں تُلی ہوئی تھی الکی بیادیز کی پُر وزن تقریر نے اُس کا ایک پلڑا جھکادیا؛ اسپارٹہ سیراکیوز کا پشت پناہ بن گیا اور کورنتھ نے بھی اپنی قدیم نوآبادی کی اعانت کیلئے جہاز روانہ کئے۔

۳۔ محاصرۂ سیراکیوز ۴۱۴ ق م

اس شہر کا قلب اور تمام آبادی کا مرکز ہمیشہ سے جزیرۂ اُرتیجیا تھا۔ لیکن اپی پولی یعنی اس لمبی پہاڑی کی جنگی اہمیت سے بھی قطع نظر نہ کی جاسکتی تھی جو بڑی بندرگاہ کے شمالی پہلو کو گھیرے ہوئے تھی۔ جب سے ساحل اور جزیرے کے

درمیان پانی کی تنگنائے کو پاٹ دیا گیا تھا، لوگ پہاڑی کی بلندی پر مکانات بنانے لگے تھے۔ اور آخر میں شمال سے جنوب تک ایک دیوار کھینچ کے پہاڑی کے مشرقی حصّے کو محفوظ اور آبادی کے اندر لے لیا گیا تھا۔ پہاڑی کے اس حصّے کو اک رادینا کہتے تھے۔ اور کچھ عرصے بعد اک رادینا کی طرح اس کے شمال مغرب میں تیحپہ کی آبادی بھی شہر پناہ کے اندر لے لی گئی تھی۔ غرض اب اِپی پولی صرف اُن بلندیوں کا نام رہ گیا تھا جو اِن دونوں آباد حصوں کے علاوہ تھیں۔

ہرموکراتیس کو اہل سیراکیوز نے سپہ سالار منتخب کیا تھا اور وہ ان پہاڑی بلندیوں پر نگرانی رکھنے کی ضرورت بخوبی جانتا تھا چنانچہ اپی پولی کی حفاظت کے لئے ۶ سو جوان چن لئے گئے تھے۔ لیکن عین اُس وقت جب کہ یہ سپاہی جمع کئے جا رہے تھے، اہل ایتھنز اُن کے سر پر آموجود ہوئے؛ انھوں نے ایک رات پہلے کتانہ سے جہازوں کا لنگر اٹھایا تھا اور کھیتے ہوئے اِپی پولی کے شمالی رخ سے خلیج میں داخل ہو گئے تھے۔ اور اس سے قبل کہ سیراکیوز والوں کو کچھ خبر ہو اُن کے سپاہی جلدی جلدی اوپر چڑھ کر اِپی پولی پر قابض ہو چکے تھے؛ پھر اُسی جگہ شمالی چوٹیوں کے قریب انھوں نے اُس مقام کو مورچہ بند کرلیا جو لب دالُن کہلاتا تھا۔

محاصرین کا منصوبہ یہ تھا کہ شمال کی چوٹیوں سے جنوب میں بندرگاہ تک پہاڑی پر ایک دیوار بنادی جائے جس سے

خشکی کا راستہ منقطع ہو جاتا تھا۔ اور سمندر کی طرف سے آمد رفت مسدود کرنے کے لئے مقام تاپ سوس پر بیڑا موجود تھا کہ جب وقت ضرورت ہو بڑی بندرگاہ کے اندر گھس جائے۔ اسی نقشے کے مطابق انھوں نے پہلے ایک مرکزی مقام پر وہ گول برج تعمیر کیا جس کا نام "کیکلوس" یعنی دائرہ تھا۔ اور مطلب یہ تھا کہ وہاں سے شمال اور جنوب دونوں طرف دیوار بناتے ہوئے لے چلیں۔ اہل سیراکیوز نے اس کی تعمیر کو روکنے کی بھی کوشش کی تھی۔ مگر کامیابی نہ ہوئی تو خود ایک جوابی دیوار مقام "تمی نیت" سے جانب مغرب بنانی شروع کی تا کہ دشمن کی جنوبی دیوار کے راستے میں حائل ہو جائے اور اس کی دیوار کو بندرگاہ تک نہ پہنچنے دے۔ اہل ایتھنز نے اُن کی اس کارروائی میں کوئی مزاحمت نہ کی اور گول بُرج سے صرف شمال کی جانب دیوار بنانے میں مشغول رہے۔ لیکن در حقیقت وہ موقع کی تاک میں تھے اور سیراکیوز والوں کی بے پروائی نے بہت جلد انہیں حسب مراد حملے کا موقع دے دیا۔ اور اس حملے میں انھوں نے اہل سیراکیوز کی جوابی دیوار کو بالکل مسمار کر دیا۔ اب اُن کے سپہ سالار اپنی دیوار کے جنوبی حصّے کی طرف متوجہ ہوئے اور ہراکلیس کے مندر کے قریب جنوبی چٹانوں میں مورچے بنانے لگے۔ یہ مندر بڑی بندرگاہ کے شمال مغربی پہلو کی دلدلوں سے اوپر واقع تھا

اب کے سیراکیوز والوں نے پہاڑی کی بجائے اسی نشیبی اور دلدلی زمین پر کچھ بنانا شروع کیا تاکہ دشمن کی دیوار کو چٹانوں کے نیچے بندرگاہ تک نہ پہنچنے دیں۔ مگر یہ دیوار نہیں تھی۔ اور نہ دیوار ایسی دلدلی زمین پر بننی آسان تھی۔ لہذا اس قریہ

انھوں نے لکڑیوں کا حصار باندھ کے خندق کھود دی تھی ؛ یہ حصار تیار ہوا ہی تھا کہ علی الصباح لاماکوس فوج لے کے دلدلی زمین میں اترا اور جو کچھ انھوں نے بنایا تھا اُسے توڑ دیا۔ مگر اس سے جو کچھ فائدہ ہوا تھا اس سے بڑھ کر خسارے کی یہ صورت پیدا ہوئی کہ سیراکیوز کی فوج کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر اُن سے لڑنے نکلی اور اسی معرکے میں لاماکوس مارا گیا ؛ ایتھنزی مہم کیساتھ یہ تیسری مرتبہ تقدیر نے دشمنی کی۔ نکیاس کا تقرر، الکی بیاڈیز کی بازطلبی کچھ کم نقصان کا سبب نہ تھے کہ اب لاماکوس چل بسا ؛

ایتھنزیوں کی جنوبی دیوار دہری بنتی ہوئی جنوب میں چلی آتی تھی اور اب اُن کا بیڑا خاص بڑی بندرگاہ کے اندر لنگر انداز تھا ؛ محصورین صلح کرنے پر تیار ہوگئے تھے اور نکیاس نے یہی سمجھ کر کہ اب شہر اُس کی گرفت سے نہیں نکل سکتا، شمالی رُخ کی دیوار کی تکمیل سے تغافل کیا اور یہ ایسی خطا تھی جس کی تلافی نہ ہوسکتی تھی ؛ لیکن جس وقت کورنتھ کا ایک بحری سوار گن گی لوس یہ خبر لے کے سیراکیوز پہنچ گیا کہ کورنتھ کے جہاز اور اسپارٹہ کا سپہ سالار اُن کی مدد کے لئے روانہ ہو چکے ہیں تو اس وقت محصورین نے قبولِ اطاعت کا خیال بالکل چھوڑ دیا اور کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ گلپّس، شہرِ ہیمرا (صقالیہ) سے ایک فوجی جمعیت آراستہ کرکے براہِ خشکی سیراکیوز کی طرف روانہ ہوا اپی پولی کی پہاڑیوں پر وہ اُسی راستے سے چڑھا جس راستے

سے ایتھنز کی فوج نے چڑھ کر ان بلندیوں پر قبضہ کیا تھا۔ مگر اس کی کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ وہ پہاڑی کے شمالی موڑ سے ہوتا ہوا تیچہ تک آیا اور شہر میں داخل ہوگیا۔ نکیاس کی صریح غفلت کا یہ نتیجہ ہوا اور اگر وہ مقام یوریالوس پر بر وقت مورچے قائم کرلیتا تو غالباً گلپّس کی کوشش ناکام رہتی۔

گلپّس نے شہر میں پہنچتے ہی فوجوں کی سپہ سالاری کا کام اپنے ہاتھ میں لیا اور باشندوں میں امید و اطمینان کی ایک نئی روح پھونک دی۔ مستعد اور باتدبیر ہونے کے لحاظ سے یہ شخص براسی ڈس سے کچھ کم نہ تھا البتہ اُس بے نظیر سپاہی کے ذاتی اوصاف میں جو دلکشی کی شان تھی وہ گلپّس میں نہ پائی جاتی تھی۔ بہر حال، اس کا پہلا کارنمایاں لب دالُن کے مورچوں کو چھین لینا تھا۔ اس کے بعد سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ کسی طرح اہل ایتھنز کو شمالی دیوار کی تکمیل سے روک دیا جائے تاکہ وہ شہر کو بالکل محصور نہ کرسکیں۔ اس کی تدبیر یہی ہوسکتی تھی کہ ایک نئی جوابی دیوار تعمیر کی جائے۔ اُدھر اہل ایتھنز کمالِ مستعدی سے اپنی دیوار بنا رہے تھے، ادھر سے یہ دیوار بننی شروع ہوئی اور دونوں فوجوں میں دیوار سازی کا مقابلہ ہونے لگا کہ کس کی دیوار جلدی بنے۔ آخر سیراکیوزی معمار، بازی لے گئے۔ ایتھنزی دیوار کے راستے میں پہلے اُن کی دیوار پہنچ کے حائل ہوگئی اور پھر اُن کے دشمن شمالی ساحل تک اپنی دیوار مکمل نہ کرسکے۔ لیکن گلپّس نے

اسی پر اکتفا نہ کی۔اُس نے اپنی دیوار کو بڑھاکر یوریالوس تک پہنچادیا اور پہاڑی کے مغربی حصّے پر چار دمدمے اس طرح تیار کئے کہ جس راستے گلپّس پہاڑی پر چڑھ کر شہر میں داخل ہوا تھا، اب اگر اہل ایتھنز کے پاس اسی راستے سے کوئی کمک جائے تو سیراکیوزی سپاہ اُسے روک سکتی تھی۔

اس اثنا میں نکیاس نے مقام پلمی رین پر قبضہ کرلیا تھا۔ یہ راس گویا بڑی بندرگاہ کا لبِ زیریں اور جزیرۂ سیراکیوز کے ٹھیک مقابلے میں واقع ہے۔نکیاس نے یہاں تین دمدمے بنوائے۔ جہازوں کا بھی ایک مستقر قائم کیا اور چند جہازوں کو آگے روانہ کردیا کہ جو بیڑا کورنتھ سے آنے والا تھا اُس کی تاک میں رہے؛ مگر واضح ہوکہ گو بندرگاہ کا راستہ اور اپی پولی کا جنوبی حصّہ اہل ایتھنز کے قبضے میں تھا پھر بھی گلپّس نے جب تیحپہ سے یوریالوس تک دیوار بنالی تو صورت حالات بالکل بدل گئی؛ ادھر موسم سرما شروع ہوگیا اور یہ تمام زمانہ تیاریوں اور سفارتوں میں صرف ہوتا رہا۔ گلپّس نے اسی فرصت میں صقالیہ سے نئی فوجیں بھرتی کیں؛ جزیرہ نمائے پلوپنی سس کی ریاستوں کو بھی دوبارہ طلب اعانت کے پیام بھیجے گئے۔

لیکن اب ہمیں چند ساعت کے لئے یونانِ خاص پر توجہ کرنی چاہیئے جہاں الکی بیادیز کی صلاح کے مطابق دِکلیہ کو مورچہ بند کرلیا گیا تھا۔یعنی وہاں ایک قلعہ بناکر اُس میں شاہِ ایجیس کے ماتحت اسپارٹہ کی فوج متعیّن کردی گئی تھی اور اب

علاقۂ اٹیکا میں وہاں کے باشندے بالکل زراعت نہ کرسکتے تھے۔

اس طرح اہل پلوپنی سس تو پھر ایتھنز کے دروازے کھٹ کھٹا رہے تھے اور اُدھر اس شہر کو مغرب میں دوبارہ اسی پیمانے پر مہم بھیجنی تھی جیسی کہ پہلے گئی تھی کیونکہ نکیاس نے تحریر کیا تھا کہ گلپّس کی آمد، اہل سیرکیوز کی فوج میں اضافہ اور جوابی دیوار کی تعمیر نے خود محاصرین کو محصور کردیا ہے اور اب دو باتوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ یا تو اس مہم کا خیال ہی چھوڑدیا جائے یا بلا تاخیر اتنا ہی بڑا بیڑا جیسا پہلے آیا تھا، پھر روانہ کیا جائے۔ اسی کے ساتھ نکیاس نے علالت کی بنا پر اپنے واپس بلائے جانے کی استدعا بھی کی تھی۔ مگر ایتھنز کے باشندوں نے پھر وہی ناعاقبت اندیشی کی کہ فتح صقالیہ کے جوش میں دوسری مہم کا بھیجنا بھی منظور کیا اور سپہ سالار نکیاس کو تبدیل کرنے سے انکار کردیا کیونکہ اُس پر اُنہیں بچوں کی طرح بھروسہ تھا اور اُسے، دِل سے عزیز رکھتے تھے۔ نئی مہم کے لئے انھوں نے یوری مِڈن اور ڈموس تھنیس کو سپہ سالار مقرر کیا۔

۴۔ دوسری مہم

محاربۂ صقالیہ نے اب ایک جنگ عظیم کی صورت اختیار کرلی تھی جس میں یونانی قوم کا بڑا حصّہ مصروف پیکار تھا۔

اور جس طرح پہلے ایرانی فوج کشی کے نتیجے پر یونان کی بازی لگی ہوئی
تھی، اسی طرح اب صقالیہ کی مرگ و زیست کا اس کشمکش کے
فیصلے پر، دار و مدار تھا؛ ہرموکراتیس اور گلپّس کے ماتحت
سیراکیوز، ایک بیڑا آراستہ کرنے پر اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا
اور موسمِ بہار (۴۱۳ سنہ ق م) تک اُس نے اسّی (سہ طبقہ)
جنگی جہاز تیار کر لئے تھے۔ انہی کی مدد سے گلپّس نے لڑنے کی
ٹھان لی اور پلمیّرئن کے مستقر پر خشکی اور تری دونوں جانب
سے حملہ آور ہوا۔ سمندر کی لڑائی میں اہلِ سیراکیوز کو شکست ہوئی
لیکن جس وقت بندرگاہ کے اندر یہ بحری جنگ ہو رہی تھی،
گلپّس چکّر دے کے پلمیّرِین پر ایک بڑی فوج لے آیا اور اس
راس کے سب دمدمے چھین لئے۔ اب ایتھنز کے جہازوں کو
چار و ناچار بندرگاہ کے شمالی سرے پر ہٹنا پڑا جہاں اُن کی دُہری
دیوار بنی ہوئی تھی۔ اور ادھر بندرگاہ میں آمد و رفت کا راستہ
اہلِ سیراکیوز کے تحت میں آگیا۔ گویا ایتھنزی فوجیں خشکی اور تری
دونوں جانب سے گھِر گئیں اور بندرگاہ سے اُن کے جہاز باہر
جانے کی جرأت نہ کر سکتے تھے جب تک اُن کی اس قدر تعداد
نہ ہو جو سیراکیوزی بیڑے کا حملہ روک لے۔

آخر اطلاع ملی کہ یوری مِڈن اور دموس تِنیس تازہ کمک
لئے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ اُن کے بیڑے میں تہتّر جنگی جہاز،
۵ ہزار ہپ لیت اور نیم مسلح سپاہیوں کی تعدادِ کثیر شامل تھی۔
اہلِ سیراکیوز کو بہتری اسی میں نظر آتی تھی کہ اس کمک کے

پہنچنے سے پہلے نکیاس کی سپاہ پر حملہ کریں۔ چنانچہ انھوں نے
ایک طرف تو دیواروں پر خشکی سے دھاوا کیا اور دوسری طرف
دیواروں کے نیچے سمندر سے حملہ آور ہوئے۔ پہلا حملہ ناکام رہا۔
لیکن دو دن کی بحری جنگ میں انہیں نمایاں فتح حاصل ہوئی تو
بارے دوسرے دن یوری مِڈن اور دموس تنیس کا بیڑا بڑی
بندرگاہ میں داخل ہوا +

دموس تنیس نے ایک ہی نظر میں سمجھ لیا کہ جب تک
جوابی دیوار پر قبضہ نہ کرلیا جائے گا اہل ایتھنز کی مہم کسی طرح کامیاب
نہیں ہوسکتی۔ لیکن اس دیوار کے لینے کی جو کوششیں کی گئیں وہ
سب ناکام رہیں۔ اور ان ناکامیوں سے فوج کے حوصلے پست
ہوگئے۔ دموس تنیس کو نظر آنے لگا کہ اب مقتضائے دانائی یہی
ہے کہ اس مضرِ صحت دلدلی مقام کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ ابھی
تک سمندر پر وہ غالب تھے اور سردی کا موسم بھی شروع نہ
ہوا تھا۔ لیکن نکیاس کسی طرح اس پسپائی کی جواب دہی
کا بار اپنے ذمے لینا نہ چاہتا تھا اور اُسے خوف تھا کہ مجلس
کیا کہیگی۔ آخر اسی لیت و لعل میں گلپس تازہ امدادی دستے
لے کے سیراکیوز پہنچ گیا۔ ان فوجوں کو اس نے جزائر میں خود
جا کے بھرتی کیا تھا۔ اور ادھر پلوپنی سس اور بیوشیہ
کی کمک بھی بڑی بندرگاہ میں پہنچ گئی۔ اس وقت نکیاس
کو ناچار دموس تنیس کی رائے ماننی پڑی۔ اور دشمن کو کانوں کان
خبر ہوئے بغیر سفر کا سب سامان تیار ہوگیا۔ لیکن جس رات کو وہ

روانہ ہونے والے تھے اسی رات چودھویں کا چاند گہنا گیا۔ اوہام پرست سپاہیوں نے اسے وعیدِ آسمانی سے تعبیر کیا اور التوائے سفر کا شور مچایا۔ اوہام پرستی میں خود نکیاس اپنے ملاّحوں سے کم نہ تھا۔ اور جب کاہنوں نے حکم لگایا کہ یا تو انہیں کم سے کم تین دن ٹھیرنا چاہئے یا آیندہ ماہ کامل تک۔ تو اس نے سلامتی اسی میں دیکھی کہ زیادہ مدت تک انتظار کرتا رہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ نجوم آسمانی کا کوئی کرشمہ اس چاند گہن سے بڑھ کر منحوس نہ ثابت ہوا ہوگا۔ جس نے نکیاس کی تائید سے ایتھنز کی پوری فوج برباد کرادی۔

سیراکیوز والوں کو اتنے عرصے میں اہل ایتھنز کے ارادے کی کہ وہ محاصرے سے دست بردار ہوتے ہیں، اطلاع ہوگئی اور انھوں نے قصد کیا کہ اس سے پہلے کہ دشمن کی فوج بچکر سلامت جاے اس کا یہیں قصہ چکا دیجئے۔ چنانچہ اُنھوں نے بڑی بندرگاہ میں ۷۶ جہازوں کی قطار مرتّب کی اور ایتھنز کے ۸۶ جہاز اُن کے مقابلے کے لئے نکلے۔ پہلے معرکے کی طرح اس دفعہ بھی اہل ایتھنز موقع کے اعتبار سے نقصان میں تھے اور حسب منشا انہیں اپنے جہازوں کو کاوا دینے کی گنجائش نہ ملتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دائیں، بائیں اور قلب پر ہر جگہ انہیں شکست ہوئی اور سپہ سالار یوری مدن بھی اسی لڑائی میں کام آیا۔

اب اہل ایتھنز کو اگر کوئی خیال تھا تو یہ کہ جس طرح

ممکن ہو بچ کر نکل جائیں۔ اب چاند گہن بھی انہیں یاد نہ رہا تھا لیکن اہل سیراکیوز نے ٹھان لی تھی کہ جہاں تک ہو غنیم کو راہِ گریز ہی نہ مل سکے۔ چنانچہ بڑی بندرگاہ کے دہانے پر انھوں نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چھوٹی بڑی ہر قسم کی کشتیاں اور جہاز زنجیروں سے باندھ کر راستہ مسدود کردیا تھا اور ان کشتیوں میں آنے جانے کے لئے تختوں کے پُل بنا دیئے تھے۔ اسی سدّراہ کو توڑ کر نکل جانے پر اتھنز کی سلامتی منحصر تھی۔ نکیاس نے سپاہیوں کی ہمّت بڑھانے میں کوئی کوشش نہ اٹھا رکھی اور لکھّا ہے کہ معمولی تقریر کے علاوہ، اُس نے کشتی میں بیٹھکر پورے بیڑے کا گشت کیا اور ایک ایک جہاز کے سردار کے پاس جاکر خود منّت سماجت کی تھی کہ آج میری عزّت تمہارے ہاتھ ہے۔ غرض آوازِ رجز بلند ہوئی اور اتھنزی جہاز قطار در قطار خلیج میں نکلے کہ بڑھ کے دشمن کی سدِ بحری پر حملہ کریں۔ لیکن جس وقت وہ اس کے قریب پہنچے، سیراکیوزی جہازوں نے چاروں طرف سے اُن پر حملہ کیا اور اتھنزی جہاز بندرگاہ کے وسط میں پسپا کردیئے گئے اور یہاں الگ الگ جہازوں میں باہم کشمکش کا وہ سلسلہ شروع ہوا کہ عرصے تک نتیجۂ جنگ کے کچھ آثار ظاہر نہ ہوئے اور فتح کا پلّہ کبھی ایک طرف جھک جاتا تھا اور کبھی دوسری طرف۔ جزیرے کی دیواروں اور اوپر اگ رادینا کی پہاڑی ڈھلاؤ پر عورتوں اور بوڑھوں کا ہجوم تھا اور نیچے لبِ ساحل سپاہی

کھڑے جنگ کا تماشا دیکھ رہے تھے؛ انجام کار ایتھنزیوں نے پیٹھ دکھائی اور اپنی دیواروں کی پناہ لینے لپسپا ہوئے۔ دُشمن تعاقب میں چلا آتا تھا اور جب شکست خوردہ بیڑا (جس میں اب ساٹھ جہاز باقی رہ گئے تھے) ساحل پر پہنچا تو جس طرح بنا، اہل جہاز ساحل پر کُود کُود کے بھاگے۔ خشکی پر جو فوجیں تھیں اُن میں بھی سخت اضطراب پیدا ہوگیا۔ سپہ سالاروں کو، معمول کے موافق مقتولین کو دفن کرنے کی مہلت مانگنے کا بھی ہوش نہ تھا۔ سب کو فرار ہونے کی پڑی تھی اور اب خشکی کے سوائے کوئی راستہ نکلنے کا نہ رہا تھا؛ ادھر ہرموکراتیس نے یہ چال کی کہ کسی ہوا خواہ کی طرف سے ایک مصنوعی پیام بھیج کر اُن کا فوری سفر ملتوی کرادیا۔ وہ ایک دن اور ٹھیرے رہے اور اس عرصے میں سیراکیوز والوں نے جاکر رستے روک لئے۔

آخرکار جب یہ بد نصیب لشکر ۱۱ویں ستمبر (۴۱۳ھ ق م) کو، اپنے زخمی اور بیماروں کو روتا دھوتا چھوڑ کے چلا تو ان مصائب کا سلسلہ شروع ہوا کہ پہلے تین دن تک وہ کتانہ کی سمت بڑھتے رہے مگر اس تمام کلفت کے بعد، چوتھے دن معلوم ہوا کہ راستے کا ایک درہ مسدود ہے؛ پھر تین دن تک وہ اُفتاں و خیزاں دوسری سمت چلے کہ شہر گلا تک پہنچ جائیں لیکن سفر کے چھٹے دن دموس تنیس کا، جس کے سپرد عقبی فوج تھی، مقدمۃ الجیش سے، ساتھ چھوٹ گیا اور دوسری ہی صبح

سیراکیوزی ہرکارے نے آکر خبردی کہ وہ اور اس کی ۶ ہزار فوج گھر گئی اور انہوں نے مجبور ہوکے ہتیار رکھ دئے؛ نکیاس نے بھی صلح کی شرائط پیش کیں لیکن دشمن نے انہیں مسترد کردیا صعوبتِ سفر سے تھکی ہوئی فوج، خوراک میسر نہ آنے کی وجہ سے اُس روز وہیں رہی؛ دوسرے روز وہ پھر اس حال میں روانہ ہوئے کہ ہر طرف سے دشمن کے تیر پڑ رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب اسی ناروس ندی قریب آئی تو وہ تشنہ لب ضبط نہ کرسکے اور بے تحاشا پانی پر ٹوٹ کے گرے۔ اور دشمن کا بھی انہیں کچھ ہوش نہ تھا جس کے سپاہی گھاٹ پر کھڑے انہیں بلا مزاحمت قتل کررہے تھے۔ کشت و خون اور لاشوں سے ندی کا پانی خراب و ناپاک ہوگیا تھا مگر پھر بھی وہ اُسے پئے جاتے تھے۔ آخرکار جب نکیاس نے ہتیار ڈال دئے تو یہ خوں ریزی رُکی اور جو سپاہی زندہ تھے انہیں اسیر کرلیا گیا؛ معلوم ہوتا ہے ان قیدیوں میں بہت سے فتحمند سپاہیوں کی ذاتی ملک بن گئے اور ایسے غلاموں کی قسمت غالباً پھر اچھی تھی۔ کیونکہ سرکاری اسیرانِ جنگ کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ نہایت ظالمانہ تھا۔ ان گرفتارانِ بلا کو جن کی تعداد سات ہزار تھی اکرادینا کی پہاڑی کانوں میں ڈال دیا گیا جو بے چھت کے بہت گہرے گڑھے تھے کہ نہ رات کی شدید سردی سے وہاں پناہ تھی اور نہ دن کی ناقابلِ برداشت دھوپ کا کوئی بچاؤ تھا۔ اسی جگہ ان بدنصیبوں کو نہایت خست سے کچھ دانہ پانی مل جاتا

تھا۔ اُنہیں جو ایتھنز کی حلیف ریاستوں کے سپاہی تھے اس زندان میں ۷۰ دن رہنا تھا اور خاص ایتھنز والوں کو اسی عذابِ دردناک میں موسم سرما کے اور چھ مہینے زیادہ گزارنے تھے؛ غرض یہ وہ شدید انتقام تھا جو سیرا کیوز نے اپنے حملہ آوروں سے لیا۔ اور جو سخت جان قیدی اس کے بعد بھی زندہ رہے انہیں سرکاری قیدخانوں میں کام پر لگادیا گیا یا غلام بنا کے فروخت کردیا۔ ان میں سے بعض غلاموں کو یوری پڈیز کے ناٹکوں کی تقریریں یا وہ نظمیں جو مل کر گائی جاتی ہیں، حفظ یاد تھیں اور انہیں خوب سنا سکتے تھے۔ وہ اپنے مالکوں کے منظور نظر بن گئے تھے اور اُن میں سے بعض کا حال ہم پڑھتے ہیں کہ عرصۂ دراز کے بعد اپنے وطن کو واپس پھرے اور اسی شاعر کے شکر گزار ہیں کہ اُس کے اشعار کے طفیل اُنہیں نجات ملی؛

اگر سزا دیتے وقت کسی شخص کی نیت کا لحاظ نہ کیا جائے بلکہ اُس کے طریقِ عمل سے جو کچھ نقصان پہنچا ہے صرف اس پر نظر کی جائے تو سچ یہ ہے کہ نکیاس کی نا لائقی پر جتنی سخت سے سخت سزا تجویز ہو، کم ہے؛ نا قابلیت کے علاوہ، جس جس طرح اُس نے کاموں کو بگاڑا اور خراب کیا اُس پر حیرت ہوتی ہے۔ اور یہ اسی کے طرز عمل کا کرشمہ تھا کہ نہ صرف یہ مہم برباد ہوئی بلکہ ایتھنز کی قوت میں زوال آگیا؛ لیکن انصاف سے دیکھئے تو اس خرابی کا تمام الزام باشندگانِ ایتھنز کے ذمے ہے جو اُس کو وہی کام دینے کی ضد کرتے رہے جس کی

اس میں مطلق اہلیت نہ تھی +

۵۔ ہزیمتِ صقالیہ کے نتائج

صقالیہ میں یہ صدمہ اُٹھانے کے بعد اہل ایتھنز کو اپنے نظم ونسق میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لکدمونیوں نے دکلیہ کے مورچے پر ایسے قدم جمائے تھے کہ ایٹی کا میں زراعت بالکل موقوف ہوگئی تھی اور لاوریئن کی چاندی کی کان پر بھی مجبوراً کام بندکردیا گیا تھا۔اور اس طرح سرکاری مداخل کے سب سے بڑے ذریعے مسدود تھے۔ نظم ونسق کے لئے اب پانچسو ارکان کی مجلسِ انتظامی کے بجائے کسی قلیل التعداد اور زیادہ مستقل جماعت کے تقرر کا خیال پیدا ہوا چنانچہ دس ارکان کا، جنھیں "پرو بُولی" کہتے تھے، ایک ہنگامی محکمہ قائم کیا گیا اور تمام انتظامی کام اُس کے حوالے کردئیے گئے۔ اسی کے ساتھ اتحادیوں سے جو سالانہ خراج لیا جاتا تھا وہ موقوف ہوا اور اس کی بجائے اتحادیوں کی ہر بندرگاہ سے جو مال آتا یا باہر جاتا تھا، اُس پر پانچ فیصدی محصول لگادیا گیا۔ اس قاعدے سے ایتھنز کی بندرگاہ پی ریئوس بھی مستثنیٰ نہ تھی۔گویا اس محصول کے معاملے میں ایتھنز اور اس کے اتحادی سب کی حیثیت مساوی تھی +

لیکن اندرونی اصلاح، بیرونی خطرات کو دفع نہ کرسکتی تھی۔ تمام یونان ایتھنز پر ٹوٹ پڑنے کے لئے تلا بیٹھا تھا اور خود

اُس کے محکوم اتحادی اسپارٹہ کو مدد کے لئے بلا رہے تھے اور ایتھنز سے منحرف ہونے پر اپنی آمادگی ظاہر کرتے تھے۔ ان وجوہ سے اسپارٹہ کو بھی آخر بحری قوت بڑھانے پر توجہ کرنی پڑی اور اُس نے ایک بیڑا آراستہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُدھر اہلِ ایتھنز بھی موسمِ سرما میں برابر جہاز بناتے رہے۔ لیکن اس زمانے میں ہم پھر دولتِ ایران کو تاریخِ یونان کے میدان میں داخل ہوتے دیکھتے ہیں۔ اور اب اس کا مقصود یہ ہے کہ یونان کی ریاستوں کو باہم لڑا کر، ایشیائے کوچک کے ساحلی شہروں پر دوبارہ اپنا تسلّط قائم کرے۔ چنانچہ اس غرض سے سارڈیس کے ایرانی والی آرتافرنز نے اور افروجیہ کے والی فرنا بازو نے اسپارٹہ کو ایلچی بھیج بھیج کے جنگ پر آمادہ کیا اور اس کے ساتھ اتحاد کا وعدہ کیا تھا۔ آخر جب اسپارٹہ کے چند جہاز خیوس پہنچ گئے تو بغاوت کا سلسلہ شروع ہوا اور تھوڑے ہی دن میں ملطہ، تیوس، لبدوس، متی لنہ وغیرہ اکثر ریاستیں اس بغاوت میں شریک ہوگئیں (۴۱۲ق م)۔

اس خاطر خواہ آغاز کی بنا پر اسپارٹہ اور ایران میں عہدنامہ ملطہ ہوا اور شہیدِ وطن لیونی ڈس کے ہم وطنوں نے محض اپنے دشمنِ شوم کا غرور خاک میں ملانے کی خاطر، ایشیا کے ہم قوم یونانیوں کی آزادی ایرانی ملیچھوں کے ہاتھ بیچ دی۔ یعنی اسپارٹہ نے اُن تمام علاقوں پر شہنشاہِ ایران کا حق تسلیم کرلیا جو اُس کے یا اس کے اجداد کے قبضے میں تھے۔

اور اس کے عوض دولتِ ایران نے (اُس وقت تک کہ ایتھنز کے ساتھ جنگ جاری رہے) اقرار کیا کہ وہ پلوپنی سس کے اُس بیڑے کے سپاہیوں کی تنخواہ خود ادا کرے گی جو سواحلِ ایشیا پر مصروف جنگ ہو۔ یہی وہ عہد نامہ ہے جس نے یونانی سیاسیات میں ایک نئی راہ پیدا کردی اور اسی سلسلے میں یہ امر مقدر تھا کہ رفتہ رفتہ ایرانی فرمانروا یونانی ریاستوں کا حکم بن جائے ؛

بہر حال، اس اثنا میں ایتھنز نے ایک بیڑا بھیجکر لس بوس کو دوبارہ تسخیر کیا اور خیوس کو تاراج کردیا تھا ۔ لیکن اسی زمانے میں نی دوس اور رودس باغیوں سے مل گئے اور ۴۱۱ ق م کے اوائل میں سواحلِ ایشیا پر ایتھنز کے قبضے میں، لس بوس، سااموس، کوس اور ہالی کرناسوس کے سوا کوئی خاص مقام باقی نہ رہا ۔ تھریس اور دردانیال میں اُس کے مقبوضات ابھی تک صحیح سلامت تھے لیکن اُسے اب پلوپنی سس کے ایک طاقتور بیڑے سے مقابلہ درپیش تھا جسے صقالیہ سے کمک اور ایران سے روپیہ مل رہا تھا، مگر اسپارٹہ اور ایرانیوں کی دوستی آخر تک نہ نبھی۔ الکی بیادیز، تسافرنز کے ساتھ پہلے ملطیہ اور پھر ساردیس آکے برابر ریشہ دوانیاں کررہا تھا، ایجیس شاہ اسپارٹہ اُس کا دشمن ہوگیا تھا، اُسے اپنی جان کے لالے تھے اور اب وہ ایتھنز کے دشمنوں میں یعنی ایران و اسپارٹہ

میں نفاق ڈلوانا چاہتا تھا کہ اس وسیلے سے دوبارہ اپنے وطن میں رسوخ حاصل کرسکے ۔

۶- اُمرا کی بغاوت

ان چند مہینوں میں ایتھنز کے لوگ مفلوک الحال ، ہراساں اور نہایت دل برداشتہ تھے ۔ اور یہی وہ موقع تھا جس کی حکومتِ خاص کے حامی عرصۂ دراز سے راہ دیکھ رہے تھے؛ حجت کے لئے خاصی معقول نما دلیل یہ تھی کہ جمہوری حکومت نے بیرونی معاملات کو نہایت بُری طرح سرانجام کیا اور یہ کہ اُس کے نظم و نسق میں تعلیم یافتہ اور ماہرین فن کو کما ینبغی دخل نہیں ملتا؛ اس گروہ میں جو لوگ اعتدال پسند تھے اور حکومتِ خواص و جمہوریت کے بَین بَین نظام حکومت بنانا چاہتے تھے ، اُن کا سرگروہ تِرامینس تھا ۔ اور اوّل اوّل انتہا پسند اُمرا بھی اسی گروہ کے شریک ہوگئے تھے کہ ان کے ساتھ مِل کے پہلے جمہوریت کا زور توڑ دیا جائے ۔انتی فُن نامی ایک جادو بیان خطیب اس تمام سازش کی روح رواں تھا اور اُس کے بڑے معین و مددگار پیساندر اور فری نی کوس تھے ۔ اُن کا بیڑا اُس وقت ساموس پر لنگر انداز تھا اور فری نی کوس اس کے بحری سرداروں میں شامل تھا ۔ بیڑے کے اکثر سردار اور خود "الکی بیادیز" بھی اس تحریک کو پسند کرتے تھے ۔ مزید براں الکی بیادیز نے ساموس کے سرداروں سے پیام

سلام شروع کردئیے تھے اور تسافرنز کے ساتھ اتحاد کرادینے کا وعدہ کرلیا تھا مگر اس کی مقدم شرط یہ تھی کہ ایتھنز کے جمہوری نظام حکومت کو بالکل بدل دیا جائے۔

رائے یہ قرار پائی کہ پیساندر اور چند اور سفیر صلح کی گفت و شنید کے لئے تسافرنز کے پاس جائیں اور وہیں الکی بیادیز کے ساتھ ملکر شرائط اتحاد کا فیصلہ کرلیا جائے۔ لیکن جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو انہیں بہت جلد معلوم ہوگیا کہ الکی بیادیز نے جو وعدے کئے تھے ان کا پورا کرنا اُس کی قدرت میں نہ تھا۔ تسافرنز کی اسپارٹہ سے سخت ناچاقی ضرور ہوگئی تھی لیکن جب ایتھنز کے ساتھ اتحاد کا معاملہ درپیش ہوا تو تسافرنز نے وہ شرائط پیش کیں جن کو تسلیم کرنا ممکن نہ تھا۔ اور اس کے بعد اُس نے اسپارٹہ سے ایک نیا معاہدہ کرلیا۔ لیکن ایتھنزی سفارت کی اس ناکامی سے صورتِ حالات میں کوئی خاص تغیّر نہیں ہوا۔ وہاں یہ بات لوگوں کے دلنشین ہوچکی تھی کہ نظامِ حکومت میں ردّو بدل ناگزیر ہے۔ اور عجب نہیں کہ ابی دوس اور لمپاس کوس کے انحراف کی خبروں نے اس انقلابی کارروائی پر انہیں اور بھی جلد آمادہ کردیا ہو۔ اوّل یہ تجویز منظور ہوئی کہ دس "پروبولی" اور بیس اور اشخاص کی جماعت جسے لوگ منتخب کریں، تحفّظ سلطنت کی تجاویز ایک مقررہ دن، مجلس کے روبرو پیش کرے۔ (ماہ مئی سنہ ۴۱۱ ق م) چنانچہ اُس روز مقام کولونوس پر پوسی ڈن کے مندر میں مجلس کا انعقاد ہوا اور بعض اصولی

تبدیلیاں پیش اور منظور ہوئیں۔ یعنی مجلس عوام کے ارکان کی تعداد محدود کردی گئی کہ آیندہ سے تمام قوم کی بجائے اُس میں صرف ایسے پانچ ہزار اشخاص شریک ہوسکیں گے جو دولت اور جسمانی قوت کے اعتبار سے سب سے فائق ہوں؛ دوسرے تنخواہ دینے کا طریقہ مسترد کردیا گیا اور قریب قریب تمام سرکاری مناصب کے مشاہرے موقوف ہوگئے۔ لیکن ان انقلاب انگیز آئین کے اخیر میں بچاؤ کا پہلو رکھنے کے لئے یہ دفعہ بھی بڑھادی گئی تھی کہ یہ جدید آئین "جنگ کے جاری رہنے تک نافذ رہیں گے"۔

جب مجلس ملکی کے لئے پانچ ہزار اشخاص منتخب ہوگئے تو انھوں نے جدید نظام حکومت کا خاکہ تیار کرنے کی غرض سے سَو ارکان کا انتخاب کیا اور اسی چیدہ جماعت نے یہ ضابطہ بنایا کہ جب تک نیا نظام حکومت قائم ہو، ریاست کا تمام نظم و نسق چار سو افراد کی ایک جماعت کے حوالے کردیا جائے۔ یہ جماعت محض ہنگامی طور پر مقرّر کی گئی تھی لیکن مداخل و مخارجِ سلطنت اور عمّال کے تقرّر، غرض حکومت کے جزو کل پر اسے کامل اختیار دے دیا گیا تھا۔ اور وہ پانچ ہزار بھی انھی چار سو کے طلب کرنے پر جمع ہوسکتے تھے۔ گویا مجلسِ عوام کی ملکی معاملات میں اب کوئی وقعت نہ رہی تھی اور ہنگامی حکومت کے پردے میں وہاں حکومتِ خواص مسلّط ہوگئی تھی۔

۷۔ چار سو کی حکومت کا خاتمہ

لیکن تین مہینے کی ظالمانہ حکومت کے بعد لوگوں نے چار سو کا تختہ الٹ دیا۔ ساموس میں بیڑے کے سپاہی حکومتِ خواص کے عہدہ داروں سے بگڑ گئے۔ انقلابِ حکومت کے خلاف دوبارہ شورش پیدا ہوئی اور اس تحریک میں تراسی بُلوس اور تراسی لُوس لوگوں کے سرگروہ تھے۔ مجلس عوام کا، جسے ایتھنز میں خواص نے نیست نابود کردیا تھا، ساموس میں احیا ہوا، اور سپاہیوں نے قوم کے نائبین کی حیثیت سے اپنے سپہ سالاروں کو معزول کردیا اور ان کی بجائے دوسرے سردار منتخب کئے؛ ان لوگوں کو ابھی تک یہ اُمید تھی کہ الکی بیادیز کی التفات و کوشش سے دولت ایران کے ساتھ ایتھنز کا اتحاد ہوجائے گا۔اور انہوں نے الکی بیادیز کے پہلے قصور کی معافی اور بازطلبی کی باضابطہ منظوری دے دی تھی۔چنانچہ خود تراسی بلوس اُسے ساموس لے کر آیا اور وہ سپہ سالار منتخب کیا گیا۔ بایں ہمہ ایران سے جس اتحاد کی امید تھی اس کی کوئی صورت نہ نکلی؛ پھر ایتھنز کے چار سو اُمرا سے مراسلت شروع ہوئی اور الکی بیادیز نے اگرچہ اس بات پر اظہار پسندیدگی کیا کہ مجلس ملکی کے ارکان کی تعداد پانچ ہزار ہو، لیکن چار سو کی حکومت کا وہ سخت مخالف تھا؛ ادھر خود ان چار سو میں نفاق پیدا ہوا اور دو گروہ بن گئے۔ اعتدال پسند گروہ کا سردار ترامنیس

تھا اور انتہا پسند فریق کے سرغنہ انتی فنُ اور فری نیکوس تھے۔ پہلے گروہ نے ساموس کے سپاہیوں کی پیش کردہ شرائط خوشی سے مان لیں مگر دوسرے گروہ کو خود دشمنانِ وطن سے چشم اعانت تھی اور اُس نے صلح کرنے کی غرض سے اسپارٹہ کو سفیر روانہ کئے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ پیریئوس کی بڑی بندرگاہ کے شمالی رُخ، ای تونیہ کے بند کو قلعہ بند کر رہے تھے جس کا مدعا یہ تھا کہ پیریئوس میں آمدرفت کا راستہ اُن کے تحت میں رہے اور وہ حسب ضرورت لِکدمونیوں کو اندر لے سکیں یا ساموسی بیڑے کو آنے سے روک دیں۔

جس وقت اُن کے سفیر، شرائط صلح طے ہوئے بغیر، واپس آگئے اس وقت لوگوں میں جو تحریک اُن کے خلاف پھیلی ہوئی تھی، اُس نے عملی صورت اختیار کی۔ پہلے تو فری نیکوس قاتلوں کے ہاتھ سے سر بازار مارا گیا۔ پھر وہ سپاہی جو ای تونیہ پر قلعہ بنا رہے تھے ترامنیس کے اشتعال دلانے سے حکومتِ خواص کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور پیریئوس میں بڑے شور اور ہنگامے کے بعد، نئے قلعے کی دیواریں گرادی گئیں۔ جب یہ شورش فرو ہوگئی تو چارسو کے ساتھ مصالحانہ طریق پر گفتگو شروع ہوئی اور ایک عام جلسے میں بحث مباحثے اور فیصلے کا دن مقرر ہوا۔ مگر خاص اسی روز جب کہ جلسہ ہونے والا تھا لکدمونی جہازوں کا ایک دستہ سلامیس کے ساحل کے قریب نمودار ہوا اور خود جزیرہ یوبیہ خطرے میں نظر آیا۔ یہ یاد رہے کہ جب سے

علاقہ ایٹی کا سے اہل ایتھنز محروم ہوئے تھے اُن کی زندگی کا دارو مدار اسی جزیرے پر تھا۔ لہذا اس کی حفاظت کے لئے انھوں نے تیموکریس کو ۳۶ جہاز دے کے ارت ریا روانہ کیا مگر اُسے جاتے ہی لڑنا پڑا اور کامل شکست ہوئی۔ جس کے بعد یوبیہ بھی ایتھنز سے منحرف ہوگیا۔ (ستمبر ۴۱۱ ق م)؛

اب شہر والوں کے پاس ردیف (یعنی رِزَرْو) جہاز بھی باقی نہ تھے۔ ساموس کی بحری سپاہ پہلے ہی برگشتہ تھی۔ یوبیہ، جہاں سے رسد ملتی تھی اب ہاتھ سے نکل گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہر میں سخت فساد برپا ہوگیا؛ لیکن لکدمونیوں نے حملے کا موقع ہاتھ سے کھودیا۔ اور اس اثناء میں اہل شہر نے ایک عام جلسے میں مجتمع ہو کے چارسو کو اپنے منصب سے برطرف کردیا اور بالاتفاق یہ طے کیا کہ تمام اختیارات ایک بڑی جماعت کے ہاتھ میں دئیے جائیں جس میں ہر شخص کو جو اپنے لئے اسلحہ مہیّا کرسکتا ہے شرکت کا حق حاصل ہو اور اس جماعت کا نام بھی "پنج ہزار" رکھا جائے؛ اسی کے ساتھ چند مقنّن مقرر کئے گئے کہ نظام حکومت کی جُزئیات کا خاکہ تیار کریں؛ جمہور کے اس فیصلے کے بعد اکثر اُمرا یا خواص شہر سے فرار ہوگئے اور دکلیہ میں پناہ لی۔ لیکن انتی فُن گرفتار ہوا اور اسے قتل کی سزا دی گئی؛

جدید نظام حکومت بنانے میں سب سے بڑا حصّہ ترامنیس نے لیا جو اوّل سے جمہوریت اور حکومتِ خواص کے مناسب

امتزاج سے ایتھنز کو "پولی تی" یعنی آئینی ریاست بنانے کا خواہاں تھا۔ اُس نے محض وقتی ضرورت کی بنا پر خواص کی حکومت کا ساتھ دیا تھا ورنہ وہ ہمیشہ سے اُسی اصولِ اعتدال کا حامی تھا اور اسی لئے اُمرا نے جو اُس کا نام طنزاً "کوتورنوس" رکھا تھا وہ درست نہیں ہے۔ (کوتورنوس اُس ڈھیلے موزے کو کہتے تھے جو بلا دقت سیدھے، اُلٹے دونوں پانوؤں میں آجائے)۔

اس عرصے میں اہل اسپارٹہ نے اپنے تن آسان امیرالبحر اس تیوکوس کو بدل کر من داروس کو اُس کی بجائے مقرر کیا تھا اور فرنا بازو کی صلاح پر اُن کا بیڑا دردانیال کی جانب روانہ ہوگیا تھا۔ اس کے عقب میں تراسی بلوس اور تراسی لوس اپنا بیڑا لے کے چلے اور کنوسیمہ کی جنگ میں اُسے شکست دی (۴۱۱ ق م)۔ اس فتح سے اہل ایتھنز کے دل بڑھ گئے اور ادہر اس کے بعد ہی شہر کیزی کوس جو اُن سے برگشتہ ہوگیا تھا پھر حلقۂ اطاعت میں آگیا۔

لیکن اب، فرنا بازو نہایت سرگرمی سے اہل پلوپنی سس کی اعانت کررہا تھا اور یہ ایرانی والی تسافرنز کی نسبت زیادہ کارآمد اور قابل اعتبار حلیف ثابت ہوا۔ موسم بہار میں من داروس نے کیزی کوس کا محاصرہ کیا اور فرنا بازو نے بھی کچھ بری فوج مدد کے لئے دی۔ لیکن ایتھنزی جہاز دشمن کو اطلاع ہوے بغیر صحیح سالم آبنائے سے گزر گئے۔ اُس وقت الکی بیادیز، ترامنیس اور تراسی بلوس کے ماتحت اُن کے بیڑے کے تین دستے

تھے اور انھوں نے اچانک منداروس پر حملہ کیا ۔ سمندر میں اور خشکی پر سخت خونریزی کے بعد اہل ایتھنز کو فتح کامل حاصل ہوئی ۔ منداروس مارا گیا اور دشمن کے کوئی ساٹھ جہاز چھین لئے یا ڈبو دیئے گئے (۴۱۰ ق م) ۔ شکست خوردہ سپاہ کا اسپارٹی حکام کے نام ایک خط اہل ایتھنز نے راستے میں پکڑ لیا جس میں اس ایجاز کے ساتھ شکست کی اطلاع بھیجی گئی تھی کہ "کامیابی کا خاتمہ ہے ۔ منداروس مارا گیا ۔ سپاہیوں میں فاقہ ہے ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کریں" ۔

اس شکست کے بعد ہی اسپارٹہ نے صلح کی سلسلہ جنبانی کی تھی مگر ایتھنز نے اُس کی تجاویز رد کردیں ۔

ایتھنز میں اس فتح سے جمہوریت پسند گروہ کی بن آئی اور انھوں نے ترامنیس کا آئین منسوخ کرکے پھر اپنا قدیم نظام حکومت قائم کرالیا ۔ اُدھر چند سال تک ایتھنزی سپاہ بحیرۂ مرمورہ اور گرد نواح کے علاقے میں مصروف پیکار رہی اور سپہ سالار الکی بیادیز کی قابلیت اور تن دہی کی بدولت رفتہ رفتہ غلبہ پاتی گئی حتیٰ کہ ایک مرتبہ پھر آبنائے باسفورس تک ایتھنز کا حکم رواں ہوگیا ۔ لیکن وطن کے قریب نیسایا کی بندرگاہ اہل مگارا نے چھین لی اور جزیرہ پیلوس پر بھی بالآخر اسپارٹہ کا قبضہ بحال ہوگیا ۔ (۴۰۹ ق م) ۔

لیکن اب شہنشاہ داریوش ثانی (یعنی داراب) کی توجہ جانب مغرب منعطف ہوگئی تھی ۔ وہ اس بات سے واقف ہوگیا تھا

کہ وہاں ایرانی تدابیر کے کارگر نہ ہونے کا سبب ایرانی والیوں کا باہمی حسد ہے۔ اور اسی لئے اُس نے اب اپنے چھوٹے بیٹے سیرِوس (کورش) کو تسافرنز کی جگہ سارڈیس بھیجا تھا۔ کپادوسیہ، افروجیہ اور لدیہ، تینوں صوبے اُس کے تحت میں دے دئے تھے۔ اور تسافرنز کی حکومت صرف کاریہ میں محدود کردی گئی تھی۔ ۴۰۷ ق م میں سیرِوس سارڈیس آگیا اور اس کا بر سرِ موقع پہنچنا ہی وہ واقعہ ہے جس نے جنگ پلوپنیسس کی بازی کا رنگ بدل دیا۔

۸۔ ایتھنز کی سلطنت کا خاتمہ

شہزادہ سیرِوس نہایت پُرجوش نوجوان تھا۔ لیکن اگر اسی زمانے میں اسپارٹہ سے بھی ایک نیا امیرالبحر مقرر ہوکر نہ آتا، تو اس ایرانی شہزادے کا جوش غالباً کچھ کارآمد نہ ہوتا۔ اسپارٹہ کا یہ نیا امیرالبحر لیساندر (لای سنڈر) تھا اور اس طولانی جنگ کو ختم کردینا اُسی کے نصیب میں آیا تھا۔ وہ اپنے بحری سپاہیوں کے فائدے کا خیال مقدم رکھتا تھا اور اسی وجہ سے سب کے دِل اُس کی مٹھی میں آگئے تھے۔ خود اُسے روپے کی طمع نہ تھی اور کسی شکل میں بھی رشوت کا جادو اُس پر نہ چل سکتا تھا اور اسی لئے سیرِوس کے مزاج میں اُس نے بہت دخل پالیا تھا۔ کیونکہ ایشیائیوں کی نظر میں اس قسم کی بے لوثی، نہایت قابلِ تعجب وصف ہے۔ باقی اپنے حصولِ مقاصد میں لیساندر

کسی اصول کا مطلق پابند نہ تھا اور سپہ سالاری کی اعلیٰ قابلیت رکھنے کے علاوہ میدان سیاست میں بھی وہ نہایت ہنرمند شاطر تھا۔ سیروس اور لی ساندر میں تو وہاں پخت و پز ہو رہی تھی اور یہاں الکی بیادیز آٹھ سال کی جلاوطنی کے بعد اپنے وطن میں واپس آیا تھا۔ لوگوں نے اپنے دس سپہ سالاروں میں اُس کا انتخاب، اور مراجعت کے وقت بہت گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا تھا۔ وہ اس کی سپہ سالاری کے دل سے معتقد تھے اور ابھی تک انہیں اُمید تھی کہ شاید وہ اپنی سیاسی عیاری سے دولت ایران کو پھر مصالحت پر آمادہ کرلے؛ پس مجلس نے جنگ کا تمام وکمال انتظام اُس کے ہاتھ میں دیدیا اور الیوسی تہوار کے متعلق جو بعض بدعنوانیاں سرزد ہوئی تھیں اُن کے وبال سے اُسے باضابطہ بری قرار دیا؛ خود الکی بیادیز نے بھی خداوندانِ الیوسیس[۱] کی رضا جوئی میں کمی نہ کی۔ جب سے دکلیہ پر، زیادہ تر الکی بیادیز ہی کی صلاح وکوشش سے، دشمن کا مستقل قبضہ ہوا تھا، الیوسیس کی درگاہ کو سالانہ جلوس کے جانے کا "مبارک راستہ" ترک کردینا پڑا تھا اور پُراسرار رایاکوس[۱] کی سواری سمندر کی راہ الیوسیس تک لے جاتے تھے؛ مگر اب الکی بیادیز نے جلوس کے ساتھ فوج کا بدرقہ مقرر کیا اور اس کی

---

[۱] سرحد مگارا کے قریب اٹیکا میں ساحلی مقام تھا جہاں دمتر دیوی کا عالیشان مندر بنا ہوا تھا۔ اہل ایتھنز ایاکوس یا باکوس یا ڈایونی سیئس (شراب انگوری کے دیوتا) کی ہر سال سواری جلوس کے ساتھ لے کر اس مقام تک آتے اور یہ تہوار بہت دھوم دھام سے اُن کے ہاں منایا جاتا اور اس کا نام "مسترینز" تھا۔ مترجم

نگرانی میں پھر یہ مقدس رسم قدیم دستور کے مطابق ادا ہوئی ؎
لیکن عین اس شہرت و ہردلعزیزی کے زمانے میں ایک خفیف
واقعہ ایسا پیش آیا جس نے اہل ایتھنز کے ان خیالات میں تغیر
پیدا کردیا - جس کی شرح یہ ہے کہ اُن کا بیڑا اس وقت اِفی سوس
کی پاسبانی کے لئے نوتیئن کے مقام پر لنگر انداز تھا - لی ساندر
نے اُسے شکست دی اور اُس کے پندرہ جہاز بھی گرفتار کرلئے۔
(سنہ ۴۰۷ ق م)۔ اور ہر چند الکی بیادیز اس جنگ میں موجود نہ
تھا لیکن اپنے عہدے کے لحاظ سے وہی ذمہ دار تھا پس ایتھنز میں
جو وقعت اس نے حاصل کرلی تھی وہ نظروں سے گرگئی چند ہی روز
بعد نئے سپہ سالار منتخب کئے گئے اور الکی بیادیز دردانیال کے ایک
قلعے میں گوشہ نشین ہوگیا ؎ اس کی جگہ امارت بحری کے منصب
پر کونن ممتاز ہوا ؎

اہلِ پلوپنی سس نے آیندہ سرما میں اتنا بڑا بیڑا آراستہ کیا
کہ اس سے پہلے کبھی نہ کیا تھا اس میں ۱۴۰ جنگی جہاز تھے۔ مگر
اسی زمانے میں لیساندر کی بجائے ایک نیا امیرالبحر کالی کراتی ڈس
مقرر ہوکے آیا تھا - اور کونن کے پاس صرف ۷۰ جہاز تھے۔
غنیم نے جزیرہ متی لنہ کے قریب اسے لڑنے پر مجبور کیا اورشکست دی
اس معرکے میں ایتھنز کو ۳۰ (سہ طبقہ) جہازوں کا نقصان ہوا
اور باقی ماندہ متی لنہ کی بندرگاہ میں گھر گئے ؎ موقع بہت نازک
تھا اور اہل ایتھنز اس خطرے کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے تھے
چنانچہ انھوں نے اکروپولس کے مندروں میں جس قدر سونے

چاندی کے چڑھاوے رکھے تھے سب کو گلوادیا کہ نئے بیڑے کے مصارف میں کام آئیں۔ اور محصورین کو نجات دلانے کے لئے ایک ہی مہینے کے اندر اپنا اور اپنے اتحادیوں کا ایک بڑا بیڑا تیار کرکے متی لِنہ بھیجا، جس میں (۱۵۰) جہاز تھے۔ کالی کراتی ڈس کے بیڑے میں اب جہازوں کا شمار (۱۷۰) ہوگیا تھا اور اُس نے ۵۰ محاصرہ رکھنے کے لئے وہیں چھوڑے اور باقی جہازوں سے مقابلہ کرنے کے لئے خود دشمن کی طرف بڑھا۔ لس بوس کے جنوب میں ارگی نوسی ٹاپوؤں کے قریب ایک بڑی بحری جنگ واقع ہوئی اور اس میں اہل ایتھنز فتحیاب ہوئے۔ (۴۰۶ق م) اسپارٹہ کے ۷۰ جہاز انھوں نے چھین لیے یا ڈبو دیئے اور خود امیرالبحر کالی کراتی ڈس مارا گیا۔

مگر اس کامیابی میں ایک نقصان یہ برداشت کرنا پڑا کہ اہل ایتھنز کے ۲۵ جہاز اہل جہاز سمیت تلف ہوئے۔ لوگوں کو یقین تھا کہ ان میں بہت سے اشخاص کی، جو جہازوں کے ٹوٹنے کے بعد تختوں پر بہتے رہے، جان بچائی جاسکتی تھی۔ چنانچہ اسی کی جواب دہی کے لئے سپہ سالار معطّل کردیئے گئے اور انہیں ایتھنز میں طلب کیا گیا۔ اُنھوں نے اس قصور کا الزام جہازوں کے سرداروں پر رکھا اور ان سرداروں نے جن میں ترامنیس بھی شامل تھا، اپنے بچاؤ میں سپہ سالاروں کو الزام دیا کہ انھوں نے ڈوبنے والوں کو بچانے کا حکم ہی بر وقت نافذ نہیں

کیا اور جب حکم ملا تو سمندر میں تموّج ہوگیا تھا اور اس کی تعمیل غیر ممکن تھی؛ غرض قرینہ کہتا تھا کہ کسی نہ کسی نے فرایض میں سخت غفلت ضرور کی۔ اس پر بالطبع لوگوں میں جوشِ رنج و غضب پیدا ہوا اور اسی ازخود رفتگی میں خود اُنھوں نے یہ ظالمانہ حرکت کی کہ آٹھوں سپہ سالاروں کے لئے جو اس جنگ میں موجود تھے سزائے موت تجویز کردی۔ یہ مسئلہ معمولی عدالتوں میں پیش نہ ہوا تھا بلکہ مجلسِ انتظامی نے اپنے دو جلسوں میں کثرت رائے سے اس کا فیصلہ کیا تھا۔ مجرمین میں سے ۶ سپہ سالار قتل کرادئے گئے اور ان میں تراسی لوس اور ایتھنز کے مدبّر اعظم کا بیٹا پری کلیس بھی شامل تھے۔ باقی دو سپہ سالار جو اس سزا کے مستوجب قرار دئے گئے، اپنی دُور اندیشی سے پہلے ہی بچ کے نکل گئے تھے؛ اس تمام کارروائی کا سب سے بدتر پہلو یہ ہے کہ مجلس نے ہر شخص کے معاملے کی علٰحدہ علٰحدہ تحقیقات کی بجائے، سب ملزموں کو ایک ہی ساتھ فیصلہ سنادیا تھا اور شہر کے ایک مسلّمہ دستور کی خلاف ورزی کی تھی۔ حالانکہ حکیم سقراط نے جو اس نامبارک روز ارکان مجلس میں موجود تھا، اس تجویز پر اعتراض بھی کیا تھا۔ مگر کسی نے سماعت نہ کی۔

ارگی نوسی کی فتح نے مشرقی ایجین میں پھر اہل ایتھنز کو مسلط کردیا اور اسی کی وجہ سے لکدمونی بھی صلح کی سلسلہ جنبانی پر دوبارہ آمادہ تھے۔ لیکن اُن کے پیام صلح کو کلیوفُن کے زورِ

تقریر کی بدولت لوگوں نے رد کردیا اور مشہور ہے کہ یہ بازاری مقرر اُس دن مجلس میں شراب پی کر سرشار آیا تھا۔ غرض اہل اسپارٹہ کو سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ پھر اپنا بیڑا آراستہ کریں ۔ عام طور پر لوگوں کا خیال وہاں یہی تھا کہ اگر اہل پلوپنی سس کو اپنے مقاصد میں کامیابی اور دولت ایران کی تائید حاصل کرنی ہے تو اُس کی صورت صرف یہی ہوسکتی ہے کہ لیساندر کو دوبارہ امیرالبحر مقرر کردیا جائے۔ لیکن وقت یہ تھی کہ اسپارٹہ کے ایک قدیم ضابطے کی رو سے کوئی شخص دو مرتبہ "نے وارک" یعنی امیرالبحر مقرر نہ ہوسکتا تھا۔ آخر اس موقع پر یہ حیلۂ شرعی نکالا گیا کہ انھوں نے لیساندر کو معتمد کی حیثیت سے بیڑے کے ساتھ روانہ کیا اور باہم قرارداد ہوگئی کہ جس شخص کو رسمی طور پر امیرالبحر بنا کے بھیجا جارہا ہے وہ معاملاتِ جنگ میں کوئی دخل نہ دے گا بلکہ تمام اختیارات درحقیقت لیساندر کے ہاتھ میں رہیں گے۔ اور لیساندر کے رسوخ و اقتدار میں مزید ترقی کا غیب سے ایک سامان یہ پیدا ہوگیا کہ انہی دنوں داراب سخت بیمار ہوا۔ اس کی زندگی کی امید نہ رہی اور شہزادہ سیروس کو اس نے ملنے کے لئے اپنے پاس بلا لیا۔ سیروس ملنے روانہ ہوتے وقت اپنی ست راپی یعنی ولایت کا نائب اپنے دوست لیساندر کو بنایا اور اپنی عدم موجودگی میں تمام نظم و نسق اور تحصیلِ خراج وغیرہ اُس کے اختیار میں دے گیا۔ کیونکہ سیروس جانتا تھا کہ اسپارٹہ کا یہ وہ مستثنیٰ باشندہ ہے جسے روپے کی طمع نہیں؛

دوسرے وہ اختیارات کسی ایرانی کو دینے سے ڈرتا تھا۔

جب ایسے وسایل ازخود مہیّا ہوئے تو لیساندر نے بہت جلد اپنی قابلیت کے جوہر دکھا دئے۔ وہ سمندر سمندر دردانیال کی جانب روانہ ہوا اور شہر لمپاس کوس کو گھیر لیا؛ وہیں ۱۸۰ جہاز کا ایتھنزی بیڑا بھی مرتّب ہو کے عقب میں روانہ ہوا۔ (۴۰۵ قم) یہ بیڑا ابھی شہر سستوس بھی نہ پہنچا تھا کہ لمپاسکوس تسخیر ہوگیا لیکن انھوں نے ارادہ کرلیا کہ وہیں جاکر لیساندر کو لڑنے پر مجبور کیا جاے اور اسی خیال سے وہ ساحل ساحل اگوس پتامی تک بڑھے۔ یہ مقام، جس کے لفظی معنی "بکری کی ندی" ہیں، لمپاسکوس کے بالمقابل ساحل پر ایک کھلا ہوا سمندر کا کنارہ ہے جس میں کوئی بندرگاہ یا گودی نہیں۔ اور موقع کی اس خرابی کے علاوہ یہاں سامان رسد بھی ۲ میل کے قریب دُور، شہر سستوس سے، لانا پڑتا تھا۔ برخلاف اس کے پلوپی سس کا بیڑا بہت اچھی بندرگاہ میں لنگر انداز تھا اور اُس کی پشت پر شہر لمپاسکوس ملا ہوا تھا جہاں رسد کی کوئی کمی نہ تھی۔ اہل ایتھنز کے جہاز آبنائے کے وسط میں بڑھے تو انہیں دشمن کی قطار، جنگ کے لئے تیار نظر آئی لیکن اُسے آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا اور خود اس پر وہیں حملہ کرنا احتیاط کے خلاف تھا کیونکہ اُس کے جہاز نہایت محفوظ و مصئون مقام پر تھے جسے وہ چھوڑنا نہ چاہتا تھا۔ غرض اہل ایتھنز مجبور ہوکر اگوس پتامی پر واپس ہوگئے اور چار دن تک برابر یہی ہوتا رہا کہ ایتھنزی بیڑا جنگ

کے لئے آبنائے میں دُور تک آگے بڑھ آتا اور لیساندر کو بندرگاہ سے باہر لگا کے لانا چاہتا ۔ لیکن اس مقصد میں ہر روز ناکامی ہوتی ۔ اُدھر الکی بیادیز نے اپنے قلعے سے ، جو اسی نواح میں تھا ، یہ تمام معاملہ دیکھا اور سوار ہوکر اگوس پتامی آیا ۔ اس نے ایتھنزی سرداروں کو بہ منّت یہ مشورہ دیا کہ وہ اس خراب موقع سے ہٹ کر سستوس چلے جائیں لیکن اُس کی صائب رائے کو اُنھوں نے بے پروائی بلکہ شاید ذلّت کے ساتھ ردّ کردیا ۔ اُن کا بیڑا جب لمپاس کوس کی طرف اپنے روزانہ گشت سے واپس آتا تو اس کے ملّاح اور جہازی کنارے پر اُتر اُتر کے اِدھر اُدھر چلے جایا کرتے تھے ۔ پانچویں روز کا ذکر ہے کہ لیساندر نے چند جاسوسی کشتیاں اس کام پر مقرر کردیں کہ جس وقت دشمن کنارے پر اُترکے کھانے پینے میں مصروف ہو تو وہ ایک صیقل کی ہوئی ڈھال چمکا کر اطلاع دے دیں ۔ چنانچہ جس وقت اُدھر سے یہ اشارہ ہوا ، پلوپی سس کا پورا بیڑا جس میں ۲ سو جہاز تھے ، سرعت کے ساتھ کھیتا ہوا آبنائے کے دوسری جانب چلا ۔ اور ایتھنزی بیڑے کو بالکل بے خبر اس طرح جا دبایا کہ کوئی مدافعت کرنے والا نہ تھا ۔ نہ کوئی جنگ ہوئی نہ مزاحمت ۔ صرف بیس[20] جہاز جو فرار ہو سکتے تھے بچ کر نکل گئے ۔ باقی (۱۶۰) اسی وقت لیساندر کے قبضے میں آگئے ۔ اس واقعے کے متعلق لوگوں کو عام طور پر یقین تھا کہ بعض سپہ سالاروں نے غدّاری کی ۔ بہر حال ایتھنز کے تین چار ہزار کے درمیان جس قدر سپاہی

اس موقع پر اسیر ہوئے انہیں لیساندر نے جان سے مروادیا؛ امیرالبحر کونن ان بے خبر پھنس جانے والوں میں نہ تھا۔ وہ بچ کر نکل گیا۔ مگر ذمے دار سپہ سالار کا اس مصیبتِ عظیم کی خبر لے کر ایتھنز جانا، مجنونانہ حرکت ہوتی۔ لہذا باقی ماندہ بیس جہازوں میں سے ۱۲ کو کونن نے وطن روانہ کردیا اور ۸ جہاز خود لے کے شہر سلامیس (علاقہ قبرص) کے بادشاہ اِواگورس کی پناہ میں چلا آیا۔ کوئی خاص نقصان اٹھائے بغیر، جس آسانی کے ساتھ یہ فیصلہ کُن فتح لیساندر نے حاصل کی اُس کی نظیر تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

جب اس تباہی کی خبر پیرئیوس پہنچی تو رات کا وقت تھا اور پھر "کوئی متنفس نہ تھا جو اُس رات کو سویا ہو" اب انہیں محاصرے کی مصیبت جھیلنے کا سامان کرنا تھا؛ لیکن اس کام کو لیساندر نے اپنی مصلحت سے ابھی ملتوی رکھا۔ کیونکہ ایتھنز پر حملہ کرنے کی بجائے وہ اُسے بھوکا مار کے اطاعت پر مجبور کرنا چاہتا تھا اور اسی غرض سے اُس نے جہاں جہاں ایتھنزی آبادکار (کلروک) جزیروں میں بسے ہوئے پلے اُن سب کو دھکے دیدے کے ایتھنز بھیجا کہ اُس کی آبادی میں جو پہلے ہی قلتِ رسد کی تکلیف اٹھارہی تھی، اور اضافہ ہوجائے۔ پھر جب وہ تھریس اور دردانیال کے تمام ایتھنزی مقبوضات کو مُسخّر، اور اُن کا انتظام دُرست کرچکا تو بالآخر خاص ایتھنز کی طرف متوجہ ہوا اور ۱۵۰ جہاز لئے ہوئے خلیج سارونی میں آپہنچا؛ پھر جزیرہ اجی نا

پر قبضہ کرنے کے بعد اُس نے پیریئیوس کا محاصرہ کرلیا۔ اسی وقت اسپارٹہ کا دوسرا بادشاہ پوسے نیاس بھی کمک لے کے آگیا تھا اور اب اس کی اور شاہ ایجیس کی فوجوں نے مل کر شہر کے مغرب میں اکادمی کے مقام پر اپنے خیمے نصب کئے۔ مگر شہر پناہ اتنی مستحکم تھی کہ اس پر حملہ کارگر نہ ہوسکتا تھا۔ ادھر سردی آگئی اور فوجیں ہٹ گئیں لیکن بیڑا اسی طرح پیریئیوس کے قریب موجود رہا۔ اب شہر میں سامان خوراک ختم ہوتا چلا۔ اہل ایتھنز نے مجبور ہوکر صلح کی شرائط پیش کیں اور اپنے مقبوضات سے دست برداری، نیز لکدمونیوں کے حلیف بننے پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر اسپارٹہ کے افوروں نے سفیروں کے ساتھ ملنے سے انکار کردیا کہ جب تک زیادہ مناسب حال شرائط نہ پیش کی جائیگی صلح کی گفتگو نہ ہوگی۔ ان شرائط میں ایک یہ شرط بھی وہ رکھنی چاہتے تھے کہ ایتھنز کی لمبی دیواریں نو فرلانگ تک منہدم کردی جائیں گی۔ اس بے بسی میں ایتھنز کا ضد کرنا بالکل نادانی کی بات تھی۔ مگر ایتھنز والے ضد کئے گئے۔ اسی بازاری مقرر کلیوفن نے جو پہلے دو مرتبہ جب کہ صلح بھی عزت کے ساتھ ہوسکتی تھی، خلل ڈالا تھا، اب پھر در اندازی کی اور مجلس نے یہ احمقانہ فتویٰ صادر کیا کہ کوئی شخص آیندہ ایسی شرائط قبول کرنے کی تحریک ہی نہ پیش کرے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان باتوں سے کچھ کام نہ چل سکتا تھا اور اُن کے پاس کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا تھا۔ لہذا ترامئیس، لیساندر کے پاس جانے پر

آمادہ ہوا کہ ممکن ہو تو کسی قدر نرم شرائط پر صلح کی کوشش کرے۔ مگر اُس کا اصلی مقصد یہ تھا کہ اتنی دیر لگا دے جس میں لوگوں کے ہوش درست ہوجائیں۔ چنانچہ اُس نے لیساندر کی پاس تین مہینے لگا دئے اور جب واپس آیا تو اہل شہر ہر شرط قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔ کیونکہ اب فاقہ کشی کی وجہ سے لوگ مرنے لگے تھے اور اُن کے خیالات میں جو انقلاب ہوا اس کا ثبوت یہ تھا کہ اُنھوں نے **کلیوفن** کو سزائے موت دیدی تھی۔ غرض اب ترامنیس کو شرائط صلح کے متعلق ہر قسم کا اختیار دے کر اُنھوں نے پھر اسپارٹہ روانہ کردیا۔ یہ لکھنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسی پُرتشویش زمانے میں وہاں ایک نامور شہری، یعنی مورّخ **توسی ڈای ڈیز** کی یاد ہوئی اور اُسے واپس بلانے کی تجویز منظور کی گئی۔

ادھر اسپارٹہ میں پلوپنی سس کے اتحادی یہ مشورہ کرنے جمع ہو رہے تھے کہ سرنگوں دشمن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ عام طور پر اہل مجلس کا دلی منشا یہ تھا کہ ایتھنز کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے اور اُس کے تمام باشندے غلام بنا کے بیچ دئے جائیں؛ لیکن حلیفوں کی اس ظالمانہ تجویز کو اسپارٹہ نے ماننے سے قطعی انکار کردیا۔ وہ ہرگز نہ چاہتا تھا کہ وہ یونانی شہر جس نے ایرانی حملہ آوروں سے یونان کو بچانے میں ایسی خدمات انجام دی تھیں، آج صفحۂ روزگار سے معدوم کردیا جائے؛ غرض صلح نامے کی حسب ذیل شرائط

قرار دی گئیں: "لمبی دیواریں اور پیرئیوس کے جنگی استحکامات منہدم کردئے جائیں گے۔ اہل ایتھنز کا کسی غیر علاقے پر قبضہ نہ رہیگا۔ مگر اپنے علاقے ایٹی کا اور سلامیس میں وہ بالکل آزاد رہینگے ان کا پورا بیڑا ضبط کرلیا جائے گا۔ اُن کے سب جلا وطنوں کو واپس آنے کی اجازت ہوگی۔ ایتھنز اسپارٹہ کی سیادت میں اُس کا حلیف بن جائے گا"؛

ماہ اپریل ۴۰۴ق م میں جب صلح نامے پر طرفین کے دستخط ہوگئے تو لیساندر، پیرئیوس کی بندرگاہ میں داخل ہوا اور دیواروں کے انہدام کا کام شروع ہوگیا جس میں اہل ایتھنز اور اُن کے حریفانِ غالب دونوں شریک تھے؛ مُرلی بج رہی تھی اور دیواریں گرائی جارہی تھیں۔ اس طولانی جنگ کے خاتمے پر دونوں نئے حلیف شادماں تھے اور دل میں کہتے تھے کہ آخر تمام یونانیوں کی آزادی کا مُبارک زمانہ آگیا؛

یہ خیال کرنا نہ چاہئیے کہ تمام اہل ایتھنز اپنے وطن کی اس شکست و ذلت پر سوگوار تھے؛ درحقیقت اُن کے بہت سے جلا وطنوں کو تو ایتھنز کی اسی مصیبت کے طفیل گھر کا منہ دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ اور دوسرے گروہ خواص کی نظر میں جمہوریت کو نیست نابود کردینے کا موقع یہی تھا۔ لہذا یہ لوگ ایتھنز کے مُسخر ہوجانے سے بہت خوش تھے۔ ترامنیس کو ہنی "آئینی ریاست" (پولی تی) بنانے کی پڑی تھی کہ ایک دفعہ تو اور بھی نظام حکومت میں ترمیم کی کوشش کی جائے؛ جلا وطنوں میں سب سے

نامی اور مستقل مزاج شخص کری تیاس تھا۔ وہ گرگیاس کا شاگرد، سقراط کا ہم نشین، عمدہ مقرر، شاعر اور فیلسوف تھا؛ انہی سب جلا وطنوں نے اب خواص کے ساتھ مل کر اپنے مشترکہ منصوبے کی عملی تدابیر کا نقشہ تیار کیا اور اس کے بعد ہی جمہوریت کے خاص خاص سرگروہ پکڑ کے قید میں ڈال دئیے گئے۔ پھر ایک جدید نظام حکومت قایم کرنے میں لیساندر سے مداخلت کی درخواست کی گئی اور اسی کے سامنے مرعوب ہو کر مجلس نے یہ تجویز منظور کر لی کہ قوانین۔ کا خاکہ تیار کرنے کی غرض سے تیس اشخاص کی ایک جماعت نامزد کر دی جاے اور مجموعۂ قوانین کے تیار ہونے تک تمام نظم و نسق پر اسی کو اختیار دے دیا جاے؛ کری تیاس اور ترامنیس بھی انہی تیس اشخاص میں شامل تھے جو اب مامور ہوے؛

۹۔ تیس کی حکومت۔ اور جمہوریت کا دوبارہ قایم ہونا

ان تیس نئے حکام نے پہلے ہی یہ کام کیا کہ حکومتِ خواص کے پانچسو پختہ حامیوں کی ایک مجلس بنائی اور وہ عدالتی اختیارات جو اب تک جمہور کو حاصل تھے اس مجلس کے سپرد کر دئیے۔ اور گیارہ آدمیوں کی ایک جماعت پولیس کے فرایض انجام دینے کے لئے متعین کی جس کا سردار ساتی روس نامی ایک ظالم و ناخدا ترس شخص کو بنایا؛ جمہوریت کے خاص خاص حامی جنھوں نے سقوطِ ایتھنز کے بعد حکومت خواص کے بنا و قیام

کی مخالفت کی تھی، گرفتار کرلئے گئے اور نئی مجلس کے سامنے پیش ہوئے جس نے انھیں "سازش" کے جرم میں موت کی سزا دی۔ یہاں تک تو اُس گروہ میں اتفاق تھا لیکن اس کے بعد جو ظلم و ستم کا دَور دَورہ ہوا اس میں ترامنیس اور اس کا فریق ان ظالموں کے ساتھ نہ تھا۔ جب وہ برسر اقتدار ہوئے تو انھوں نے ایک یہ اعلان بھی کیا تھا کہ منجملہ اور کاموں کے نئے حاکم، شہر کو بد معاشوں سے پاک کرنے کی خدمت بھی انجام دینگے۔ چنانچہ انھوں نے متعدد بد اطوار اشخاص کو جان سے مروادیا تھا۔ لیکن اسی سلسلے میں اُنھوں نے اور لوگوں کو بھی تحقیق و بلا تحقیقِ جرم قتل کرانا شروع کیا۔ حالانکہ اُن میں سے بعض حکومتِ خواص کے حامی تھے۔ مگر شاید سب سے زیادہ جس شخص کا انہیں خوف ہوسکتا تھا، وہ الکی بیادیز تھا جو اپنے قلعے سے بھاگ کر فرنا بازو کی پناہ میں افروجیہ چلا آیا تھا۔ خواص نے اُس کے خلاف جلا وطنی کا فرمان صادر کیا اور تھوڑے ہی دن بعد وہ خود فرنابازو کے حکم سے قتل کردیاگیا۔ فرنا بازو نے یہ کام لیساندر کے کہنے سے کیا تھا اور کہتے ہیں کہ خود لیساندر سے ایتھنز کے تیس غاصبوں نے اغوا کرکے، ایسا پیام بھجوایا تھا۔

جذباتِ خوف و انتقام کے ساتھ ان غاصبین حکومت کو اب لُوٹ کا لالچ بھی پیدا ہوگیا تھا، اور انھوں نے چند آدمی محض اس لئے قتل کرائے کہ وہ بہت متموّل تھے۔ اپنے

ہم وطنوں کو گرفتار کرنے کے شیطانی اور قابلِ نفرت فعل میں بہت سے شہریوں کو خاص اس غرض سے شریک کرلیا جاتا تھا کہ وہ سب حکومت کے جور و جفا میں معینِ جرم بن جائیں۔ چنانچہ حکیم سقراط اور دوسرے چار اشخاص کو بھی ایک شریف آدمی کے پکڑ لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس شخص کا نام لیون (باشندہ سلامیس) تھا اور سقراط اور اس کے ساتھیوں کو دھمکی دی گئی تھی کہ اگر انھوں نے اُسے گرفتار نہ کیا تو خود اُن کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ مگر سقراط نے جابروں کے اس حکم کی تعمیل سے اُسی وقت انکار کردیا۔ دوسرے لوگ دل کے اتنے مضبوط نہ تھے۔ بایں ہمہ سقراط کو اس عدول حکمی کی کوئی سزا نہیں دی گئی جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ کری تیاس کے دل میں جو اس کی صحبت کا فیض یافتہ تھا، استادی شاگردی کا کچھ نہ کچھ لحاظ باقی تھا۔

قانون و عدالت کے پردے میں اس ظالمانہ کشت و خون اور ایسے نا جایز استحصالِ زر کا ترامنیس علانیہ مخالف تھا۔ جدید حکومت کے اکثر افراد بھی اُس کے ہم رائے تھے اور سچ یہ ہے کہ اگر کری تیاس کی قوت و قابلیت فریقِ مقابل کے شاملِ حال نہ ہوتی، تو ترامنیس ایک معتدل حکومت قایم کرنے میں کامیاب ہوجاتا۔ تاہم اس کی کوشش کا اتنا اثر تو ہوا کہ ان تیس جابروں نے ۳ ہزار شہریوں کے گروہ کو مسلح رہنے کی اجازت دے دی۔ اور انہیں یہ امتیاز بھی حاصل تھا کہ

ان کے معاملات میں خاص مجلسِ عدالت ہی تحقیقات اور فیصلہ کرسکتی تھی ۔

اس اثنا میں وہ خانماں برباد، جنھیں حکومتِ خواص نے ایتھنز سے باہر نکال دیا تھا، ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھے تھے انھوں نے کورنتھ، مگارا اور تھبز کی اُن ہمسایہ ریاستوں میں پناہ لی تھی جو اگرچہ ایتھنز کی جانی دشمن تھیں مگر اب اسپارٹا کی اس چیرہ دستی سے ناراض تھیں کہ اس نے مال غنیمت میں ان ریاستوں کو کوئی حصہ نہیں لینے دیا ۔ غرض یہاں ایتھنزی جلا وطنوں کی مہماں نوازی ہونے کے علاوہ اس بات پر بھی آمادگی ظاہر کی گئی کہ اگر وہ اپنے وطن کو اُن تیس جابروں کے پنجۂ ستم سے نجات دلانا چاہیں تو انہیں فوجی امداد مل سکتی ہے ۔ چنانچہ پہلی جنگی کارروائی تھبز سے شروع ہوئی ۔ اور یہاں جو ۷۰ جلا وطن پناہ گزیں تھے انھوں نے تراسی بلوس اور انی توس کی سرگروہی میں ایٹی کا کے ایک قلعے، فیلہ پر قبضہ کرلیا، جو سرحد بیوشیہ کے متصل، پارنیس کی پہاڑیوں میں واقع تھا ۔ اور اس کی مستحکم سنگین فصیل کو مدافعت کے لائق بنالیا ۔ اس قدیم فصیل کے کھنڈر اب تک ایٹی کا میں موجود ہیں ۔

تیس جابروں نے جب یہ خبر سُنی تو فوج لے کے نکلے اور قلعے کو گھیر لیا ۔ لیکن برف و باراں کا ایک طوفان ایسا بروقت آیا کہ وہ محاصرہ قایم نہ رکھ سکے ۔ اور اب وہ دوگونہ بلا میں پھنسے ہوے تھے کہ باہر بھی ایک جمعیت دشمنی پر آمادہ تھی جسے وہ

زیر نہ کرسکے۔ اور شہر کے اندر بھی شدید مخالفت کا خطرہ موجود تھا۔ ترامنیس کی نسبت انہیں یقین تھا کہ وہ اُن کے مخالفین کے ساتھ ہوجائے گا اور اُس کے رسوخ و اثر سے مخالفین کی قوت بہت بڑھ جائے گی۔ پس انھوں نے اس کا قصّہ پاک کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنے چند خاص آدمی عدالت کے کٹہرے کے قریب لگادئیے جن کے پاس خنجر چھپے ہوئے تھے۔ پھر کری تیاس مجلس میں اُٹھا اور ترامنیس پر الزام لگانے شروع کئے۔ لیکن جب دیکھا کہ عدالت اُسے بری کردے گی، تو اُس نے ترامنیس کا نام اُن تین ہزار کی فہرست سے خارج کردیا جن کے معاملے میں صرف مجلس عدالت ہی فیصلہ کرسکتی تھی۔ اور پھر اپنی رائے سے اس کے حق میں سزائے موت تجویز کردی۔ ترامنیس، مجلس عدالت کی امان پکارتا ہوا دوڑا اور مقدّس آتشدان کے سامنے آکھڑا ہوا لیکن کری تیاس کے حکم سے وہ گیارہ جو اسی کام کے لئے مقرر تھے، اندر گھسے اور انھوں نے بدنصیب فریادی کو قربان گاہ پر سے گھسیٹ کر قید خانے میں پہنچادیا اور پھر بہ عجلت زہر کا پیالہ لاکے منہ سے لگادیا۔ جب وہ پی چکا تو اس کی تلچھٹ کا ایک قطرہ اُس نے اچھالا جسطرح وہاں مہمان "کتابوس" کھیلتے میں اچھالتے تھے۔ اور چلایا کہ "یہ قطرہ شریف کری تیاس کے نام کا!"

ترامنیس کی جان لینے کے بعد، ان تیس جابروں نے ایک ایسا فریب کیا کہ تمام اہل شہر سے، جن کے نام

تین ہزار کی فہرست میں داخل نہ تھے، ہتھیار لے لئے اور انہیں شہر سے باہر نکال دیا۔ مگر اٹیکا میں اُن کے دشمنوں کی تعداد برابر بڑھتی جاتی تھی۔ کری تیاس اور اُس کے چیلوں کو اب اپنی جان کے لالے تھے اور اسی لئے انھوں نے یہ بھی گوارا کرلیا کہ اسپارٹہ کو سفارت بھیجکر شہر کی حفاظت کے واسطے لکدمونی فوج متعین کرنے کی خواہش کی۔ اُن کی درخواست قبول ہوئی اور کالی بیوس کی ماتحتی میں، سو سپاہی آگئے اور انہیں خاص قلعہ اکروپولس میں جگہ دی گئی ؛

ان تیس کا یہ اندیشہ بھی بے بنیاد نہ تھا کہ ان کے بہت سے رفقا مذبذب و متزلزل ہوتے جاتے ہیں۔ لہذا حفظ ماتقدم کی غرض سے انھوں نے الیوسیس پر قبضہ کرلیا کہ اگر ایتھنز میں قدم جمنا دشوار ہو تو آیندہ پناہ لینے کے لئے ایک مقام محفوظ رہے۔ یہ کارروائی بمشکل تکمیل کو پہنچی تھی کہ فیلہ سے تراسی بلوس اُتر کے خاص پیرئیوس پر مسلط ہوگیا۔ اس کے پاس ایک ہزار آدمی کے قریب جمع ہوگئے تھے لیکن استحکامات کے ٹوٹنے کے بعد، پیرئیوس ایسی جگہ نہ رہی تھی کہ وہاں آسانی سے مدافعت کی جاسکے ؛ پس مقابلے کے وقت تراسی بلوس نے منوکیہ کی پہاڑی پر صف جنگ آراستہ کی اور سب سے بلندی پر فلاخن انداز و تیر انداز رکھے تاکہ اُن کے پتھر اور تیر اپنے سپاہیوں کے سروں پر سے گزر کے دشمن کو نشانہ بنائیں ؛ اب وہ تیس کا حملہ رد کرنے

کے لئے تیار کھڑے تھے اور جب دشمن پہاڑی پر چڑھنے لگا تو اُن کے سروں پر تیر، پتھر اور برچھیوں کی بوچھار ہونے لگی جس نے تھوڑی دیر کے لئے اُن کے پاؤں ڈگمگا دیے۔ ساتھ ہی تراسی بلوس کے پیادے اُن پر ٹوٹ کے گرے۔ اُن کے آگے آگے وہ کاہن تھا جس نے جنگ میں خود اپنی موت کی پیشین گوئی کی تھی۔ اور سب سے پہلے وہی ہلاک ہوا۔ حریف مقابل کے ستر آدمی مارے گئے اور انہیں مقتولین میں کری تیاس بھی تھا۔ یہ لڑائی (غالباً) ماہ مئی سنہ ۴۰۳ ق م میں واقع ہوئی +

گروہ خواص نے اب نظام حکومت میں تبدیلی کرنے کی کوشش کی اور تین ہزار کے ایک جلسے میں تیس کی بجائے دس حاکم مقرر کئے گئے جو نسبتاً اعتدال پسند تھے۔ مگر تراسی بلوس کے ساتھ ان کی بھی مصالحت نہ ہوسکی اور جب پیریئوس میں اس کی قوت برابر بڑھتی گئی تو گروہِ خواص نے مجبور ہوکے پھر اسپارٹہ سے مدد مانگی۔ وہاں سے لیساندر فوج لے کے الیوسیس آیا مگر اسپارٹہ میں لوگ اس سے بدگمان ہوگئے تھے اور اُنھوں نے اُسے بدل کر شاہ پوسے نیاس کو سپہ سالار بنادیا۔ شاہ پوسے نیاس کی کوشش سے آخر فریقین میں صلح ہوگئی اور سب کو عام معافی کا حکم سنادیا گیا۔ لیکن اس معافی سے وہ تیس جابر، اُن کے گیارہ رفیق اور بعد کے دس جانشین مستثنےٰ تھے۔

شہر میں جب امن و امان ہوگیا تو پھر واضعان قوانین کی ایک جماعت تجدید قوانین کی غرض سے مقرر ہوئی اور اُس نے عہدِ پری کلیس کے قدیم آئین جمہوریت کو ازسرِ نو نافذ کیا۔ الیوسیس میں ابھی تک گروہ خواص نے قدم جما رکھے تھے اور اس کو خود مختار شہر بنا لیا تھا۔ مگر دو سال بعد اہل ایتھنز نے اُسے ہلّہ کرکے لے لیا اور علاقہ ایٹی کا پھر ایک ریاست بن گیا جمہوریت کے حامیوں نے شرائطِ مصالحت کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی تاہم تیس کے مظالم ایسے نہ تھے جنھیں اہل شہر فراموش کردیتے اور یہی سبب ہے کہ اگلی تین پشت تک خواص یا اُمرا کو ایتھنز میں اقتدار حاصل کرنے کا کوئی موقع نصیب نہ ہوا

باب دوازدہم

اقتدارِ اسپارٹہ اور جنگِ ایران

۱۔ اقتدارِ اسپارٹہ

جنگ اگوس پتامی کے تیس سال بعد تک اسپارٹہ برابر اپنی حکومت، پلوپنی سس کے باہر پھیلا نے اور اس کے قایم رکھنے میں منہمک رہا۔ اُسے اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی۔ جس کا سبب یہ ہے کہ اُس کے آئین و ضوابط اور خود اہل اسپارٹہ کے خصائل میں باہر کے آزاد باشندوں کے ساتھ نباہ کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ ہر شہر میں جو ایتھنز کے قبضے سے نکل کے اسپارٹہ کے قبضے میں آیا، دس دس اشخاص کی ایک حکومت قایم

کردی گئی تھی۔ اور اس کی پشت پناہ کے لئے ایک لکدمونی عامل "ہرموست" اور ایک لکدمونی دستہ شہر میں متعین کردیا جاتا تھا؛ گویا ہر شہر دوگونہ عذاب میں مبتلا تھا:۔ اسپارٹہ کے عمال بھوکے بھیڑیے تھے اور حکومتِ وطن کی ماتحتی سے بھی عملاً آزاد ہوتے تھے؛ دوسرے خود مقامی حکام بالعموم ظالم و جفا جو تھے اور اپنے مخالف ہم وطنوں کو عدالت و قانون کے پردے میں بے گناہ مروا ڈالتے تھے۔ اور ان حکام عشرہ (دکارک) اور اسپارٹی عمال کا آپس میں ساز باز ہوتا تھا۔

ادھر اُسی لیساندر کا، جس نے اسپارٹہ کی یہ سلطنت قایم کی، تفاخر و اقتدار اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اس کے ہم وطن برداشت نہ کرسکتے تھے؛ ساموس سے جہاں اس کا دربار شاہانہ قسم کا ہوتا تھا اہل اسپارٹہ نے اُسے واپس طلب کیا اور وہ اپنی مدح و ثنا میں فرنا بازو کا ایک خط لے کر آیا جس کا بالکل اُلٹا اثر ہوا اور یہی ستایش اُس کے حق میں فرد جرم بن گئی۔ تاہم غنیمت ہے کہ ارباب حکومت نے اسے امن دیوتا کی زیارت کے بہانے وطن سے (افریقیہ) نکل جانے دیا۔ (۴۰۳ء ق م)۔ لیکن وہی قوتیں جو اُس کی خانماں بربادی کا سبب ہوئیں اب خود وطن کی بربادی کا سامان کررہی تھیں؛ چنانچہ قیام سلطنت کی غرض سے ایک ہزار تیلنت[۱] کا سالانہ خراج مقرر کردیا گیا تھا جسے اسپارٹہ کے مقبوضات ادا کرتے تھے۔ اتنا روپیہ جمع کرنا قوانینِ لکرگس کی صریح خلاف ورزی

---

[۱] ایک تیلنت = $3\frac{1}{2}$ ہزار روپیہ۔ ۱۲

تھی اور اس لئے وہی خرابیاں جن کے انسداد کی غرض سے یہ قوانین بنائے گئے تھے، اُن میں پیدا ہونے لگیں۔

۲- سیروس کی بغاوت اور دس ہزار کی یلغار

داراب کی وفات پر اُس کا بڑا بیٹا اردشیر ثانی (آرتازرکسنر) وارثِ تخت و تاج ہوا۔ مگر جب سیروس اپنی ولایت (ایشیائے کوچک) میں واپس آیا تو بڑے بھائی کے خلاف منصوبے باندھنے لگا کہ کسی طرح اُسے ہٹا کر خود بادشاہ بن جائے۔ اس کام میں اسے کرایے کی یونانی فوجوں پر بہت کچھ بھروسہ تھا۔ چنانچہ بھرتی شروع کی اور اس خدمت پر اسپارٹہ کے باشندے کلیارکوس کو مقرر کیا۔ پھر جب سیروس فوج لے کے دارالسلطنت سوس کے ارادے سے چلا ہے تو اس کے پاس ایک لاکھ ایشیائی سپاہی اور تقریباً ۱۲ ہزار یونانی تھے جن میں (ہپلیت) پیادوں کا شمار دس ہزار چھ سو تھا۔ کوچ کا مقصد اوّل اوّل بڑی احتیاط سے مخفی رکھا گیا اور سوائے کلیارکوس کے اور کوئی اس راز میں سیروس کا شریک نہ تھا۔ دوسرے پیسی دیا کے پہاڑی لوگ اکثر ایرانی صوبے داروں کو پریشان کیا کرتے تھے اور ان کو مغلوب کرنے کا بہانہ بھی موجود تھا۔ اسی فوج میں جو معاوضہ کثیر کی امید پر پیسی دیا کی فرضی مہم میں اس دریا دل شہزادے کے ساتھ ہو گئی تھی، اتھنز کا ایک شہسوار زینوفن بھی تھا جس نے حکیم سقراط کی صحبت و شاگردی کا

فیض حاصل کیا تھا۔ "اناباسیس" کی مشہور تاریخ یا سیروس کے ساتھ یونانیوں کی پیش قدمی اور پھر پسپائی کے حالات، اسی شخص نے لکھے ہیں اور ان سے پہلی مرتبہ ایشیائے کوچک کے اندرونی حصوں میں اور فرات و دجلہ کے پار دولتِ ایران کے خاص وسطی علاقوں میں منزل بہ منزل سفر کا مفصل احوال ہم تک پہنچا ہے۔

ساردیس سے نکل کر سیروس جنوب مشرق کی طرف کلوسی (علاقہ افروجیہ) میں آیا جہاں تھسالیہ کا باشندہ منُن یونانی سپاہیوں کو لے کر اس سے آملا پھر کلینی کے مقام پر کلیارکوس نے شرکت کی۔ اب تک یہ مہم اپنی مصنوعی منزل مقصود یعنی پیسی دیا کے رستے سے الگ نہ ہوئی تھی لیکن اب سیروس نے پہلے شمال اور پھر مشرق کا رُخ کیا تاکہ سلیسیہ سے گزر جائے۔ اس علاقے کے بادشاہ سنی سیئس کی بیگم نے روپے سے اس کی مدد کی اور یونانی سپاہیوں کی تنخواہ ادا کی۔ خود سنی سیئس نے مصنوعی مزاحمت کے بعد، فوج کو ان دشوار گزار دروں سے گزر جانے دیا جو سلیسیہ کا دروازہ تھے۔ اور جہاں سے علاقہ تارسوس تک راستہ صاف تھا۔ تارسوس میں پہنچ کر یونانیوں کو خبر ہوئی کہ وہ ساحل سے تین مہینے سفر کے فاصلہ پر، وسطِ ایشیا میں لے جائے جا رہے ہیں۔ انھوں نے شورش بپا کردی اور جبر سے قابو میں نہ آئے تو کلیارکوس نے دم دلاسے دے کر

کام نکالا کیونکہ اس میں شک نہیں کہ اب ان کا واپس جانا محال تھا +

غرض اب سیروس ساحل ساحل جانب مشرق الیسوس کے مقام تک آیا جہاں اس کا بیڑا سات سو ہپ لیت لے کے آگیا تھا اور یہ سپاہی لکدمونیوں نے اس کے پاس بھیجے تھے؛ سمندر اور کوہستان امانوس کے درمیان ملکِ شام کا راستہ نہایت تنگ درے سے گزرتا ہے مگر سیروس بلا دقت اس سے گزر گیا کیونکہ ایرانی سپہ سالار نہایت بزدلی سے بھاگ گیا تھا؛ می ریان دروس کے مقام پر پہنچ کر یونانیوں نے سمندر کو الوداع کہی اور بارہ دن کے کوچ کے بعد تپ ساکوس پہنچکر فرات کا مشہور پانی آنکھوں سے دیکھا؛ اخرکار یہاں پہنچ کر سیروس کو اقرار کرنا پڑا کہ اُس کی یلغار بابل پر ہے اور اس کا مدّمقابل خود شہنشاہ ایران ہے؛ فرات پایاب تھا اور اُسے عبور کرنا کچھ دشوار بات نہ تھی چنانچہ فوج نے اُسے پیادہ پا عبور کیا اور اس کے بائیں کنارے پر یلغار جاری رکھی یہاں تک کہ ریگستانِ "عرب" کی سرحد آگئی جس کے اندر تیرہ دن کوچ کرکے وہ سرزمینِ "بابی لونیہ" (بابل) کے کِنارے پیلی کے مقام تک پہنچ گئے، جو اُس وقت انسان کی محنت یعنی نہری آب پاشی کی بدولت سرسبز تھا اور اب زیادہ تر بے گیاہ میدان ہے؛

معلوم ہوتا ہے دربار ایران میں یہ بات کسی کے خیال میں

بھی نہ گزری تھی کہ سیروس کی فوج کبھی بھی بابل کے علاقہ تک پہنچ جائے گی۔ بہر حال فوراً مقابلے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ خاص شہر بابل کی حفاظت کے لئے دو دو مقام پر جنگی استحکامات بنے ہوئے تھے کہ اگر شمال سے حملہ ہو تو اس کی مدافعت اوّل مدیہ کی دیوار پر کیجائے جو چھیاسٹھ ہاتھ بلند اور اٹھارہ ہاتھ کے قریب چوڑی تھی۔ اور اسے رال لگاکے پختہ اینٹوں سے بنایا تھا اس کے بعد بابل کے دروازۂ شہر تک پہنچنے سے پہلے غنیم کو شاہی نہر عبور کرنی پڑتی تھی۔ مگر ان دو مورچوں کے علاوہ تیسرا مورچہ خندق کی شکل میں اور بڑھادیا گیا تھا۔ یہ خندق بھی چالیس میل کے قریب لمبی تھی اور مدیہ کی دیوار سے لے کر دوسری طرف دریائے فرات تک اس کا سلسلہ ملادیا تھا۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ اس ملک کو بچانے کے لئے، جس کے دفاعی استحکامات میں پہلے ہی اس قدر اہتمام کیا گیا تھا، خود شہنشاہ کو چار لاکھ کے قریب سپاہی فراہم کرنے میں بھی کچھ دیر نہ لگی۔

مگر اردشیر کو اب دشمن کا ملک میں برابر چلے آنا کسی طرح گوارا نہ ہوسکتا تھا۔ سیروس کی فوج نے خندق کو پار کرلیا تھا۔ کیونکہ وہاں کوئی مدافعت کرنے والا نہ تھا۔ اور وہ موضع کُنا کسا تک پہنچ گیا تھا کہ دفعتہً بادشاہی لشکر کی آمد
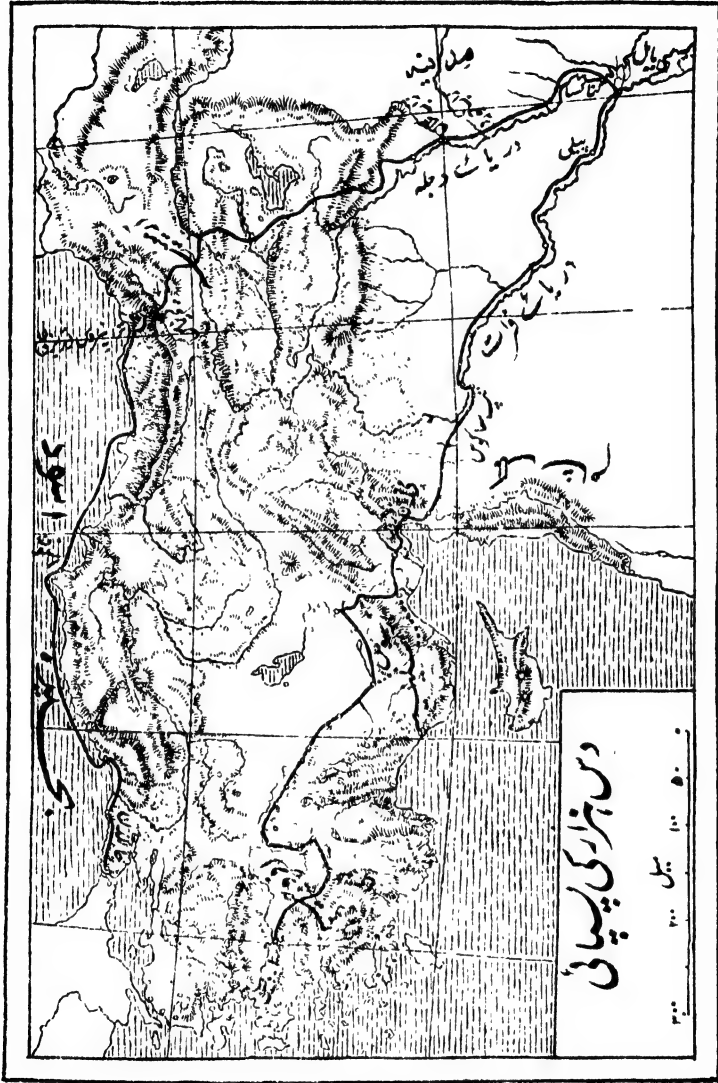
کی خبر ملی (موسم بہار ۴۰۱ سنہ ق م) - اس کے ایشیائی سپاہی
آریائوس کے زیر علم، بائیں بازو پر تھے - قلب میں سوارو
کا دستہ خود سیروس کے تحت میں تھا - اور

دستِ راست پر یونانی، دریائے فرات کے کنارے کنارے پھیلے ہوئے تھے؛ ایرانی میسرے پر تسافرنز تھا اور قلب میں خود بادشاہ سوارانِ خاصہ کی معقول جمعیت لئے فوج کو لڑا رہا تھا۔ سیروس کو ایشیائیوں کی خصلت خوب معلوم تھی۔ اور وہ جانتا تھا کہ اگر بادشاہ میدانِ جنگ میں کام آیا یا فرار ہوا تو اسی وقت لڑائی کا فیصلہ اور اپنا مقصد پورا ہوجائے گا؛ اسی خیال سے اُس نے تجویز کی تھی کہ یونانی فوج دریا کا کنارا چھوڑکر اور بائیں طرف ہٹ آئے تاکہ لڑائی شروع ہوتے ہی وہ دشمن کے قلب پر جہاں بادشاہ تھا، حملہ کرسکے؛ لیکن کلیارکوس نے اپنے ولی نعمت کو تباہ کرایا اور محض شیخت سے یونانی جمعداروں کے اس اُصول پر جما رہا کہ میسرے کو صفِ مقابل کے برابر پھیلائے رکھنا چاہئیے تاکہ دشمن خالی جگہ پاکر عقب میں نہ آجائے۔ حالانکہ خیر خواہی کے علاوہ یہ بات بھی کلیارکوس کو سوچنی چاہئیے تھی کہ سیروس کی سلامتی خود یونانیوں کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ چنانچہ لڑائی کے انجام کے بعد ہم اس کا حال پڑھیں گے؛

بالفعل سیروس نے اپنی تجویز پر کوئی اصرار نہ کیا اور یونانیوں کو لڑانے کا کام بالکل کلیارکوس کی مرضی پر چھوڑ دیا؛ پھر جس وقت یونانی سپاہیوں نے دھاوا کیا تو صفِ مقابل تک پہنچنے سے پہلے دشمن پر اتنا خوف طاری ہوا کہ قدم

اُکھڑ گئے ۔ دوسری طرف ایرانی میمنہ جو سیروس کے میسرے سے بہت آگے تک پھیلا ہوا تھا ، گھوم کر چلا کہ آریاؤس کے عقب سے حملہ کرے ۔ قلب سپاہ سے شہزادہ سیروس اپنے ۶ سو سوار لے کے اُن ۶ ہزار سواروں پر جا پڑا جو اردشیر کے گرد جمع تھے ۔ یہ حملہ اس شدت سے ہوا تھا کہ سواران خاصہ اُسے نہ روک سکے ۔ اُن کی صفیں درہم برہم ہوگئیں اور اگر سیروس کو اپنے جذبات پر قابو رہے تو ایک گھنٹے کے اندر چترِ شاہی اُس کے سر پر ہوتا لیکن شومئ قسمت سے اُس کی نظر اپنے بھائی پر پڑی اور اس سے وہ اتنی شدید نفرت رکھتا تھا کہ ضبط نہ کرسکا اور گھوڑا اُڑاتا ہوا چلا کہ اپنے ہاتھ سے بادشاہ کو قتل کرے ۔ بادشاہی سوار بے ترتیبی کے ساتھ بھاگ رہے تھے اُنہی میں سیروس چند ساتھیوں کو لے کے گھس پڑا اور اُس کا اتنا ارمان ضرور پورا ہوگیا کہ اُس کی برچھی سے بادشاہ کے چرکا لگا لیکن اس مقام پر کشت و خون کا جو طوفان بپا ہوا اُس میں کاریہ کے کسی سپاہی کے ہاتھ سے خود سیروس نے آنکھ پر زخم کھایا اور گھوڑے سے گرتے ہی قتل کردیا گیا ۔ اُس کی موت کی خبر اُس کے ایشیائی سپاہیوں کے لئے گویا فرار کا اشارہ تھی جس کے ملتے ہی وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے ۔

دس ہزار یونانی تعاقب کے جوش میں بھرے ہوئے

واپس آئے تو اپنی خیمہ گاہ کو لٹا ہوا پایا اور دوسرے دن صبح کو سیروس کے مرنے کا حال معلوم ہوا۔ اس نازک موقع پر فوجی ضوابط کی پابندی اُن کے کام آئی اور جب اردشیر نے انہیں ہتیار رکھ دینے کا پیام دیا تو اُنھوں نے انکار کردیا۔ آخر اُس نے خود زبانی گفتگو کی اور اُن کے واسطے سامانِ رسد بھجوایا۔ لیکن یونانیوں کو اب وطن واپس ہونے کی دُھن لگی ہوئی تھی سارڈیس ۱۵ سو میل کے فاصلے پر تھا مگر ریگستان کے راستے وہ اس بے سرو سامانی کی حالت میں واپس نہ ہوسکتے تھے؛ ان علاقوں سے اُنہیں بالکل واقفیت نہ تھی اور کوئی رہ نما میسر نہ آتا تھا۔ اس حالت میں چارو ناچار انہیں تسافرنز کی تجویز قبول کرنی پڑی اور اُس نے انہیں ایک اور ایسے راستے سے لے چلنے کا اقرار کیا جس پر رسد مہیّا ہوسکتی تھی؛ غرض وہ اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے اور دجلہ عبور کرکے بابل کے علاقے سے ہوتے ہوئے مدیہ پہنچے۔ دریاے زاب خورد کو عبور کرکے زاب کلاں کے کنارے تک راستے میں کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔ لیکن یہاں تسافرنز نے مشورے کے بہانے پانچوں یونانی سپہ سالاروں کو اپنے خیمے میں بلاکے گرفتار کرلیا اور پا بہ زنجیر ایرانی دربار میں بھیج دیا جہاں وہ سب قتل کرادئیے گئے*

تسافرنز کو خیال تھا کہ جب کوئی ذمہ دار سردار نہ ہوگا

تو باقی یونانی بلا تاخیر ہتیار رکھ دیں گے؛ لیکن چند ساعت کی سراسیمگی کے بعد یونانیوں کی ہمّت عود کر آئی اور انھوں نے جانب شمال پھر کوچ شروع کردیا۔ اس موقع پر فوج کو جوش دلانے میں زینوفن نے بڑا کام کیا۔ وہ برمحل تقریر کرنے میں یکتا تھا اور خطرے کے وقت ذرا نہ گھبراتا تھا۔ پس باوجودیکہ وہ محض رضا کار سپاہی تھا اور فوج میں کوئی عہدہ نہ رکھتا تھا، سپاہیوں نے اُسی کو اپنا سپہ سالار منتخب کرلیا*

رہ نما اور تجربہ کار سرداروں کے بغیر اتنے دُور دراز سفر کا تہیّہ کرنا حقیقت میں بڑی جوانمردی کی بات ہے کہ بالکل غیر قوموں کے علاقے سے گزرنا تھا اور نہ انہیں راستے کی خوف ناک درازی کا صحیح علم تھا نہ یہ خبر تھی کہ کون کون سے دریا اور دشوار گزار پہاڑوں کو عبور کرنا پڑے گا؛ اس پسپائی میں جو نئی نئی مشکلات پیش آئیں اُن کا روزانہ احوال، یونانی سپاہیوں کی معقول پسندی، اور دلیری کا مرقع ہے؛ کوہستانِ کاردوکیہ سے گزرتے وقت تسافرنز کی فوجیں انہیں پریشان کرتی رہیں یہ پہاڑ مدیہ کی شمالی حدّ فاصل تھے ان سے اُترنے کے بعد جب وہ کاردوکیہ میں داخل ہونے لگے تو پہاڑ کے وحشی باشندے جان کے دشمن نظر آئے اور اُن کے لئے یہاں کے تنگ و پُرخطر دَروں پر راستہ روک لینا کچھ مشکل نہ تھا؛ دجلے کی معاون ندّی کن تری تیس پر جو کاردوکیہ

اور ارمینیہ کی حدِ فاصل ہے انہیں وہاں کے ایرانی والی تری بازوس کی فوجیں ملیں کہ راستہ گھیرے ہوئی تھیں اور اُسے فریب دئے بغیر ندّی کو صحیح سلامت عبور کرنا محال تھا۔ مہینہ بھی اب دسمبر کا آگیا تھا اور انہیں ارمینیہ کے برفانی میدانوں سے گزرنا تھا۔اس میں قلتِ رسد اور شدت سرما کی بڑی تکلیف اُٹھانی پڑی لیکن تری بازوس کے ساتھ اُن کا عہد و پیمان ہوگیا تھا لہذا راستے میں اُن کو غنیم نے کوئی گزند نہ پہنچایا۔ یہاں سے شمال مغرب کی طرف کوچ میں فرات کی دونوں شاخیں راستے میں تھیں اُنہیں عبور کیا اور بالآخر وہ شہر گیم نیاس پہنچے جہاں لوگوں نے تپاک سے خیر مقدم کیا اور وہ یہ سن کر نہایت خوش ہوئے کہ شہر ترابیزوس (موجودہ طرابزون) اُن سے صرف چند روز سفر کے فاصلے پر رہ گیا ہے۔ اور پانچویں دن وہ کوہِ تکیس پر پہنچے اور جس وقت ہراول کے سپاہی چوٹی پر چڑھے تو دفعتہً ایک شور مچ گیا۔ زنیوفن نے یہ آوازیں سنیں تو یہی سمجھا کہ سامنے سے کسی غنیم نے حملہ کیا۔ اور وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا اپنے سوار لئے اُدھر چلا۔ مگر قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ آواز کیا تھی ہ۔ "سمندر! سمندر!"

خاص ساحل اور یونانی شہر ترابیزوس تک فوج کے پہنچنے میں چند روز صرف ہوئے۔ یہاں اُنھوں نے ایک مہینے تک آرام لیا۔ (سنہ ۴۰۰ ق م) تہوار منائے اور زنجیں

دیوتا کے نام شکرانے کی قربانیاں کیں۔ ترا پیز وس سے چال کِدن تک پسپائی کی آخری منازل، انھوں نے کچھ پیادہ پا اور کچھ کشتیوں میں براہ سمندر طے کیں۔ یہاں پہنچ کر خیال ہوتا ہے کہ فوج منتشر ہوگئی ہوگی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ اب بھی جمع رہے اور تیار تھے کہ جو ریاست انہیں تنخواہ دے اُس کی ملازمت اختیار کرلیں۔ چنانچہ پہلے ایک اسپارٹی سپہ سالار کے پاس رہے۔ اور اُس کے بعد تھریس کے ایک رئیس نے اُنہیں ملازم رکھا۔ اور دغابازی سے تنخواہ نہیں دی۔ آخر تقدیر نے یاوری کی یعنی اسپارٹہ اور ایران میں جنگ چھڑ گئی، جس کا حال آگے آتا ہے۔ اس وقت اہل اسپارٹہ کو سپاہیوں کی ضرورت درپیش ہوئی۔ سیر دس کی فاقہ کش یونانی فوج کی تعداد گھٹتے گھٹتے اب ۶ ہزار رہ گئی تھی اسے پیشگی تنخواہ دی گئی اور اُس نے پھر سمندر پار ایشیا کا رخ کیا۔ خدا خدا کرکے اب زینوفن کو بھی معقول رقم لے کے ایتھنز آنا نصیب ہوا۔ لیکن شاید وطن میں جہاں اس کے استاد سقراط کو انہی دنوں موت کا منہ دیکھنا پڑا تھا، مزاج کے موافق صحبت میسر نہ آئی کہ وہ بہت جلد اپنے قدیم رفیقوں کے دوش بدوش ایرانیوں سے لڑنے ایشیا چلا آیا۔ پھر جب اسی زمانے میں ریاست ایتھنز ایرانیوں کی شریک ہوگئی تو زینوفن کو وہاں والوں نے خارج البلد قرار دیا اور اُس کی عمر کے باقی بیس برس اسکی لوس

میں گزرے۔ یہ مقام جہاں اسپارٹہ نے اُسے رہنے کی جگہ عنایت کی تھی اولمپیہ کے قریب تھا۔ اور یہیں اس نے گوشہ نشینی اختیار کرلی کیونکہ وقت گزرنے کے لئے علمی مشاغل کی کچھ کمی نہ تھی۔ چنانچہ بہت سی تصانیف کے علاوہ جو چنداں قابل ذکر نہیں، اُس نے یونانی پسپائی کی وہ سرگزشت یہیں تیار کی جس میں "زینوفن باشندۂ ایتھنز" نے (یعنی خود اُس نے) ایسا نمایاں حصہ لیا تھا۔ سیروس کی مہم اور یونانیوں کی پسپائی کی کیفیت گویا دولتِ ایران پر یونان کی فتح کے حالات تھے جن کا یونان میں فوری اثر ہوا۔ سپاہیوں کی ایک معمولی جمعیت کا بلا مزاحمت ایرانی سلطنت کے مرکز تک پہنچ جانا جہاں کبھی کسی یونانی فوج کے قدم نہ گئے تھے۔ پھر بادشاہ کی فوجوں کو جنگ کی نوبت آے بغیر ہی پایہ تخت سے چند میل کے فاصلے پر شکست دے دینا اور آخر میں دشمن کے لشکرِ کثیر کے نرغے سے جو میدانِ مصاف میں یونانی برچھیوں کے سامنے نہ ٹھیر سکا تھا، صحیح سلامت نکل کر واپس آنا، درحقیقت نہایت معنی خیز سبق تھا اور اس کے فوری نتایج کی ایک مثال یہ نظر آتی ہے کہ دس ہزار کی پسپائی کے چند ہی روز بعد زینوفن کی سرگزشت نے اسپارٹہ کے ایک بادشاہ کے دل میں ایسا ولولہ پیدا کیا کہ وہ اُس مہم کو سر کرنے پر آمادہ ہوگیا جو خدا نے سکندرِ اعظم کے نصیب میں لکھی تھی؂

۳- اسپارٹہ کی لڑائی ایران سے

سیروس نے یونانیوں کی کمک حاصل کرتے وقت آیونی شہروں کو بھی اشتعال دلایا تھا کہ تسافرنز کے خلاف بغاوت کریں۔ سیروس کے کُناکسا میں شکست کھانے کے بعد تسافرنز سواحلِ ایجین پر سیروس کا جانشین ہوکر آیا اور اُسے سب سے پہلے یہاں کے ساحلی شہروں کو دوبارہ تسخیر کرنے کی فکر ہوئی۔ چنانچہ کیمہ پر حملہ کیا۔ ایشیائی یونانیوں نے اسپارٹہ کی دستگیری چاہی۔ دولت ایران سے اسپارٹہ کے تعلقات اب دوستانہ نہ رہے تھے کیونکہ اس نے سیروس کی مدد کے لئے ، سو سپاہی بھیجے تھے۔ پس فرنابازو اور تسافرنز کی مالا مال ولایتوں کو لوٹنے کا یہ موقع دیکھ کر اہلِ اسپارٹہ کے دہانِ آز میں پانی بھر آیا۔ دوسرے ایران کے مقابلے میں نمایاں فتوحات حاصل کرنے کی اُمید نے ہوسِ کشور کشائی کو برانگیختہ کیا۔ غرض اسپارٹہ نے ایشیا میں فوج بھیجنے کا تہیتہ کرلیا۔ اور اسی فوج میں شہرہ آفاق دس ہزار کی باقی ماندہ جمعیت آملی تھی جس کا ذکر ہم اُوپر کر آئے ہیں۔ سپہ سالار درکی لی ڈس نے اس موقع پر ایرانی والیوں کے باہمی نفاق سے فائدہ اُٹھایا اور تسافرنز کے ساتھ صلح کرکے اپنی تمام فوجین لئے ہوئے فرنابازو کی ولایت میں داخل ہوگیا۔

(۳۹۹ق م) ترود پر (جو اس زمانے میں پولیس کہلاتا تھا)

قبضہ کرنے میں اُسے کامیابی ہوگئی اور جس طرح دکلیہ پر قابض ہوجانے سے ایک زمانے میں اہل اسپارٹہ تمام ایٹی کا پر چھاگئے تھے قریب قریب اسی قسم کی صورت یہاں پیدا ہوگئی کہ فرنابازو کی ولایت کے اندر ایک باموقع اور مورچہ بند مقام اُن کے قبضے میں آگیا۔ ان کامیابیوں سے اہل اسپارٹہ کو یہ توقع ہوگئی تھی کہ دولتِ ایران صلح پر آمادہ ہوجائے گی اور دب کر یونانی شہروں کی آزادی تسلیم کرلے گی اسی خیال سے انھوں نے ایرانی والیوں سے ہنگامی صلح کرلی اور شہنشاہ کی خدمت میں اپنے ایلچی سوس روانہ کئے کہ صلح کی شرایط طے کریں۔ لیکن اس کوشش میں کامیابی نہ ہوئی کیونکہ شہنشاہ کو اس کے لایق والی فرنابازو نے اب بحری جنگ شروع کرنے کی صلاح دی تھی۔ در اصل ایتھنزی امیرالبحر کونن، جسے ہم اگوس پتامی کے اچانک حملے سے فرار ہوتا دیکھ چکے ہیں، اُس یوم نحس کی ذلت کا بدلہ لینے کے لئے بیقرار تھا۔ فرنابازو کے مشورے سے اب اسی کو ۳ سو جہازوں کے بیڑے کا امیرالبحر مقرر کردیا گیا اور یہ جہاز ایران کے صوبے فنیقیہ اور سلیسیہ میں تیار ہوئے تھے۔

ادہر امیرالبحر دِرکی لی ڈس کی بجائے افواج اسپارٹہ کی سپہ سالاری بھی اب جس کے سپرد کی گئی وہ یونان کا بہت نامی اور ذی اثر شخص گزرا ہے۔ اس سے ہماری مراد شاہ اجسی لوس سے ہے جس کو خاص اتفاقات و اسباب نے

اسپارٹہ کے بادشاہی تخت پر لا بٹھایا تھا۔ اصل یہ ہے کہ اسی زمانے میں لیساندر انقلابی منصوبے دل میں لئے ہوئے افریقہ سے واپس آیا تھا اور کسی ایسے شخص کو بادشاہ بنانا چاہتا تھا جو اُس کے اشارے پر کام کرے۔ ادھر ایجیس کے بیٹے لیوٹی کی ڈس کی نسبت مشہور تھا کہ وُہ اپنے باپ سے نہیں ہے لہذا لیساندر کی کوشش و رسوخ سے اس کی بجائے ایجیس کے سوتیلے بھائی اجِسی لوس کو بادشاہ بنا لیا گیا۔ اجِسی لوس ابتدا سے نہایت مسکین و حلیم الطبع تھا اور کبھی کسی معاملے میں پیش پیش نہ رہتا تھا۔ دوسرے دلیر و طاقتور ہونے کے باوجود وہ لنگڑا بھی تھا اور جب اہل اسپارٹہ نے مندر میں استخارہ کیا تو ہاتف غیبی نے پکار دیا تھا کہ "لنگڑے راج سے ہوشیار" رہنا۔ لیکن لیساندر نے اس شوق میں کہ پھر ایسا آلہ اُس کے ہاتھ نہ آئے گا اس ربّانی پیام کی بھی تاویل کرلی۔ مگر یہ اُس کی غلطی تھی۔ اُس نے اپنے آوردہ کو پہچانا ہی نہ تھا دراصل اُس کے اسپارٹی ضبط اور حیا کے پردے میں نخوت اور ہوسِ جاہ پنہاں تھی۔

بہرحال ۳۹۶ق م میں قرار پایا کہ اجِسی لوس کو درکی لی ڈس کی بجائے امارتِ بحری کی خدمت تفویض کردی جائے۔ اور ۲ ہزار نیوڈامورڈی سپاہیوں کی جمعیت بھی اس کے زیر علم ہو اور مشورہ دینے کے لئے ۳۰ جنگی مشیر مقرر کردئے گئے جن میں لیساندر بھی تھا۔ اور وہ اب تک یہی سمجھے ہوئے تھا کہ جنگ کا اصلی انتظام میرے

قبضے میں آجائے گا۔ لیکن اجی لوس محض برائے نام سردار بننا نہ چاہتا تھا اور اس نے عمداً لیساندر کو کئی مرتبہ ذلیل کیا۔ حتّیٰ کہ خود اُسی کی درخواست پر اُسے دردانیال کے علاقوں میں ایک اور کام پر بھیج دیا گیا جہاں اُس نے اسپارٹہ کے مفید مطلب خدمات انجام دیں۔ ادہر خود اجی لوس نے افروجیہ کے اندرونی علاقوں میں یورش کی اور وہاں سے بہت کچھ مال غنیمت لوٹ کر افی سوس لایا۔ پھر موسم سرما میں سواروں کی ایک جمعیّت مرتّب و آراستہ کرنے کے بعد موسم بہار کے شروع ہوتے ہی اُس نے لڑائی چھیڑ دی۔ اور تسافرنز پر ایسی فتح حاصل کی کہ اُس کی تمام شہرت خاک میں مل گئی۔ (۳۹۵ سنہ ق م)۔ دربار ایران سے تیت روس تیس کو بھیجا گیا کہ وہ تسافرنز کو قتل کرکے اُس کی جگہ لے لے۔ اور اس نئے والی نے اجی لوس کے ساتھ یہ معاہدہ کرنا چاہا کہ دولتِ ایران یونانی شہروں کی مقامی خود مختاری تسلیم کرلے اور سالانہ خراج وصول کرنے کے سوا جو وہ قدیم سے ادا کرتے تھے اُن کے اندرونی معاملات سے مطلق کوئی سروکار نہ رکھے۔ اس کے عوض میں اہل اسپارٹہ ایشیا سے اپنی فوج ہٹالیں۔ چونکہ اجی لوس حکومتِ اسپارٹہ سے مشورہ لئے بغیر شرائط صلح کو قبول نہ کرسکتا تھا۔ لہذا فریقین میں چھ مہینے کی ہنگامی صلح ہوگئی اور اس مہلت کے زمانے میں اجی لوس نے تیت روس کا علاقہ چھوڑ کر فرنا بازو کی ولایت افروجیہ پر حملے شروع کئے۔ اور

یہ ترکتازیاں اُس وقت رکیں جب کہ خود ایرانی والی شاہ اسپارٹہ سے ملنے آیا۔ اور ان دونوں میں دوستی کا واثق عہد و پیمان ہوگیا۔
لیکن اس اثنا میں **کونن** نے اپنے اسّی جہازوں کی مدد سے اہل **رودس** کو بغاوت پر آمادہ کردیا تھا۔ **اجسی لوس** نے اس کے انسداد کی تیاریاں کیں اور ۱۲۰ سہ طبقہ جہاز آراستہ کئے۔ مگر بڑی خطا یہ کی کہ اس بیڑے کی سرداری پر اپنے برادر نسبتی پیساندر کو مامور کیا جسے مطلق تجربہ نہ تھا۔ موسم گرما (۳۹۴ق م) کے وسط میں کونن اور **فرنابازو** کا بیڑا جزیرہ نمائے **نیدوس** کے سامنے نمودار ہوا۔ اُس کے جہازوں کی تعداد پیساندر کے جہازوں سے بہت زیادہ تھی مگر پیساندر جانبازی کے کے جوش میں مقابلے کے لئے نکل آیا۔ اس کے ایشیائی رفیقوں نے وقت کے وقت دغادی اور جنگ سے پہلے ساتھ چھوڑدیا باقی جہازوں میں سے زیادہ تر غنیم نے چھین لئے یا ڈبو دئیے اور خود پیساندر جنگ میں کام آیا۔ ساتھ ہی جو فوجی دستے اہل اسپارٹہ نے جا بجا متعیّن کئے تھے انہیں خود یونانی شہروں نے نکال دیا۔ اور دولتِ ایران کی شہنشاہی تسلیم کرلی۔ اسپارٹہ کی بحری طاقت برباد ہوگئی۔ اور اس کی سلطنت کی ناپائیدار بنیادیں ہل گئیں۔

۴۔ "جنگ کورنتھ"

اُدھر اسی زمانے میں خود وطن کے قریب اسپارٹہ کو

زک پہ زک پہنچ رہی تھی۔ اجسی لوس تو ایران کے خلاف
نئے نئے منصوبے سوچ رہا تھا اور خیالی پلاؤ پکا رہا تھا اور یہاں
اسپارٹہ اور اس کے حلیفوں کے درمیان خود یونان میں جنگ
چھڑ گئی۔ اگوس پتامی کی لڑائی کے بعد فتح کا تمام فائدہ تنہا
اسپارٹہ نے اُٹھایا تھا۔ پھر خاص پلوپنی سس میں جو کارروائیاں
اس نے کیں اُن سے اُسکی جابرانہ خود غرضی عیاں تھی مثلاً الیس نے
اُس کے خلاف منشا کام کیا تو ایجیس شاہِ اسپارٹہ فوج لے کے
چڑھ دوڑا، الیس کا تمام علاقہ تاخت و تاراج کردیا اور وہاں
کے باشندوں کو نہایت سخت شرطیں ماننے پر مجبور کیا۔ اسی طرح
اسپارٹہ نے مسینیہ کے ان باقی ماندہ باشندوں سے کینہ نکالا جو
نوپاکتوس اور سفالینا میں آبسے تھے اور اُن بے بسوں کو
یہاں سے جبراً نکلوادیا ؎

جس وقت اسپارٹہ نے دولت ایران سے لڑائی مول لی تو
ایرانیوں نے اپنے حریف کے خلاف خاص یونان میں فساد کرانا چاہا۔
چنانچہ ان کے ایک کارندے تموک راتیس (باشندۂ رودس) نے
ارگوس، کورنتھ اور تھبز کا گشت کیا۔ اور وہاں کے بعض نہایت
ذی اثر عمائد کو اپنا بنالیا۔ بایں ہمہ پہلی زیادتی خود اسپارٹہ کی طرف
سے ہوی کہ جب فوکیس اور مشرقی لوکریس میں سرحد کے
متعلق تنازع ہوا تو اہل اسپارٹہ تھبز پر فوج کشی کا یہ حیلہ پاکر
بہت خوش ہوئے اور انھوں نے دو جانب سے بیوشیہ پر
حملے کی تیاریاں کیں۔ یعنی قرار پایا کہ جنوب سے شاہ پوسی نیاس

کی فوج بڑھے اور شمال میں مقام ہراکلیہ سے لیساندر حملہ آور ہوئے

اس خطرے میں تھبتر کو ناچار اپنے قدیم دشمن (ایتھنز) سے مدد مانگنی پڑی ٭ ریاست ایتھنز رفتہ رفتہ پھر قوت حاصل کرتی جاتی تھی اور اس موقع پر وہاں کے ہر فریق نے بالاتفاق اسپارٹہ کے حلقۂ اطاعت سے بالکل آزاد ہوجانے کی رائے دی کیونکہ ایک طرف تو کونن جنوب مشرقی سمندروں میں گشت لگا رہا تھا اور دوسری طرف رودس نے عَلَمِ سرکشی بلند کردیا تھا پس ایسا وقت ہاتھ سے کھونا کسی طرح درست نہ تھا۔ چنانچہ تھبنز کے ساتھ معاہدۂ اتحاد کرلیا گیا ٭

پوسے نیاس اور لیساندر نے باہم یہ طے کیا تھا کہ اُن کی فوجیں ہلیارتوس کے مقام پر ایک دوسرے سے آملینگی پہلے لیساندر کی فوج پہنچی اور اُس نے شہر پر حملہ کیا۔ اپنے دمدموں کے اوپر سے اہلِ شہر نے دُور سے دیکھ لیا کہ تھبنز کی سڑک پر ایک فوجی دستہ اِدھر آرہا ہے اور حملہ آور جو نیچے تھے کچھ دیر تک اس خطرے سے مطلع نہ ہوسکے۔ پس محصورین دفعتہً شہر کے دروازوں سے نکلے اور دشمن پر حملہ کیا۔ اِدھر عقب سے تھبنز کی فوج پہنچ گئی اور اس طرح دونوں جانب سے اچانک حملہ ہوا تو لیساندر کے سپاہی پسپا ہوئے اور خود لیساندر اسی جنگ میں مارا گیا۔ (۳۹۵ سنہ ق م) اس کی موت اسپارٹہ کے واسطے موجب نقصان تھی۔ یونان کا اس سے کچھ

نقصان نہ تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد پوسے نیاس آ پہنچا۔ اُس نے پہلی کوشش یہ کی کہ جس طرح ممکن ہو اپنے شریک سپہ سالار کی لاش چھین لے۔ لیکن اسی ساعت تراسی بلوس کے ماتحت اتھنزی فوج اہل شہر کی مدد کے لئے آگئی اور اب لیساندر کی لاش کو دفن کرنے کی بھی مہلت ملی تو صرف اس شرط پر کہ پلوپنی سس کی فوجیں بیوشیہ کا علاقہ خالی کر دیں۔ اس شرط کا ایفا تو ہوا لیکن پھر پوسے نیاس کو وطن کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی اور زندگی کے باقی دن تگیا میں جلا وطن رہ کے گزارنے پڑے۔

اسپارٹہ کی ان دو ہزیمتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونان کی چار نہایت سر برآوردہ ریاستیں اُس کے خلاف متحد ہوگئیں۔ یعنی ارگوس و کورنتھ بھی تھبنز اور اتھنز کے اتحاد میں شریک ہوگئے اور چند ہی روز میں چھوٹی چھوٹی متعدد ریاستوں نے مل کر اس کا حلقہ وسیع کر دیا۔

موسم بہار کے آتے ہی خاکنائے کورنتھ پر ان نئے حلیفوں کا جلسہ ہوا اور اس میں کورنتھ کے ایک دلیر باشندے نے تحریک کی کہ براہ راست شہر اسپارٹہ پر یلغار کی جائے اور "ان بھڑوں کو اُنہی کے چھتے میں جلا دیا جائے" لیکن لکدمونی فوجیں خود پیش قدمی کر رہی تھیں اور اس قدر بڑھ آئی تھیں کہ خاص کورنتھ کے قریب مقابلہ ہوا۔ (۳۹۴ ق م)۔ جنگ

میں اسپارٹہ کی فتح ہوئی؛ تاہم خاکناے پر اہلِ اتحاد کا قبضہ رہا اور اُنہیں بیوشیہ میں اجسی لوس سے لڑنے کی فرصت مل گئی۔

اصل یہ ہے کہ ہلیارتوس کے معرکوں کے بعد اسپارٹہ کے حکّام نے اجِسِی لوس ہی کو واپس بلانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ایران پر بڑی بڑی فتوحات کے خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن جس طرح اگامِمنن کو ٹرواے کی تسخیر سے پہلے مجبوراً مائی کینی واپس آنا پڑا تھا اسی طرح اجسی لوس بادل ناخواستہ خشکی کے راستے تھریس و مقدونیہ سے ہوتا ہوا یونان آیا اور اب بیوشیہ پر فوج کشی کررہا تھا۔ اس کے مقابلے کے لئے اتحادی فوج بھی جو پہلے کورنتھ کے قریب لڑی اب بیوشیہ کے ضلع کرونیہ میں پہنچ گئی تھی؛ اسی میدان میں جہاں نصف صدی پہلے اہلِ بیوشیہ نے ایتھنز کا طوقِ اطاعت اُتار پھینکا تھا سنہ ۳۹۴ ق م میں یہ موقع آیا کہ خود ایتھنز کو بیوشیہ کے ساتھ مِل کر لکدمونی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کی جد وجہد کرنی پڑی؛ اجِسِی لوس، سفی سوس ندی سے بڑھا اور فوج کا میمنہ خاص اس کے زیر علم تھا۔ اتحادیوں کے میسرے میں ارگوسی فوجوں کو اُس کا مقابلہ کرنا تھا لیکن وہ اجسی لوس کا سامنا ہوتے ہی بغیر لڑے بھڑے فرار ہوگئیں۔ دوسری طرف اتحادیوں کے میمنے پر تھیبز کے سپاہی تھے اور انھوں نے لکدمونی میسرے کو شکست دے کر بھگادیا۔ مگر اصلی لڑائی اب

شروع ہوئی جب کہ دونوں طرف کی ظفرمند افواج میمنہ گھوم گھوم کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئیں۔ مصنّف زینوفن کہ خود شریکِ جنگ تھا اس ہولناک خونریزی کی نسبت بیان کرتا ہے کہ پیادہ سپاہیوں کا ایسا تصادم شاید کبھی نہ ہوا ہوگا جیسا کہ کرونیہ کے معرکے میں ہوا۔ اجسی لوس خود کے سپاہیوں کے پانووں میں آگیا تھا اور محض جوانانِ خاصہ کی پامردی کے طفیل اُس کی جان بچی۔ تھبنز کی فوج میں متعدّد صفیں تھیں اور جس وقت یہ مل کر آگے بڑھیں تو لکدمونیوں سے اُن کا ریلا نہ رکا۔ اور وہ صف چیر کر دوسری طرف نکل گئیں۔ لیکن میدان اجسی لوس کے ہاتھ رہا اور اسی نے فتح کا جھنڈا بلند کیا۔ اور اتحادیوں نے مقتولین کو دفن کرنے کی مہلت طلب کی۔ اس طرح جنگ کورنتھ کی طرح کرونیہ کی لڑائی میں بھی بظاہر اہل اسپارٹہ ہی کی فتح ہوئی۔ لیکن در اصل وہ اتحادیوں کے حق میں نمایاں کامیابی تھی۔ کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوراً اجسی لوس بیوشیہ کو خالی کرکے واپس چلا گیا۔

سالِ آیندہ کی جد و جہد کا مرکز بیشتر حوالی کورنتھ رہا کیونکہ اسپارٹہ جزیرہ نمائے پلوپی سس کے باہر تسلّط رکھنے کی غرض سے مصروفِ پیکار تھا اور اس کے دشمن اسے پلوپی سس کے اندر بند رکھنے کی سعی میں اپنا پورا زور صرف کر رہے تھے اسی غرض سے انھوں نے کورنتھ سے دونوں ساحلوں تک فصیلیں تعمیر کردی تھیں اور اس کی مغربی بندرگاہ لکیون سے

لے کے دوسری طرف سین کریا کی مشرقی بندرگاہ تک ایک حصار کھینچ کے خاکنائے کو محفوظ کرلیا تھا۔

ادھر اجسی لوس نے ولایتِ افروجیہ کو جس جس طرح تاراج و خراب کیا تھا اُسے فرنابازو کسی طرح نہ بھول سکتا تھا۔ چنانچہ آیندہ موسم بہار میں اپنے قہر و غضب کا اظہار کرنے وہ بذاتِ خود کونن کے ساتھ بیڑا لے کر یونان آیا کہ اسپارٹہ کا علاقہ تاراج کرکے افروجیہ کا انتقام لے اور اسپارٹہ کے خلاف اہلِ اتحاد کی امداد وہمت افزائی کرے۔ (۳۹۳ ق م) اس کے جوشِ انتقام میں ایتھنز کا خوب کام نکلا۔ کیونکہ مراجعت کے بعد اس نے اپنا بیڑا کونن کو دے دیا کہ وہ پیریئوس کے جنگی استحکامات اور ایتھنز کی لمبی دیواروں کی از سرنو تعمیر میں بیڑے سے کام لے۔ اور یہی وہ واقعہ ہے جس نے جنگ پلوپی سس کے خاص ماحصل پر پانی پھیر دیا۔ ایتھنز سے پیریئوس تک دو لمبی دیواریں ایک دوسرے کے متوازی بن گئیں۔ بندرگاہ پر دمدمے اور مورچے تیار ہوگئے اور ایک مرتبہ پھر اہلِ ایتھنز اس قابل ہوے کہ اپنے تئیں آزاد سمجھیں۔ اس اعتبار سے کہ اِن دیواروں کی دوبارہ تعمیر کونن نے کی تھی اگر وہ تمس طاکلیس ثانی ہونے کا دعویٰ کرتا تو کچھ بیجا نہ تھا۔ لیکن اس مماثلت کا خیال آتے ہی ہمیں وہ انقلاب یاد آجاتا ہے جو سو برس کے اندر ہی اندر یونان کی حالت میں رُو نما ہوگیا تھا۔ یعنی وہ مرتبہ جو ایک وقت میں ایتھنز کو محض اس لئے حاصل ہوا کہ اُس نے ایران

سے مادرِ وطن کو بچانے میں اپنا سینہ سپر کیا تھا، آج خود ایران کے صدقے میں اُسے جزئی طور پر دوبارہ نصیب ہوتا ہے!

لکدمونیوں کے لئے خاکنائے کورنتھ پر تسلّط حاصل کرنا اس درجے ضروری تھا کہ انھوں نے سکیان کو اپنا مستقر بنا کے پیہم حملے کرنے شروع کئے کہ جس طرح ممکن ہو کورنتھ کے مورچے توڑ کر نکل جائیں۔ اس جد و جہد میں اُن اجیر فوجوں نے جنھیں افی کراتیس باشندۂ ایتھنز نے سدھایا اور لڑایا تھا، بہت نام پایا۔ یہ سپاہی "پل تاست" (یعنی نیم مسلح سپاہیوں) کی مثل صرف ہلکی ڈھالوں اور چھوٹی برچھیوں سے مسلح ہوتے تھے اور پیشہ ور سپاہیوں کے لئے یہ اسلحہ ہُپ لیتوں کے اسلحہ سے زیادہ کارآمد تھے۔ غرض "محاربات کورنتھ" میں انہی "پل تاستوں" اور اُن کے اولوالعزم سپہ سالار افی کراتیس کے سر فتح کا سہرا رہا۔ کیونکہ جس وقت اہل اسپارٹہ نے اجسی لوس کو سپہ سالار بنا کے بھیجا اور سمندر کی جانب سے اُس کے بھائی تلیوتیاس نے مدد دی تو خاکنائے کا نو تعمیر حصار اور لکیون کی بندرگاہ دونوں چھن گئے تھے اور سال آیندہ پھر اجسی لوس نے پیہم کامیابیوں کے بعد خود کورنتھ کو گھیر لیا تھا اور ارگوس کے راستے کے سوا اس شہر میں آمد و رفت کی کوئی راہ باقی نہ رہی تھی (سنہ ۳۹۰ ق م)۔ اس نازک موقع پر افی کراتیس نے اُن کو نجات دلائی +

شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ لکیون کی متعینہ سپاہ کے

بعض اسپارٹی، جنگی بدرقہ لے کے تہوار منانے گئے تھے اور جس وقت یہ بدرقہ انہیں پہنچا کے واپس آیا اور اسی راستے کورنتھ کے قریب سے گزرا تو افی کراتیس اور اس کے پلتاستوں نے شہر سے نکل کے اُن پر حملہ کیا اور ان تیز پا نیم مسلّح سپاہیوں کے مقابلے میں اسپارٹہ کے نیزہ بردار پیادوں کی کچھ پیش نہ گئی۔ دشمن کے مسلسل حملوں نے انہیں تھکا دیا اور وہ کثیر تعداد میں مارے گئے اس واقعے سے شاہ اجسی لوس نہایت شرمندہ ہوا اور ایک دستہ لکیون میں چھوڑ کر خود واپس چلا آیا۔ واپسی میں وہ سکیان اور ارکیدیہ کی بستیوں سے رات کے وقت چھپ کر گزرا تا کہ لوگوں کے طعن واعتراض سے محفوظ رہے مگر اس کے آنے کے بعد تھوڑے ہی دن میں افی کراتیس نے تمام بندرگاہیں جس پر اہل اسپارٹہ قابض تھے دوبارہ تسخیر کر لیں اور لکیون کی فوج سوائے اس کے کہ جزیرہ نمائے پلوپنی سس کا راستہ کھُلا رکھتی اور کوئی خاص کام انجام نہ دے سکی +

۵۔ صلح نامۂ بادشاہی

حوالیٔ کورنتھ کو اس کے حال پر چھوڑ کر اب ہمیں بحرِ ایجین کے مشرقی سواحل کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ گزشتہ چند سال میں یہاں کا سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ بحیرہ مرمورہ کے کنارے ایتھنز کو اپنے قدیم مقبوضات پر دوبارہ اقتدار حاصل ہوگیا۔ تراسی بلوس نے اپنے وطن میں جمہوریت کا احیا کیا تھا

اسی کی مساعی جمیلہ سے لس بوس، تاسوس ساموتھریس کرسونسوس اور آبنائے باسفورس کے دونوں پاسبان یعنی بای زنطہ اور چالکدن پھر ایتھنز کے حلقہ اتحاد میں آگئے۔ لیکن ان کوششوں کو زیادہ کارگر بنانے کے لئے روپیہ درکار تھا اور اسی غرض سے ایتھنزی بیڑے نے ایشیائے کوچک کے ساحل پر گشت لگا کے چندہ وصول کرنا شروع کیا؛ مگر علاقۂ پم فیلہ کے شہر اس پندوس کے ایک بلوے میں تراسی بلوس مارا گیا۔ (۳۸۸ ق م) اور ایتھنز کا دوسرا محسن کونن بھی جس کے سلطنتِ ایتھنز پر، پیری کلیس کے بعد سب سے زیادہ احسانات تھے اُسی زمانے میں فوت ہوگیا وہ سفیر ہوکر ایرانی والی تسری بازوس کے پاس بھیجا گیا تھا۔ وہاں روک لیا گیا اور پھر قبرس میں وفات پائی۔

اس جد و جہد میں ایتھنز کا پلڑا جھکتے دیکھ کر اسپارٹہ نے جوا میں دشمنانِ حریت کا سہارا لیا۔ یعنی ایک طرف تو سیراکیوز کے مطلق العنان جابر ڈایونی سیس سے ۲۰ جنگی جہازوں کی مدد حاصل کی اور دوسری طرف اتنالکی ڈس کو سفیر بنا کے ایرانی دربار میں بھیجا کہ دولتِ ایران سے پھر معاہدہ اتحاد تازہ کرے۔ اِدھر اہل ایتھنز سے ایرانی ناراض ہوگئے تھے کہ انھوں نے کونن کے دوست ایواگورس شاہ سلامیس (قبرس) کو اپنا شہری بنالیا تھا اور جب اُس نے دولتِ ایران سے سرتابی کی تو اہل ایتھنز سے اس کی امداد کئے بغیر نہ رہا گیا۔ حالانکہ ایتھنز دولت ایران کا رہین منت تھا کہ اُس کی لمبی دیواریں محض ایران کے طفیل از سرنو تعمیر ہوئی

تھیں، غرض اسپارٹہ کے سفیر انتالکی ڈس کی کوشش کارگر ہوگئی اور شاہِ اردشیر آمادہ ہوگیا کہ اہلِ یونان کو اپنی پیش کردہ شرائط ماننے پر مجبور کرے۔ جن کی رو سے ایتھنز کو اپنے تمام مقبوضات سے (جو انہی ایام میں تراسی بلوس نے دوبارہ تسخیر کئے تھے) دست بردار ہونا پڑا۔ تمام متخاصمین کے وکلا ساردیس میں طلب کئے گئے اور تری بازوس نے شہنشاہ کی مہر دکھا کے اس کا فرمان بہ آواز بلند انہیں سنایا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ

"شاہ اردشیر کے نزدیک مناسب ہے کہ جزایرِ کلازومنی اور قبرس دولتِ ایران سے وابستہ رہیں۔ باقی تمام یونانی ریاستیں بڑی ہوں خواہ چھوٹی اپنے اندرونی معاملات میں خود مختار رہیں گی۔ بجز لمنوس امبروس اور سکی روس کے جو پہلے کی طرح اب بھی ایتھنز کے مقبوضات تسلیم کئے جائیں گے۔ اِس فرمانِ امن کو اگر کسی نے قبول کرنے سے انکار کیا تو میں اپنی ہم خیال ریاستوں کے ساتھ اُس سے بّر و بحر پر روپے اور جہازوں سے دونوں طرح جنگ کرونگا!"

یہ عہد نامہ جسے صلح نامہ بادشاہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں پتھر پر کندہ کراکے یونانی ریاستوں کے خاص خاص مندروں میں نصب کردیا گیا۔ (سنہ ۳۸۶ و ۳۸۷ ق م) بہت سے یونانی دل میں ضرور کہتے تھے کہ ایرانیوں کے فیصلے پر سر تسلیم خم کرنا یونان کی بڑی ذلّت ہے۔ کیونکہ گو اسپارٹہ اور ایتھنز دونوں کو جب کبھی ایران سے مدد مل سکی انھوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا تھا لیکن ہیلاس

کے اندرونی معاملات غیر یونانی ملیچھوں کے حکم سے کبھی فیصل نہ ہوئے تھے؛ اسپارٹہ کی بدولت یہ دن بھی دیکھنا پڑا۔ اور اب یہ ریاست خود ہی شہنشاہ کی پیشکار بن گئی اُس کے فرمان کی تعمیل میں کوشش کرنے لگی تاکہ خود اپنا اقتدار ہاتھ سے نہ جائے؛ اور اُدھر ایشیائی یونانیوں کو مشرقی طریقِ حکومت کے مصائب جھیلنے کے لئے اُس نے اُن کے حال پر چھوڑ دیا +

باب سیزدہم

ایتھنز کا دوبارہ فروغ اور دوسری ہیئتِ اتحاد

۱۔ اسپارٹہ کا جابرانہ طرزِ عمل

جب خاکنائے کورنتھ کا راستہ اسپارٹہ کے لئے کھل گیا اور دولت ایران اُس کی حلیف بن گئی تو اسے پھر فراغت حاصل ہوگئی کہ اپنی قوت کا جابرانہ استعمال کرے۔ چنانچہ **یونان** کے مختلف حصوں میں اُس نے یہی کیا۔

جزیرہ نمائے **کالسی ڈیس** کے شہر اولن **تھس** کے گرد و نواح میں انہی دنوں ایک انجمنِ اتحاد قائم ہوئی تھی اور اس **تھونیہ** کے شہر اُس میں شریک تھے۔ (۳۸۵ ق م) **امن تاس** شاہِ مقدونیہ نے بھی اِس انجمن سے اتحاد کرلیا تھا اور جب اہل **اَلیریہ** نے اُسے **مقدونیہ** سے جبراً نکال دیا تو اپنی ریاست کے جنوبی اضلاع

اس نے ہیئتِ اولن تھس کے حوالے کر دیئے تھے۔ اس وقت اولن تھس کے باشندوں کو اپنا حلقۂ اتحاد وسیع کرنے کا خیال پیدا ہوا جس میں تمام جزیرہ نماے کالسی ڈیس اور اس کے قریب کا علاقہ شامل ہوئے اور جن شہروں نے شرکت سے انکار کیا انھیں مجبور اور تنگ کرنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ اکان توس اور اپالونیا کی ریاستوں نے جو شریک ہونا نہ چاہتی تھیں اسپارٹہ سے دستگیری کی استدعا کی اور امن تاس کو بھی اسی زمانے میں اپنے اضلاع واپس لینے کی خواہش ہوئی ۔ ان حالات میں اسپارٹہ جس کا مقصود یہ تھا کہ یونان میں نفاق و افتراق کو قائم رکھے۔ خوشی سے اپالونیا اور اکان توس کو امداد بھیجنے پر آمادہ ہوگیا ۔

مگر کالسی ڈیس کے خلاف جو مہم روانہ کی گئی تھی اس کے راستے میں ایک غیر متوقع واقعہ یہ پیش آیا کہ جب اسپارٹی سپہ سالار فی بی ڈس حسب الحکم علاقۂ بیوشیہ کے راستے اپنی فوجیں مقدونیہ لے جارہا تھا تھبنز کے ایک گروہ نے اپنے شہر میں انقلاب کی سازش کی۔ یہ گروہ اسپارٹہ کا طرفدار تھا اور اس کا سب سے ممتاز رکن لیون تیاڈس اس زمانے میں اپنے وطن کے فوجی سپہ سالاروں میں شامل تھا۔ اسی نے فی بی ڈس سے سازش کی کہ تھبنز کے قلعے کادمیا پر، تھس موفوریا نامی تہوار کے دن قبضہ کرلیا جائے۔ کیونکہ اس روز یہ قلعہ تہوار منانے کے لئے عورتوں کے حوالے کردیا جاتا تھا۔ غرض یہ سازش پوری طرح کامیاب ہوگئی۔ اہل سازش کا بغیر کسی مزاحمت کے قلعے پر قبضہ ہوگیا۔ دوسرا سپہ سالار اس مینا س گرفتار کرلیا گیا اور شہر میں اسپارٹہ کے

حامیوں کی حکومت قائم کردی گئی۔ (۳۸۲ سنہ ق م)؎

تھیبز کے قلعے پہ قابض ہوجانے سے اسپارٹہ کی سیادت محفوظ و مستقل ہوگئی تھی لیکن اس کی نظریں شمالی یونان کے خطرناک اتحاد پر لگی ہوئی تھیں کہ جس طرح ممکن ہو اُسے مغلوب و پامال کردیا جائے اور فی بی ڈس کی مہم جو بیوشیہ میں مذکورۂ بالا واقعہ پیش آجانے کی وجہ سے ملتوی ہوگئی تھی وہ بارہ روانہ کی گئی اور تلیوتیاس کو اُس کا سپہ سالار بنا کے بھیجا گیا۔ اور جب وہ اولن تھس کی شہرپناہ کے سامنے شکست کھا کے مارا گیا تو پولی بیاڈیس مقرر ہوا جس نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی اور اہل اولن تھس کو امان مانگنے پر مجبور کیا اور اُن کی ہیئتِ اتحاد کو معدوم کردیا۔ (۳۷۹ سنہ ق م)

اسی زمانے میں خود جزیرہ نمائے پلوپنی سس میں لکدمونیوں کی چیرہ دستی کے یہ کرشمے ظاہر ہوئے کہ انھوں نے مان تینیا کو شہرپناہ گرا دینے کا حکم دیا اور جب اہلِ شہر نے انکار کیا تو اسپارٹہ کی فوجوں نے شہر کو گھیر لیا اور چھین کر اُس کی آبادی کو پانچ دیہات میں متفرق کردیا کہ اس کی مدنیت اور شہری قوت نیست و نابود ہوجائے۔ اسی طرح شہر فلیوس کو انھوں نے بعض مخروجین کی بازطلبی کا حکم دیا اور جب اس پر نزاع پیدا ہوئی تو فلیوس کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا۔ اس کے بعد جبراً وہاں اپنی سپاہ متعین کردی کہ جس وقت تک عمائد شہر کی ایک جماعت نیا نظامِ حکومت مرتب کرے یہ فوج شہر کی نگران رہے۔ اور ان

عمائد کو اجسی لوس نے اپنی حسب منشا نامزد کردیا تھا۔
غرض کچھ عرصے تک اہل اسپارٹہ جابر ڈایونی سیئس اور پھر اردشیر کے حلیف بن کر یونانیوں پر یہی جور و ستم کرتے رہے یہانتک کہ زینوفن بھی جو اسپارٹہ کے بادشاہ کا دوست اور وہاں کے آئین و توانین کا مدّاح ہے۔ اسپارٹہ کی اس روش پر متاسّف و ناراض ہے اور تھبنز کے ہاتھوں اُس کی سرکوبی کو اُس کی واجبی سزا اور عینِ انصاف مانتا ہے۔

۲۔ ایتھنز اور تھبنز کا اتّحاد

تھبنز میں جب سے ۱۵ سو لکدمونی سپاہی متعیّن ہوئے تھے اُن کے زعم پر لیون تیاڈس اور اس کے رفقا وہاں جو چاہتے وہ کرتے تھے اور اُن کی حکومت نہایت ظالمانہ اور مطلق العنان تھی۔خوف نے اربابِ حکومت کو اور بھی شکّی اور جابر بنا دیا تھا کیونکہ وہ جلاوطنوں کی اُس تعدادِ کثیر سے نہایت اندیشہ مند تھے جس نے ایتھنز میں پناہ لی تھی۔اور جس طرح ایتھنز کے دورِ استبداد میں تھبنز نے تراسی بلوس اور اس کے رفقا کے ساتھ دوستانہ سلوک کیا تھا۔اسی طرح اب تھبنز کے جلاوطنوں کے ساتھ اہلِ ایتھنز پیش آئے تھے۔ انہی مہجورینِ وطن میں سے پلوپی ڈس نامی ایک شخص نے وطن کو نجات دلانے کے لئے سر ہتیلی پر رکھا اور چھ جانباز اور اُس کے شریک ہو گئے خود شہر میں بہت سے لوگ اپنی حکومت سے بیزار تھے اور انہی میں پلوپی ڈس کا محبوب

دوست ایامننڈس تھا، ان میں سے اکثر کا خیال یہ تھا کہ ابھی انقلاب کا وقت نہیں آیا ہے۔ تاہم چند وطن پرست اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے پر آمادہ ہوگئے اور ان میں فی لی ڈس خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ وہ سپہ سالارانِ شہر کا دبیر تھا اور اس لئے اُس کی شرکت نہایت مفیدِ مطلب ثابت ہوئی، غرض منصوبے کے عمل میں آنے کا دن مقرر کرلیا گیا اور ایک رات پہلے پلوپی ڈس اور اُس کے ۶ رفیقوں نے کوہ سِتھی رُن کا راستہ طے کیا اور شکاریوں کے بھیس میں کھیتوں سے واپس آنے والے کاشتکاروں کے ساتھ مِل کر شہر کے اندر صحیح سلامت داخل ہوئے (۳۷۹ ق م) آئندہ شب میں فی لی ڈس دبیر نے ضیافت کا سامان کر رکھا تھا اور اس میں سپہ سالاروں کو مدعو کیا تھا۔ اُس نے اس موقع پر بعض عالی خاندان خوبصورت عورتوں سے جن کی نظرِ التفات کے یہ سپہ سالار متمنّی تھے انھیں روشناس کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور اسی لالچ میں وہ وہاں آئے اور مے کشی میں مصروف تھے کہ ایک ہرکارا ارکیاس کے نام خط لیکر آیا اور کہا کہ یہ نہایت اہم معاملات کے متعلق ہے ارکیاس نے کہا "معاملات کی بات کل ہوگی" اور خط کو تکیئے کے نیچے رکھ لیا۔ یہ بات بعد از وقت یعنی دوسرے دن معلوم ہوئی کہ اس خط میں سازش کا حال تحریر تھا، القصہ اب ان سرداروں نے عورتوں کو بُلایا جو پاس کے کمرے میں علیٰحدہ بیٹھی تھیں۔ مگر فی لی ڈس نے بیان کیا کہ جبتک ملازمین نہ ہٹا دئے جائیں وہ آنے سے

انکار کرتی ہیں پھر کھانے کے کمرے سے سب لوگ چلے گئے اور چند احباب اور سپہ سالاروں کے سوا کوئی نہ رہا تو عورتیں آئیں اور خداوندان تھبز کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔ اُن کے چہروں پر نقاب تھی اور جب اُن سے نقاب اُٹھا کے حُسن عالم سوز کے دکھانے کی درخواست کی گئی تو اس کے جواب میں انہوں نے اپنے خنجر سپہ سالاروں کے جسم میں اُتار دیئے کیونکہ دراصل عورتوں کے بھیس میں یہ **پلوپی ڈس** اور اس کے رفقا تھے جنھوں نے ان ظالموں کا قصہ پاک کرنے کے بعد امرا کے اور دو بڑے بڑے سرگروہوں کو خاص اُن کے گھر میں جا کے قتل کیا اور سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا۔ جب یہ سب کام ہوگیا تو **ایامنن ڈس** اور دیگر وطن پرستوں نے جو ابتدا میں خود ایسا کام کرنا نہ چاہتے تھے نہایت مسرت کے ساتھ انقلاب کی تائید کی اور صبح ہوتے ہی شہر کے چوک میں باشندوں کا عام جلسہ ہوا جس میں اہلِ سازش کے سر پہ سہرے باندھے گئے اور انہی میں سے تین شخص سپہ سالاری کے واسطے منتخب ہوے۔ جن میں **پلوپی ڈس** بھی شامل تھا۔ ساتھ ہی شہر میں جمہوری نظامِ حکومت قائم کر دیا گیا۔

اس کامیابی کا مژدہ سُنتے ہی باقی ماندہ جلاوطن اور بعض ایتھنز کے جوان جو اپنی خوشی سے اُن کے ہمراہ ہوگئے تھے **تھبز** پہنچ گئے۔ اِدھر قلعے کی فوج کے اسپارٹی سردار نے امداد کے لئے ہرکارے دوڑا دیئے تھے۔ لیکن کوئی کمک آئی بھی تو اہلِ شہر نے اُسے پسپا کر دیا۔ اور اب فتح کے تازہ جوش میں وطن پرستوں نے **کادمیا** پہ قبضہ کرنے کا عزم کیا حالانکہ یہ نہایت مستحکم قلعہ تھا لیکن لکدمونی عمّال نے فوراً

اطاعت قبول کرلی اور جب یہ سردار واپس اپنے وطن پہنچے تو اہلِ اسپارٹہ نے دو کا سر قلم کرادیا اور ایک کو جلاوطنی کی سزادی۔ انھوں نے شاہ **کلیوم بروتس** کو بھی بلا تاخیر فوج دیکر **بیوشیہ** روانہ کیا تھا مگر وہ کچھ نہ بناسکا؛ البتہ ایتھنز سے جو مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنے شہریوں کو جنھوں نے **تھبز** کو مدد دی، سزادے اس مطالبے کو **کلیوم بروتس** کی فوج کی موجودگی سے اور تقویت ہوگئی۔ واضح ہو کہ اسوقت تک رسمی طور پر ایتھنز اور اسپارٹہ میں صلح تھی بایں ہمہ ایتھنزی رضاکاروں کے ساتھ دو سپہ سالار بھی اپنے عہدے کا خیال کئے بغیر **تھبز** گئے تھے۔ ان میں سے ایک کو ایتھنز نے موت کی سزادی اور دوسرے کو جلاوطن کردیا اور انصاف کا مقتضیٰ بھی یہی تھا۔ لیکن جب اسی قسم کا ایک اور معاملہ پیش آیا تو اسپارٹہ نے ایسی انصاف پسندی نہ دکھائی۔ اس کی شرح یہ ہے کہ **تھس پیہ** کے اسپارٹی عامل **سفودریاس** نے بندرگاہ **پیریئوس** پر اسی طرح قبضہ کرلینے کی تجویز سوچی جس طرح **فی بی ڈس**، تھبز پر قابض ہوگیا تھا اس غرض سے وہ ایک جمعیت لیکر **ایٹی کا** میں داخل ہوا مگر اس قزاقانہ حملہ کا اس بری طرح منصوبہ بنایا گیا تھا کہ وہ ابھی آدھا راستہ ہی طے کرنے پایا تھا کہ دن نکل آیا اور اسے واپس ہونا پڑا اور واپسی میں وہ غارتگری کرتا گیا؛ اس واقعے پر اہل ایتھنز کو بہت طیش آیا لیکن اسپارٹہ نے حملے سے بے تعلقی ظاہر کی اور **سفودریاس** کو سزا دینے کا وعدہ کیا مگر **اجسی لوس** نے مداخلت کی اور **سفودریاس** کو بھی بچالیا۔ اس وقت اہل ایتھنز علانیہ **تھبز** کے ساتھ ہوگئے اور انھوں نے اسپارٹہ کے خلاف

اعلانِ جنگ کر دیا۔

۲۔ ایتھنز کی دوسری ہیئت اتحاد اور صلاحات تھنبز

جنگ نیدوس کے بعد سے اہل ایتھنز دوبارہ تھریس، جزائر ایجین اور سواحلِ ایشیا کی ریاستوں سے رشتہ اتحاد قائم کرتے جاتے تھے لیکن جب اسپارٹہ سے پھر مخاصمت پیدا ہوئی تو انہوں نے الگ الگ سب سے تعلق رکھنے کی بجائے ایک "ہیئت اتحاد" بنانی چاہی جس میں تمام ریاستیں ایک دوسرے کی شریک ہوں۔ لیکن اس اتحاد کے جو خالص مدافعانہ اغراض کے لئے قائم ہوا تھا، دو حصے کئے گئے ایک میں تو صرف ایتھنز کے وکیل تھے اور دوسرے میں باقی متحدین شریک کئے گئے تھے۔ اور ان متحدّین کی اپنی مجلس بالکل علیحدہ تھی جس کے اجلاس ایتھنز میں ہوتے تھے مگر خاص اہل ایتھنز کو اُن میں کوئی دخل نہ تھا۔ اتحاد کے واسطے مشترکہ سرمایہ ضروری تھا اور شرکا ایک سالانہ رقم دیتے تھے مگر اس کا نام "سین تاکسیس" (یعنی چندہ) تھا اور "فوروس" (خراج) کے لفظ کو قصداً چھوڑ دیا گیا تھا کہ اس سے اتحادِ دلوس کی ناگوار یاد تازہ ہوتی تھی۔ پھر بھی متحدّین کے سرمائے کا انتظام اور متحدہ افواج کی قیادت ایتھنز ہی کے سپرد کی گئی تھی۔ حسنِ اتفاق سے خاص وہ لوح جو قیام اتحاد کا گویا محضر تھی، باقی رہ گئی ہے اور اگرچہ اس پتھر کے قریب بیس ٹکڑے ہو گئے ہیں تاہم اس پر شرکائے اتحاد کا یہ مقصد صاف لفظوں میں کندہ کیا ہوا موجود ہے کہ وہ لکدمونیوں کو مجبور کریں گے کہ یونانیوں کے

امن و امان سے آزاد و خود مختار رہنے میں رخنہ نہ ڈالیں ۔

بڑی بڑی ریاستیں جنہوں نے سب سے پہلے اس اتحاد میں شرکت کی خیوس ، بای زنطہ، متی لنہ، نیتیمنا اور رودس تھیں۔ ان کے بعد اور بہت سے شہر شریک ہوگئے اور سب سے زیادہ عجیب اور قابلِ لحاظ واقعہ یہ ہے کہ تھبنز نے بھی اپنا نام اتھنز کے حلیفوں کی فہرست میں درج کرانا گوارا کرلیا۔ حلیفوں کی کل تعداد ۷۰ کے قریب تھی ۔ تھبنز میں اُن دنوں حکومت کی توجّہ فوجی معاملات پر مبذول تھی ۳ سو پیادوں کا ایک نیا دستہ تیار کیا گیا تھا اور اس میں شریف سے شریف خاندانوں کے چیدہ امیرزادے بھرتی کئے جاتے تھے۔ اس فوج کا نام "مبارک دستہ" تھا اور اس میں ہر جنگ آزما کا ایک جگری دوست اس کے ہم دوش رہتا تھا۔ گویا کل ۱۵۰ جوڑیاں ہوتی تھیں جو لڑنے مرنے میں آخر تک ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑتی تھیں میدانِ مصاف میں یہی دستہ سب پیادوں سے آگے رکھا جاتا تھا اور یہ تقدیر کی یاوری تھی کہ اس وقت شہر تھبنز کو بامراد بنانیکے لئے اُسے رہنما بھی ایسا مل گیا جو قابلیت میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا اس سے ہماری مراد پلوپی ڈس کے دوست اپامننڈس سے ہے۔ وہ نہایت شرمیلا اور بے نفس آدمی تھا لیکن انقلاب حکومت نے اس کے دل میں وہ جوش پیدا کیا کہ وطن پرستی کی دبی ہوئی چنگاری بھڑک اُٹھی اور اُس نے فوجی معاملات میں حصّہ لینا شروع کیا اِس میدان میں رفتہ رفتہ اُس کی قابلیت کے جوہر کُھلے اور آٹھ سال کے اندر اندر وہ شہر میں سب سے زیادہ صاحب اثر شخص ہوگیا۔

اپامننڈس فلسفیانہ خیالات و آرا کا شیدائی تھا اور ایک مدت تک فن موسیقی اور جسمانی ورزشوں کی بھی اُس نے تعلیم حاصل کی تھی وہ عادتاً بہت کم گو شخص تھا لیکن ضرورت کے وقت بولتا تو اُسکی تقریر نہایت پُر اثر ہوتی تھی۔ جس طرح اسے شہرت و جاہ حاصل ہونیکی پروا نہ تھی اسی طرح وہ مال و دولت سے بھی مستغنی تھا۔ اور مرتے وقت تک مفلس رہا؛ اس کا ایک اور غیر معمولی وصف یہ ہے کہ فرقہ بندی کے تعصب سے قطعاً پاک تھا حالانکہ یہ وہ بلا ہے جس نے یونان میں بیسیوں آفتیں بپا کرائی تھیں مگر اپامننڈس کو خانہ جنگی سے جس قدر نفرت تھی اُس کی ایک مثال ہماری نظر سے گزر چکی ہے کہ محض اسی باہمی کُشت وخون سے الگ رہنے کی خاطر اُس نے پلوپیڈس کی کامیاب بغاوت میں کوئی حصہ نہیں لیا؛

۴۔ جنگ نکسوس اور عہدنامہ کالیاس

چار سال کے اندر اُرکومنوس اور شیرونیہ کے سوا بیوشیہ کی تمام ریاستیں، تھبنز کے حلقۂ اتحاد میں آگئیں اور اسپارٹہ کے عمال ہر جگہ سے نکال دیئے گئے۔ مزید برآں پلوپیڈس اور دستۂ مبارک نے اپنے سے دُگنی لکدسونی فوج کو تگیرا کے تنگ درے میں ایک شکست بھی دی جس میں دونوں اسپارٹی سپہ سالار مارے گئے؛ اسپارٹہ پر فتح پانے کا حسبِ معمول اس مرتبہ بھی لوگوں کے دل پر بڑا اثر ہوا؛

ادھر سمندر میں بھی اہل اسپارٹہ کو ہزیمت نصیب ہوئی جبکی

تفصیل یہ ہے کہ اسپارٹہ کا سردار پلیس ساٹھ جہاز لئے سمندروں میں گشت لگا رہا تھا اور بحیرۂ افشیین سے جو غلّے کے جہاز پیرائیوس آتے تھے اُن کا راستہ روکتا تھا حتی کہ ایتھنز میں اُس کی وجہ سے قحط کا اندیشہ پیدا ہوگیا؛ پس اہل ایتھنز نے کاب ریاس کو اسّی جہاز دے کے روانہ کیا کہ سمندر کو دشمن سے صاف کردے اور نیز جزیرہ نکسوس کو دوبارہ مطیع کرے کہ اُس نے اتحاد کے خلاف علمِ سرکشی بلند کیا تھا؛ اسی جزیرے کو بچانے کی غرض سے پلیس بھی اِدھر روانہ ہوا اور جزیرہ پاروس ونکسوس کے درمیان کی آبنائے میں ایک بحری جنگ ہوئی (۳۷۶ ق م) جس میں پلیس کو سخت شکست ملی اور گیارہ جہازوں کے سوا باقی سب جہاز تلف ہوگئے اور اگر کاب ریاس اُن کو چھوڑ کر اپنے آدمیوں کو غرقابی سے بچانے میں مصروف نہ ہوجائے تو یہ گیارہ بھی سلامت نہ جاتے لیکن کاب ریاس کو ارگی نوسی کا واقعہ یاد تھا؛

سالِ آئندہ بحری تفوّق کے اظہار کی غرض سے ایتھنز نے کونن کے فرزند تیموتیوس کے ماتحت اپنا بیڑا روانہ کیا کہ جزیرہ نمائے پلوپونیسس کے گرد گشت لگائے۔ اُس نے مغرب میں مولوسی، سفالینا اور بعض اکرنانی ریاستوں کے علاوہ کرکایرا کو بھی ایتھنز کے اتحاد کا شریک بنالیا؛ اسپارٹہ سے اسی زمانے میں صلح کی شرائط طے ہوئی تھیں لیکن کرکایرا کی شرکتِ اتحاد سُنتے ہی پھر جنگ چھڑ گئی اور اہلِ اسپارٹہ نے اس جزیرے کو دوبارہ لینے کی غرض سے فوراً ناسی پوس کو روانہ کیا؛ اُس نے شہر کو گھیر کے گرد و نواح کا

علاقہ لوٹ لیا اور بے فکر محاصرہ کئے پڑا تھا کہ اُس کی غفلت سے محصورین کو حملے کا موقع ملا اور انہوں نے باہر نکل کے اس کی فوج کو شکست دی۔ خود ناسی پوس اسی معرکے میں کام آیا (۳۷۳ ق م) چند روز کے بعد ہی اتھینزی بیڑا جس کا مدت سے انتظار تھا آپہنچا مگر اس کے آنے سے کچھ ہی پہلے اہل اسپارٹہ جزیرہ خالی کرچکے تھے اس تاخیر کا سبب یہ ہوا تھا کہ مجلس اتھینز نے تیموتیوس کو ساٹھ جہاز لیکر کرکایرا جانے کا فرمان تو دیا مگر غلطی سے آدمی اور روپے کی منظوری نہیں دی۔ اور وہ ان کی فراہمی کا سامان کررہا تھا کہ پھر محصورین کی درخواست اعانت پہنچی اور تیموتیوس کو سپہ سالاری سے برطرف کردیا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اُس پر مقدمہ بھی قائم ہوا اس میں اُس کی کوئی خطا نہ ثابت ہوئی۔ وہ بری ہوگیا۔ لیکن اپنی رسوائی دیکھکر اُس نے وطن کو خیرباد کہی اور مصر جاکر شاہ اردشیر کی ملازمت کرلی ؛

اسپارٹہ میں مسلسل زلزلوں کے آنے سے لوگوں کی بد دلی اور بڑھ گئی تھی اور وہ صلح کے متمنّی تھے۔ اِدھر اتھینز کو بھی جنگ بارِ گراں معلوم ہونے لگی تھی دوسرے تھبز سے حسد پیدا ہوگیا تھا جس نے اسی زمانے میں اتھینز کے حلیف اہل فوکیس پر حملہ کیا اور اہل پلاٹیہ کو اچانک جادبایا تھا ؛

واضح ہو کہ یہ بستی جنگ پلوپنی سس میں تاراج ہونے کے بعد اب حال میں پھر آباد ہوئی تھی اور وہاں کے لوگ اُسے اٹی کا سے ملحق کردینے کا منصوبہ کررہے تھے کہ اہل تھبز نے بے خبری میں

اُن پر حملہ کیا اور تمام باشندوں کو نکال دیا۔ اُن میں سے اکثر خانماں برباددں نے ایتھنز میں پناہ لی۔ غرض ان واقعات کے بعد اہلِ ایتھنز نے صلح کی سلسلہ جنبانی کی اور لکدمونی اتحاد کی مجلس میں اپنے تین سفیر بھیجے جن میں **کالیس تراتوس** اور **کالیاس** زیادہ مشہور ہیں۔ **تھبز** نے بھی اپنے سفیر روانہ کئے تھے اور ان میں ایک **اپامننڈس** تھا اہل مجلس نے ایک عام صلح کی شرائط منظور کرلیں اور **صلحنامہ کالیاس** پر دستخط ہوگئے (۳۷۱ ق م) جس میں ہر یونانی ریاست کی خود مختاری تسلیم کی گئی تھی گویا ایتھنز اور اسپارٹہ کے علیحدہ علیحدہ اتحاد اب منسوخ ہو گئے کیونکہ کوئی بھی اپنے کسی حلیف پر اتحاد کی شرکت کے لئے جبر نہ کرسکتا تھا اگرچہ اپنی خوشی سے ہر ریاست جسکے ساتھ چاہے اتحاد و شرکت کرسکتی تھی۔

جب یہ شرائط طے ہوگئیں تو اس کے ساتھ یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا اس عام خود مختاری کے اصول کی رو سے، **اتحادِ بیوشیہ** بھی کالعدم ہو جائے گا یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اسپارٹہ اور ایتھنز اُسے کالعدم کرنے کے خواہاں تھے۔ لیکن اس کے جواب میں یہ عذر پیش کیا جاسکتا تھا کہ **لقونیہ** اور **ایٹی کا** کی طرح **بیوشیہ** بھی ایک واحد علاقہ ہے جس کے تمام باشندوں کو سیاسی اعتبار سے متحد اور ایک ہی ملکی حکومت کے تابع ماننا چاہئے۔ کل علاقے کی جانب سے **اپامننڈس** اس مجلس میں بہ حیثیت نائب کے شریک تھا۔ اور جب **اجیسی لوس** نے بطور قول فیصل اُس سے دریافت کیا کہ "بیوشیہ کے ہر شہر کو تم خود مختار مانتے ہو؟" تو اُس نے پلٹ کر پوچھا کہ "تم بھی

لقونیہ کے تمام شہروں کو خود مختار مان لو گے ؟" اسی سوال جواب پہ گفتگو ختم ہوگئی اور تھبنز کا نام عہدنامے کی فہرست سے خارج کردیا گیا۔
اس قرار داد نے جسے اکثر "عہدنامہ کالیاس" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اتھینز اور اسپارٹہ کے درمیان جنگ کا سلسلہ موقوف کردیا اور اس میں شک نہیں کہ یہ لڑائی ان دونوں کے حق میں سراسر مضر تھی لیکن اتنا فرق ضرور ہے کہ گو اتھینز کو سخت مالی نقصان برداشت کرنا پڑا تاہم اس جنگ کی بدولت وہ دوبارہ اسپارٹہ کا ہمسر بن گیا۔ کیونکہ اس کا مرتبہ جس قدر بڑھا تھا اسی قدر اسپارٹہ کی وقعت کم ہوگئی تھی اور نکسوس و تگیرا کی شکست اور کرکایرا کی ناکامی نے اسپارٹہ کو نظروں سے گرادیا تھا، گویا عہدنامہ شاہی کے بعد اسپارٹہ نے یونان پر مسلط ہوجانے کی جو سعی دوبارہ شروع کی تھی اسمیں کامیابی نہ ہوئی اور عہدنامہ کالیاس اس ناکامی کا شہادت نامہ تھا۔

۵- جمہوریۂ اتھینز کا دوسرا دورِ فروغ

ایک مشہور تقریر میں پرکلیس نے دعوی کیا تھا کہ شہر اتھینز تمام یونان کی درس گاہ ہے، لیکن سچ پوچھئے تو اُس نے یونان کے افکار و خیالات پر نمایاں اثر صرف اُس وقت ڈالنا شروع کیا جب کہ اُس کی سلطنت چھن گئی یعنی بیرونی مقبوضات قبضے سے نکل گئے، یہ اثر زیادہ تر تو حکیم افلاطون اور ایسوکراتیس کی تعلیم کا تھا جن کے باقاعدہ حلقۂ درس میں دور دور سے لوگ آکر شریک ہوتے تھے۔ لیکن اسکا دوسرا سبب وہ تغیر ہے جو خود اتھینز

کی حالت میں پیدا ہوگیا تھا۔ کیونکہ اب یہ شہر تمام یونان بلکہ دنیا بھر
کے لوگوں کی بستی بن گیا تھا اور جیسا کہ اُس زمانے کی تصانیف
سے ظاہر ہے اُس کے مقامی معاملات کی وقعت کم ہوگئی تھی۔
چنانچہ **ارستوفان** اور اس کے ہم نشینوں کی قدیم **کومڈی** کی
اب نوعیت بدل گئی تھی۔ اُن پُرانے ناٹکوں کا موضوع عام طور پر
اٹیکا کے مقامی معاملات ہوتے تھے مگر اب جس **کومڈی** نے
اُن کی بجائے فروغ پایا اس کا مبحث اتنا محدود نہ تھا۔ بلکہ نئے
ناٹکوں میں عام انسانی معاملات سے بحث کی جانے لگی تھی اور
ٹریجڈی پر **یوری پید** (یوری پڈیز) کا رنگ چھایا ہوا تھا جو
تقلید کا دشمن اور تمام مروّجہ مراسم و عقائد کا بے باک نکتہ چیں تھا۔
اس کے علاوہ آزادیٔ رائے کی بدولت اہلِ ایتھنز کا ذہن سا
فلسفیانہ غور و تفحّص پر متوجہ ہوا تو اُن میں اِس قسم کے خیالات
پھیل گئے جنھیں شخصیت یا **فردیت** کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔
اس کے معنی یہ ہیں کہ اب شہر یا قوم کا کوئی فرد اپنی ذات کو
اس شہر سے مخصوص نہیں سمجھتا اور محض شہری ہونے کی حیثیت سے
بیرونی دنیا پر نظر نہیں ڈالتا۔ بلکہ تمام نوعِ انسان اس کی نگاہ میں یکساں
ہیں اور ایتھنز نہیں بلکہ ساری دنیا اُس کا وطن ہے۔ محض اس
بنا پر کہ وہ کسی خاص مقام میں پیدا ہوا، وہ اُس مقام یا ریاست کے
مذہبی احکام کی پابندی اپنا فرض نہیں سمجھتا اور محض تقلیداً وہاں کے
خاص خاص عقائد ماننے سے یا پرستش کی مروّجہ رسمیں ادا کرنے سے
انکار کرتا ہے۔ اس طرح چونکہ اُس کی ذات شہر سے وابستہ اور

کل جماعت کے ماتحت نہیں رہی لہذا بہت ممکن ہے کہ بعض موقعوں پر
اُس کے شہری اور ذاتی فرائض میں (جنھیں وہ بہ حیثیتِ انسان اپنے
اوپر واجب جانتا ہے) تضاد واقع ہو۔پس یہاں جذبۂ وطنیت اور
فردیئت میں کشمکش پیدا ہوتی ہے اور حُبّ وطن کی عظمت و
برگزیدگی باقی نہیں رہتی ۔ اس کے بعد ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے
کہ آیا افراد، ریاست یا شہر کے لئے ہیں یا شہر افراد کے لئے بنا ہے؟
اور اس مسئلہ کے بحث میں آتے ہی افراد کو اپنا ذاتی نفع مقدم نظر
آنے لگتا ہے اور یہ جائز معلوم ہوتا ہے کہ مثالاً کسی سپاہی کو جہاں
زیادہ فائدہ نظر آئے وہیں ملازمت اختیار کرلے۔چنانچہ ایتھنز کے
بعض نامور باشندے جیسے کونن زینوفن اور افی کراتیس وغیرہ
ریاستہائے غیر کے تنخواہ وار ملازم تھے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس اصول کو ماننے کے بعد کوئی شخص آزادی
کی اُن حدود میں بھی مقیّد رہنا پسند نہ کرے گا جو آزاد سے آزاد
ملک نے قائم کردی ہوں بلکہ اپنے منشار کے مطابق آزاد ہونا چاہیگا
حکیم افلاطون نے ایک جگہ اس قسم کی بے مہار آزادی کا مضحکہ کیا ہے
اور گھوڑے اور گدھوں کی مثال دی ہے کہ جب راستہ صاف
نہیں دیکھتے تو وہ بھی ایک دوسرے کو ڈھکیل کر آزادیٔ مطلق کی
شان دکھاتے ہیں ۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ خود افلاطون اور اس کے
ہمنشین حکما کی تعلیم سے مذکورۂ بالا خیالات کو تقویت پہنچی اور
یوری بید کے بعد اگر فلسفۂ فردیئت کو سب سے زیادہ کسی نے
رواج دیا تو وہ افلاطون کا اُستاد اور سوفرونیس کوس کا بیٹا

حکیم سقراط تھا؛

سقراط پہلا شخص ہے جس نے اس اصول کی بنا رکھی کہ ہر شخص کو اپنے طریقِ زندگی کا رہ نما اپنی عقل کو بنانا چاہیئے۔ اور اپنے افعال میں جبتک عقل نہ مان لے کسی غیر کے احکام کی پروا کرنی چاہیئے نہ وقتی جذبات کی؛ گویا سقراط خود حکومت سے باغی تھا اور اپنی حکیمانہ تعلیم میں نتائجُ وعواقب کا مطلق خوف نہ کرتا تھا؛ اُسے یہ ثابت کرنے میں کچھ باک نہ ہوتا تھا کہ کوئی سن رسیدہ شخص اگر عقل و دانش سے بہرہ مند نہ ہو تو محض زیادہ سِن ہونیکی وجہ سے قابلِ عزت نہیں ہوسکتا۔ یا یہ کہ ایک جاہل باپ محض باپ ہونیکی وجہ سے قابلِ اطاعت نہیں مانا جاسکتا۔ اُس کے نزدیک صرف علم اور حقیقت ہی دو ایسی چیزیں تھیں جن کے سامنے زانوے ادب تہ کرنا فرض ہے؛

مگر علم سے کیا مراد ہے اور حقیقت کیا شئے ہے؟ اس پیچیدہ مسئلہ کی سقراط نے جس طرح عقدہ کشائی کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے ہمیں دو قسم کے خیالات کا موازنہ کرنا ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ان میں صحیح فیصلہ ہم اسی وقت کرسکتے ہیں جب کہ یہ خیالات بالکل واضح اور صاف ہوں۔ پس حقیقت تک پہنچنے کے لئے سب سے ضروری شرط اشیا کی صحیح تعریف معلوم کرنا ہے۔

مذکورۂ بالا طریقے کے مطابق اخلاق کے اصول کو پرکھنا، حکیم سقراط کی زندگی کا خاص مشغلہ رہا؛ اُسی نے مذہب افادئین کی بنیاد

ڈالی۔ کیونکہ خیر و نکوئی کی ماہیت کی بحث میں تجزیہ کرتے کرتے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ خیر وہ ہے جو مفید ہو۔ اسی سے ملا ہوا اُس کا دوسرا اصول یہ تھا کہ نیکی ہی مسترت ہے۔ اور انہی پر اس کا یہ مشہور منطقی معما مبنی ہے کہ کوئی شخص عمداً بدی کا ارتکاب نہیں کرتا بلکہ اس کا سبب جہل ہوتا ہے۔ کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں جو بالارادہ مسترت کا خواہاں نہ ہو۔

ایسے شخص کی (جسے حکومت کا پاس نہ ہو) نکتہ چینی کے دایرے سے دیوتاؤں کا بچنا بھی دشوار تھا اور ظاہر ہے کہ عوام الناس کے عقائد، عقلی تحقیقات کی تاب نہ لاسکتے تھے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ سقراط وجودِ باری تعالیٰ کا قائل تھا۔ لیکن ربانی صفات کے متعلق غالباً اُس کا عقیدہ اُس قسم کے لوگوں سے ملتا ہوا تھا جنھیں ہم "لا ادری" کہتے ہیں۔ اور روح کی ابدیت کے متعلق تو وہ یقیناً اسی گروہ کا ہم عقیدہ تھا۔

سقراط نے کوئی شے تحریر نہیں کی۔ وہ صرف مکالمہ کیا کرتا تھا لیکن یہ مکالمہ اُس زمانے کے ایسے ایسے ہونہار نوجوانوں کے ساتھ ہوتا تھا جنھیں آئندہ حکمت اور فلسفے کی بدولت بقائے دوام کا خلعت نصیب ہوا۔ درحقیقت افلاطون، ارس تیبو اور یوکلید کے قالب میں اُسی معلمِ کامل نے اپنی روح پھونکدی تھی لیکن واضح رہے کہ اُس نے وعظ کی صورت میں کبھی اپنے خیالات کی اشاعت نہیں کی۔ وہ ہمیشہ تبادلۂ خیالات کے طریق پر گفتگو کیا کرتا تھا اور اسی مکالمے یا منطقی طریقِ تعلیم کا نام سقراطیسی طریقہ ہے۔ علاوہ اُس نے

کبھی کسی کو درس نہیں دیا کیونکہ وہ ہمیشہ علم سے اپنی بیگانگی کا اعتراف
کرتا تھا۔ اور صرف اس نکتۂ خاص کے جاننے کا مقر تھا کہ "وہ کچھ نہیں جانتا"
یہ اُس کی خاص ستم ظریفی تھی؛ شہر میں وہ ہر طرف گشت لگاتا
اور یہ ثابت کرتا پھرتا تھا کہ نہایت مقبول و مطبوع عقائد بھی جب وقت
عقل کی کسوٹی پر کسے جاتے ہیں تو بالکل غیر مدلل اور خلاف عقل
نکلتے ہیں؛ اور اِس طرح اگرچہ سقراط کی تعلیم جس قدر دلنشین تھی
کبھی کسی معلّم کی نہ ہوئی ہوگی تاہم وہ صحیح معنی میں نہ معلّم تھا
نہ اُس نے کبھی باقاعدہ کوئی سلسلۂ درس جاری کیا اور اسی لئے
کبھی کسی سے کوئی حقِ خدمت بھی نہیں طلب کیا۔ اُس میں اور
سوفسطائیوں میں یہی فرق ہے کہ ہرچند اپنی فلسفیانہ اور مذہبی موشگافی
بحث و استدلال کی قدرت اور نیز نوجوانوں پر اپنے اثر کے اعتبار
سے وہ سوفسطائی ہے اور بالعموم اسی گروہ میں شمار کیا جاتا تھا۔
لیکن اپنے بلا معاوضہ اور خاص طریق تعلیم کی بدولت ان سب میں
ممتاز ہے۔ قدرت نے بھی اسے سب سے نرالا بہت بدنما حلیہ
عنایت کیا تھا اور ان سب خصوصیات کی بدولت اُسے
تھوڑے ہی دن میں شہر کا بچّہ بچّہ پہچاننے لگا تھا؛

اور چیزوں کی طرح "جمہوریت" بھی اپنے محبوب نام کی آڑ میں
سقراط کی بے پناہ نکتہ چینی سے محفوظ نہ رہی مثلاً قرعہ اندازی سے
عمّال کے طریقِ انتخاب کی وہ ہجو کرتا تھا حالانکہ یہ آئین ایتھنز کی
جمہوریت کا محافظ تھا؛ پس جمہوریت کے سچّے دلدادہ جیسے تراسی بولس
یا انی توس اور اُن کے ہم مشرب، اُس کی آزاد خیالی کو

نہایت مخدوش سمجھنے لگے تھے۔ وہ سقراط کے ہمنشینوں میں سب سے لائق نوجوانوں کی مثال پیش کرتے اور کہتے کہ "اُس کے سب سے محبوب رفیق **الکی بیادیز** ہی کو دیکھئے کہ اپنے وطن کو جتنا نقصان اُسنے پہنچایا کسی نے نہ پہنچایا تھا۔ اسی طرح **کری تیاس** کو لیجئے تو معلوم ہوگا کہ ایتھنز کے بدترین عہدِ ظلم و استبداد کا بانی مبانی وہی تھا،" اس میں شک نہیں کہ ایسی خاص خاص مثالیں چُن کر **سقراط** کی تعلیم کو بدنام کرنا، بیجا نظر آتا ہے۔لیکن معمولی کاروباری آدمی زیادہ غور و فکر کے عادی نہیں ہوتے اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اُن پر مذکورۂ بالا نظایر کا کیا اثر ہوتا ہوگا؛ وہ **سقراط** اور اُس کی روش سے بد گمان ہوگئے۔اور اس میں کلام نہیں کہ جس نظر سے وہ اُس کی تعلیم کو دیکھتے تھے اُس نظر سے دیکھا جائے تو اُن کی بدگمانی بالکل بجا تھی؛ اس کی غایت تعلیم اور وہ خیالات جنھیں اُس نے لوگوں میں پھیلایا تھا نظامِ معاشرت کے چھپے ہوئے دشمن تھے اور اس نظام کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جس پر سقراط نے حرف گیری نہ کی ہو؛ درحقیقت وہ **فردیت** کا پُرجوش ہادی تھا۔ اور یہی وہ مذہب ہے جس نے آیندہ نشو و نما پاکر اُس شہری حُبِ وطن کا تار و پود بکھیر دیا جو یونان کے عہد عروج میں اُس کا سب سے زیادہ ولولہ انگیز جذبہ تھا؛

بایں ہمہ، **ولفی** کی مذہبی برادری نے ازراہ قدرشناسی **سقراط** کو وہ پروانۂ امتیاز عنایت کیا جو آجتک کسی کو نہ دیا تھا۔ یعنی حکیم موصوف کی نسبت یہ "ندائے غیب" سنادی کہ دنیا میں کوئی

فردِ بشر سقراط سے زیادہ عاقل و فرزانہ نہیں ہے"۔ یہ بات صحت کے ساتھ معلوم نہیں ہوئی کہ سقراط کی زندگی کا کونسا زمانہ تھا جس میں وہ اس ربّانی ستائش کا مستحق سمجھا گیا مگر حق یہ ہے کہ اپالو کی مُرلی نے تختِ کہانت پر بیٹھکر اتنے سچّے الفاظ کبھی نہ کہے ہوں گے اور اگر وہ واقعی غور و فکر کے بعد اُس کی زبان سے نکلے تھے تو اُس کی غیر معمولی رسائی اور وسعتِ نظر کا قایل ہونا پڑتا ہے۔ حالانکہ دلفی کی درگاہ کے مجاوران ادصاف سے کم ہی متصف پائے جائینگے۔

سلطنت ایتھنز کے خاتمے کے پانچ سال بعد سقراط ہلاک ہوا اور جس طرح اُس نے جان دی وہ اس کی عظمت وصداقت پر گواہ ہے۔ انی توس نے سقراط پر کج روی کا الزام لگایا تھا۔ جمہوریت کا یہ سچّا شیدائی ایتھنز کے جمہوری نظام حکومت کی بحالی میں نمایاں حصّہ لے چکا تھا اور وہی اب چند رفقا کے ساتھ مذہب وحکومتِ وقت کا حامی بن کر مدعی ہوا کہ سقراط کو سزائے موت دی جائے۔ الزام کے الفاظ یہ تھے "سقراط مجرم ہے کیونکہ وہ شہر کے مسلّمہ دیوتاؤں پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی طرف سے بعض عجیب مافوق الفطرت قوّتوں کو پیش کرتا ہے۔ اس کا دوسرا جرم یہ ہے کہ وہ نوجوانوں کو گمراہ کرتا ہے۔"

اگرچہ الزام دینے والوں نے مجرم کے لئے سزائے موت تجویز کی تھی لیکن وہ درحقیقت اُس کی ہلاکت کے خواہاں نہ تھے۔ اور یہ سمجھے ہوئے تھے کہ جس وقت عرضی آرکن کی کچہری میں پہنچے گی سقراط ایٹی کا سے باہر چلا جائے گا۔ لیکن جب سقراط جوابدہی کیلئے

رہ گیا تو سارے شہر کو حیرت ہوگئی۔ مقدمہ ۵۰۱ ارکان کی عدالت میں شروع ہوا، وہ آرکن جو ابتک رسمی طور پر "بادشاہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، عدالت کا صدر نشین تھا اور آخر ۶۰ راے کی کثرت سے یہ کہن سال فلسفی مجرم ثابت ہوا۔ لیکن اتھنزی قوانین کی رو سے ملزم کو اس بات کی اجازت تھی کہ ثبوت جرم کے بعد وہ خود اپنے لئے کوئی ہلکی سزا تجویز کردے اور عدالت کو اختیار تھا کہ مستغیث کی پیش کردہ سزا منظور کرے یا خود ملزم کی۔ سقراط کو ایک معقول سزا تجویز کر کے اپنی جان بچا لینے کا موقع تھا لیکن اُس نے اپنی طرف سے جرمانے کی بہت ہی قلیل رقم پیش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارکان کی زیادہ تعداد نے مستغیث ہی کی مجوزہ سزا کی رائے دی اور فیصلے کے ایک مہینے بعد وہ موت کا قدح پی کر دنیا سے چل بسا۔ اور دم آخر تک اُسی شوق و اطمینان کے ساتھ اپنے شاگردوں سے بحث و مکالمت میں منہمک رہا، جو اُس کی زندگی کا سب سے عزیز مشغلہ تھا۔

خود سقراط نے عدالت میں قرار واقعی جو بیان دئے، وہ محفوظ نہیں رہے۔ لیکن اُس کا ہمنشین حکیم افلاطون مقدمے کے وقت موجود تھا اور اُس نے سقراط کی حمایت میں **اپالوجی اوف سوک ریٹیس** کے نام سے جو رسالہ تحریر کیا ہے اُس کے شاعرانہ پیرایے میں اصل بیان کے خاص خاص پہلو نظر آجاتے ہیں اور یہ بات بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ درحقیقت سقراط سے اُن الزامات کی تردید ممکن نہ تھی؛ تقریر میں وہ پہلے اپنی طرز زندگی اور ذاتی اغراض

کے متعلق جواب دیتا ہے اور اس بات کے ثابت کرنے میں اُسے کوئی دقت نہیں پیش آتی کہ عوام الناس میں اُس کی نسبت بہت سی بے سروپا باتیں مشہور ہیں۔ لیکن جس وقت اصلی الزام یعنی ملحدانہ خیالات اور اُن کی اشاعت کی بحث آتی ہے تو ہم اس کے جواب کو بہت ناکافی اور مختصر پاتے ہیں۔ اور اسی لئے اس تمام غمناک فسانے میں سب سے زیادہ بے بسی کی بات یہی ہے کہ سقراط کو جو سزا ملی وہ قانونِ نافذالوقت کی رو سے بالکل منصفانہ تھی! بے شک سقراط سے افضل کوئی شخص نہ تھا۔ لیکن جہانتک الزام کی صداقت کا تعلق ہے اُس کے مخالفین کی بات بھی حرف بہ حرف صحیح تھی۔ گویا قدیم جذبۂ وطن پرستی پر جدید مذہب فردیت نے جو حملہ کیا تھا، اسی کے جواب میں سقراط مدافعین وطن پرستی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

لیکن جب مخالفت کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے تو تاریخ شاہد ہے کہ جس نے ظلم کیا وہ خود بھی ظلم سے نہ بچا۔ سقراط کی موت فراموش ہونے والی چیز نہ تھی۔ اُس کے رفقا نے جمہوریت کی اس زیادتی کو آخر تک معاف نہ کیا۔ اور زندگی بھر اسی کام کی تکمیل میں مصروف رہے جو اُن کے اُستاد نے شروع کیا تھا۔

اس زمانے میں جس سے جنگ **اگوس پتامی** کے بعد کی نصف صدی مُراد ہے، ایتھنز میں فن نثر نگاری پورے کمال کو پہنچ گیا تھا اور اُسے یہ ترقی بہت کچھ جمہوری عدالتوں کے طفیل حاصل ہوئی تھی جن میں فریقین لکھکر یا لکھواکر مقدمات کی پیروی کرتے تھے۔ اس زمانے میں فن خطابت کا سب سے نامی استاد

الیسوکراتیس تھا۔ لیکن اُس کا حلقۂ درس محض فقروں کی روانی اور مباحث کی ترتیب سکھانے تک محدود نہ تھا۔ بلکہ اس کا دائرہ مقاصد بہت ارفع اور زیادہ وسیع تھا:۔ اُس میں تہذیب و شایستگی سکھائی جاتی تھی۔ لوگوں کو وہ آداب و ضوابط بتائے جاتے تھے جو انھیں قومی معاملات میں شرکت و رہ نمائی کا اہل بنادیں فنِ سیاسیات کے مسائل کا مطالعہ کیا جاتا تھا اور الیسوکراتیس کی خوشی یہ تھی کہ اس کا سلسلۂ درس "فیلوسوفی" (یعنی "طلبِ علم") کے نام سے موسوم کیا جائے ؛ لیکن اصطلاحی معنی میں دفیلوسوفی، یا فلسفے کی اصلی تعلیم کے طالبِ علم حکیم افلاطوں کے مدرسۂ اکادمی سے رجوع کرتے تھے ؛ اِن دونوں مدرسوں کے مقاصد ایک دوسرے سے جداگانہ تھے مگر اِن میں باہم چشمک رہتی تھی۔ اور ہمارے زمانے کی تعلیم یونیورسٹی کے مقابلے کی ایتھنز میں اگر کوئی شے تھی تو وہ یہی دو حلقۂ درس اور اُن کے قواعد تعلیم تھے ؛ اسی کے ساتھ الیسوکراتیس ایک اعلیٰ اخبار نویس کی خدمات بھی انجام دیتا تھا قدرت نے اُسے بہت پست آواز عنایت کی تھی اور تقریر کرنے میں گھبرا جایا کرتا تھا۔ پس جب کبھی کسی اہم معاملے کے متعلق اُسے جوش آتا تو مجلس میں تقریر کرنے کی بجائے وہ تقریر کے پیرائے میں ایک رسالہ شائع کرتا کہ لوگوں کے خیالات پر اُس کا اثر پڑے ؛

مگر کسی عہد کی خصوصیات اور نمایاں خطّ و خال دیکھنے ہوں تو اس کے صناعت و فن کا مطالعہ کرنا چاہیئے کہ یہی شے اُس

عہد کی تہذیب اور دماغی ترقی کا سچا آئینہ ہے؛ اور چوتھی صدی (ق م) کی حالت کا صحیح احساس بھی بہترین طریقے پر اسی طرح ہوسکتا ہے کہ ہم پراکسی تلیس کی صناعی کے نمونے پیش نظر رکھیں اور ان کا مقابلہ اُن مورتوں سے کریں جو فیدیاس کے کارخانے سے ترش ترش کر نکلتی تھیں؛ گذشتہ صدی میں ایسے چند عظیم الجثہ بتوں کے سوائے جیسے کہ فیدیاس نے ایتھنز اوراولمپیہ کے واسطے تیار کئے تھے، صنعت بت تراشی کے بے بہا نمونے وہ ہیں جن سے عمارات کے پیل پائے یا حاشیئے مزیّن ہوے اور جس طرح یہ فن رفتہ رفتہ فن عمارت کی غلامی سے آزاد ہوا تھا اسی طرح اب مذہب کے ہمہ گیر دایرے سے بھی باہر ہوتا جاتا تھا۔ فیدیاس کے زمانے میں جب کوئی صناع کسی دیوتا کی مورت گھڑتا تھا تو گو اس کی صورتِ انسانی ہوتی تھی لیکن اعضا اورخط وخال میں کسی قسم کی تبدیلی یا حرکت نہ دکھائی جاتی تھی تاکہ اس کے ربّانی وقار وتمکین میں کوئی فرق نہ آئے؛ لیکن چوتھی صدی میں دیوتاؤں کی یہ متانت اور اسی کے ساتھ وقار وتمکین رخصت ہوگئے اب یہ ربّانی ہستیاں معمولی ذکور واناث کی مثل انسانی جذبات سے متاثر تصوّر کی جانے لگیں۔ گو آلام اور جذبات غم سے وہ اب بھی ماورا تھیں لیکن انسانوں کی طرح اُن میں باہم فرق اور امتیاز ہوسکتا تھا اور صورت میں بھی اُن کے بُت، شکیل و تندرست مرد و عورت کی تصویر ہوتے تھے؛ اس طرح اس فن پر بھی "فردیّت" کا دوگونہ اثر پڑا تھا کہ اول تو

ہر صاحبِ کمال کو اس بات کا اختیار حاصل ہوگیا کہ وہ چاہے تو اپنے
واسطے ایک علٰحدہ وضع ایجاد کرے، اور دوسرے عام طور پر اس بات کا
میلان پیدا ہوگیا کہ مرد کی تصویر ہو یا عورت کی، صورتوں کا
عام نمونہ چھوڑ کر کسی خاص حلیئے کی مورت تیار کی جاسے
اور اس میں بھی معمولی انداز کی بجائے کسی خاص کیفیت اور حالت
کی تصویر دکھائی جائے۔

مذکورہ بالا تغیر کو اُس عام رُجحان کا ایک عکس سمجھنا چاہیے
جو سیاسی معاملات کے متعلق وہاں پیدا ہو گیا تھا۔ یعنی لوگ رفتہ رفتہ
اس خیال میں راسخ ہوتے جاتے تھے "کہ" حکومت،، محض افراد کی
ضروریات بہم پہنچانے کا ذریعہ ہے" جس کے دوسرے لفظوں میں
قریب قریب یہ معنی ہیں کہ اُن کے نزدیک حکومت اشترکائے تجارت
کی ایک ایسی جماعت کا نام تھا جس کا کام منافع کی تقسیم کردینا ہو
اور یہی وجہ ہے کہ ہم اس زمانے میں اہل ایتھنز کو بیرونی مہمّات
کی طرف مایل نہیں پاتے اور اُن کی مساعی کو تجارت کی حفاظت
و ترقی یا صرف ایسی مہمات تک محدود دیکھتے ہیں جن سے زر ومال
حاصل ہونے کی امید ہوئے پس گو گزشتہ صدی کی نسبت چوتھی
صدی میں ایتھنز کی ہوس جاہ و نام آوری کم ہوگئی تاہم اِس
زمانے میں اُسے جو فراغت و آزادی نصیب ہوئی وہ گزشتہ صدی
میں حاصل نہ ہوئی تھی۔

کیونکہ ہرچند ایتھنز کے مقبوضات چھن گئے، مگر اُس کی بیرونی
تجارت میں فرق نہ آیا تھا؛ بےشبہ ایٹی کا کی آبادی گھٹ گئی تھی

اور اس کے آزاد ذکور کی تعداد جو کم سے کم ۳۵ ہزار تھی، جنگ اور وبا کے باعث ۲۱ ہزار رہ گئی تھی لیکن اس اعتبار سے کہ اب زائد آبادی کو بیرونی مقبوضات میں بسانے کا امکان نہ رہا تھا، یہ کمی چنداں قابلِ تاسف نہ تھی؛ ذکور کی تعداد ہمیں صحت کے ساتھ اس لئے معلوم ہے کہ اسی زمانے میں مجلسِ عوام کے ارکان کو زرِ نقد دینے کا طریقہ جاری ہوا تھا۔ اوّل اوّل یہ حق خدمت اجلاس کے زمانے میں نصف درہم یومیہ کے حساب سے ملتا تھا مگر بعد میں ڈیڑھ درہم یومیہ تک ہوگیا؛ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجناس کی قیمتیں اور نیز عام آسودگی بڑھ رہی تھی۔ اسی زمانے کا ایک اور قابلِ ذکر دستور "زرِ تفریح" کی تقسیم ہے۔ یہ رسم تو بہت پہلے سے غالباً پری کلیس نے جاری کی تھی کہ غریب شہریوں کو تماشا گاہوں کے ٹکٹ سرکاری خرچ سے دلوادئے جاتے تھے لیکن چوتھی صدی میں مذہبی میلے تہوار کے موقعوں پر ایسا روپیہ بار بار اور کثیر مقدار میں بانٹا جانے لگا۔ ریاست کی تمام بقایا اسی کے سرمائے میں کام آنے لگی اور اس مد کا رفتہ رفتہ اتنا کام بڑھا کہ ایک وزیرِ خزانہ خاص اس کام کے لئے مامور کیا جانے لگا۔ اسی ضمن میں سرکاری محصولات بھی بڑھانے پڑے تاکہ دولتمندوں کے روپے سے غربا کی راحت رسانی کا سامان کیا جاسکے۔ اس طرح مذکورۂ بالا سرمایہ گویا اُسی اصول کی ایک عملی صورت تھا جس کی رو سے "ریاست" یا "حکومت" کا مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے افراد کی راحت و مسرت کا سامان بہم پہنچائے۔

ان اصول پر ریاست کا انتظام کرنے کے لئے **ایتھنز** کو لائق اشخاص کی تو ضرورت تھی مگر طبّاع و جدّت طراز مدبرین کا اب وہاں کچھ کام نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں ہم کوئی ایسا مدبر نہیں پاتے جو تاریخ میں اپنا نقش قائم کرجاتا۔ فنِ حرب کی حالت یہ تھی کہ سال بہ سال وہ ایک مخصوص فن ہوتا جاتا تھا اور سوائے اُن سرداروں کے جنھوں نے ساری عمر اس پیشے میں گزاری ہو اور کوئی شخص میدان میں ناموری حاصل نہ کرسکتا تھا۔ اس قسم کے ماہرین میں **تیموتیوس**، **کاب ریاس** اور **ایفی کراتیس** مشہور ہیں۔ پہلا سپہ سالار آسودہ حال آدمی تھا۔ اور اُسے اپنے وطن سے باہر جانے کی ضرورت نہ تھی لہذا اُس کی خدمات اور کاروانی سے صرف ایتھنز متمتّع ہوسکتا تھا۔ لیکن باقی دونوں سرداروں نے پردیس میں ملازمت کرکے خوب دولت کمائی تھی اور **ایفی کراتیس** نے تو یہانتک جائز رکھّا کہ اپنے خسر یعنی **تھریس** کے بادشاہ کی طرف سے خود اہلِ وطن کے مقابلے میں آیا۔

اصل یہ ہے کہ ان سپہ سالاروں کو اپنے وطن سے استغنا اسلئے ہوگیا تھا کہ اُن کے ہم وطن بیرونی لڑائیوں میں خود نہ جاتے تھے بلکہ کرایے کے سپاہیوں سے کام لینے لگے تھے۔ پس اہل وطن کی بجائے اب سپہ سالار کا انہی پردیسیوں سے سابقہ ہوتا تھا انہی کی بھرتی اور ترتیب کی خدمت اُسے انجام دینی پڑتی تھی بلکہ اکثر اوقات ان کی تنخواہیں ادا کرنے کا کام بھی اُسی پر چھوڑ دیا جاتا تھا حقیقت میں یہ اُس قدیم نظم ونسق کا بہت بڑا نقص ہے کہ

اس بات کا کوئی ضابطہ مقرر نہ تھا کہ جب لوگ کسی کام کی منظوری دیں تو اس کے ساتھ اُس کے مناسب مصارف کی بھی منظوری دے دیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ کوئی شخص بھی اُٹھ کے مجلس میں ایک تجویز پیش کر دیتا اور اس بات سے مطلق سروکار نہ رکھتا کہ اس کی تعمیل کی صورت کیا ہوگی۔ اور تجویز کو منظور کرنے کے بعد کسی آئندہ جلسے میں مصارف کی منظوری طلب کی جاتی تو بہت ممکن تھا کہ مجلس انکار کر دے۔ اس طرح دورانِ جنگ میں اگر ضروری رقوم کی منظوری نہ ملی تو مصارف جنگ کا کوئی انتظام نہ ہو سکتا تھا۔

واضح رہے کہ اس خرابی کا پانچویں صدی (ق م) میں کوئی نمایاں اثر ظاہر نہیں ہوا۔ جس کا سبب یہ تھا کہ اُس دور کے سپہ سالار ہمیشہ ریاست کے نظم و نسق میں بھی ذی اختیار ہوتے تھے اور مجلس میں اُن کا بہت اثر ہوتا تھا۔ برخلاف اس کے اب فنِ سپہگری ایک علیحدہ پیشہ ہو گیا تھا اور سپہ سالاروں کو ریاست کے حکام مامور کرتے تھے۔ پس مذکورہ بالا نقص کی وجہ سے اکثر خرابیاں پیدا ہوتی تھیں۔ چنانچہ عہدنامۂ کالیاس کے بعد ہی ایتھنز اپنی غاصبانہ ہوس کی بدولت دس سال تک بہت سی بیرونی مہمات میں پھنسا رہا اور ان میں محض اس وجہ سے کہ کسی مرتبہ اُسے جنگی ساز و سامان خاطر خواہ نہ ملا، اُسے بہت کم نفع حاصل ہو سکا۔

---

*

باب چہار دہم

ریاست تھبنز کی سیادت

جاسن شاہ فرایہ ۔ جنگِ لیوک ترا

سو برس سے قوت و اقتدار، اسپارٹہ اور ایتھنز کی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور انہی دو حریفوں میں سے کبھی ایک کا پلہ جھک جاتا تھا اور کبھی دوسرے کا۔ لیکن اب شمال میں نئی قوتوں نے سر ابھارا اور تھبنز اور فرایہ کی ریاستوں نے وہ برتری حاصل کی جو خطرے سے خالی نہ تھی۔ تھسالیہ کے شہروں میں ہمیشہ جھگڑے ہوتے رہتے تھے لیکن اب ان کو متحد کر لیا گیا تھا اور اس لئے یہ وسیع علاقہ یونان کی ایک بڑی طاقت بن گیا تھا۔ یہ تمام شخص واحد کی کوشش کا نتیجہ تھا اور اس سے ہماری مراد جاسن ہے جو ریاست فرایہ کا مطلق العنان رئیس تھا۔ اُسے اپنی ہوس اقتدار و ناموری کے لئے زیادہ وسیع میدان درکار تھا اور

اُس نے ۶ ہزار اجیر سپاہیوں کی ایک عمدہ اور قواعد داں فوج فراہم کرلی تھی جس کی مدد سے رفتہ رفتہ اس نے تمام تھسالیہ کو ایک حلقۂ اتحاد میں وابستہ کرلیا اور خود اس علاقہ کا "تاگوس" (یعنی سردار) بن گیا مگر اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ یہ کامیابی فوجی قوت کے علاوہ اس کی سیاسی تدابیر اور موقع شناسی کے طفیل حاصل ہوی تھی اور اب مقدونیہ سے اپیرس تک تمام علاقہ اسی مطلق العنان بادشاہ کی قلمرو میں تھا۔

اسپارٹہ کے قوت و اقتدار میں جو کمی ہوی وہ سب پر ظاہر تھی۔ بایں ہمہ یونان میں سب سے بلند مرتبے کی ریاست اُسی کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ جاسُن کا پہلا مطمح نظر یہی تھا کہ اس ریاست کو اور کمزور و ذلیل کردیا جائے۔ جنوبی یونان کی کلید یعنی درۂ تھرموپلی پر قبضہ حاصل کرنا، اس کا دوسرا مقصود تھا اور چونکہ یہ درہ اسپارٹہ کے قلعے، ہراکلیہ کی زد میں تھا لہذا یہ دونوں مقصد لازم و ملزوم نظر آتے تھے۔ اور اُن کے حصول کی صریح تدبیر یہ تھی کہ اسپارٹہ کے دشمن تھبنز کو اپنا حلیف بنالیا جائے۔ عہد نامۂ کالیاس میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے تھبنز پہلے ہی سب ریاستوں سے الگ اور تنہا رہ گیا تھا۔ جاسن کی تحریک اتحاد پر لبیک کہتا ہوا دوڑا اور تھسالیہ کا حلیف بن گیا۔

عہد نامۂ کالیاس کے رو سے فریقین کا فرض تھا کہ بیرونی ممالک سے اپنے اپنے بیڑے اور غیر شہروں سے اپنے متعینہ دستے واپس بلالیں۔ چنانچہ ایتھنز نے بلاتاخیر ایفی کراتیس کو جزیرۂ کرکایرا سے واپس طلب کرلیا تھا لیکن اسپارٹہ نے اپنی طرف سے معاہدے کی شرائط پوری نہ کیں اور شاہِ کلیوم بروتوس کو جس نے کچھ عرصے قبل

فوکیس پر چڑھائی کی تھی، فوج منتشر کرنے کی بجائے یہ حکم بھیجا گیا کہ تھبز پر فوج کشی کرکے جبراً بیوشیہ کی تمام ریاستوں کو آزادی دلائے۔

کلیوم بروتوس سیدھا تھبز روانہ ہوا تھا کہ راستے میں لیوک ترا کے بلند مقام پر تھبز کی فوج ملی۔ (جولائی ۳۷۱ ق م)؛ لیوک ترا اُن پہاڑیوں پر واقع ہے جو نصف میل سے کچھ زیادہ چوڑے میدان کی جنوبی حد بناتی ہیں۔ اس چھوٹے سے میدان میں اسوپوس ندی کی بالائی گزرگاہ ہے اور ساحل سے تھبز جانے کا جو راستہ ان پہاڑیوں کے شمالی گوشے تک آتا ہے وہ اسی ندی پر سے گزرتا ہے؛ اسی شمالی گوشے پر اہل تھبز نے صفِ جنگ آراستہ کی تھی اور جہاں ایک نیچی پہاڑی کی چوٹی مشرق میں چوڑی ہوکر ہموار چبوترہ سا بن گیا ہے؛ وہاں اُن کا میسرہ قایم کیا گیا تھا۔ اسی کی پشت پر کسی قدر جانب شمال بڑھکر انہوں نے ایک دمدمہ تیار کیا تھا جس کے آثار اب تک موجود ہیں۔ یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ فریقین کے سپاہیوں کی تعداد کیا تھی۔ لیکن قرینہ کہتا ہے کہ لکدمونی جن کی کثرت میں کوئی شبہ نہیں، شاید ۱۱ ہزار کے قریب تھے اور تھبز کے جنگ آزماؤں کا شمار ۶ ہزار کے قریب تھا۔ مگر اپامننڈس کی جنگی کاروائی اور ذہانت نے قلتِ تعداد کی تلافی کردی تھی؛ اس نے عام دستور کی پابندی نہ کی اور دور تک پھیلانے کی بجائے اپنے میسرے میں ایک دوسرے کے عقب پچاس گنجان صفیں جمع کردی تھیں اور انہی میں پلوپی ڈس کے زیر علم سب سے آگے "مبارک دستے" کے من چلے جوان تھے؛ یہ فوج لمبائی میں کم تھی مگر اس کی مثلث نما پیوستہ صفوں کا ریلا کوئی

تھس پیہ کا راستہ
تھبزی میمنہ
تھبزی قلب
چبوترہ
تھبزی میسرہ
میدان
نشیبی
رود اسوپوس
شمال
لکدمونی میمنہ
نقشہ جنگ لیوکترا ۳۷۱ ق م
استادیا
گز
۵ ۴ ۳ ۲ ۱ ۰
۸۰۰ ۴۰۰ ۲۰۰ ۱۰۰ ۰
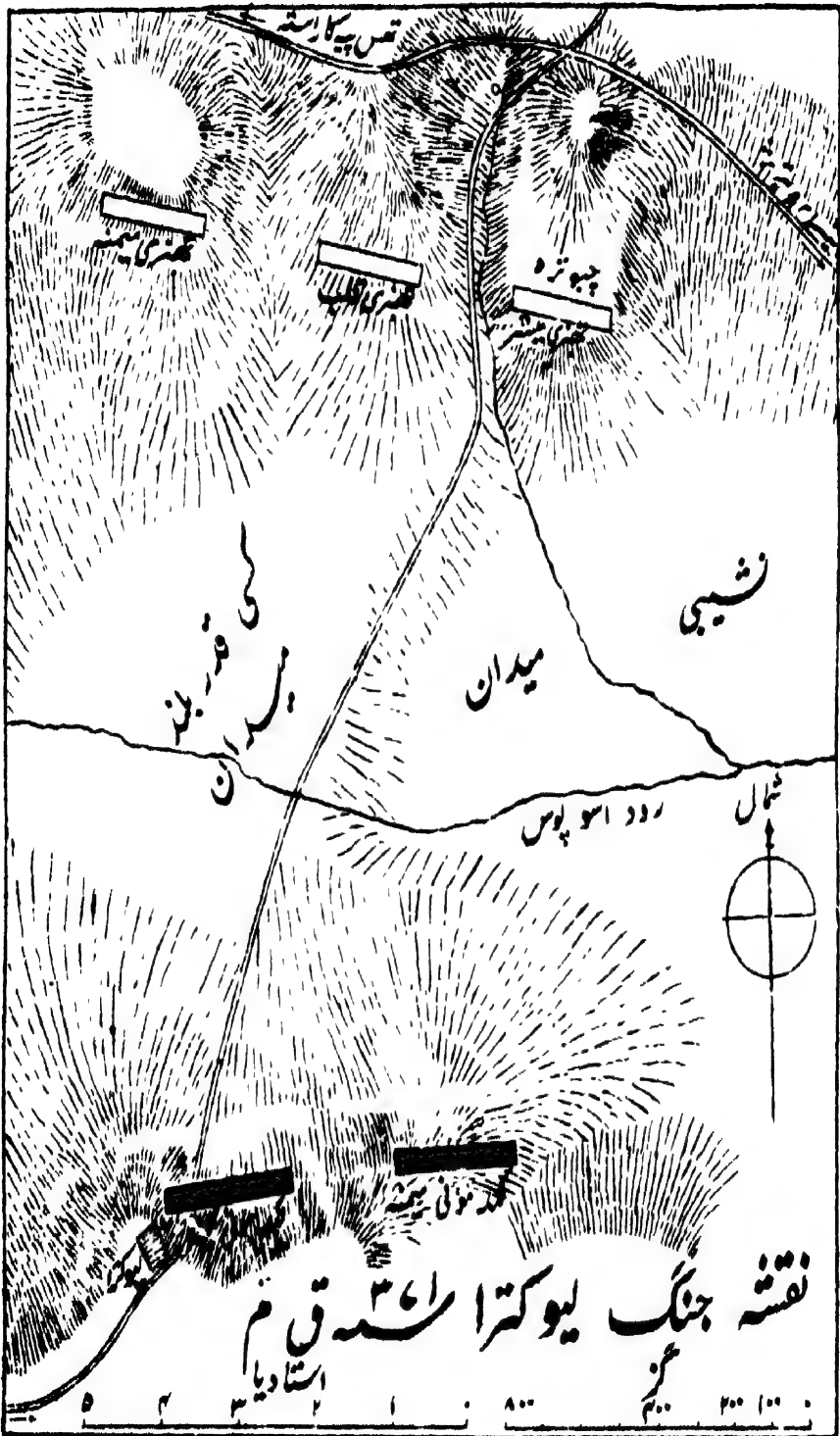
نہ روک سکتا تھا۔ اور اسے غنیم کے میمنے کے بالمقابل آراستہ کیا تھا جہاں خود شاہ کلیوم بروتوس اپنے سپاہیوں کو لڑا رہا تھا۔ اپنے میسرے پر ہی اپامنن ڈس کی تمام امیدیں منحصر تھیں اور وہ جانتا تھا کہ اسی بازو کے پہلے تصادم پر لڑائی کا فیصلہ ہے؛

سواروں کے مقابلے سے جنگ کا آغاز ہوا۔ سوار فوج کے مقابلے میں لکدمونی ہمیشہ کمزور مشہور تھے اس موقع پر بھی اُن کے سواروں کو غنیم نے بہ آسانی پسپا کردیا اور انہوں نے ہٹنے میں پیادوں کی صف میں بے ترتیبی پیدا کردی اور شاید اسی وجہ سے میسرہ اور قلب کی فوجوں کے بڑھنے میں دشواری پیش آئی۔ مگر کلیوم بروتوس جسے اپنی فتح کا پورا یقین تھا میمنہ لئے ہوے پہاڑی کی ڈھلانوں سے اترا اور اُدھر سے اپامنن ڈس صرف میسرہ لے کر اپنی پہاڑیوں سے چلا۔ اور عمداً باقی فوج کو اُس نے پیچھے رہنے دیا، اور حقیقت میں اپامنن ڈس کی اپنی جنگی چالوں نے لڑائی کا فیصلہ کردیا۔ اہل اسپارٹہ نے جو آگے پیچھے بارہ صفوں میں تھے اس مرتبہ بھی جاں بازی دکھانے میں کوئی کمی نہ کی تھی لیکن وہ اس مستحکم مثلث کے سامنے جسے پلوپی ڈس آگے بڑھا ہوا لڑا رہا تھا مقاومت کی تاب نہ لاسکے۔ کلیوم بروتوس مارا گیا۔ اور دونوں طرف سے سخت خوں ریزی ہونے کے بعد آخرکار اہل تھبز نے دشمن کو میدان سے ہٹاتے ہٹاتے پہاڑی کی ڈھلانوں تک جہاں اُن کی لشکرگاہ تھی دھکیل دیا؛

جنگ میں ایک ہزار لکدمونی سپاہی مارے گئے۔ جن میں سے

چار سو خاص اسپارٹہ کے شہری تھے۔ پھر انہی کی طرف سے مقتولین کو دفن کرنے کی مہلت طلب کی گئی جو حسب دستور شکست کا اعتراف سمجھی جاتی تھی تاہم ان کی فوج پہاڑیوں پر خندقیں بنا کے وہیں مقیم رہی اور تازہ کمک پہنچنے کے انتظار میں تھی کہ اس ناکامی کی تلافی کرلے۔ اہل اسپارٹہ نے بھی جس قدر سپاہی شہر میں باقی تھے بہ عجلت انہیں مجتمع کیا اور اجسی لوس کے بیٹے آرکی داموس کی سپہ سالاری میں امداد کے واسطے روانہ کردیا۔

ادھر حکومت تھیبز نے یہ اطلاع تھسالیہ بھیج دی تھی جسے سنتے ہی جاسن اپنی سوار و پیادہ فوج لئے ہوئے میدان جنگ کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اور کیس کے علاقے کو اتنی جلدی طے کرگیا کہ اہل فوکیس جو اس کے سخت دشمن تھے اُس کی آمد سے پوری طرح خبردار ہونے بھی نہ پائے تھے کہ وہ ان علاقے سے سے گذر گیا؛ پھر بھی جنگِ لیوک ترا کے کم از کم چھ سات دن بعد وہ میدان کارزار تک پہنچ سکا ہوگا؛ بہرحال اس کے آتے ہی اہل تھیبز لکدمونیوں کی خندقوں پر حملہ کرنے کی تجویزیں کرنے لگے اور اس تازہ فوج کی مدد سے اپنی کامیابی کا پورا یقین رکھتے تھے۔ لیکن دشمن کو بالکل تباہ کردینا یا تھیبز کی کامیابی کو مزید قوت و وسعت دینا بھی جاسن کو اپنی مصلحتوں کے خلاف نظر آتا تھا لہذا اس نے اپنے حلیفوں کو اس اولوالعزمی سے باز رکھا اور اس بات پر رضامند کرلیا کہ وہ دشمن کو بلا گزند پہنچائے اپنے علاقے سے نکل جانے کی اجازت دے دیں۔

اپنی واپسی میں جاسن ہراکلیہ کے جنگی استحکامات کو منہدم کر گیا اور اپالو دیوتا کے آئندہ تہوار پر اپنی شان و شوکت دکھانے کی بڑے پیمانے پر تیاریاں کر رہا تھا تاکہ اس موقع پر وہاں کی دینی مجلس کے اختیارات سلب کر کے خود میلے کا صدر نشین بن بیٹھے (سنہ ۳۷۰ ق م) لیکن ایک دن جب داد خواہوں کی عرضیاں اس کے سامنے پیش ہو رہی تھیں سات نوجوان باہم جھگڑتے ہوئے اس کے قریب پہنچے گویا کسی تنازعہ کا فیصلہ چاہنے آئے ہیں اور وہ بیٹھا ہوا تھا کہ اس پر دفعتاً حملہ کر دیا۔ جاسن کے قتل کے بعد اس کے بھائی جانشین حکومت ہوئے مگر اُن میں کوئی قابلیت نہ تھی۔ گویا خود قضا و قدر نے فیصلہ کر دیا کہ اسپارٹہ کے زوالِ قوت کے بعد یونان کی سیادت تھسالیہ کو نہ ملے گی بلکہ بیوشیہ کا علاقہ اُس کا وارث ہوگا۔

۲۔ تھبنز کی حکمتِ عملی جنوبی یونان میں

کھلے میدان میں کم تعداد دشمن سے لکدمونیوں کی ہزیمت کا اثر اس واقعے سے اور بھی زیادہ ہوگیا تھا کہ شاہ کلیومبروتوس جنگ میں کام آیا لیونی ڈس کے بعد اسپارٹہ کا کوئی بادشاہ لڑائی میں نہیں مارا گیا تھا۔ پس پلوپنی سس کی ہر ریاست میں اس شکست کی خبر سے کھلبلی پڑ گئی۔ تین ہفتے پہلے عہد نامۂ کالیاس پر دستخط کرتے وقت اسپارٹہ نے اپنے عمال اور قومی دستوں کو غیر شہروں سے واپس بلانے کا عہد کیا تھا۔ اب خود اُن شہروں نے

اُس کے عمال کو نکالدیا؛ اور خواص کی مقامی حکومتوں سے ہر جگہ مخالفت پیدا ہوگئی۔ لیکن جنگِ لیوک ترا کے سب سے زیادہ وقیع نتایج ارکیدیہ کے علاقے میں رونما ہوے یعنی مان تینیا کے باشندے لیکومدیس نے اتحاد کی کوشش کی اور منتشر مواضع کے لوگ اپنے گانوں چھوڑ چھوڑ کے پھر ایک شہر میں مجتمع ہو گئے اور از سرِ نو اپنی شہر پناہ تعمیر کرلی؛ اس مدنیت سے اسپارٹہ نے انہیں محروم کیا تھا۔ خدا نے اُسے سرنگوں کردیا اور اب وہ جابر انکا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا؛

اس شکستگی سے بحالی پانے کے بعد مان تینیا نے دوسری بستیوں کے ساتھ مل کر تمام علاقۂ ارکیدیہ کو ایک حلقۂ اتحاد میں متحد کرمیا۔ البتہ تگیا، ارکومنوس اور ہرائیا کی باوقعت ریاستیں اتحاد میں شریک نہ ہوئیں؛ چونکہ تمام علاقے میں کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جو متحدہ ریاستوں کا صدر مقام بنایا جاتا۔ اور دوسرے کسی شہر کے انتخاب میں باہمی حسد اور رقابت کا بھی اندیشہ تھا لہذا قرار پایا کہ مغربی ارکیدیہ کے میدان میں مقدس کوہ لکایون کے قریب ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی جائے۔ (۳۷۰ ق م)۔ اس شہر کا مگالوپولس (یعنی "بڑا شہر") نام رکھنا، اس اعتبار سے بالکل موزوں تھا کہ اس کی دوہری فصیل کا بہت بڑا دور تھا اور گرد و نواح کے تمام دیہات کی آبادی کو اس میں آبسنے پر رضامند کرلیا گیا تھا؛ محلِ وقوع کے لحاظ سے بھی یہ شہر لقونیہ کی شمال مغربی سرحد پر ارکیدیہ کا ایساہی مضبوط مورچہ تھا جیسا کہ

جنوب میں شہر تگیا، لیکن تگیا اپنے قدیم حلیف اسپارٹہ کی دوستی میں ثابت قدم رہا تھا۔ اور ارکیدیہ کے نئے اتحادیوں کو ضرورت تھی کہ اُسے بھی حلقۂ اتحاد میں شامل کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے مان تینیا کے چند سپاہیوں کی مدد سے شہر میں انقلاب کرادیا اور اسپارٹہ کے حامی جان بچاکر اسپارٹہ بھاگ گئے۔ اہل اسپارٹہ اب خاموش نہ رہ سکتے تھے اور انھوں نے مان تینیا کی فصلیں پامال کرنے کی غرض سے اجسی لوس کو روانہ کیا۔ اہل اتحاد نے ایتھنز سے مدد مانگی اور وہاں سے جواب مل گیا تو بیوشیہ سے درخواست کی۔ اہل تھبز کے نزدیک اسپارٹہ پر دباؤ رکھنے کی اس سے بہتر تدبیر اور کوئی نہ ہوسکتی تھی کہ ارکیدیہ میں اُن کا ایک طاقتور حریف پیدا کردیا جائے۔ پس اُنہوں نے استمداد کی درخواست منظور کرلی۔

جس وقت تھبز کی فوج اپامنن ڈس کے زیر علم ارکیدیہ میں پہنچی تو سردی کا موسم آگیا تھا اور انہیں یہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ اجسی لوس میدان سے ہٹ گیا۔ مہم کا جو کچھ مقصد تھا وہ تو اس طرح بر آیا۔ لیکن اہل ارکیدیہ نے اپامنن ڈس کو آمادہ کرلیا کہ مراجعت سے پہلے غنیم پر ایک ضرب ضرور لگادی جائے۔ اس میں شک نہیں کہ لقونیہ پر فوج کشی اور خاص شہر اسپارٹہ پر حملہ کرنا بہت بڑی جسارت تھی۔ کم سے کم یہ خیال آنا ہی کچھ معمولی بات نہ تھی۔ کیونکہ انسان کی یاد میں یہ نوبت کبھی نہ آئی تھی کہ کسی دشمن کے نامبارک قدم سے لقونیہ کی زمین

آلودہ ہوئی ہو۔ شہر اسپارٹہ کے گرد کوئی فصیل نہ تھی اور آج تک کسی دشمن کا وہاں گزر نہ ہوا تھا کہ جس سے شہر کو بچانے کی ضرورت پڑتی ہو بہر کیف، حملہ آور سپاہ چار راستوں سے بڑھی جو آگے جاکر سلاسیہ پر مل جاتے تھے۔ اس پیش قدمی میں اُن کی کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ سلاسیہ کو انھوں نے آگ لگادی اور اب مل کر یہ فوج یوروتاس ندی کے بائیں کنارے کے میدان میں بڑھی۔ اُن کے اور اسپارٹہ کے درمیان ندی حایل تھی اور موسم سرما کی بارش سے اُس کا پانی چڑھا ہوا تھا۔ شاید اسی وجہ سے اسپارٹہ اُن کے حملے سے بچ گیا کیونکہ ندی کے پل کی اہل شہر اس جمعیت اور قوت کے ساتھ حفاظت کر رہے تھے کہ اس پر حملہ کرنا دور اندیشی کے خلاف تھا۔ اپامننڈس جنوب میں امیکلہ تک چند میل اور آگے بڑھا اور آخر یہاں ایک پایاب مقام سے ندی کو عبور کرگیا۔ لیکن اس تاخیر نے اسپارٹہ کو بچا لیا۔ حملے کی اطلاع ہوتے ہی پلوپنی سس کے تمام شہروں کو جو اب تک اسپارٹہ کے ہواخواہ تھے، ہرکارے دوڑ گئے تھے اور اُن کی امدادی فوجیں فوراً روانہ ہوگئی تھیں۔ اُن کے عین وقت پر آجانے سے اسپارٹہ کی دفاعی قوت اس قدر بڑھ گئی کہ پھر اپامننڈس نے شہر پر حملہ نہیں کیا لیکن شہر کی حدود تک ضرور بڑھا کر گویا ٹوک کر دشمن کو مقابلے پر بلاتا ہے اور حقیقت میں اسپارٹہ کے گزشتہ جبر و قہر کا یہ بھی کچھ کم سخت عوض نہ تھا۔ وہاں کے باشندوں پر صدیوں سے اس قسم کی مصیبت نہ پڑی تھی اور اُن کے تصوّر میں بھی یہ بات نہ آئی تھی کہ دشمن

اُن کے اس قدر قریب پہنچ سکتا ہے پس جب یہ بلا انہیں اپنے سر پر آتی نظر آئی تو وہاں اس درجے خوف و ہراسیگی طاری ہوی کہ بیان سے باہر ہے۔ اسپارٹہ کی عورتیں اپنی اولاد اور شوہروں کے جنگ میں مارے جانے کا حال سن کر جذباتِ غم کو ضبط کرنیکی عادی بنائی جاتی تھیں لیکن اس موقع پر ہراس و مایوسی نے انہیں بالکل بے تاب کر دیا۔ کیونکہ گو یونان کے اکثر شہروں کی عورتوں کو اِس قسم کی مصیبت کا بارہا سابقہ پڑ چکا تھا، لیکن زنانِ اسپارٹہ نے آج تک غنیم کی صورت اپنی آنکھوں سے نہ دیکھی تھی ؛

جنوبی لقونیہ کو تاخت تاراج کرنے کے بعد اتحادی ارکیدیہ میں لوٹ آئے۔ اب وسطِ سرما کا زمانہ تھا لیکن اُن کا کام پورا نہ ہوا تھا اور وہ اسپارٹہ کو ایک اور صدمہ پہنچانے کی فکر میں تھے جو پہلے نقصانات سے بھی کہیں زیادہ سخت تھا۔ کیونکہ اب انہوں نے اسپارٹہ کے ایک اور علاقے یعنی قدیم مسینیہ کا رخ کیا اور اُن کے پہنچتے ہی اُس نیم غلام رعایا نے جو قدیم مسینوی نسل سے تھی اسپارٹہ کا طوق حکومت اتار کے پھینک دیا۔ (۳۷۰ و ۳۶۹ ق م)۔ پھر کوہ اتیھومہ کی ڈھلانوں پر اپامننڈس نے ایک نئے شہر مسینہ کی بنیاد رکھی۔ اس قوم کے قدیم سورماؤں کی یاد پھر تازہ کی گئی اور ایک وسیع دَور میں شہر کی نیو کھود کر بانسری کے دلکش ترانوں کے ساتھ پہلا ردّا رکھ دیا گیا اتیھومہ کا قدیم قلعہ بھی شہر کے احاطے میں ایک طرف آ گیا تھا۔ اور اس کی پختہ شہر پناہ پہاڑی کی ڈھلان نیچے کے میدان تک بنائی گئی تھی ؛ اس بدنصیب ملک کو جب آزادی مل گئی اور یہ مستحکم مامن

تیار ہوگیا تو اُن مسنوی جلا وطنوں کو بھی جو دنیائے یونان میں دربدر پڑے پھرتے تھے پھر ایک مرتبہ رہنے کا ٹھکانا مل گیا؛

اس طرح نہ صرف ایک نیا قلعہ تیار ہوگیا بلکہ خاص اسپارٹہ کے علاقے میں اسپارٹہ کا دشمنِ قوی پیدا ہوگیا۔ لقونیہ کے مغربی علاقے اس کی قلمرو سے نکل گئے اور وہاں کے ہلوت و پیری اوکی ایک ایسی ریاست کے آزاد باشندے بن گئے جو اسپارٹہ سے صدیوں کا بغض و کینہ رکھتی تھی؛

اس اثنا میں اسپارٹہ کی التجائے امداد پر اہل ایتھنز نے اپنے شہر کی تمام فوج ایفی کراتیس کے ماتحت مدد کے لئے روانہ کی تھی اور وہ ارکیدیہ تک بڑھ آیا تھا۔ لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ اہل تھبنز اور اُن کے اتحادی لقونیہ سے چلے گئے اور اب اسپارٹہ پر حملے کا خطرہ نہیں رہا؛ اس طرح یہ کوچ تو رائیگاں گیا۔ لیکن مجلس ایتھنز نے عجلت میں پہلے صرف مدد بھیجنے کی منظوری دی تھی۔ اب غور و فکر کے بعد اُس نے اسپارٹہ سے باضابطہ اتحاد کا عہد کرلیا؛

سال آئندہ بھی ارکیدیہ کے اتحادیوں سے اسپارٹہ کے حلیفوں کی لڑائی جاری رہی اور چند مہینے کے بعد پھر بیوشیہ کی فوج لے کے اپامننڈس پلوپنی سس میں داخل ہوا۔ راستے میں اسپارٹہ اور ایتھنز کی فوجوں نے اُسے روکا تھا مگر وہ اُنکی صفیں توڑ کے اپنے اتحادیوں سے آملا اور سکیان اور پلینہ کو بھی اپنے اتحاد میں شامل کرلیا؛ عین اس نازک وقت میں

اسپارٹہ کو سمندر پار سے کمک آئی یعنی اس کے قدیم حلیف شاہ سیراکیوز نے ۲۰ جہاز بھیجے جن میں ۲ ہزار قلطی اور آئی بیری سپاہیوں کی فوج تھی؛ اور غالباً انہی کی آمد سن کر اپامنن ڈس نے جو ابھی تک کوئی خاص کام کرنے نہ پایا تھا وطن کو لوٹ جانا مناسب خیال کیا۔

واضح رہے کہ جو طریق عمل اسپارٹہ کا تھا وہی اب اپنی سیادت قایم کرنے کے لئے تھبنز نے اختیار کیا تھا۔ اُس نے سکیان میں ایک عامل کو مامور کیا۔ اور جس طرح پہلے بیوشیہ کے شہروں میں اسپارٹی فوجیں متعین رہتی تھیں اسی طرح اب پلوپنی سس کے شہروں میں تھبنز کے دستے متعین کر دئے گئے ارکیڈیہ اور مسینیہ اپنے معاملات میں خود مختار ریاستیں تھیں لیکن اہل تھبنز کو اصرار تھا کہ اس خود مختاری کا باعث اور محافظ انہیں تسلیم کیا جائے۔ بُعد مسافت کی وجہ سے اس بات کا بھی چنداں احتمال نہ تھا کہ تھبنز کی سیادت ایسی ناگوار صورت اختیار کر لے گی جیسی کہ اسپارٹہ کی تھی جس کا علاقہ ارکیڈیہ سے ملا ہوا تھا۔ بریں ہم ارکیڈیہ کی متحدہ ریاستیں حقیقی معنی میں آزادی کی طالب تھیں اور ہم آئندہ اُنہیں تھبنز کی سیادت ماننے سے انکار کرتا دیکھیں گے لیکن اس وقت انہیں اُرکومنوس اور ہرائیہ کو اپنے اتحاد میں جبراً شامل کرنا مدنظر تھا۔ چنانچہ جب یہ مقصد حاصل ہوگیا تو پھر انکا اتحاد صحیح معنی میں "بین الارکیدیئین" ہوگیا۔ لقونیہ کے بعض شمالی دیہات کا بھی انہوں نے الحاق کرلیا اور دوسری طرف

تری فیلیہ کی بستیاں جو ایلیس کی حکومت سے بیزار تھیں۔ اُن کے سایۂ حمایت میں آگئیں۔

اہل ارکیدیہ تو یہ سرگرمی دکھا رہے تھے اور اہل اسپارٹہ کو اپنا کوئی زور چلتا نظر نہ آتا تھا۔ حتیٰ کہ سیراکیوز کے حاکم جابر نے دوبارہ جہاز بھیجے اور یہ کمک پا کے انہوں نے مگالوپولس کے میدان کا رخ کیا۔ لیکن یکایک سیراکیوزی فوج کو مقابلہ واپس آنے کے احکام پہنچے اور راستے ہی میں مہم سے ہاتھ اٹھا لینا پڑا۔ واپسی کے وقت دشمنوں نے انہیں پہاڑی دروں میں الگ الگ گھیر لینا چاہا تھا لیکن اسپارٹی سپہ سالار بہ عجلت مدد کو پہنچ گیا اور سخت نقصان کے ساتھ ارکیدیوں کو تتر بتر کر دیا (۳۶۸ق م) اس معرکہ میں ایک لکدمونی سپاہی بھی ضایع نہیں ہوا اور یہ "جنگِ بلا گریہ" کی فتح مشہور ہوی۔ اسپارٹہ میں اس معمولی کامیابی پر جس مسرّت و شادمانی کا اظہار کیا گیا اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ اب اسپارٹہ کس قدر ذلیل و پست ہوگیا تھا؛

اِدھر دولت ایران کے ایک کارندے کی تحریک سے عام امن و صلح کی کوششیں بھی جاری ہوگئی تھیں۔ پہلے دلفی میں ایک مجلسِ مصالحت منعقد ہوی لیکن یہاں باہمی گفتگو کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور ہر ایک ریاست نے علحدہ علحدہ اپنے وکیل پایۂ تخت سوس میں بھیجے۔ اور وہیں سے پلوپی ڈس وہ شاہی فرمان لے کے یونان آیا جس میں سب شرطیں اس کے وطن کی خواہش کے مطابق تھیں:۔

ریاست مسینیہ اور شہر امفی پولس کی خود مختاری تسلیم کی گئی تھی

حالانکہ امفی پولس جیسے کار آمد شہر پر اہل ایتھنز پھر قبضہ کرنے کے منصوبے سوچ رہے تھے۔ ان شرطوں کے علاوہ تری فیلیہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ یہ علاقہ ارکیدیہ سے ملحق نہ ہوگا بلکہ ایلس کا محکوم رہے گا۔ مگر اہل ارکیدیہ نے اپنا قبضہ اٹھانے سے انکار کیا اور تھبنز کی سیادت سے بھی علی الاعلان منحرف ہوگئے؛ اسی کے جواب میں اہل تھبنز نے تیسری مرتبہ پلوپنی سس پر فوج کشی کی اور ایامنن ڈس نے علاقہ اکائیہ سے رشتۂ اتحاد قایم کیا (۳۶۶ ق م) لیکن یہ علاقہ اتحاد میں آنے کے بعد بہت جلد اُن کے ہاتھ سے نکل گیا۔ کیونکہ ایامنن ڈس کی مصالحانہ روش کے خلاف اُس کے ہم وطنوں نے وہاں کے ہر شہر سے حکومت خواص کو دفع کر دینے پر ضد کی اور ہر جگہ کے عمایدین کو شہر بدر کر دیا۔ مختلف شہروں کے یہ جلا وطن بہت جلد یک جا ہو گئے اور انہوں نے ایک ایک کر کے ہر شہر پر دوبارہ قبضہ کرلیا اور جمہوری حکومتیں توڑ کر تھبنز کے امور کردہ حکام کو وہاں سے نکال دیا اس کے بعد یہ علاقہ آئندہ سے اسپارٹہ کا پر جوش حلیف بن گیا۔

غرض ایامنن ڈس کی یہ فوج کشی کچھ سازگار نہ ہوی اور اس کے نتائج تھبنز کے حق میں مضر ثابت ہوے۔ ارکیدیہ سے تعلقات روز بروز زیادہ کشیدہ ہوتے جاتے تھے اور ادھر ایتھنز کو تازہ نقصان یہ پہنچا تھا کہ اسی سال تھبنز کی فوج قصبۂ اروپوس کو اس سے چھین کر خود قابض ہوگئی۔ لہذا جب لیکو میدیس ایتھنز آیا اور ریاست ہاے ارکیدیہ سے متحد ہو جانے پر ابھارا تو اہل ایتھنز

جو اُن کے تھبز کی دوستوں کی طرف سے پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے
فوراً آمادہ ہو گئے اور اس طرح ایک طرف تو وہ اسپارٹہ کے حلیف
تھے اور اب دوسری طرف ارکیدیہ کے حلیف ہو گئے حالانکہ ارکیدیہ
اور اسپارٹہ میں باہم مخاصمت تھی؛ اسی طرح ارکیدیہ کا تھبز اور
ایتھنز دونوں کے ساتھ اتحاد ہو گیا حالانکہ ان دونوں میں لڑائی
جاری تھی؛ لیکو میڈیس کی سفارت تو کامیاب ہوئی لیکن وہ خود
واپس آتے وقت چند جلا وطنوں کے ہاتھ پڑ گیا اور مارا گیا (۳۶۶ ق م)
بے شبہ اس کی یہ ناگہانی موت ارکیدیہ کے لئے بہت بڑا نقصان تھی؛
جس طرح تھبز کا اروپوس پر غاصبانہ قبضہ کر لینا مذکورہ بالا
جدید معاہدات کا سبب ہو گیا تھا اسی طرح جب ایتھنز نے کورنتھ پر
اچانک قبضہ کر لینے کی سازش کی تو یونانی ریاستوں کے باہمی تعلقات
میں ایک اور تبدیلی وقوع پذیر ہوئی؛ کورنتھ کو چھین لینے سے
مقصود یہ تھا کہ جزیرہ نمائے پلوپنی سس کے راستے پر قبضہ
ہو جائے لیکن سازش کا راز کھل گیا اور وہ ناکام رہی۔ اس موقع پر
چونکہ اسپارٹہ مدد دینے کے قابل نہ رہا تھا لہذا اہل کورنتھ نے
مجبوراً تھبز سے صلح کر لی اور اس مصالحت میں اس کی ہمسایہ
ریاست فلیوس اور ساحلِ ارگولس کے اور شہر بھی شریک ہو گئے
ان ریاستوں نے مسینہ کی خود مختاری کو تسلیم کر لیا۔ اور تھبز اور
اس کے اتحادیوں سے اُن کی صلح ہو گئی۔ لیکن اس کے معنی صرف
یہ تھے کہ وہ تھبز اور اسپارٹہ کی جنگ میں آئندہ غیر جانب دار
رہیں گی ورنہ انہوں نے خود تھبز کے ساتھ کوئی جنگی اتحاد

نہیں کیا تھا؛

اس زمانہ میں جنوبی یونان کی صورتِ حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ تھبز کی ریاست، اسپارٹہ اور اُس کے حلیف انیھنز سے بر سرِ جنگ ہے۔ ریاستِ ارگوس، تھبز کی طرفدار ہے۔ مگر علاقہ اکائیہ سرگرمی سے اسپارٹہ کا ساتھ دے رہا ہے۔ دوسری طرف الیس اور ارکیدیہ میں دشمنی ہے اور گو ارکیدیہ اسپارٹہ سے بر سرِ پیکار ہے لیکن تھبز کے ساتھ اس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے ہیں اور مقتول لیکو مدیس کی رہنمائی سے محروم ہونے کے بعد خود اس کی اندرونی ریاستوں میں باہمی نفاق کی مہلک وبا پھیلنے لگی ہے؛

کورنتھ اور دوسری مخالف ریاستوں کے ساتھ صلح ہو جانے کے معنی یہ تھے کہ اب تھبز کے اربابِ حلّ و عقد کو پلوپنی سس کے معاملات پر زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اسپارٹہ پست و سرنگوں ہو چکا ہے اور بیوشیہ کے فرماں رواکو معلوم ہے کہ اب صرف ایتھنز ایسا مقام ہے جس کے ساتھ، سیادتِ یونان کے واسطے اُسے آئندہ شمشیر آزمائی کرنے پڑیگی۔

۳۔ تھبز کی مداخلت شمالی یونان کے معاملات میں

جس سال جانشین شاہ فرایہ نے موت کا ذائقہ چکھا اسی سال اس کے حلیف و ہمسایہ امین تاس شاہِ مقدونیہ نے وفات پائی اور اُس کے جانشین الکزندر نے لارلیسہ اور چند اور شہروں پر

اس بہانے قبضہ کرلیا کہ اگر اُن کی حفاظت نہ کی جائے گی تو اس کا ہم نام شاہ الکزندر انہیں چھین لے گا جو تھسالیہ میں جاسن کا جانشین ہوا تھا۔ غرض ان مظلوم شہروں نے اپنے دونوں دشمنانِ آزادی کے خلاف تھبنز سے فریاد کی اور یہاں سے پلوپی ڈس کو فوج دے کے روانہ کیا گیا، جس نے لاریسہ اور شمالی تھسالیہ کے متعدد شہروں کو تھبنز کے دامنِ حمایت میں لے لیا۔ (۳۶۹ ق م)؛

شاہِ مقدونیہ اس تھبنزی مہم کی کوئی مزاحمت نہ کر سکا کیونکہ اس کی ریاست خود اندرونی خلفشار میں مبتلا تھی یعنی شہر الورُوس کا ایک امیر تولمی نوجوان الکزندر کی اطاعت سے منحرف ہو گیا تھا اور اس کی بغاوت میں خود بادشاہ کی سگی ماں یوری دیکہ اس سے مل گئی تھی۔ فریقین نے نزاع کا فیصلہ کرنے کے لئے پلوپی ڈس کو بلایا جس نے سرسری طور پر فساد کو رفع دفع کرکے مقدونیہ کے ساتھ معاہدۂ اتحاد کرلیا۔ لیکن وہ شاید سرحد سے باہر جانے نہ پایا ہوگا کہ یہاں تولمی نے الکزندر کو قتل کر دیا اور یوری دیکہ سے شادی کرلی۔ اس کے بعد سلطنت کا ایک اور مدعی پیدا ہوا۔ اور اب یوری دیکہ کو یہ فکر ہوی کہ کسی طرح اپنے بیٹے پردکاس کی وراثت کا اطمینان ہو جائے اسی غرض سے اُس نے ایتھنزی بیڑے کی مدد طلب کی جو ایفی کراتیس کے ماتحت تھا۔ مگر اہل تھبنز نے ٹھان لی تھی کہ مقدونیہ میں اپنے رقیب ایتھنز کے قدم نہ جمنے دیں گے۔ چنانچہ ایک مرتبہ پھر پلوپی ڈس نے شمال میں فوج کشی کی اور تولمی کو

جو نائب السلطنت تھا تھبنز سے متحد ہونے پر مجبور کیا اور بطریق ضمانت بہت سے یرغمال اپنے ساتھ لے آیا۔ (۳۶۸ ق م)۔ انہی نوجوان امیرزادوں میں جو معاہدۂ اتحاد کی ضمانت میں تھبنز بھیجے گئے تھے وہ لڑکا **فیلپ** (یا **فیلقوس**) بھی شامل تھا جس کے نصیب میں مقدونیہ کو عروج دینا لکھا تھا۔ گویا اسی کام کی تربیت حاصل کرنے، وہ اب خاص **اپامننڈس** کی نگرانی میں بیوشیہ کی جنگی درس گاہ میں داخل ہوا؛

مقدونیہ کو تھبنز کے زیر سیادت لانے کے بعد **پلوپی ڈس** واپسی میں **الگزنڈر** شاہ فرایہ سے ملنے گیا۔ لیکن یہ مطلق العنان جابر اسی زمانے میں ایتھنز سے پیمانِ اتحاد کر چکا تھا۔ اور اس نے اپنے ملاقاتی کو بطور یرغمال حراست میں لے لیا؛ فوراً بیوشیہ سے فوج روانہ ہوئی کہ اپنے نامور قیدی کو اس ناگہانی بلا سے چھڑائے لیکن سمندر کی راہ سے ایک ہزار ایتھنزی جوان الگزنڈر کی مدد کو پہنچ گئے۔ اور حملہ آوروں کو پسپا ہونا پڑا؛ **اپامننڈس** اس وقت معمولی پیادے کی حیثیت سے شریک جنگ تھا لیکن محض اس کی موجودگی نے فوج کو تباہی سے بچا لیا۔ سپاہیوں نے بالاتفاق درخواست کی کہ اس وقت فوج کی سپہ سالاری وہ اپنے ہاتھ میں لے۔ چنانچہ وہی نہایت ہنرمندی کے ساتھ انہیں ایک خطرناک موقع سے نکال کر کسی نہ کسی طرح صحیح سلامت واپس ہٹا لایا۔ اس کارنمایاں کے صلے میں عہدۂ سپہ سالاری پر دوبارہ اسی کا انتخاب ہوا اور وہ ایک تازہ دم

فوج لے کے پھر اپنے دوست کو چھڑانے تھسالیہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس وقت ضرورت یہ تھی کہ الکزنڈر پر سخت دباؤ ڈالا جائے لیکن ساتھ ہی اُسے اتنا عاجز بھی نہ کر دیا جائے کہ وہ غضب ناک ہوکر اپنے قیدی پر کوئی ایسی سختی کر گزرے جس کی تلافی ممکن نہو مگر اپامنن ڈس کی چالاکی اور جنگی چالوں سے یہ دشوار مقصد برآیا اور ایک مہینے کی ہنگامی صلح کے عوض میں پلوپی ڈس کو رستگاری حاصل ہو گئی۔

لیکن اب ہمیں ایتھنز کی طرف توجہ کرنی چاہئے جو پھر مشرقی ایجین میں مداخلت کر رہا تھا اور اُسے یہ موقع اپنے دوست آریوبرزنیس والئ افروجیہ کی بغاوت کے طفیل حاصل ہوا تھا۔ جزیرۂ ساموس پر پہلے دولتِ ایران نے عہد نامہ بادشاہی کے خلاف قبضہ کرلیا تھا۔ اب ایتھنز نے اپنے تجربہ کار سپہ سالار تیموتیوس کو ۳۰ جہاز اور ۸ ہزار سپاہی دے کے بھیجا (۳۶۶ق م) اور دس مہینے کے محاصرے کے بعد اسے مسخر کرلیا اسی کے ساتھ اُس نے ایران کے باغی صوبے دار آریوبرزنیس کو بھی مدد دی اور اس کے معاوضے میں قلعۂ سستوس اُسے واپس مل گیا (۳۶۵ق م) اس قلعہ کا قبضہ خاص طور پر ایتھنز کے مفیدِ مطلب تھا کیونکہ وہ آبنائے دردانیال پر عین اُن جہازوں کی گزرگاہ پر واقع تھا جو سواحلِ افشتین سے غلہ لے کر ایتھنز آتے تھے۔ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ اب ایتھنز کا پھر خرسونیس (علاقہ تھریس یعنی موجودہ جزیرہ نمائے گیلی پولی) میں تسلط

ہوتا جاتا تھا۔ بہ الفاظ دیگر، وہ اپنی قدیم سلطنت کی از سر نو تعمیر کر رہا تھا اور اُس کی نیّت ساموس کے واقعات سے بخوبی ظاہر ہوگئی تھی کہ اس جزیرہ کو محکوم اتحادی بنانے کے بجائے اُس نے وہاں اپنے باشندے بھیج کر آباد کردئے۔ اور نوآبادیوں کا (یعنی کلرو کی یا قطعہ داری کا) پھر وہی طریقہ جاری کیا جو اتحادِ دلوس کے زمانے میں حلیفوں کی سخت بیزاری کا سبب ہوا تھا اور دوسرے اتحاد کے وقت صراحت کے ساتھ اُس کی تجدید ممنوع قرار دی گئی تھی۔

ادھر تیموتیوس کو شمالی یونان میں بھی برابر کامیابی حاصل ہوتی رہی۔ اُس نے متھونہ اور پیدنہ کو جبراً اتھنز کا حلیف بنایا۔ اور اس کے بعد جزیرہ نمائے کالسی ڈیس میں بھی پتی دیہ اور تردان پر قابض ہوگیا۔ (۳۶۴ تا ۳۶۲ ق م)۔

اتھنز کی یہ کشور کشائیاں دیکھکر تھبز کسی طرح خاموش نہ رہ سکتا تھا۔ اُسے نظر آرہا تھا کہ اگر تیموتیوس کی فتوحات کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو کچھ عجب نہیں کہ تھوڑے ہی دن میں یوبیہ پر بھی دوبارہ اتھنز کا تسلّط ہو جائے۔ اور یہ جزیرہ بیوشیہ سے اس طرح ملا ہوا تھا کہ اس پر حریف کا قبضہ تھبز کے لئے کچھ قابلِ تردّد بات نہ تھی؛ لیکن اپنے ہمسایہ رقیب کی چیرہ دستی روکنے کے لیے ضروری تھا کہ اُس کے ساتھ اُسی کے ہتیار سے مقابلہ کیا جائے۔ پس اپامنن ڈس کی تحریک سے اہل تھبز نے بحری میدان میں آنے اور جنگی جہاز تیار کرنے کا فیصلہ کیا

چنانچہ ۳۶۴ ؁ء میں سو جہاز (سہ طبقہ) تیار ہو گئے اور انہیں بحری سپاہ فراہم کرکے بحیرۂ مرمورہ کی طرف روانہ کردیا گیا۔ اس بیڑے کا یہ گشت ایتھنز کے حق میں نہایت مضر ثابت ہوا۔ کیونکہ اُس نے اُن ریاستوں کی قوت اور ہمت بڑھائی جو ایتھنز کے حلقہ اتحاد سے نکلنے کا موقع تلاش کر رہی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بازنطہ نے علانیہ بغاوت کی۔ رودس اور خیوس نے اپامنن ڈس کے ساتھ نامہ و پیام شروع کردئے اور جزیرہ کیوس نے بھی جو ایٹی کا سے بہت قریب ہے تمرّد اختیار کیا۔ لیکن اسے کاب ریاس نے بہت جلد دوبارہ مطیع کرلیا۔

ادھر تھیبز کی بڑی فوج ایتھنز کے حلیف الگزندر شاہ فرایہ پر چڑھائی کر رہی تھی؛ اس بادشاہ نے اجیر سپاہی بھرتی کرلیے تھے اور اُن کی مدد سے اہل تھسالیہ پر بہت سختیاں کر رہا تھا؛ غرض پھر ایک دفعہ اور اب کے آخری مرتبہ پلوپی ڈس تھسالیہ میں داخل ہوا۔ اور خاص فرایہ کی جانب بڑھا (۳۶۴ ؁ ق م) اُدھر سے الگزندر بہت بڑی فوج لئے ہوے نکلا کہ اُن بلندیوں پر قبضہ کرلے جو سینوسفالی (یعنی کتّوں کے سر) کہلاتی تھیں۔ کیونکہ فرسالوس سے جو راستہ فرایہ کو آتا ہے اس پر اہل تھیبز کی پیش قدمی روکنے کے لئے یہ نہایت باموقع مقام تھا۔ مگر اُس کے پہنچتے پہنچتے دشمن کی فوج بھی اس کانٹے کے مقام سے قریب آگئی تھی اور سامنا ہوتے ہی دونوں طرف کے سپاہی جھپٹے کہ بلندیوں پر خود قابض ہو جائیں۔ آخر پیادہ و سوار

دو نوں کو لے کر پلوپی ڈس نے دھاوا کیا اور دشمن کو دھکیل کر چوٹی تک جا پہنچا۔ لیکن عین ظفر مندی کے عالم میں اس کی نظر اُس جابر ملعون پر پڑ گئی جس نے اسے بہت دن تک زندانِ بلا میں ڈالے رکھا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی وہ اس درجہ از خود رفتہ ہوا کہ فرائض سپہ سالاری بھی یاد نہ رہے اور بجلی کی طرح اپنے دشمن پر ٹوٹ کے گرا۔ الکزندر نے ہٹ کر فوج خاصہ کی پناہ لی اور پلوپی ڈس جو اُس کے پیچھے صفوں میں گھستا چلا جاتا تھا تعدادِ کثیر میں گھر کے بے بس ہوگیا۔ اس کی موت لڑائی کے حق میں کچھ مضر ثابت نہ ہوئی اور تھبنز کی فوج نے غنیم کو سخت شکست دی باایں ہمہ اس کا مارا جانا تھبنز کے دل پر بڑا داغ تھا اور تھسالیہ کو بھی اُس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ یعنی دوسرے سال اہل تھبنز نے پلوپی ڈس کا انتقام لینے کے لئے فرایہ پر دو بارہ فوج کشی کی۔ الکزندر سے بجبر شہر فرایہ کا تمام علاقہ چھین لیا گیا اور اُسے تھبنز کی سیادت قبول کرنی پڑی ؛

۴ — جنگِ مان تینیا

ارکیڈیہ کے اتحاد کی خیر نظر نہ آتی تھی کیونکہ اندرونی نفاق کے علاوہ ایلس بھی درپئے تخریب تھا اور تری فیلیہ کا علاقہ دوبارہ لینے کی غرض سے اسپارٹہ کا حلیف ہوگیا تھا۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے اہل ارکیڈیہ نے قصد کیا کہ آئندہ اولمپی تہوار کی بازیوں کا اہتمام ایلس کی صدارت میں نہ ہونے دیں۔ چنانچہ اِس غرض سے

انھوں نے ریاست پیسًا کا قدیم دعویٰ از سرِ نو پیش کیا۔ حالانکہ یہ دینی خدمت انجام دیتے دیتے اب ایک زمانے سے منصب صدارت الیس کے ساتھ مخصوص ہوگیا تھا؛ بایں ہمہ اہل ارکیدیہ نے کچھ فوج بھیج کر پہلے تو اولمپیہ کے اوپر کرونوس نامی پہاڑی کو مورچہ بند کرلیا اور اس کے بعد جب تہوار کا زمانہ آیا تو اتحادیوں کا پورا لشکر جس میں ایتھنز وارگوس کے امدادی دستے بھی شامل تھے، حفاظت کے لئے آگیا۔ اور بازیاں شروع ہوئیں۔ گھوڑ دوڑ ہوچکی تھی اور "پنتا اتھلاں"، یعنی پانچ کرتب کا مقابلہ ہو رہا تھا (جس میں دوڑ، کشتی، ساٹنگ[۱] پھینکنا، چکر پھینکنا اور کودنا داخل ہے) کہ الیس کی سپاہ نمودار ہوئی اور بڑھکر اتحادیوں پر حملہ کیا۔ (۳۶۴ق م) لڑائی میں اُن کی کچھ پیش نہ جا سکی اور پسپا ہونا پڑا لیکن ان متبرک ایّام میں جدال و قتال حرام سمجھے جاتے تھے اور تمام یونان کو اس واقعے کا سخت صدمہ ہوا۔ ابتدا سے سب الیس کو بر سرِ حق اور مظلوم سمجھے تھے اور جب ارکیدیہ والوں نے ایک تازہ ستم یہ کیا کہ اولمپیہ کے مذہبی خزانوں کو سپاہیوں کی تنخواہ پر صرف کرنے لگے تو اس وقت اُن سے لوگ اور زیادہ ناراض ہوگئے؛

اتحادیوں میں باہمی حسد پہلے سے موجود تھا۔ مذکورہ بالا اہانتِ مذہبی کا حیلہ ملا تو مان تینیا نے اتحاد کا ساتھ چھوڑنے میں سبقت کی باہمی فساد کی ایک اور بنا یہ پیدا ہوئی کہ اتحادیوں کے ایک گروہ نے علانیہ تھبز کی رفاقت چھوڑ کر اسپارٹہ سے

---

[۱] ساٹنگ (جیولن)۔ چھوٹی برچھی جسے ہاتھ سے پھینک کر مارتے تھے ۔ م

مل جانے پر زور دینا شروع کیا اور بیوشیہ والوں نے پلوپنی سس میں اپنا اقتدار قایم رکھنے کی غرض سے چوتھی مرتبہ فوج کشی کی۔ (۳۶۲ق م) اور اُن کا سپہ سالار اپامنن ڈس بڑھ کر تگیا تک آپہنچا؛ اتحادیوں کی فوجیں تگیا کے حریف، شہر مان تینیا میں مجتمع ہو رہی تھیں لیکن یہ سن کر کہ شاہ اجسی لوس فوج لے کر چل پڑا ہے، اپامنن ڈس نے اسپارٹہ پر ایک اور ضرب لگانے کا ارادہ کیا اور اگر ایک تیز پا کریتی ہرکارہ فوراً یہ خبر اجسی لوس کو نہ پہنچا دے تو اپامنن ڈس شہر اسپارٹہ کو "چڑیا کے بے کس بچوں کے آشیانے،، کی طرح بالکل غیر محفوظ حالت میں آدباتا۔ لیکن اس کے ارادوں کا حال سنتے ہی اجسی لوس الٹے پاؤں واپس پھرا اور جب راتوں رات سفر کر کے دشمن اسپارٹہ پہنچا تو اہلِ شہر خبردار اور مدافعت کے لئے تیار تھے! اس خلاف امید اور محض تقدیری ناکامی نے اپامنن ڈس کو ضرور پریشان کیا لیکن اس نے فوراً ایک اور چھاپہ مارنے کی تجویز سوچ لی اور بہ عجلت تگیا پہنچ گیا پیادہ فوج کو تو آرام لینے کے لئے یہیں ٹھہرایا اور سواروں کو مانتینیا بھیجا کہ اس شہر پر بے خبری کی حالت میں حملہ کریں۔ کیونکہ اُس نے سوچ لیا تھا کہ مان تینیا کی فوجیں اسپارٹہ کو بچانے کے لئے شہر سے ضرور روانہ ہو چکی ہوں گی۔ اس کا قیاس درست تھا اتحادی فوج مان تینیا سے کوچ کر چکی تھی۔ شہر خالی تھا اور باقی ماندہ باشندے بھی فصل کی تیاریوں میں مشغول اور اپنے اپنے کھیتوں میں باہر چلے گئے تھے؛ لیکن تقدیر نے یہاں بھی دغا دی۔ یعنی جس وقت تھبزی سوار جنوب سے شہر کے قریب پہنچے

اسی وقت ایتھنزی سواروں کا ایک دستہ شہر میں داخل ہوا تھا اور یہ سوار ابھی کمر کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ دشمن کے آنے کی اطلاع ہوی اور وہ اسی طرح بھوکے پیاسے پھر گھوڑوں پر چڑھ چڑھ کے دوڑے اور حملہ آوروں کو پسپا کر دیا۔

اسپارٹہ سے بلاٹل جانے کا حال سن کر اتحادی فوجیں بھی اپنے پہلے مستقر پر واپس آئیں اور اب اسپارٹہ اور ایتھنز کے امدادی دستے اُن کی جمعیت میں اور مل گئے۔ ادھر اپامنن ڈس کو اچانک حملے کے ارادے میں دونوں دفعہ ناکامی ہوی تو اُس نے مجبور ہوکر دشمن کی متحدہ افواج سے میدانی لڑائی لڑنے کا قصد کیا اور مان تینیا پر پیش قدمی کی۔ اتحادی سپاہ نے شہر کے جنوبی میدان کے اُس حصے میں قدم جما رکھے تھے جہاں دونوں طرف سے پہاڑیاں آکر مل گئی ہیں اور میدان کا ایک تنگ کونا بن گیا ہے۔ اپامنن ڈس کے پیش نظر یہ تھا کہ اس فوج کو سامنے سے دھکیلتا ہوا شہر میں گھس جائے۔ لیکن سیدھا بڑھنے کی بجائے وہ شمال مغرب کی طرف پہاڑی کے اس مقام تک بڑھا جہاں آج کل تزی پولت زا کی بستی بس گئی ہے۔ پھر پہاڑی کے کنارے کنارے اس طرح چلا کہ دشمن کے دائیں پہلو کے مقابل پہنچ جائے اور آخر اس رُخ پہنچ کر وہ ٹھیرا اور لڑائی کے لئے صفوں کو ترتیب دینے لگا۔ حالانکہ غنیم اُسے کترا کے پہاڑی کی طرف جاتا دیکھکر اس دھوکے میں آگیا تھا کہ وہ آج حملہ نہ کریگا۔

اس لڑائی میں بھی اپامنن ڈس نے وہی جنگی تدابیر اختیار کیں

جن سے وہ لیوک ترا کا معرکہ جیتا تھا۔ یعنی میسرے پر ایک دوسرے کے عقب میں پیادوں کی متعدد صفیں قایم کیں۔ اور ان کے لڑانے کا کام بھی خود اپنے ہاتھ میں لیا؛ اس ترتیب کا مدعا یہ تھا کہ باقی ماندہ فوجوں کے ملنے سے پہلے وہ ریلا دیکر غنیم کا میمنہ درہم برہم کر دے ادھر حُسنِ اتفاق سے دشمن جو اس کی ترچھی چال سے پہلے ہی دھوکے میں تھا، دیر تک اس کی صف بندی کا مقصد نہ سمجھ سکا۔ کیونکہ اپامنن ڈس کی فوج ایسے رخ پر پہنچ گئی تھی جہاں اوس کا میسرہ دشمن کے میمنے سے قریب تھا۔ لیکن اس کا میمنہ دشمن کے میسرے سے نسبتاً کہیں دور ہٹا ہوا تھا اور لکدمونی سپاہ اور اُن کے حلیفوں کی اس کوتاہ بینی پر خیرت ہوتی ہے کہ جب تک اپامنن ڈس صفیں درست کرکے ان کی طرف نہ بڑھا وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکے اور صرف اس وقت جبکہ وہ سر پرہی آتا ہوا نظر آیا، ہتیار سنبھال سنبھال کر غل مچاتے ہوئے دوڑے؛ لڑائی میں سب صورتیں وہی پیش آئیں جن کو اپامنن ڈس نے پہلے سے سوچ لیا تھا یعنی اس کے سواروں نے دشمن کے سواروں کو پسپا کر دیا اور پیادوں کی پیوستہ صفوں کا شلثی گروہ جسے خود وہ لڑا رہا تھا مقابل کی صفوں میں گھس گیا۔ اور لکدمونیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ حقیقت میں یہ بات تعجّب سے خالی نہیں ہے کہ اہل اسپارٹہ نے لیوک ترا کا سبق اتنی جلدی بھلا دیا اور ٹھیک انہی چالوں سے یہاں شکست کھائی۔ بہر حال انہیں فرار ہوتے دیکھا تو اکائیہ، ایلس اور باقی ماندہ فوجوں کے بھی

جی چھوٹ گئے۔ اور صفِ مقابل سے ملنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔

یہ تھبنز کی بہت بڑی فتح تھی۔ لیکن تقدیر سے اسی جنگ میں وہ اتفاقی حادثہ پیش آیا جس نے تھبنز کی سالہا سال کی محنت کو خاک میں ملا دیا اور اس کے اقتدار کو ایسا صدمہ پہنچایا جس کی پھر تلافی نہ ہو سکی۔ یعنی اپامنن ڈس نے جو اپنے سپاہیوں کے آگے آگے دشمن کے تعاقب میں بڑھ رہا تھا، برچھی کا ایک کاری زخم کھایا اور اس کی خبر عام ہوتے ہی فوجیں ٹھٹک کر رہ گئیں فتح کا اثر غارت ہو گیا اور تعاقب کرتے کرتے تھبنزی فوج کسی شکست خوردہ سپاہ کی طرح پیچھے ہٹنے لگی۔ کیونکہ اس کی جگہ لینے والا کوئی نہ تھا۔ اس مہلک انی کے نکالے جانے سے قبل اس نے یولے ڈس اور دے فان توس کو طلب کیا۔ جنہیں وہ اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا۔ لیکن لوگوں نے بتایا کہ وہ دونوں کام آچکے ہیں یہ سن کر اُس نے کہا "تو تم دشمن سے صلح کر لو"، چنانچہ ان شرائط پر انہوں نے صلح کر لی کہ جنگ سے پہلے جو حالت تھی آئندہ بھی وہی رہے گی؛ بایں ہمہ تھبنز کی حکمت عملی کی سب سے مستقل یادگار مٹنے والی نہ تھی۔ یعنی دشمن کو مسینہ اور مگالوپولس کی آزادی تسلیم کرنی پڑی۔

ہرچند اپامنن ڈس کی غیر معمولی ذہانت، پاکیزہ اخلاق اور کارہائے نمایاں کی عظمت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر اس نے کوئی پائیدار یادگار نہیں چھوڑی؛ بیوشیہ کو بڑی ضرورت ایک ایسی منتظم

اور قابل جماعت کی تھی جو ممالکِ خارجہ کے معاملات کو خاطر خواہ سرانجام کر سکے۔ اپامنن ڈس نے اس کا کوئی بندوبست نہیں کیا۔ اور نہ اُس نے اس مسئلہ پر کچھ زیادہ توجّہ کی کہ آیا بیوشیہ کو ایک بحری طاقت بننے کی سعی کرنی چاہئے یا نہیں؟ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ خود اہل بیوشیہ کو صحیح معنی میں ایک قوم نہ بنا سکا؛ اس نے جو کچھ کیا تھا وہ اس کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو گیا اور خلاصہ یہ ہے کہ اپامنن ڈس ایک بڑا سپہ سالار تھا لیکن بڑا مدبّر نہ تھا؛

باب پانزدہم

۱۔ سلینوس اور ہیمرا (صقالیہ) کی بربادی

سلامیس اور ہیمرا کی فتوحات قریب قریب ایک ساتھ حاصل ہوی تھیں۔ مشرق و مغرب کے دو نوں معرکوں میں ایشیائی ملچھوں کو یونانیوں نے پسپا کر دیا تھا اور پھر یہ حملہ آور بہت دن تک یونان کے مقابلہ میں سر نہ اُبھار سکے تھے۔ لیکن دولتِ ایران اور قرطاجنہ نے جب مشرقی اور مغربی یونان کی ریاستوں میں باہم خوں ریزی اور خانہ جنگی کا طوفان بپا دیکھا تو ایران کی طرح قرطاجنہ بھی پھر یونانی علاقوں پر ہاتھ بڑھانے لگا۔

لیکن واقعات کا سلسلہ درست رکھنے کے لئے ہمیں صقالیہ کی تاریخ کو پھر وہاں سے شروع کرنا چاہئے جہاں ہم نے اُسے چھوڑا تھا اور اہل قرطاجنہ کی شکست و ناکامی کے بعد اُس اندرونی انقلاب پر

نظر ڈالنی چاہئے جو سیراکیوز کے نظام حکومت میں واقع ہوا تھا۔ یعنی فتح سلامیس کے بعد جس طرح اتھنز میں جمہوری تحریک پیدا ہوئی اسی طرح سیراکیوز میں بھی ہیمرا کی جنگ کے بعد جمہوریت کا غلبہ ہوا اور وہاں کے سب سے نامور شہری ہرموکراتیس کو جب کہ وہ بیڑا لے کے اسپارٹہ کو مدد دینے وطن سے باہر گیا ہوا تھا، اس کے حریف ڈایوکلیس کی تحریک پر خارج البلد کر دیا گیا کیونکہ اس میں شک نہیں کہ ہرموکراتیس حکومت خواص کا بڑا حامی تھا۔ خاص اسی زمانہ میں (۴۱۰ ق م) سگستا اور سلینوس کی ریاستوں میں باہمی نزاع ہوئی اور اہل قرطاجنہ کو دوبارہ صقالیہ پر فوج کشی کا حیلہ ملا کیونکہ سگستا نے قرطاجنہ سے فریاد کی تھی۔ وہاں اس وقت ہنی بال "حاکم عدالت" تھا اور وہ اسی ہملکار کا پوتا تھا جو ہیمرا کی گذشتہ جنگ میں مارا گیا۔ قرطاجنہ میں ایسے حاکم عدالت یا قاضی شوفت کہلاتے تھے اور ان کا سلطنت میں بہت کچھ اقتدار ہوتا تھا۔ پس ہنی بال کی تحریک پر ایک بڑی مہم سلینوس کے خلاف روانہ کی گئی۔ (۴۰۹ ق م) اور یہ شہر جس کے جنگی استحکامات بھی کافی مضبوط نہ تھے، فتح کرکے بالکل منہدم کر دیا گیا اور اس کے باشندے قتل کرا دئے گئے۔ اس کام سے فراغت حاصل کر کے ہنی بال نے ہیمرا کا رخ کیا کہ در اصل اس شہر سے اس کو اپنے دادا کا انتقام لینا تھا۔ حملہ آوروں کے پہنچتے پہنچتے اہل شہر کو تیاری کا وقت مل گیا تھا۔ اور ڈایوکلیس کے ماتحت سیراکیوز سے بھی مدد آگئی تھی۔ لیکن اہل قرطاجنہ نے جنگی چال سے ڈایوکلیس کے جہازوں کو

تین دن تک دوسری طرف لگائے رکھا اور ٹھیک اس وقت جب کہ یہ جہاز واپس ہوکر ساحل کے سامنے پہنچ رہے تھے، جان پر کھیل کر حملہ کیا اور شہر کو تسخیر کرلیا۔ دادا کی روح کو خوش کرنے کے لئے ہنی بال نے تین ہزار اسیرانِ جنگ کے سر قلم کرائے اور شہر کو تڑوا کے زمین کے برابر کرا دیا۔

۲— ڈایونی سیس کا اقتدار

اہل قرطاجنہ کو تمام یونانی صقالیہ کے فتح کرنے کی دُھن لگی ہوئی تھی لہذا چند سال کے بعد ہی انہوں نے پھر فوج کشی کی اور اکراگاس پر حملہ کیا (۴۰۶ق م) جو اُس زمانے میں اپنے انتہائے عروج پر تھا۔ اندرونی مدافعت کا انتظام اسپارٹہ کے ایک سردار دکسیپوس کے ہاتھ میں تھا اور محاصرہ شروع ہوئے زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ سیراکیوز کی فوج نجات دلانے آپہنچی اور حملہ آوروں کو شہر پناہ کے باہر شکست دی۔ قرطاجنہ کی فوج ہنی بال اور ہمیل کو کے ماتحت تھی اور کچھ اس شکست اور کچھ قلتِ رسد کی وجہ سے اب اُس کی خیر نظر نہ آتی تھی۔ لیکن ہنی بال نے وہ جہاز جو محصورین کے لئے رسد لا رہے تھے راستے میں پکڑ لئے جس سے پانسہ پلٹ گیا اور اجیر سپاہی محصورین کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کے بھاگنے لگے۔ اہل شہر بھی رات کے وقت شہر سے نکل گئے اور اکراگاس دولتِ قرطاجنہ کے قبضے میں آگیا۔

ان واقعات نے اہل سیراکیوز کو صقالیہ کی آئندہ سلامتی کی طرف سے

نہایت متردد و اندیشہ مند کردیا اور اسی ملکی خطرے کے وقت وہاں ڈایونی سیئس نامی ایک شخص کو اپنے حصول جاہ کے ارمان پورا کرنے کا موقع نظر آیا۔ یہ مجہول النسب شخص سرکاری دفتر میں معمولی منشی تھا۔ اور اکرگاس کی شہر پناہ کے سامنے اپنی سرگرمی اور بہادری کے جوہر دکھا چکا تھا؛ اُس نے تاڑ لیا تھا کہ اس کے وطن کی جمہوری حکومت میں کوئی قوت و اہلیّت نہیں ہے۔ اور اُس نے اِس کا خاتمہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔ چنانچہ صورت حالات پر غور کرنے کے لئے اہل شہر کا ایک جلسہ منعقد ہوا تو ڈایونی سیئس اٹھا اور ایک تیز و تُند تقریر میں اپنے سپہ سالاروں کو غداری کا الزام دیا۔ اورجب انہیں معزول کرکے ایک نئی جماعت مامور کی گئی تو وہ بھی اس میں شامل تھا؛ مگر یہ اُس کی منزلِ مقصود یعنی شخصی بادشاہی کے راستے کا صرف پہلا مرحلہ تھا۔ اور اب اس نے بہت جلد اپنے ہم منصبوں کو رسوا کرنا شروع کیا اور اس قسم کی خبریں مشتہر کردیں کہ وہ سیراکیوز کے بدخواہ ہیں۔ پھر چند ہی روز میں علانیہ اُن پر الزام قائم کئے۔ اور لوگوں نے سب کو ہٹا کر سپہ سالاری کے تمام اختیارات تنہا ڈایونی سیئس کو دے دئے کہ وہی آنے والے خطرے کا انسداد و دفیعہ کرے؛

حصولِ بادشاہی میں اب دوسرا مرحلہ اپنے لئے فوج خاصہ کی منظوری لینا تھا۔ اور بے شبہ سیراکیوزی مجلس حکومت جابرہ کی یہ چلتی چھری اُس کے ہاتھ میں کبھی نہ دیتی۔ مگر اُس نے فوج کو لیون ٹینی چلنے کا حکم دیا۔ اس شہر کو اہل سیراکیوز نے اپنا محکوم بنا رکھا تھا

اور اسی کی فصیل کے باہر ڈایونی سئیس نے خیمے نصب کرائے۔ پھر رات کے وقت یہ افواہ اُڑی کہ کسی نے سپہ سالار کی جان لینے کا ارادہ کیا تھا۔ اور دوسرے دن مجلس کا انعقاد ہوا جس میں ڈایونی سئیس نے اپنے دشمنوں کے منصوبے ظاہر کئے اور اپنی ذات کے واسطے ۶ سو سپاہیوں کی فوج خاصہ رکھنے کی اجازت حاصل کرلی۔ جب اس کی منظوری مل گئی تو پھر اِن اجیر سپاہیوں کو اپنے سے ملا لینا ایک معمولی بات تھی۔

مطلق العنانی کے راستہ میں اُسے یہی تین منزلیں پیش آئیں جنہیں اُس نے طے کرلیا۔ جمہوری نظامِ حکومت کو علانیہ منسوخ کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی اور نہ ڈایونی سئیس نے بظاہر کوئی ایسا عہدہ حاصل کیا تھا جو اُس آئین کے خلاف سمجھا جاتا۔ اُسے اصلی حکومت سے غرض تھی اور ایتھنز کے جابر پی سِس تراتوس کے عہد حکومت کی طرح ظاہری طور پر کسی بات میں فرق نہ آیا تھا۔ مجلس کے اجلاس بھی ہوتے تھے۔ منظوریاں بھی دی جاتی تھیں اور پہلے کی طرح عمّال کا بھی وہی انتخاب کرتی تھی۔

ڈایونی سئیس کی اس غصب حکومت میں جواز کا پہلو صرف یہ ہوسکتا تھا کہ اس کے وطن کو ایک ایسے مرد میدان کی ضرورت ہے جو اس وقت قرطاجنہ کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوجائے۔ اور اس کی اہلیت کا ثبوت دینے، وہ حکومت حاصل کرتے ہی ایک بڑا بیڑا اور فوج لے کے گلا کو چھڑانے بھی چلا جسے حملہ آور پہلے سے محصور کرچکے تھے۔ لیکن اُس کی بے دلی کے باعث حملے میں ناکامی ہوئی

اور اس نے لوگوں کو شہر خالی کرنے کا حکم دے دیا۔ اسی طرح واپسی میں اُس نے شہر کماریناؔ کو خالی کرادیا۔ اور جب اہل سیراکیوز ان حرکتوں سے بیزار ہوکر اُس سے بگڑ بیٹھے تو وہ جبراً شہر میں داخل ہوگیا۔ اور اس کے بعد قرطاجنہ سے صلح کرلی جس کی یہ شرائط اندر ہی اندر غالباً پہلے ہی سے طے ہوگئی تھیں کہ قرطاجنہ کا اُس کے تمام مفتوحہ مقامات پر قبضہ برقرار رہے گا اور ڈایونی سئیس کو سیراکیوز کا بادشاہ تسلیم کرلیا جائے گا؛

غرض وقت کے وقت اس نے قرطاجنی دشمنوں کو دوست بنا کے اپنا مطلب نکال لیا اور شہر کے بنانے میں بھی جس سے آئندہ انہی کے خلاف کام لینا تھا اُن کی مدد حاصل کرلی اور اپنے عہد حکومت میں رفتہ رفتہ سیراکیوز کو سواحلِ متوسط (یا بحر روم) پر یورپ کی سب سے ممتاز سلطنت بنادیا؛

اُس کی شخصی حکومت تا زیست ۳۸ برس رہی۔ اس مدت میں جمہوریت کے ظاہری آئین قایم رہے اور رسمی طور پر خود اُس کا بھی ہرسال انتخاب کرلیا جاتا تھا؛ بادشاہی کا اصلی دار و مدار مشاہرہ یاب فوج خاصہ پر تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ ڈایونی سئیس اپنے اختیارات دور اندیشی کے ساتھ کام میں لاتا تھا اور اس کے اتنے عرصے تک بامُراد مطلق العنان رہنے کا خاص سبب یہی ہے۔ وہ صرف سیاسی اغراض کی خاطر ظلم وستم کرتا تھا۔ ذاتی خواہشات کے لئے اُس نے کبھی زیادتی نہیں کی اور کسی کو اس طرح نہیں ستایا کہ اُس کے وارث یا احباب ڈایونی سئیس کو مارنے پر آمادہ ہو جاتے؛

اُس کا پہلا کام اپنے لئے ایک محفوظ و مصئون حصار تیار کرنا تھا جزیرہ سیراکیوز کو آنبائے پاٹ کے ساحل سے پہلے ملا دیا گیا تھا اس راستے کا اُس نے بندوبست کیا اور فصیل کھینچ کر جزیرہ کو ایک علٰحدہ قلعہ بنا لیا جس میں داخل ہونے کے لئے اب پانچ دروازوں سے گزرنا پڑتا تھا؛ چھوٹی بندرگاہ پر بیڑے کا سلاح خانہ تھا اسے بھی اس نے قلعے کے اندر لے لیا۔ اور سمندر میں بند باندھ کر اتنا راستہ چھوڑ دیا کہ اُس میں سے صرف ایک جنگی جہاز گزر سکتا تھا؛ اُس کے بعد ڈایونی سیئس نے مخالفین کے مال ضبط کرکے اپنے ہوا خواہوں کو انعام اکرام اور غلاموں کو آزادیاں دیں کہ وہ اس کے وفادار رہیں اور ان کاموں سے فرصت پا کے وہ کشور کشائی کی طرف متوجہ ہوا؛ صقالیہ کی آیونی بستیوں میں نکسوس اور کتانہ پہلے شہر تھے جن پر دغا سے اس کا قبضہ ہوگیا۔ اُن کے باشندے لونڈی غلام بنا کے اُس نے فروخت کر دیئے اور نکسوس کو مسمار کرا دیا؛ لیون تینی نے اطاعت قبول کی ور اس کے باشندے سیراکیوز میں منتقل کرلئے گئے؛ یہ بات قرطاجنہ کے خلاف منشا تھی اور اسی کے ساتھ جنگ کے حفظ ماتقدم میں ڈایونی سیئس نے وسیع پیمانے پر شہر میں جنگی استحکامات تیار کرائے پی پولی کی پہاڑی کو شہر پناہ کے اندر لے لیا۔ اور یوریالوس کے باموقع مقام پر ایک قلعہ تعمیر کرایا جس کے کھنڈر اب تک یونانی سیراکیوز کے عہد عروج کی یاد دلاتے ہیں؛

ڈایونی سیئس کی فوجی تیاریاں بھی کچھ معمولی یا جدّت سے خالی تھیں۔ بحری، برّی، سوار و پیادہ اور مسلح و نیم مسلح غرض ہر قسم کی

فوج کو اس طرح باقاعدہ مرتّب و پیوستہ رکھنے کا طریقہ کہ وہ سب ایک کل کے پرزوں کی طرح مل کر کام کرسکیں، اُسی نے اختراع کیا اور اپنے آدمیوں کو اس کی تعلیم دی۔ منجنیق کی ایجاد بھی اُسی کے ماہرینِ جرِّثقیل نے کی تھی اور سب سے پہلے ڈایونی سئیس نے اسے رواج دیا۔ اور جہاں تک محاصرے کا تعلّق ہے اس جدید آلۂ جنگ نے فنِّ حرب میں ایک انقلاب پیدا کردیا۔ یہ کل دو تین سو گز کے فاصلہ تک بیس تیس سیر وزن کا پتھر پھینک سکتی تھی اور زیادہ قریب سے اس کی مار یقیناً بہت خوف ناک تھی ؛

۳ — ڈایونی سئیس کے فنیقی محاربات

جب یہ تیاریاں مکمّل ہوگئیں تو ڈایونی سئیس وہ کام کرنے چلا جو آج تک صقالیہ کے کسی یونانی سردار نے نہیں کیا تھا۔ یعنی وہ نہ صرف یونانی شہروں کو فنیقی (یا قرطاجنی) حکومت سے نجات دلانے کے لئے نکلا تھا بلکہ خاص قرطاجنہ کے صقالوی علاقوں کی فتح مرکوزِ خاطر تھی۔ چنانچہ ۸۰ ہزار پیادہ اور ۳۰ ہزار سوار سے اُس نے پہلے شہر موتیہ کو گھیر لیا۔ یہ آبادی ساحل سے متصل جزیرے پر آباد تھی اور بیچ کی آبنائے میں وہاں کے لوگوں نے ایک اونچی سڑک بنادی تھی۔ ڈایونی سئیس کی آمد پر انھوں نے اس سڑک کو توڑ دیا اور اُس نے اپنی منجنیقوں سے کام لینے کے واسطے وہاں ایک بہت چوڑا بند بنوانا شروع کیا۔ قرطاجنہ کی طرف سے

ہمیل کو بیڑا لے کے آیا تھا لیکن جب وہ سیراکیوزی جہازوں کے قریب پہنچا جو ساحل سے ملے ہوئے کھڑے تھے تو اِدھر سے۔ منجنیقوں نے پتھروں کی وہ باڑ چلائی کہ فنیقی ملاّحوں کے حواس جاتے رہے اور موتیہ کو خدا کے حوالے کرکے انہوں نے اپنی راہ لی۔ اِدھر شہر پناہ کے برابر بلندی تک شش منزلہ برج تیار کئے گئے اور فریقین کی زمین سے اوپر، گویا ہوا میں، جنگ ہوئی۔ شہر والے گلی گلی اور کوچے کوچے پر لڑتے رہے۔ اور آخر اہل سیراکیوز کے ایک رات کے ہلّے نے یہ قصّہ فیصل کردیا۔ (سنہ ۳۹۸-۹۷ ق م)۔

مگر اب قرطاجنہ نے بھی ہاتھ پاؤں ہلائے۔ ہمیل کو نے دغا سے اریکس پر قبضہ کرلیا اور موتیہ کو پھر چھین لیا۔ اس کے بعد اس نے مسانا کا رخ کیا اور گو باشندے بچ کے پہاڑیوں میں بھاگ گئے مگر شہر کو اس نے بالکل مسمار کرادیا۔ سیراکیوزی بیڑا ڈایونی سیئس کے بھائی لپ ٹینیس کے ماتحت مقابلہ کو نکلا تھا مگر کتانہ پر شکست کھا کے بھاگا اور چند ہی روز کے بعد ہمیلکو اپنے فتح مند بیڑے کو لئے ہوئے خاص سیراکیوز کی بڑی بندرگاہ میں داخل ہوا اور برّی فوج نے رودِ اناپوس کے کنارے ڈیرے ڈال دئے۔ لیکن محاصرے نے طول کھینچا اور قرطاجنی لشکر میں جو سخت گرمی کے زمانہ میں دلدلی زمین پر مقیم تھا وبا نے تہلکہ ڈال دیا۔ اسی حال میں ڈایونی سیئس نے نکل کے یکبارگی بیڑے اور لشکر پر حملہ کیا اور کامل فتح پائی۔ قرطاجنہ کے تمام جہاز غارت ہوگئے اور خشکی کے تمام مورچے چھین لئے گئے۔ ایتھنز کی فوج کی طرح بہت

ممکن تھا کہ قرطاجنہ کی سپاہ بھی بالکل ہلاک اور تباہ کردی جاتی۔ لیکن ڈایونی سیئس ہمیلکو سے تین سو تیلنت لے کے طرح دے گیا کہ وہ اپنے ہم وطنوں کو بچالے جائے۔ (۳۹۶ ق م) اصل میں وہ سمجھتا تھا کہ اگر صقالیہ سے اہل قرطاجنہ کا نام و نشان مٹ گیا تو خود اُس کی بادشاہی خطرے میں پڑجائیگی۔ پس انہیں جزیرے کے مغربی مستقر سے نکالنے کی بھی اُس نے کوئی کوشش نہ کی؛ البتہ پانچ سال کے بعد جب دوسری فنیقی جنگ چھڑی تو اُن کے سب سے مشرقی شہر سولوس پر اُسے قبضہ مل گیا اور جب صلح کا معاہدہ ہوا تو اس میں بھی اہل قرطاجنہ کو تسلیم کرنا پڑا کہ صقالیہ کے تمام یونانی شہر اور نیز قوم صقال کی سب بستیاں دولت سیرا کیوز کے زیر اثر رہیں گی (۳۹۲ ق م)

۴۔ ڈایونی سیس کی سلطنت اور موت

یونانی صقالیہ پر اقتدار شاہانہ حاصل کرنے کے بعد ڈایونی سیس اطالیہ کے یونانی علاقوں پر قابض ہونے کی تدبیریں سوچنے لگا اور ماورائے بحر کشور کشائی کی بھی صقالیہ میں اُس نے سب سے پہلی مثال قایم کی؛ مسانا کو اس نے پہلے از سر نو تعمیر و آباد کیا تھا اب رگیوم پر جو اس کے مقابل آبنائے کے دوسری طرف آباد تھا حملہ کیا۔ (۳۹۱ ق م) لیکن ساحل اطالیہ کی تمام حلیف ریاستیں مدد کے لئے آپہنچیں اور انہوں نے اس کو شکست دی؛ ڈایونی سیس نے اُن سب کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ اور کولونیہ کے محاصرے کے وقت اتحادیوں پر (جو کروتن سے

نکل نکل کے مقابلے کے لئے آئے تھے) کامل فتح حاصل کی۔ ان کے دس ہزار سپاہیوں نے ایک بلند پہاڑی پر پناہ لی تھی مگر یہاں پانی میسر نہ آیا اور انہوں نے بلا شرط ہتیار ڈال دئے۔ قیدیوں کو یقین ہوگیا تھا کہ اگر قتل نہ ہوے تو بھی غلامی قسمت میں لکھی ہے۔ لیکن ڈایونی سیس نے ایک چھڑی کے اشارے سے اُن سب کو آزاد کردیا اور بغیر کوئی فدیہ لئے انہیں اپنے اپنے گھر جانے کی اجازت دے دی؛ اس عفوِ کریمانہ کو دیکھکر لوگ دنگ رہ گئے اور اس کی مصلحت بھی بہت جلد ظاہر ہوگئی۔ وہ قیدی جن شہروں کے باشندے تھے اُن سب نے شکریے میں ڈایونی سیس کو طلائی تاج بھیجے اور اس کے ساتھ الگ الگ معاہدہ صلح و اتحاد کرلیا؛ صرف رگیوم، کولونیہ اور ہیپونیئن حلقۂ اتحاد میں شریک نہ ہوے تھے لہٰذا اِن میں سے دو چھوٹے شہروں کو اُس نے تسخیر کرلیا اور اِن کے باشندے وہاں سے لاکے سیراکیوز میں بسادئے گئے۔ آخر میں رگیوم بھی دس مہینے کے محاصرہ کے بعد قبولِ اطاعت پر مجبور ہوا۔ اور اُس کے جو باشندے فدیہ نہ ادا کرسکے انہیں غلام بناکے فروخت کردیا گیا؛ آنبائے کے دونوں کنارے اب ڈایونی سیئس کے تحت میں تھے اور یونانی اطالیہ کی سب سے مضبوط اور قلعہ بند چوکی (رگیوم) پر بھی اس کا قبضہ تھا؛ پھر آٹھ برس کے بعد جب کروتن فتح ہوا تو اطالیہ میں اُس کی حکومت اپنے انتہائی کمال کو پہنچ گئی۔

اِدھر زیادہ بعید میدانوں میں بھی وہ پاؤں پھیلاتا جاتا تھا۔ اور بحیرۂ اڈریاٹک کے دونوں ساحلوں پر نوآبادیاں بسا رہا تھا۔ انکونہ

اور الیسہ کے علاوہ شمال میں دریاے پو کے دہانے تک بڑھ کر اُس نے ہادریا کی بنیاد رکھی تھی۔ سیراکیوز کی سلطنت میں اب صقالیہ کا جزوِ اعظم، اور (غالباً شمال میں رود کراتیس تک) ملک اطالیہ کا تمام جنوبی جزیرہ نما داخل تھا اور اس کے بھی اوپر اطالیہ کی کئی ریاستیں اگرچہ محکوم نہ تھیں مگر اُس کے حلقۂ اتحاد میں وابستہ تھیں اسی طرح شاہِ ملوسیہ اور ایپیرس و البریہ کی بعض ساحلی ریاستیں اُس کی حلیف تھیں؛ لیکن یہ ضرور ہے کہ اتنی وسیع سلطنت، مصارف کثیر کے بغیر قایم نہ رہ سکتی تھی اور ان کا بارگراں اہلِ سیراکیوز کی گردن پر تھا پس اگر اپنے وطن میں یہ جابر بدنام و رسوا رہا تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے؛

لیکن ڈایونی سئیس کی یہ سلطنت کچھ بہت دن تک قایم نہ رہ سکی بلکہ ریاست کروتُن کی فتح کے ساتھ ہی خود صقالیہ میں اس کی مغربی سرحدیں برقرار نہ رہیں اور کچھ علاقہ چھوڑنا پڑا (۳۸۳ ق م) قرطاجنہ کے ساتھ ایک اور جنگ چھڑ گئی اور پنرموس کے قریب جو لڑائی کرونین کے میدان میں ہوی اس میں ڈایونی سیس کو سخت نقصان اور شکست فاش نصیب ہوی، اور بہت دب کر صلح کرنی پڑی۔ (۳۷۸ ق م) اس معاہدے کے رُو سے یونانی سرحد مازاروس ندی سے ہٹ کر ہالی کوس ندی پر آگئی اور درمیان کے علاقے پر دولتِ قرطاجنہ کا تسلّط تسلیم کرنا پڑا۔ جس کے معنے یہ تھے کہ خود سلینوس و تھرما کے فاتح نے ان شہروں کو اب پھر ملچھوں کے حوالہ کردیا کہ جو چاہیں سلوک کریں؛

۳۴۵
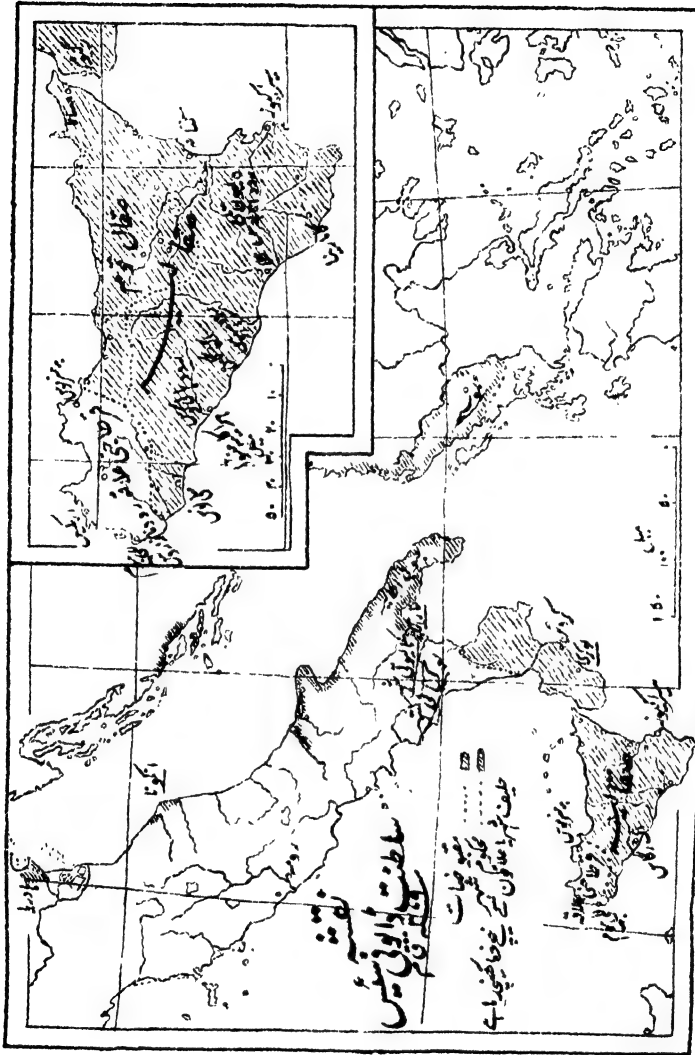
دس سال کے بعد ڈایونی سیئس نے پھر فینقی علاقہ صقالیہ پر حملہ کیا
اور سلینوس کو اُن کے پنجے سے نکال لیا۔ نیز اریکس اور اس کی
بندرگاہ درپانُن پر قابض ہوگیا؛ لیکن لیلی بیوم پر اس کا حملہ ناکام رہا

اور یہاں اسے بہت سے جہازوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔ یہ وہ شہر ہے جسے اہل قرطاجنہ نے موتیہ کی جگہ آباد کیا تھا۔ اور اسی کی مہم "حاکم صقلیہ کا آخری کارنامہ ثابت ہوئی کیونکہ صلح ہونے سے پہلے اُس کی موت کا یہ عجیب سبب پیدا ہو گیا کہ وہ ناٹک نویسی کے مقابلے میں جیتا اور اس خوشی میں اتنی شراب پی کہ بخار آگیا۔ واضح رہے کہ وہ شاعری کا بھی دم بھرتا تھا اور ایتھنز میں ناٹکوں کا جو انعامی مقابلہ ہوتا تھا اس میں برابر اپنے ناٹک بھیجا رہتا تھا۔ لیکن اُسے پہلا انعام کبھی نہیں ملا۔ اس مرتبہ گویا شکستِ لیلی بیوم کے رنج کی تلافی میں یہ خبر آئی کہ لینہ کے تہوار میں اس کی ٹرا جڈی "فدیۂ ہکٹر" سب سے بہتر ثابت ہوئی۔ پس ڈایونی سیئس خوشی سے پھولا نہ سمایا اور بے تکان شراب پیئے چلا گیا یہاں تک کہ بخار چڑھا اور اسی میں ایک خواب آور دوا نے اسے ہمیشہ کیلئے سلا دیا۔ (۳۶۷ق م)

۵۔ ڈایونی سیئس اصغر اور ڈیئون

ڈایونی سیئس اول کے بعد اُس کا بیٹا ڈایونی سیئس اصغر وارث سلطنت ہوا۔ اور گو یہ نوجوان بعض پسندیدہ اوصاف سے متصف تھا، لیکن اس کی سرشت میں یہ خامی تھی کہ بُرائی یا بھلائی دونوں کی طرف وہ آسانی سے مایل ہوجاتا تھا۔ اول اول وہ ڈیئون کے اثر میں رہا جو اُس کے باپ کے آخری عہد میں سب سے زیادہ معتمد علیہ وزیر اور اتنا با رسوخ تھا کہ اگر چاہتا تو بلا دقت خود بادشاہ بن سکتا تھا۔ لیکن ڈیئون کو شخصی بادشاہی سے نفرت تھی اور وہ اس بلا کو دفع کرنا چاہتا تھا،

وہ حکیم افلاطون کا دوست تھا اور اس کی آرزو تھی کہ سیراکیوز میں اُسی قسم کی حکومت قایم کی جائے جس کا افلاطون نے اپنی کتاب (ریپلک) میں خاکہ کھینچا ہے اور یہ بات جمہوری انقلاب سے حاصل نہ ہو سکتی تھی بلکہ صرف بادشاہ پر اثر ڈال کر اُس کو عمل میں لانا ممکن تھا؛ خود افلاطون نے لکھا ہے کہ اگر ایسی ریاست مل جائے جہاں شخصی حکومت ہو اور اس کا بادشاہ بھی نوجوان، صاحب فہم، دلیر و فیاض ہو اسی کے ساتھ قسمت کسی اچھے مقنن کو اُس تک پہنچا دے ....." تو کچھ شک نہیں کہ ایسی ریاست کا خوب انتظام ہو سکتا ہے "؛

ڈیئون کو حسبِ منشا راہ پر لگانے کے لئے نوجوان ڈایونی سیئس کی طبیعت نہایت موزوں نظر آئی اور اس نے یہ کوشش شروع کی کہ نوجوان بادشاہ کو حکمت و فلسفہ کا کچھ ذوق اور اپنے اہم فرایض کا گہرا احساس پیدا ہو جائے؛ لیکن اسے کامیابی کا بہت کچھ یقین خود افلاطون کو سیراکیوز لانے پر تھا؛

صقالیہ میں حکیم افلاطون کی تشریف آوری پر جس عزت و عقیدت کے ساتھ اس کا استقبال ہوا اُس سے بڑھکر حکیم موصوف کی قدر شناسی کا اظہار نہ ہو سکتا تھا۔ ڈایونی سیئس کے دل میں اس کی عظمت کا نقش جم گیا تھا۔ اور بہت آسانی سے یہ بات ذہن نشین ہو گئی تھی کہ مطلق العنانی نہایت شرمناک چیز ہے ۔ حتیٰ کہ اب وہ آئینِ حکومت میں ردّو بدل کا مشتاق تھا؛ مگر افلاطون کو اصرار تھا کہ شاگرد کی باقاعدہ تعلیم میں کوئی کسر نہ رہے اور اُسے ہر مضمون کی تکمیل کرادی جائے۔ چنانچہ اُس نے باضابطہ علم ہندسہ کی

تعلیم سے آغاز کیا اور اوّل اوّل نوجوان جابر نے بڑے شوق سے اس علم کا مطالعہ شروع کیا۔ اس کے رفقا بھی شریکِ درس تھے اور تمام دربار علم ہندسہ میں مستغرق نظر آتا تھا؛ لیکن زیادہ مدّت نہ گذری تھی کہ ڈایونی سیئس کا دل گھبرا گیا اور ساتھ ہی ڈیئون و افلاطون کے مخالفوں کی کوششیں اپنا اثر دکھانے لگیں ؛؛

جو لوگ مجوّزہ اصلاحات کے سراسر خلاف تھے وہ ڈیئون پر درپردہ یہ الزام لگاتے تھے کہ وہ اپنے بھانجے کو بادشاہ بنانے کی کوشش کر رہا ہے اور اتّفاق سے اُس کی ایک تحریر بھی ثبوت کیلئے ان کے ہاتھ آگئی۔ یعنی جس وقت قرطاجنہ اور سیراکیوز میں شرایطِ صلح کے کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی ڈیئون نے بے احتیاطی سے ایک خط وہاں کے حکّام کو لکھا تھا کہ میرے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرنا" یہ خط راستے میں پکڑا گیا اور دشمنوں نے اسے غدّاری پر محمول کیا؛ ڈیئون کو صقالیہ سے جلا وطن کر دیا گیا۔ افلاطون کو بھی ایتھنز یاد آیا اور کچھ دن کے بعد آخرکار ڈایونی سیئس نے اُسے جانے کی اجازت دے دی۔ اس طرح وہ خیالی تجویزیں کہ ایسی حکومت بنائی جائے جس کا جواب نہ ہو یہیں ختم ہو گئیں اور ان پر عمل کرنے کی نوبت ہی نہ آئی ورنہ سب سے پہلے اُن پردیسی سپاہیوں کو موقوف کرنا پڑتا جو محض روپے کے نوکر تھے اور اُن کو رخصت کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ سیراکیوزی سلطنت بھی اسی وقت غائب ہو جاتی ؛؛

جلا وطن ڈیئون یونان خاص آکر شہر ایتھنز میں مقیم ہو گیا؛ اس کے نکلتے ہی سیراکیوزی جابر نے بلا ضرورت اپنی مطلق العنانی کی شان یہ

دکھائی کہ ڈیئون کی بیوی اَرِیتہ کی جبراً ایک دوسرے شخص سے شادی کردی؛ ادھر کچھ عرصہ کے بعد ڈیئون نے دیکھا کہ کام کرنے کا موقع آگیا ہے (۳۵۷ ق م) وہ چھوٹی سی جمعیت لے کے چلا اور جنوب مغربی صقالیہ میں ایک فینقی بندرگاہ ہیراکلیہ مینوٰہ پر لنگر انداز ہوا۔ اور جب اطلاع ملی کہ ڈایونی سیئس اسّی جہازوں کو لے کے اطالیہ گیا ہے، تو اُس نے بلاتاخیر سیراکیوز کی طرف کوچ کیا اور یونانی یا صقالی قوم کے جتنے سپاہی مل سکے انہیں راستے میں ساتھ لیتا ہوا پایہ تخت تک آپہنچا۔ یہاں پہاڑی پر جو اجیر سپاہی پاسبانی کررہے تھے انہیں دھوکے سے دوسری طرف متوجہ کرلیا گیا اور ڈیئون اپنی جمعیت کے ساتھ سیراکیوز میں داخل ہوگیا۔ اس کے داخلے پر عام طور پر شہر میں خوشیاں منائی گئیں اور مجلس نے سلطنت کا تمام نظم ونسق بیئس فوجی سرداروں کو دینے کا فیصلہ کیا جن میں ڈیئون بھی شامل تھا۔ اپی پولی کے قلعے پر بھی یہی لوگ قابض ہوگئے اور اب جزیرے کے سوا شہر کا کوئی حصہ ڈایونی سیئس کے تحت میں نہ رہا؛ خود یہ جابر انقلاب کی خبر سنکر سات دن بعد واپس آگیا اور ادھر ڈیئون نے چھوٹی بندرگاہ سے بڑی بندرگاہ تک ایک فصیل تیار کرائی کہ جزیرے پر سے شہر پر حملہ نہ ہوسکے؛

مگر ڈیئون لوگوں میں زیادہ عرصے تک ہردلعزیز نہ رہ سکتا تھا اس کی طبعی رعونت لوگوں کو بیزار کئے دیتی تھی اور اسی میں ایک اور حریف پیدا ہوگیا جو ڈیئون کی نسبت زیادہ خلیق تھا۔ یہ ہیراکلید نامی سیراکیوز کا باشندہ تھا جسے شاہ جابر نے جلاوطن کردیا تھا۔ وطن کی اعانت کے لئے اب وہ ایک بیڑا اور فوج فراہم کرکے لایا اور امیرالبحر

منتخب ہوا۔ بحری معرکے میں اُس نے حریف کے بیڑے پر بھی فتح حاصل کی اور اس کے بعد ہی خود ڈایونی سیئس اپنے جنگی جہاز لے کے چل دیا اور اپنے بیٹے اپالوکراتیس کو فوج دے کر جزیرے کی حفاظت پر مامور کر گیا؛

ڈائیون کا رسوخ رفتہ رفتہ اس قدر کم ہوگیا کہ کچھ عرصے کے بعد اہل سیراکیوز نے اُسے سرداری سے معزول کردیا اور پلوپنی سس کے جن سپاہیوں کو وہ نجات دلانے کی غرض سے لے کر آیا تھا انہیں بھی کوئی اُجرت نہ دی؛ اس وقت ڈئیون اشارہ کرتا تو یہ لوگ خوشی سے خود اہل سیراکیوز کو اپنا ہدف بناتے لیکن خود رائی کے باوجود ڈئیون سچا محبِّ وطن تھا اور اسے اپنے شہر پر حملہ کرنا گوارا نہ ہوسکتا تھا۔ پس خاموشی سے ۳ ہزار جاں نثار ساتھ لے کے شہر لیون تینی میں چلا آیا۔ (۳۵۶ق م)؛

اس اثنا میں اہل سیراکیوز نے جزیرے کے قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا اور قریب تھا کہ قلعے کی فوج اطاعت قبول کرلے کہ اتنے میں نیپ سیوس نامی نیپلز کا ایک کمپانی باشندہ کمک لے کر آپہنچا اور مصالحت کی گفت و شنید منقطع ہوگئی، آئندہ جنگ میں اول اول قسمت نے اہل شہر کا ساتھ دیا۔ ہراکلید نے ایک اور بحری معرکہ جیتا اور اس خوشی میں شہر کے لوگ آپے میں نہ رہے اور تمام رات مے گساری کرتے رہے مگر صبح ہونے نہ پائی تھی کہ نیپ سیوس اور اس کے سپاہی جزیرے کے دروازوں سے نکلے اور ڈئیون کی جوابی فصیل پر سیڑھیاں لگا لگا کے چڑھ گئے۔ فصیل کے پہرے والوں کو انہوں نے قتل کردیا اور اک راڈینا اور چوک پر قابض ہوگئے۔ شہر کے اس

تمام حصے کو انہوں نے جی بھر کے تاراج کیا۔ سپاہیوں کو بالکل آزادی دے دی گئی تھی کہ جو کچھ دل میں آئے کریں۔ اور اہل شہر کے زن و فرزند، مال و اسباب غرض جس شئے پر ہاتھ پڑ سکا وہ اوٹھا کے لے گئے۔ دوسرے دن شہر والوں نے جو پہاڑیوں پر پناہ گزیں تھے بالاتفاق قرار دیا کہ اس مصیبت سے بچانے کے لئے پھر ڈیئون کو بلایا جائے۔ ساتھ ہی سوار دوڑ گئے۔ اور شام ہونے سے پہلے لیون ٹینی پہنچ کر مجلس سیراکیوز کا پیام پہنچایا۔ ڈیون نے اپنے رفیقوں کے سامنے نہایت پر اثر تقریر کی اور بیان کیا کہ انجام جو کچھ ہو خود وہ ضرور سیراکیوز جائے گا اور اپنے وطن کو نجات نہ دلا سکے تو بھی انہی کھنڈروں میں اُس کی قبر ہوگی۔ البتہ پلوپنی سس کے سپاہیوں کو اختیار ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی مدد کرنے سے انکار کردیں جنہوں نے ان کے ساتھ ایسا بُرا سلوک کیا تھا؛ مگر سپاہی ایک زبان ہوکر چلّائے کہ سیراکیوز کو بچانا فرض ہے؛ اور ڈیئون پھر وطن کو نجات دلانے روانہ ہوا۔

ڈیئون کی فوج نے سخت کشمکش کے بعد اپنی فصیل دوبارہ چھین لی اور غنیم کو اس کے جزیرے ارتیجیا میں ڈھکیل کر پھر محاصرہ کرلیا۔ اس محاصرے نے کچھ زیادہ طول نہ کھینچا تھا کہ ڈایونی سیئس کے بیٹے نے تنگ آکر اطاعت قبول کرلی اور اب ڈیئون اور اہل سیراکیوز میں پھر اختلاف پیدا ہوا۔ اہل شہر اپنی جمہوریت کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتے تھے۔ اور ڈیئون جو آزادی دلانے آیا تھا، حکومتِ امرا کا حامی تھا اور اسپارٹہ کی طرح بعض آئینی شرائط کے ساتھ یہاں بھی ایک یا چند بادشاہوں کو مسلط کرنا چاہتا تھا؛ اہل شہر کی تمنا تھی کہ استبداد کی یادگار یعنی ڈایونی سیئس کا

قلعہ مسمار کر دیا جائے۔ لیکن ڈیئون نے اسے رہنے دیا حالانکہ اُس کا وجود صریحًا اہل ہوس کو جبر و مطلق العنانی کی طرف بلاتا تھا؛ اس کے علاوہ خود ڈیئون کی مطلق العنانی میں اب کوئی کسر باقی نہ تھی بجز اس کے کہ ہراکلید سپہ سالاری میں اس کا شریک تھا؛ اور آخر کار رفیقوں نے اس بات پر بھی اُسے رضامند کر لیا کہ اس اکیلے رقیب کا خفیہ طور پر کام تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ ہراکلید کے قتل کے بعد گو زبان سے وہ شخص بادشاہی کی کتنی ہی مذمت کیوں نہ کرے عملًا اُس کے شخصی بادشاہ یا جابر ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ حتیٰ کہ خود اسی کے اُن رفیقوں میں سے جو سیرا کیوز کو نجات دلانے یونان سے آئے تھے کالی پوس نامی افلاطون کے ایک شاگرد نے اُسے قتل کرا دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ (۳۵۴ سنہ ق م)۔

اس نئے جابر کی حکومت سال بھر کے قریب رہی۔ اور اس کے بعد وہ کتانہ پر فوج کشی میں مصروف تھا کہ ڈایونی سیئس کی دوسری بیوی سے دو بیٹے ہیپاری نوس اور نیسائیوس سیرا کیوز پہنچے اور جزیرۂ ارتیجیا پر قابض ہو گئے۔ دو سال تک ہیپاری نوس کی یہاں حکومت رہی (۳۵۳ سنہ تا ۳۵۱ سنہ ق م)۔ اور جب وہ عالم سرشاری میں قتل کر دیا گیا تو پانچ سال تک اُس کے چھوٹے بھائی نیسائیوس نے بادشاہی کی اور آخر ڈایونی سیئس جو اب تک شہر لوکری میں جبر و ستم کی مشق کرتا رہا تھا، بیڑا لے کے آیا اور بیٹے کو نکال کے اُرتیجیا پر مسلط ہو گیا (۳۴۶ سنہ ق م)

۶ —— تیموِلین

صقالیہ کے یونانی، شخصی بادشاہی کے اس عذاب میں گرفتار تھے

کہ پھر قرطاجنہ کے ایک بیڑے نے ادھر کا رخ کیا۔ اور اس تازہ خطرے کی حالت میں انہوں نے مجبور ہوکر کورنتھ سے دستگیری کی درخواست کی۔ اس ریاست نے مدد کے لئے اپنے سردار تیمولیین کو صقالیہ روانہ کیا (۳۴۴ ق م) اور یہ وہ شخص ہے جس نے لڑائی میں اپنے بھائی کی جان بچائی اور پھر اسی بھائی نے شخصی بادشاہی کیلئے سازش کی تو تیمولیین نے اپنے ہاتھ سے اُس کی جان لی تھی! وہ دس جہاز لے کے صقالیہ آیا اور ہدرانوم پر لنگر انداز ہوا۔ اس کے آتے ہی ایک ایک ریاست اُس کی شریک ہوتی گئی اور تھوڑے ہی دن میں خود ڈایونی سیس جزیرہ حوالے کردینے پر آمادہ ہو گیا بشرطیکہ اپنا ذاتی مال و اسباب کورنتھ لے جانے میں اس سے تعرّض نہ کیا جائے۔ یہ شرط منظور ہوی اور ڈایونی سیس نے زندگی کے باقی دن بحالتِ گمنامی گزار دئے۔ اودھر خاص شہر سیراکیوز پر لیون تینی کا حاکم جابر ہی کتاس قابض ہوگیا تھا۔ اور امیرالبحر ماگو کے ماتحت قرطاجنہ کا بیڑا اس کی مدد کو پہنچ گیا تھا۔ لیکن ماگو کو اپنے یونانی سپاہیوں میں غدر و بغاوت کا شبہ ہوا اور اس کے واپس ہوتے ہی ہی کتاس شہر سے جبراً نکال دیا گیا۔ سیراکیوز نے پھر آزادی کی نعمت پائی اور اعلان کردیا گیا کہ تمام جلا وطن شہری واپس آئیں اور نیز صلائے عام دے دی گئی کہ جو لوگ چاہیں شہر میں آکر آباد ہوں۔ جبرو استبداد کی وہ یادگار یعنی ڈایونی سیس کا قلعہ گرا کے زمین کے برابر کردیا گیا۔ اوراس کے بعد تیمولین دوسرے صقالوی شہروں کی طرف متوجہ ہوا۔ کہ وہ بھی آزادی کی اس نعمت سے محروم نہ رہیں۔

مگر دولتِ قرطاجنہ نے اِس مرتبہ وسیع پیمانے پر تیاریاں کی تھیں اُن کا لشکر عظیم لیلی بیوم پر جہازوں سے اُترا اور اسی میں خاص قرطاجنہ کے ۲ ½ ہزار جوان بھی شامل تھے جنہیں "قشونِ مبارک" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا (۳۳۹ ق م)۔ انہوں نے صقالیہ کے وسط سے گذرنے کا ارادہ کیا اور ادھر سے مقابلے کے لئے تیمولیئن چلا جس کے پاس کل نو ہزار سپاہی تھے۔ کری می سوس ندی پر فریقین کا سامنا ہوا اور پہلے قرطاجنہ کی جنگی رتھیں اور قشونِ مبارک ندی کو عبور کر چکے تھے کہ تیمولیئن نے ان پر حملہ کیا۔ یونانی فوج بلندی پر تھی اور تیمولیئن نے حملے کے لئے اسی موقع کو پسند کیا تھا کہ دشمن کی فوج دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ یونانی سواروں کا قرطاجنی رتھوں نے منہ پھیر دیا لیکن پیادہ فوج قشونِ مبارک تک جا پہنچی اور جب اُن کی ڈھالوں پر برچھیوں نے کام نہ دیا تو تلواریں لے لے کے حملہ آور ہوئی جس میں پھرتی اور مہارت کی جیت تھی قشونِ مبارک کے پانوں اکھڑ گئے اور باقی ماندہ لشکر کو مینہ اور اولے کے طوفان نے بدحواس کر دیا کہ ہوا کی زد اُن کے منہ پر پڑتی تھی۔ اِس ناگہانی بارش کے باعث ایک تو شکست خوردہ فوج کے عقب میں ندی چڑھ آئی۔ دوسرے کیچڑ نے انہیں اور مشکل میں پھنسا دیا اور یونانیوں کے نیم مسلح ہلکے سپاہیوں کی بن آئی۔ قرطاجنہ کے دس ہزار آدمی مارے گئے۔ پندرہ ہزار گرفتار ہوئے اور سونے چاندی کا بیش بہا مالِ غنیمت یونانیوں کے ہاتھ آیا۔ تیمولیئن کی یہ ایسی عظیم فتح تھی کہ اسے گلُن کی فتح ہیمرا کا ہم پایہ کہا گیا تو

کچھ بیجا نہ تھا؛

صقالیہ کو اندرونی جابروں اور بیرونی دشمنوں سے نجات دلانے کے بعد تیمولیئن تمام اختیارات سے جو اُسے دئے گئے تھے دستکش ہوگیا۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ تاریخ یونان میں اس کی نظیر ملنی دشوار ہے؛ اہل سیراکیوز نے شہر کے قریب اسے جاگیر دی تھی اور یہیں وہ اپنی یادگار فتح کے دو سال بعد تک زندہ رہا۔ جب لوگ مشورہ چاہتے تو وہ کبھی کبھی شہر میں آجاتا تھا لیکن آخر میں بصارت جاتی رہی تو یہ آمد رفت بھی بہت کم ہوگئی تھی۔ اس کی وفات پر تمام یونانی صقالیہ میں ماتم ہُوا اور سیراکیوز میں اُس کی یاد تازہ رکھنے کے لئے سرکاری عمارات کا ایک پُورا محلّہ اُس کے نام سے موسوم کردیا گیا؛

باب شانزدہم

مقدونیہ کا عروج

ا۔ فیلقوس ثانی شاہِ مقدونیہ

اپامنن ڈس کی موت اور ریاست تھیبز کے زوال کے بعد ایتھنز ملک یونان کی سب سے ممتاز ریاست رہ گیا تھا۔ اور اگر مقدونیہ اور کاریہ کے دو بعید اور نیم یونانی رقیب پیدا نہ ہوجائیں تو اس میں شک نہیں کہ ایتھنز دوبارہ اپنا شہنشاہی اقتدار قایم کرلیتا۔ کیونکہ ایک طرف آبنائے در دانیال کی کنجی یعنی خرسونیس کا علاقہ پھر اس کے تحت میں آگیا تھا اور دوسری طرف اپامنن ڈس کی وفات کے پانچ سال بعد جزیرۂ یوبیہ کو اس نے وابستۂ اتحاد کرلیا تھا (۳۵۷ق م) قراین کہہ رہے تھے کہ شہر امفی پولس بھی دوبارہ اُس کی آغوشِ حکومت میں آجائے گا لیکن ان کوششوں نے اُسے ریاست مقدونیہ کا مدِّ مقابل بنا دیا۔ اور یہیں سے تاریخ یونان کا

ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔

نسل ہا نسل سے شاہانِ مقدونیہ اپنے قلعہ ایجی سے خلیج تھرما کے شمالی اور شمال مغربی ساحلوں پر مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کرتے رہے تھے اور "مقدونیہ" کا اصلی علاقہ یہی تھا؛ یہ بادشاہ اور اُن کی مقدونوی رعایا یونانی نسل سے تھی اور اُن کی قدیم رسوم اور زبان کی رہی سہی یادگاروں سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ طبعاً یہ لوگ جنگ جُو تھے اور انھوں نے رفتہ رفتہ شمال اور مغرب کے کوہستانی قبایل کو مغلوب کر کے اپنی ریاست کی سرحدیں بہت آگے بڑھالی تھیں یہاں تک کہ اب مغرب میں آلیریہ اور شمال میں پیونیہ تک تمام علاقہ مقدونیہ کہلانے لگا تھا حالانکہ اندرونی طور پر اس میں اب بھی دو حصۂ مُلک علیحدہ تھے اور اُن پر مقدونوی بادشاہوں کے طرز حکمرانی میں بھی فرق تھا۔ یعنی یونانی مقدونیہ کے ساحلی علاقے پر تو بادشاہ کی براہ راست حکومت تھی اور یہاں کے باشندے اُس کے اپنے آدمی یا "رفیق" کہلاتے تھے اور الیر دی نسل کے پہاڑی باشندوں سے اس کا تعلق شہنشاہانہ تھا یعنی وہ اپنے شیوخِ قبایل کے ماتحت تھے اور یہ سرکش شیوخ شاہ مقدونیہ کے خراج گزار سمجھے جاتے تھے۔ اور سچ یہ ہے کہ جب تک یہی قبایل براہ راست بادشاہ کے زیر حکم نہ آ گئے اور جب تک الیریہ اور پیونیہ کے ہمسایوں کی بھی سخت گوشمالی نہ کر دی گئی اُس وقت تک مقدونیہ کو کوئی وقعت اور عظمت حاصل نہ ہو سکی ۔

خود شاہانِ مقدونیہ نے اپنی ریاست میں یونانی تمدن کو رواج دینے کی کوشش ضرور کی تھی اور پایہ تخت پیلّہ میں شاہ آرکلوس کا دربار اہل کمال کا مرجع ہوگیا تھا۔ یوری پڈیز جیسے شعرا اور زیوکسیس جیسے صناع اس کی زینت بڑھاتے تھے۔ بایں ہمہ مقدونیہ نے تمدن انسانی میں کوئی حقیقی ترقی نہ کی تھی اور ان کا بادشاہ کبھی قانون و آئین کا پابند نہ تھا۔ اس کی رعایا صرف ایک حق رکھتی تھی۔ وہ یہ کہ کسی سنگین جرم کی سزا میں بادشاہ کسی مقدونوی باشندے کی جان اس وقت تک نہ لے سکتا تھا جب تک کہ پنچایت اس کی اجازت نہ دے دے۔ ان جفاکش لوگوں کا پیشہ زیادہ تر جنگ وصید افگنی تھا اور جس شخص نے ایک دشمن کو بھی قتل نہ کیا ہو اس کی کمر میں ڈوری بندھی رہتی تھی اور جب تک کوئی شخص ایک جنگلی سوّر کو نہ مار لے اس وقت تک وہ مَردوں کے ساتھ دسترخوان پر بھی نہ بیٹھ سکتا تھا۔

اب ہم اپنی تاریخ کو پھر تولمی کے ذکر سے شروع کرتے ہیں۔ جس نے نیابت کے بہانے سلطنت غصب کرلی تھی مگر زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ نوجوان پردِکاس نے جس کا یہ شخص اتالیق تھا اُسے قتل کردیا (۳۶۵ق م) اور ۶ برس حکومت کرنے کے بعد خود اہل اَلّیریہ کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا جنہوں نے مقدونیہ پر یورش کی تھی (۳۵۹ق م) مقدونیہ کے لئے یہ بڑا نازک موقع تھا کہ ایک طرف تو اہل پیونیہ آمادۂ فساد تھے۔ اور دوسری طرف علاقۂ تھریس کی فوج پیش قدمی کررہی تھی کہ مصنوعی دعوے دار کو تخت پر بٹھا دے۔

بادشاہی کا اصلی وارث اور مقتول بادشاہ کا بیٹا امین تاس، بچہ تھا۔ اور صرف ایک شخص اس وقت سلطنت کو مصائب و خطرات سے بچانے کی قابلیت رکھتا تھا۔ یہ آمین تاس کا چچا فیلقوس یا فیلفوس (فیلپ) تھا جس نے صغیرسن بھتیجے کی طرف سے اب عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ یاد ہوگا کہ وہ بطور یرغمال تھبنز بھیجدیا گیا تھا جہاں چند سال تک اُس نے اپامننڈس اور پلوپی ڈس جیسے نامی سرداروں سے فنِ جنگ و سیاسیات کا سبق سیکھا۔ اب اُس کی عمر ۲۴ سال کی تھی اور عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ اہل پیونیہ کو زرِ خطیر دے کر اپنا دوست بنالیا اور پھر مدعیانِ بادشاہی کی سرکوبی پر متوجہ ہوا۔ ان میں سے ایک شخص ارگیوس نامی کے پاس بڑا بیڑا تھا مگر فیلقوس نے اُسے شکست دی اور اسی ضمن میں ہر ممکن طریقے سے اہل ایتھنز کو اپنا حلیف بنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ جنگ میں جو ایتھنزی باشندے اسیر کئے تھے انہیں بغیر فدیہ لئے چھوڑدیا اور شہر امفی پولس پر مقدونیہ کو جو دعویٰ تھا اُس سے بھی دست بردار ہوگیا۔

لیکن ابھی الیرّیہ کی فوجوں سے ملک پاک نہ ہوا تھا اور وہ متعدد مقدونوی شہروں کو گھیرے ہوے تھیں۔ دوسرے خود اہل پیونیہ صرف چند روز کے لئے خاموش ہو گئے تھے۔ انہوں نے پھر سر اٹھایا؛ غرض دشمن پر مقدونیہ کی فوجی قوّت کا سکّہ بٹھانا ضروری تھا اور اسی غرض سے جاڑے بھر فیلقوس اپنی فوج کی ترتیب و تعلیم میں منہمک رہا اور جب موسم بہار آیا (۳۵۸ ق م) تو اُس نے پہلے اپنے شمالی

ہمسایوں پر فوج کشی کی اور ایک ہی لڑائی میں اُن کا جوش و خروش فرو کردیا۔ اس کے بعد اہل الّیریہ کی طرف مُڑا اور ایسی سخت شکست دی کہ ایک ہی معرکے میں ان کے سات ہزار آدمی مارے گئے؛ اپنا علاقہ دشمن سے پاک کرنے اور اس پر پھر تسلط جمانے کے بعد، فیلقوس نے بلا تاخیر مشرق میں تھریس کا رخ کیا۔ اُس کی مشرقی سرحد پر کوہ پان گیوس تھا جس میں سونے کی بیش قیمت کانیں نکلی تھیں اور اسُی کے اشارے سے پہاڑ پر جزیرۂ تھاسوس کے بہت سے کان کنوں نے ایک بستی بسائی تھی لیکن کان پر اطمینان سے تصرف اُس صورت میں ہوسکتا تھا جب کہ دریائے ستریمُن کا مستحکم قلعہ امفی پولس بھی قبضے میں آجائے۔ اس کار آمد مقام کی ریاست ایتھنز اور فیلقوس دونوں کو تمنا تھی اور یہاں اپنی اپنی غرض کیلئے اُن کی باہمی مخالفت یقینی نظر آتی تھی۔ لیکن اس موقع پر فیلقوس کی حکمت عملی کا یہ کمال ظاہر ہوا کہ جس وقت اُس نے ایتھنزی اسیرانِ جنگ کو رہا کیا اُس وقت خفیہ طور پر یہ معاہدہ کرلیا تھا کہ وہ امفی پولس کو فتح کرکے ایتھنز کے حوالے کردے گا اور اس کے صلے میں اہل ایتھنز پیدنہ کے آزاد شہر کو اُس کے سپرد کردیں۔ چنانچہ اسی معاہدے کے دھوکے میں اہل ایتھنز صورت معاملات کو اچھی طرح نہ سمجھ سکے اور جب فیلقوس نے امفی پولس پر حملہ کیا (۳۵۷ ق م) اور شہر والوں نے ایتھنز سے امداد کی التجا کی تو انہوں نے کوئی مدد نہ دی۔ اور شہر پر قبضہ ہونے کے بعد فیلقوس نے اپنا وعدہ ایفا نہ کیا یعنی اہل ایتھنز ہزار شور مچاتے رہے اُس نے امفی پولس کو

اُن کے حوالے نہ کیا؛ مگر سچ یہ ہے کہ خود اہل ایتھنز نے جس طرح اپنے آزاد حلیف پیدنہ کو بے وجہ اس کے حوالے کر دینے کا خفیہ اقرار کرلیا تھا وہ فیلقوس کی وعدہ خلافی سے زیادہ شرمناک اور غدّارانہ فعل تھا؛

امفی پولس کی تسخیر کے بعد فیلقوس نے اس بستی کو جہاں اہل تھاسوس آبسے تھے نہایت مضبوط قلعہ بنادیا اور اُسے اپنے نام پر فلپّی موسوم کیا۔ سونے کی کانوں سے اُسے کم سے کم ایک ہزار تیلنت سالانہ کی آمدنی ہونے لگی تھی۔ اور اب اُس کے برابر کوئی یونانی ریاست متموّل نہ تھی؛ اس کے بعد اُس نے ایجی کے پرانے پایہ تخت کو بالکل ترک کردیا اور حکومت کا مستقر پیلّہ بنا لیا گیا؛

کچھ عرصے کے بعد فیلقوس نے پیدنہ بھی لے لیا۔ پھر پتی دیہ کو فتح کیا مگر اسے خود رکھنے کی بجائے اہل اولن تھس کے حوالے کردیا اور شہران تموس بھی انہی کو دے دیا (۳۵۶ ق م) اور اس طرح کمال عیاری سے اولن تھس کو اپنا دوست بنالیا کہ آیندہ اطمینان سے اُس کا لقمہ کرجائے۔ اس وقت صرف ایتھنز کا اثر دفع کرنا منظور تھا اور یہ بات حاصل ہوگئی کیونکہ اب سواحل تھرما پر سوائے متھونہ کے اور کہیں اہل ایتھنز کا عمل دخل نہ رہا۔

فلپّی کی تعمیر کے بعد فیلقوس بھتیجے کا حق دبا کر خود بادشاہ مقدونیہ بن گیا اور اب اپنی سلطنت کے استحکام کی اور ایک قومی فوج بنانے کی تیاریاں کررہا تھا۔ اس کی مصروفیت کے یہی وہ سال ہیں جن میں اس نے مقدونیہ کو مقدونیہ بنایا اور کوہستانی قبایل اور ساحل کے

خاص مقدونی باشندوں کو ایک قوم کی صورت میں متحد کرنے کا بیڑا اٹھایا اس دشوار مقصد کی تکمیل فوجی تنظیم و ترتیب ہی سے ہوسکتی تھی اور گو سوار و پیادہ دونوں قسم کی فوج کے دستوں میں علحدہ علحدہ علاقوں کی تخصیص موجود تھی تاہم تمام کوہستانی قبایل اب باقاعدہ سپاہی بن گئے تھے اور ان کا ایک فوج میں ساتھ رہنا اور مل کر جنگ کرنا، سب اختلافات کو دُور کرتا جاتا تھا چنانچہ فیلقوس کے بیٹے کے زمانے تک ان کا بالکل نام و نشان باقی نہ رہا۔ زرہ پوش سواروں کی فوج رفقائے شاہی کے لقب سے ممتاز تھی اور پیادوں میں "ہی پاس پیستی" یعنی سرہنگانِ شاہی کا ایک خاص دستہ تھا جس کے سپاہیوں کی ڈھالیں چاندی کی ہوتی تھیں۔

وہ مشہور مقدونی پیَرا (فیلانکس) جسے فیلقوس نے بنایا تھا حقیقت میں معمولی یونانی صف کی ترقی یافتہ صورت کا نام ہے۔ مگر اس میں سپاہی دُور دُور کھڑے کئے جاتے تھے کہ آسانی سے حرکت کرسکیں اور ان کے پاس برچھے بھی کسی قدر لمبے ہوتے تھے۔ لہذا جس وقت یہ فوج حملہ کرتی تو نہ صرف اس کا ریلا سنبھالنا دشوار ہوتا تھا بلکہ سپاہی اسلحہ سے کام لینے میں اپنا پورا ہنر دکھا سکتے تھے اور انہیں آسانی سے ہر طرف ہٹایا اور بڑھایا جاسکتا تھا۔ لیکن واضح رہے کہ اپامننڈس کی پیوستہ قطاروں کی طرح، مقدونی پیَرے کا مقصد یہ نہ تھا کہ وہی لڑائی کا فیصلہ کردے۔ بلکہ اس کا کام صرف یہ ہوتا تھا کہ سامنے کی قطار کو اس وقت تک اُلجھائے رکھے کہ پہلو سے مقدونی سواروں کی مثلث نما صفیں نکل کے بازووں پر حملہ کریں۔

مقدونیہ میں جو کچھ ہو رہا تھا اُس پر یونان کی ریاستیں کوئی توجہ نہ کرتی تھیں۔ فیلقوس کی ایپیرس کی شہزادی اولمپیاس کے ساتھ شادی ہوئی تو اس واقعے کا وہاں کوئی چرچا نہ ہوا اور ایک سال کے بعد سکندر (الگزنڈر) پیدا ہوا تو یونان میں کسی کا دل نہ دھڑکا (قیاساً اکتوبر ۳۵۶ ق م) کیونکہ اس مقدونوی مولود کو دیکھ کے خواب میں بھی کوئی یہ قیاس نہ کر سکتا تھا کہ یہی بچہ دنیا کا اتنا بڑا فاتح ہوگا کہ اب تک پیدا نہ ہوا تھا؛ دوسرے یونان کے لوگ اگر اُس وقت بیدار بھی ہو جاتے تو اُن کی نظریں پیلیہ کی طرف نہ جاتیں بلکہ ہالی کرناسوس (علاقہ کاریہ) پر ہوتیں۔

۲ — موسولوس شاہِ کاریہ

اس علاقے میں بھی مقدونیہ کی طرح دو قومیں آباد تھیں یعنی ایک تو کاریہ کے اصلی باشندے اور دوسرے نئے یونانی متوطن جو ساحل پر جا بسے تھے۔ اہل کاریہ، الیریہ کے باشندوں سے بھی زیادہ یونانیوں سے دُور تھے مگر مقدونیہ کے یونانیوں تک کو یونان خاص سے اتنا رابطہ نہ تھا جتنا اہل کاریہ کو رہا۔ چنانچہ یہاں کے دیسی اور خاص یونانی شہروں میں کوئی فرق نہ نظر آتا تھا۔ ان شہروں میں کہنے کے لئے ایسی آزاد مجالس ملکی بھی تھیں جیسی پی سیس ترا توس کے زمانے میں اہل اتھنز کی مجلس تھی۔ لیکن حقیقت میں وہ سب ایک حاکم، "دیناست" کے تابع ہوتے تھے۔ اور دولتِ ایران بھی اُسے ستراپ یا والی تسلیم کر لیتی تھی۔

کاریہ کے ان دیسی ست راپوں میں دوسرا حکمران موسولوئس ہوا ہے جس نے صوبہ لیسیہ کا الحاق کیا اور بحری قوت بنانے کے لئے اپنا پایہ تخت میلا سا سے ہالی کرناسوس میں منتقل کرلیا کیونکہ پہلا شہر اندرون ملک میں تھا اور ہالی کرناسوس سمندر کے کنارے واقع تھا۔ اس کا خاص مقصد جزایر رودس، کوس اور خیوس کو حاصل کرنا تھا اس لئے کہ یہاں کے لوگ حلیف ہونے کے باوجود ایتھنز سے بہت دل برداشتہ تھے۔ موسولوس کے اغوا سے انہوں نے مل کر علم سرکشی بلند کیا اور ریاست بای زنطہ بھی اُن کی شریک ہوگئی۔

اہل ایتھنز نے فوراً کاب ریاس اور کاریس کو بحری سپاہ دے کے خیوس روانہ کیا لیکن بندرگاہ میں داخل ہونے کی کشمکش میں کاب ریاس جو سب سے پیش پیش تھا نرغے میں آگیا اور لڑتا ہوا مارا گیا۔ (۳۵۷ ق م)۔ ایتھنز کا سب سے دلیر سپاہی یہی تھا اور اس کی موت کے بعد انہوں نے مہم سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اہل خیوس اس کامیابی پر پھولے نہ سمائے اور اب انہوں نے سو جہازوں کے بیڑے سے جزیرۂ ساموس کی ناکہ بندی کرلی۔ کاریس کے پاس صرف ساٹھ جہاز تھے لیکن اس کی مدد کے لئے بہت جلد تیموتیوس اور ایفی کراتیس کو اتنے ہی جہاز اور دے کے بھیجا گیا اور انہوں نے ساموس کو محاصرے سے نجات دلانے کے بعد پھر خیوس جا کے حملے کا نقشہ تیار کیا۔ اتفاق سے وہ دن طوفانی تھا اور دونوں آزمودہ کار سردار اُس وقت لڑائی کے خلاف تھے۔ لیکن کاریس نے اُن کی بات نہ سنی اور حملہ کردیا۔ مگر جب تیموتیوس اور

ایفی کراتیس کی جانب سے کوئی مدد نہ ملی تو اسے بڑے نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ اپنے شرکاء کی اس حرکت پر غضب ناک ہو کر کاریس نے باضابطہ اُن پر غدّاری کا الزام لگایا۔ اور گو ایفی کراتیس بری کردیا گیا لیکن تیموتیوس پر جسے نخوت کی بدولت لوگ اول سے بُرا سمجھتے تھے، سَو تیلنت جرمانہ ہُوا۔ وہ دولت مند آدمی تھا مگر اتنی بڑی رقم ادا نہ کرسکا اور وطن کو خیرباد کہہ کے چالکیس چلا آیا اور چند روز کے بعد اسی جگہ وفات پائی۔

ادھر زیادہ مدّت نہ گذری تھی کہ منحرف حلیفوں سے مصالحت کی گفتگو شروع ہوی اور ریاست ایتھنز نے ان چاروں کو خود مختار تسلیم کرلیا۔ (۳۵۴ ق م)۔ اسی صلح کے تھوڑے عرصے بعد لس بوس نے ایتھنز سے تعلقات منقطع کرلئے اور اس طرح مشرقی ایجین میں اُس کے جس قدر ممتاز حلیف تھے سب ایک ایک کرکے الگ ہوگئے اور مغرب میں کرکایرا نے بھی قریب قریب اسی زمانے میں ساتھ چھوڑ دیا۔

یہ تمام واقعات موسولوس کے اندازے کے بالکل مطابق پیش آئے تھے اور اب وہ بحیرۂ ایجین کی ریاستوں کے عمایدین کو مدد دے دے کر جمہوری حکومتوں کا قلع قمع کرا رہا تھا اور پھر ہر مقام پر حکومتِ خواص کی حمایت کے لئے اپنی فوج متعین کردیتا تھا۔ لیکن اپنی حکمت عملی کی کامیابی سے وہ زیادہ نفع نہ اٹھانے پایا اور ۳۵۳ ق م میں سلطنت اپنی بیوہ ارتمزیہ کے نام چھوڑ کر مرگیا۔ موسولوس کی خوش انتظامی اور تدبّر سے کاریہ کے ایک وسیع سلطنت بن جانے کے

آثار پیدا ہوگئے تھے مگر اس کے مرتے ہی اس قسم کی تمام امیدیں باطل ہوگئیں اور کاریہ کو کوئی اعلیٰ مرتبہ کبھی نصیب نہ ہوا۔ وہ عالیشان مقبرہ جس کی غالباً موسولوس نے بنا رکھی اور بلا شبہ اس کی بیوہ نے تکمیل کی تھی ہالی کرناسوس کی بندرگاہ کے اوپر بنایا گیا تھا اور اس عہد کے چار سب سے نامی بت تراشوں نے جن میں خود سکوپاس بھی شامل ہے اس کی تزئین میں اپنی صناعی کا کمال دکھایا تھا۔ مقبرے کے اندر ارتمزیہ اور موسولوس کے مجسمے پہلو بہ پہلو نصب کئے گئے تھے اور اسی عمارت سے لفظ "موسولیم" (بمعنی روضہ یا مقبرہ) نکلا ہے۔

۳۔ فوکیس اور جنگِ مقدس

ادھر شمالی یونان کی ریاستوں میں معلوم ہوتا تھا کہ ایک اور ریاست سیادت و اقتدار حاصل کرلیگی۔ تھبنز و ایتھنز کا دور گزر چکا تھا اب فوکیس کی باری تھی۔ یہاں کے باشندے اگرچہ جنگ لیوک ترا کے بعد جبراً تھبنز کے اتحاد میں شریک کرلئے گئے تھے مگر انہوں نے دل سے کبھی اس کا ساتھ نہ دیا اور اپامننڈس کے مرتے ہی تعلقات قطع کرلئے تھے۔ اہل تھبنز نے اس بے وفائی کا خود بدلہ لینے کی بجائے یہ فیصلہ کیا کہ فوکیس کی، اس قدیم دینی مجلس کی مدد سے سرکوبی کی جائے جس میں اپامننڈس نے تھبنز کا بہت کچھ اثر قایم کردیا تھا۔ چنانچہ اس مجلس کے ایک جلسے میں فوکیس کے بعض ممتاز اور متمول باشندوں پر کسی مذہبی جرم کی سزا میں بہت بھاری تاوان لگا دیا گیا اور جب

مقررہ میعاد میں رقم ادا نہ ہوئی تو ارکانِ مجلس نے فتویٰ دے دیدیا کہ خاطیوں کی املاک خدائے دلفی کے نام پر ضبط کرلی جائیں ۔

مگر ملزمین اس حکم کو بے چون و چرا ماننے والے نہ تھے۔ انہوں نے مخالفت پر کمر باندھی اور اس میں **فیلوملوس** ان کا سرغنہ تھا جس نے پہلے سے جان لیا تھا کہ **بیوشیہ** ، **لوک ریس** اور **تھسالیہ** کے دشمنوں سے **فوکیس** کو بچانے کی صرف یہی صورت ہے کہ اجیر سپاہی فراہم کئے جائیں ؛ اور ان مصارف کی بہم رسانی کے واسطے اسی نے یہ معقول تجویز پیش کرنے کی جسارت کی کہ سب سے پہلے **دلفی** اور اس کے خزاین پر قبضہ کرلیا جائے ؛ **فیلوملوس** کی تجویز منظور ہوئی اور اسی کو پورے اختیارات دے کر **فوکیس** کی فوجوں کا سپہ سالار منتخب کرلیا گیا ۔

اب اس نے کچھ اجیر سپاہی بھرتی کرکے **دلفی** پر یورش کی اور اس پر قابض ہوگیا (۳۵۶ ق م)۔ اہل دلفی نے دستگیری کے لئے اپنے ہمسائے **امفی سا** کے باشندوں کو بلایا تھا مگر وہ بعد از وقت پہنچے اور پسپا کردئے گئے ۔

فیلوملوس کو سب سے پہلے یونانیوں کو اپنا ہم آہنگ کرنا منظور تھا اور اسی غرض سے اس نے اسپارٹہ **ایتھنز** بلکہ خود **تھیبنز** میں سفیر بھیجے کہ وہاں کے لوگوں کو سمجھادیں کہ اہل فوکیس نے صرف اپنا قدیم حق لینے کی خاطر دلفی پر قبضہ کیا ہے اور وہ اس بات پر آمادہ ہیں کہ یہاں جس قدر تبرکات اور خزاین موجود ہیں ان کی فرد تیار کرلی جائے اور ان کی حفاظت کا **فوکیس** کو ضامن

اور ذمہ دار قرار دیا جائے۔ ان سفارتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسپارٹہ نے فوکیس کے ساتھ اتحاد کرلیا۔ ایتھنز اور بعض اور چھوٹی ریاستوں نے بھی اعانت کا وعدہ کیا۔ مگر تھیبز اور اُس کے دوست آمادۂ جنگ ہو گئے۔

اس اثنا میں فیلوملوس نے دلفی کے مندر کے گرد ایک حصار تیار کرا دیا اور پانچ ہزار سپاہیوں کی فوج جمع کرلی اور جب اہل لوکریس نے حملہ کیا تو اسی فوج سے اُس نے انہیں بہ آسانی پسپا کردیا اہل تھیبز کو اُس کی فتح کا حال معلوم ہوا تو چارو ناچار انہیں بھی سرگرمی کے ساتھ جنگ کی تیاریاں کرنی پڑیں۔ تھرموپلی پر دینی مجلس کا انعقاد ہوا اور اس میں طے پایا کہ مقدس دلفی کی رستگاری کے لئے متحدہ فوج روانہ کیجائے۔ اس وقت جب اسپارٹہ یا ایتھنز کوئی بھی مدد پر آمادہ نہ ہوا تو اہل فوکیس کو سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ کرایہ کے سپاہیوں سے اپنی مدافعت کریں اور اُن کی تنخواہ مندر کے متبرک خزاین سے ادا کریں۔ اول اول اس معاملے میں فیلوملوس نے بہت احتیاط برتی اور جو کچھ لیا دلوناسے "قرض،، کے طور پر لیا لیکن رفتہ رفتہ یہ جوش احتیاط کم ہوگیا۔ اور مساوات ہوتے ہوتے اہل فوکیس وہاں کے متبرک ظروف اور بیش قیمت نذرانوں کو اس طرح بے دریغ کام میں لانے لگے کہ گویا وہ خاص اُن کا مال ہیں۔ پھر انہوں نے بڑی بڑی تنخواہیں دے کر دس ہزار سپاہی فراہم کرلئے جنھیں اس سے کچھ مطلب نہ تھا کہ وہ روپیہ کہاں سے آتا ہے۔ اسی فوج سے کچھ عرصے تک فیلوملوس تھیبز اور لوکریس کا مقابلہ کرتا رہا لیکن آخر میں کوہ پرناسوس کے شمالی پہلو پر سخت شکست کھائی۔ وہ خود اس جنگ میں مایوسانہ جانبازی کے ساتھ لڑتا رہا۔ اور اس حالت میں کہ زخموں سے

تمام جسم فگار تھا ہٹتے ہٹتے ایک گہرے کھڈ کے کنارے تک آگیا تھا جہاں دو ہی صورتیں تھیں کہ یا تو موت کے منہ میں گرے اور یا اسیر ہو جائے۔ اس نے پہلی صورت کو ترجیح دی اور غار میں کود کے ہلاک ہو گیا (۳۵۴ ق م)

لیکن فیلوملوس کا جانشین انومرکوس قابلیت میں اُس سے کم نہ تھا۔ وہ الاتیہ کا باشندہ اور فیلوملوس کا شریک منصب تھا اور دشمن کی فوجوں کے واپس ہوتے ہی اُس نے ازسرِ نو اپنی فوجی ترتیب درست کی اور تازہ سپاہ فراہم کرلی۔ اُس نے مندر کے نقرئی اور طلائی ظروف کو گلوا کر مسکوک کرانے پر اکتفا نہ کی بلکہ پیتل اور لوہے کے چڑھاوے بھی اسلحہ بنوانے کے کام میں لایا اور پھر غنیم پر پیہم فتوحات حاصل کیں۔ یعنی امفی سا کو اطاعت پر مجبور کیا۔ ڈورلیس کی تسخیر کی اور تھرموپلی پر اپنا پرچم نصب کیا

انومرکوس نے خدائے دلفی کے سونے سے ایک بڑا کام یہ لیا کہ فرایہ کے جابر بادشاہوں کو روپیہ دے کر توڑ لیا اور اس طرح اہل تھسالیہ میں باہم مخالفت پیدا کر دی؛ وہاں کی ریاستوں کو اس باہمی نزاع میں اپنے شمالی ہمسایے، فیلقوس شاہ مقدونیہ سے مدد کی التجا کرنی پڑی۔ کوہستانِ اولمپس کے جنوب میں یونان خاص کے اندر مقدونیہ کی مداخلت کا یہ پہلا موقع تھا اور اسی سے "جنگ مقدس" میں ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔

اپنے سابق حلیف، ایتھنز کو فیلقوس نے حال میں متھونہ چھین کر خلیج تھرما سے بالکل بے دخل کر دیا تھا، یونان کے معاملات میں

دخل کا یہ موقع ملتے ہی وہ فوراً آمادہ ہو گیا کہ اور جنوب میں بڑھ کے سیادتِ مقدونیہ کی بنیاد رکھ دے؛ لیکن انومرکوس نے دو لڑائیوں میں اُسے پے در پے شکست دی اور اُسے سخت نقصان اٹھا کے مقدونیہ میں پسپا ہونا پڑا۔ (۳۵۲ ق م)

یہ زمانہ گویا اہل فوکیس کی معراج ہے کہ خلیج کوزنتھ سے کوہ اولمپس کے دامنوں تک سارا علاقہ زیر نگیں تھا۔ ایک طرف تھرموپلی کا درہ اُن کے قبضے میں تھا اور دوسری طرف بیوشیہ میں شہر ارکومنوس اُن کا کلمہ پڑھتا تھا۔ اس علاقے کے ایک اور باموقع جنگی مقام، کرونیہ نے بھی مہم تھسالیہ کے بعد حال میں اُن کی اطاعت قبول کر لی تھی؛ لیکن فیلقوس نے اُس ذلت کا جو فوکیس کے ہاتھوں نصیب ہوئی تھی بہت جلد عوض لے لیا۔ اور سال آئندہ پھر تھسالیہ میں بڑھ کر خلیج پگاسوس کے قریب ایک فیصلہ کن فتح پائی جس میں فوکیس کے ایک ثلث سے زیادہ سپاہی کام آئے یا گرفتار ہو گئے۔ اور سپہ سالار انومرکوس مارا گیا؛ فرایہ پر فیلقوس کا قبضہ ہو گیا اور اس طرح تمام تھسالیہ پر مسلّط ہونے کے بعد اُس نے جنوب میں پیش قدمی کی تیاری کی کہ اپالو کی مقدس درگاہ کو اہل فوکیس کے پنجے سے آزادی دلائے جنھیں وہ دشمنانِ مذہب کے نام سے یاد کرتا تھا؛

فوکیس کو اس وقت مدد کی سخت ضرورت تھی اور اُس کے اتحادیوں نے، یعنی اسپارٹہ، ایتھنز اور اکائیہ کی ریاستوں نے بالآخر مدد دینے کا تہیّہ کر لیا کہ جس طرح ممکن ہو اہل مقدونیہ کو تھرموپلی سے نہ گزرنے دیا جائے؛ ایتھنز میں اُن دنوں یوبلوس سب سے با اثر مدبر تھا۔ اور اس موقع پر اُس نے نہایت مستعدی سے کام لیا

اور درے کی حفاظت کے لئے بہت بڑی جمعیت روانہ کی؛ فیلقوس سمجھ گیا کہ اس وقت درے پر حملہ کرنا نہایت مخدوش ہوگا۔ لہذا واپس چلا آیا اور دقت کے وقت فوکیس کی جان بچ گئی؛ (۳۵۲ ق م)

انومرکوس کی موت کے بعد عنانِ ریاست اس کے بھائی فاے لوس کے سپرد ہوئی اور وہ دو سال تک اپنے وطن کی قوت کو سنبھالے رہا۔ پھر جب وہ بیمار ہوکے فوت ہو گیا تو انومرکوس کا بیٹا فالی کوس اپنے چچا کا جانشین ہوا اور اُس کے زمانے میں اور چند سال تک تھم تھم کے جنگ ہوتی رہی؛

۴۔ مقدونیہ کا اقدام شمال میں

تھسالیہ سے واپس ہوتے ہی فیلقوس نے تھریس کی طرف حرکت کی اور وہاں کے بادشاہ کرسوبلپ تیس کو قبولِ اطاعت پر مجبور کیا۔ وہ اتنی تیزی سے بڑھا تھا کہ ایتھنز کو مدد کے لئے پہنچنے کی مہلت نہ مل سکی اور جب وہاں فیلقوس کے تھریس تک بڑھ آنے کی خبر ہوئی تو شہر میں خوف و اضطراب طاری ہو گیا۔ خرسونیس کو بچانے کے لئے فوراً بیڑا بھیجنے کی منظوری دی گئی۔ لیکن اسی وقت دوسری اطلاع ملی کہ فیلقوس بیمار ہے پھر سُنا کہ وہ فوت ہو گیا۔ لہذا بیڑے کی روانگی ملتوی کردی گئی؛ فیلقوس کی بیماری کی خبر صحیح تھی- اسی علالت نے اُسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اور خرسونیس پر سے بلا ٹل گئی؛

ابھی فیلقوس کو تخت نشین ہوے پورے آٹھ سال نہیں گزرے مگر اس قلیل مدت میں اُس نے دنیائے یونان کا رنگ بدل دیا؛ ریاست

مقدونیہ میں اب ایک قواعد داں فوج بن گئی تھی۔ مصارف ریاست کیلئے آمدنی کے کافی و وافی وسایل مہیا تھے۔ اور صرف ریاست ہائے کالسی ڈلیس اور سرے پر خرسونیس کا علاقہ اُس کے حلقۂ اثر سے بچارہ گیا ورنہ تھرموپلی کے درے سے بحیرۂ مرمورہ تک شمالی ایجین کا تمام ساحل فیلقوس کے زیر اقتدار تھا۔ یونان خاص میں اس کا دخل بڑھتا جاتا تھا۔ اور وہ یہ ہوس کرنے لگا تھا کہ وہاں کی ریاستوں کو کچھ اُسی طرح اپنا محکوم حلیف بنالے جس طرح اتحاد دلوس کے قدیم تر کا ایتھنز کے حلقہ بگوش تھے۔ سب سے بڑھکر یہ کہ اُس کے متعلق ابھی سے چرچے ہونے لگے تھے کہ فیلقوس کا مطمحِ نظر تمام یونانیوں کی طرف سے ایران پر چڑھائی کرنا ہے؛ فراموش نہ ہو کہ گو اہل یونان فیلقوس کو ایک حد تک اجنبی اور باہر کا آدمی سمجھتے تھے تاہم ابتدا سے اس کی خواہش یہ رہی تھی کہ مقدونیہ کو یونان خاص کا جزو بنادے اور یہاں کی آبادی کو اُن یونانیوں کے ہم سطح کر دے جو اگرچہ تہذیب و تمدن میں بہت آگے بڑھ گئے تھے لیکن نسلاً غیر نہ تھے؛ ایتھنز کا وہ خاص طور پر ہمیشہ لحاظ کرتا رہا اور اوس کو دوست بنانے کے لئے اپنا نقصان بھی ہو تو گوارا کرلیتا تھا؛ ذاتی طور پر وہ یونانی آداب و تہذیب کا گرویدہ تھا اور اگر جوانانِ مقدونیہ اُس کی صحبتِ بے تکلف کا لطف اوٹھاتے تھے جس میں وہ اپنے ہم وطن یارانِ جلسہ کے ساتھ جام پہ جام لنڈھاتا تھا، تو دوسری طرف ایٹی کا کے ادیب اور علما سے بھی اُسے ہم کلامی کا سلیقہ تھا؛ اور اُس کے قدر شناس علم ہونے کی ایک عمدہ مثال یہ ہے کہ اپنے بیٹے سکندر کی تعلیم کے واسطے اُس نے

حکیم ارسطو (باشندۂ استاجرہ) کو منتخب کیا جس نے ایتھنز میں علم و حکمت کی تحصیل کی تھی ٭

ان دنوں ریاست ایتھنز کی باگ ایک محتاط مدبر یوبلوس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ امن و صلح کا حامی تھا۔ پھر بھی فیلقوس نے جب درہ تھرموپلی سے گزرنا چاہا تو یوبلوس نے فوج بھیج کر اس کا منصوبہ خاک میں ملا دیا اور اسی موقع پر ایتھنز سے فیلقوس کو بڑی زک پہنچی۔ لیکن جس وقت تھریس میں فیلقوس کے بڑھنے کی خبریں پہنچیں تو کچھ عرصے کے واسطے یوبلوس کا اثر کم ہو گیا اور حریفوں کو اُس کے پھونک پھونک کے قدم رکھنے پر سخت اعتراض کا موقع ملا۔ ان مخالفین میں ڈموس تھینز سب سے پیش پیش تھا۔ وہ ایتھنز کے ایک کارخانہ دار کا بیٹا اور بچپن میں باپ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گیا تھا۔ اُس کے باپ نے معقول ترکہ چھوڑا تھا مگر اس میں سرپرستوں نے غبن کیا اور جب ڈموس تھینز جوان ہوا تو اس نے عدالت کے ذریعے اپنا حق واپس لینا چاہا۔ اس مقصد کے لئے اُس نے بہت دن ایسائیوس نامی خطیب کے سامنے زانوے ادب تہ کیا اور قانون اور فن تقریر کی تعلیم حاصل کی۔ اُسے اپنے قدرتی عیوب کو رفع کرنے میں بہت کچھ زحمت اٹھانی پڑی اور بعد میں وہ خود بیان کیا کرتا تھا کہ کس کس طرح کبھی آئینے کے سامنے کھڑے ہو کے اپنی اضطراری حرکات و سکنات کو ترک کیا اور کبھی منہ میں سنگریزے بھر بھر کے بہ آواز شعر خوانی کی مشق کی ٭ جس وقت فیلقوس نے تھریس میں پیش قدمی کی تو ڈموس تھینز کو اپنی جادو بیانی دکھانے کا

موقع ملا اور اُس نے وہ پرتاثیر اور معرکہ آرا تقریر کی جو پہلی " فلپک "
(یعنی فیلقوس تقریر) کے نام سے مشہور ہے (۳۵۱ ق م) اور جس میں
ہم وطنوں کو جوش دلایا تھا کہ اس "قومی دشمن" کے ساتھ جنگ پر
مستعد ہو جائیں ۔ اسی تقریر میں ڈموس تھینز نے اپنے ہم وطنوں کی
غفلت اور اُن کے مقابلے میں فیلقوس کی سرگرمی کی تصویر دکھائی
ہے کہ " وہ ایسا شخص نہیں ہے کہ جو کچھ لے چکا ہے اسی پر قناعت
کرلے ؛ وہ برابر اپنی فتوحات اور مقبوضات بڑھانے کی دُھن میں
ہے ہم اپنے گھر میں بیٹھے لیت و لعل کر رہے ہیں. وہ ہمارے گرد
جال لگاتا چلا آتا ہے "

ڈموس تھینز کی تجویز یہ تھی کہ ریاست کی فوج میں اضافہ کیا جائے
اور اسی ضمن میں وہ سب سے زیادہ اس بات پر زور دیتا تھا کہ تھریس
جو فوج روانہ کی جائے اس میں کم سے کم ایک چوتھائی شہر کے باشندے
ہوں اور فوج کے تمام سردار بھی ایتھنز کے رہنے والے ہوں تاکہ
اپنے وطنی مفاد کی خاطر پوری جانبازی کے ساتھ مقابلہ کرسکیں ۔ اس
تجویز پر بہت کچھ احسنت و مرحبا ہوئی، لیکن عمل کچھ نہ ہوا ۔ اصل
یہ ہے کہ مقرر کے تصور میں عہد پری کلیس (فارقلیس) کا ایتھنز سمایا
ہوا تھا حالانکہ اب اسے عہد یوبلوس کے ایتھنز سے سابقہ تھا ۔ اور گو
اس عہد کے ایتھنزی اپنے پرانے معاملہ داروں کے ساتھ نمٹنے کی قوت
رکھتے تھے یعنی اسپارٹہ ، تھبنر اور جزایرِ ایجین کے مقابلے میں ان کے
سپہ سالار اور اجیر سپاہی ایتھنز کو اوّل درجے کی طاقت بنائے
ہوئے تھے جس کا سمندر میں کوئی مد مقابل نہ تھا بایں ہمہ ایک

طاقتور بری سلطنت کے جرّار لشکر کے سامنے اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ کیونکہ جس وقت سے اُس کی سلطنت کا شیرازہ بکھرا اور بیرونی مقبوضات ہاتھ سے نکلے، ایتھنز کے باشندوں کا تمام تر رُجحان امن کی طرف ہو گیا تھا۔ اور وہ جنگ و جدال سے احتراز کرنے لگے تھے۔

ریاست مقدونیہ کے فروغ کی دوسری منزل جزیرہ نمائے کالسی ڈیس کا الحاق ہے اور اس کا قریبی سبب یہ ہوا کہ فیلقوس کے سوتیلے بھائی کو جو تخت کا مدعی تھا ریاست اولن تھس نے پناہ دی اور جب فیلقوس نے پیام بھیجا کہ اُسے حوالے کر دیا جائے تو انہوں نے انکار کر دیا۔ فیلقوس نے کالسی ڈیس پر فوج کشی کی۔ اولن تھس کے حلیف شہروں نے یکے بعد دیگرے اپنے دروازے کھول دئے اور اگر کسی نے خود اطاعت قبول نہ کی تو اُسے فیلقوس نے حملہ کرکے چھین لیا۔

اس نازک وقت میں اولن تھس نے ایتھنز کے ساتھ اتحاد کرنا چاہا اور اسی مسئلہ پر وہاں جو مباحثے ہوئے ان میں ڈموس تھینز نے "اولن تھسی" تقریریں کیں جو در اصل فیلقوس ہی کے متعلق ہیں، (۳۴۹ ق م) اس موقع پر معلوم ہوتا ہے اہل ایتھنز کی آنکھیں کھل گئی تھیں اور ان میں اتنا احساس پیدا ہو گیا تھا کہ ڈموس تھینز کو یہ جرأت ہوئی کہ اس روپے کو جو عوام الناس کی تفریح و نمائش کی غرض سے جمع ہوتا تھا، اس نے فوجی اغراض کے لئے خرچ کرنے کی تحریک پیش کی نیز شہری سپاہیوں کی فوج آراستہ کرنے پر بھی زور دیا۔ بہرحال ایتھنز نے اولن تھس کے ساتھ معاہدۂ اتحاد منظور کیا اور کرائے کے سپاہی

مدد کے لئے روانہ کردئے۔ چونکہ انہیں ایام میں کرسوبلپ تیس شاہ تھریس نے بھی علم سرکشی بلند کیا تھا، لہذا ممکن تھا کہ فیلقوس پریشان ہو جائے۔ لیکن اُس نے اوّل ایتھنز کے لئے خود وطن کے قریب سامانِ تردد پیدا کردیا۔ یعنی ایک عرصے کی ریشہ دوانی سے آخر یوبیہ کو اتنا برگشتہ کیا کہ اُس نے ایتھنز سے علانیہ بغاوت کی۔ اور فوج کا دو دو جگہ منقسم ہونا اہل ایتھنز کے حق میں نہایت مضر ہوا کیونکہ گو سپہ سالار فوکیون نے اہل یوبیہ کو جنگ میں شکست دی لیکن اس کے بعد کچھ نہ کرسکا اور خود ایتھنزی سپاہیوں کی معقول تعداد کو دشمن کے ہاتھ میں اسیر چھوڑ کر واپس چلا آیا۔ انہی قیدیوں کا ایتھنز کو پچاس تیلنت فدیہ ادا کرنا پڑا اور یوبیہ کی خود مختاری بھی اس نے تسلیم کرلی۔

ادھر فیلقوس اولن تھس کو برابر دبا رہا تھا اور فوری مدد کے پیام پر پیام ایتھنز بھیجے جا رہے تھے۔ اس مرتبہ ڈموس تھنیز کے حسب مراد ۲ ہزار شہری سپاہیوں کی فوج بھی یہاں سے بھیجی گئی لیکن اتنے یہ فوج پہنچے، اولن تھس مسخر ہو چکا تھا؛ قبضہ کرنے کے بعد فیلقوس نے شہر کو مسمار کرا دیا اور اس کے باشندے مقدونیہ کے مختلف اضلاع میں منتشر کردئے؛ اُس کے اتحاد میں اور جو ریاستیں شریک تھیں وہ محکوم بلکہ قریب قریب مقدونیہ کا جزو بن گئیں (۳۴۸ق م)

۵ — عہد نامۂ فیلوکراتیس

جنگی مصارف نے ایتھنز کا خزانہ خالی کر دیا تھا۔ ریاست

راکینِ عدالت کا یومیہ معاوضہ بھی ادا نہ کرسکتی تھی۔ اور صلح کرنی ضروری نظر آتی تھی۔ مگر اولن تھس کی تسخیر نے، جہاں بہت سے ایتھنزی باشندے بھی اسیر ہوئے تھے، لوگوں کو نہایت صدمہ پہنچایا۔اسی طیش میں انہوں نے پلوپنی سس کی ریاستوں میں اس غرض سے سفارت بھیجی کہ اولن تھس کے برباد کرنے والے کا مِل کر مقابلہ کیا جائے۔ اس کا ای نیس نامی خطیب جو ڈموس تھینز کا مشہور حریف ہے سفیر منتخب ہوا تھا۔ یہ شخص پہلے اپنے باپ کے مکتب میں نائب مدرس رہا تھا پھر تھیٹر میں نوکر ہوا۔ اور آخر میں کسی سرکاری دفتر کا منشی مقرر ہوگیا تھا؛

اُدھر فیلقوس کا اس وقت منشا یہ تھا کہ ایک تو ایتھنز کے ساتھ صلح کرلے اور دوسرے ڈلفی کی دینی مجلس کا رکن بن جائے، اس موقع پر تھیبز نے اہل فوکیس کے خلاف اس سے مدد چاہی اور اور فوکیس میں یہ اطلاع ہوئی تو وہاں سے ایتھنز اور اسپارٹہ کو ایلچی روانہ ہوئے کہ فیلقوس کو یونان کے باہر روکنے میں مدد دیں یہ درخواست منظور ہوئی لیکن خود اہل فوکیس میں باہم نفاق ہوگیا اور فالے کوس کو انہوں نے سپہ سالاری سے معزول کردیا جس کے جواب میں فالے کوس اور اُس کے رفیقوں نے تھرموپلی پر قبضہ کرلیا اور ایتھنز اور اسپارٹہ کی فوج کو درے میں آنے سے روک دیا۔ اندیشہ یہ تھا کہ جب فیلقوس آئیگا تو فالے کوس درے کو اُس کے حوالہ کردے گا۔ پس اب مصلحت یہی نظر آتی تھی کہ فیلقوس کے ساتھ صلح کرلی جائے۔ چنانچہ پایۂ تخت پیلہ کو ایتھنز کے

دس اور اتحادیوں کا ایک، کل گیارہ سفیر اس غرض سے بھیجے گئے کہ شاہ مقدونیہ سے شرائط صلح طے کریں۔ اور ان میں اسکائی نیس اور ڈموس تھینز بھی شامل تھے۔

فیلقوس جن شرائط پر صلح کے لئے آمادہ ہوا وہ یہ تھیں کہ ایتھنز اور مقدونیہ کے پاس عہد نامے کی تکمیل کے وقت جو علاقے موجود ہوں اُن پر انہی کا قبضہ رہے اور عہد نامے کی تکمیل اُس وقت سمجھی جائے گی جب کہ فریقین اس کی پابندی کا حلف اٹھالیں اور اس عہد میں فوکیس کے سوائے ایتھنز اور مقدونیہ دونوں کو بھی شریک کیا جائے۔ ان شرائط کے صاف معنی یہ تھے کہ ایتھنز امفی پولس کے دعوے سے دست بردار ہوجائے اور اُدھر فیلقوس خرسونیس پر اس کا قبضہ تسلیم کرلے۔ دوسرے یہ کہ فوکیس کا آئندہ کوئی ساتھ نہ دے کیونکہ اس ریاست کی بیخکنی مقدونیہ کا خاص مدعا تھا اور شرائط معاہدہ میں فیلقوس کسی طرح اس مقصد کو نظر انداز نہ کرسکتا تھا۔

فیلقوس کو بڑی فکر اس بات کی تھی کہ صلح کی تکمیل ہونے سے پہلے وہ تھریس کے چند قلعوں پر اور قبضہ کرلے جو شاہ کرسوبلپ تیس کی ملکیت تھے۔ چنانچہ اودھر سفارت پیلہ سے رخصت ہوی اور ادھر اس نے فوج لے کے تھریس کی طرف کوچ کیا۔ مگر سفیروں کو اس بات کا اطمینان دلا دیا کہ خرسونیس کے ایتھنزی علاقے پر کوئی آنچ نہ آئے گی۔ سفیروں کے جانے کے چند روز بعد مقدونیہ کے تین وکیل ایتھنز پہنچے کہ اہل ایتھنز اور اُن کے حلیفوں سے

حسب دستور اپنے سامنے حلف لیں۔ فیلوکراتیس کی تحریک پر مجلس اتھنز نے فیلقوس کی پیش کردہ شرائط پر صلح کر لی (مارچ ۳۴۶ ق م) اور اب ایک طرف سے تو صلح کی تکمیل ہو گئی لیکن اتھنزی وکلا کا دوبارہ مقدونیہ آکر فیلقوس اور اُس کے حلیفوں سے حلف لینا باقی تھا۔ بالفاظ دیگر، اس فریق نے ابھی تک صلح نہ کی تھی اور حلف لینے کے وقت تک فیلقوس اس بات کا مجاز تھا کہ مزید علاقہ فتح کرے۔ پس اہل اتھنز کے واسطے ضروری تھا کہ وہ جلد سے جلد صلح کی تکمیل کرالیں۔ چنانچہ وہی سفیر جو پہلے شرائط طے کرنے آئے تھے پھر مقدونیہ روانہ ہوئے؛

اس اثنا میں فیلقوس تھریس کے قلعوں پر قابض ہو چکا تھا اور کرسوبلپ تیس کی حیثیت اب محض خراج گزار کی رہ گئی تھی؛ ایلچیوں کے واپس آنے کے بعد شرائط صلح کی رسمی تکمیل میں کوئی دشواری باقی نہ تھی۔ بلکہ فیلقوس صلح سے بڑھکر اس قسم کا اتحاد کرنے پر آمادہ تھا کہ جس سے اتھنز اور مقدونیہ میں مستقل دوستی ہو جائے اور وہ شمالی یونان کی ریاستوں کے متعلق مل کر فیصلہ کریں؛ یہ اتحاد اس بنیاد پر ہو سکتا تھا کہ فوکیس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔ اور تھیبز کی قوت توڑی جائے کہ وہ بیوشیہ کے دوسرے شہروں کی خودمختاری تسلیم کرنے پر مجبور ہو۔ اپنے واسطے فیلقوس صرف اتنا چاہتا تھا کہ ڈلفی کی دینی مجلس میں اُسے شریک کئے جانے کی اتھنز تائید کرے اور اس کے عوض میں وہ اتھنز کو جزیرۂ یوبیہ اور قلعۂ اڑوپوس واپس دلانے کا وعدہ کرتا تھا؛ واضح ہو کہ اتھنز کے

جو سفیر دوبارہ صلح کا حلف لینے آئے تھے انہیں مذکورۂ بالا معاملات کے متعلق مزید گفت و شنید کا بھی اختیار تھا اور فیلقوس کی یہ نئی شرطیں سُن کر اس کائی نیس اتحاد کا سرگرم حامی ہوگیا تھا۔ نیز پولبوس کا بھی میلانِ خاطر تھا۔ لیکن ڈموس تھینز کی رائے یہ تھی کہ فوکیس سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے اور تھبز کو جہاں تک ہوسکے اپنا دوست بنایا جائے تاکہ جس وقت اتھینز کی مالی حالت درست ہوجائے تو وہ اور تھبز مل کر فیلقوس کی غاصبانہ دست درازی کا تدارک کرسکیں؛ اس عظیم اختلاف رائے کی وجہ سے اتھینز کے سفیروں میں باہم نہایت نازیبا مناقشے ہونے لگے اور نتیجہ یہ ہوا کہ صلح کی پہلی شرائط پر حلف لینے کے سوا فیلقوس کے ساتھ اور کوئی قرار داد نہ ہوسکی؛

حقیقت میں یہ اتھینز کی بڑی بدنصیبی تھی کہ اس نازک وقت میں کوئی مستقل مزاج شخص ریاست کا رہنما نہ تھا۔ ڈموس تھینز اور پولبوس کے متضاد مشوروں کے طفیل مجلس کی کبھی کچھ رائے ہوجاتی تھی کبھی کچھ۔ چنانچہ سفارت کے واپس آنے پر جب ڈموس تھینز نے آتے ہی اپنے ساتھی سفیروں کی مذمت شروع کی تو اوّل اوّل لوگ اُن سے ناراض ہوگئے۔ مجلس کی طرف سے سفیروں کے تشکریہ ادا کئے جانے کا دستور تھا وہ بھی ملتوی کردیا گیا۔ لیکن جب اس کائی نیس اور اس کے رفیقوں نے اپنے طریق عمل کی حمایت میں تقریریں کیں تو پھر اہل مجلس ان کے ہم خیال ہوگئے۔ اور انہوں نے فیلقوس اور اس کے جانشینوں کے ساتھ صلح و اتحاد کا معاہدہ کرنے کی منظوری دے دی۔ بلکہ یہ حکم نافذ کیا کہ حکومت اتھینز اہل فوکیس سے

باضابطہ دلفی کو چھوڑ دینے کا مطالبہ کرے؛
ادھر فیلقوس فوج لئے جنوب میں بڑھ رہا تھا۔ اور فالےکوس نے دروہ تھرموپلی کو اُس کے حوالے کردیا تھا۔ (جولائی ۳۴۶ ق م) اس موقع پر پہنچنے سے پہلے فیلقوس نے حکومت اتھنز کو بھی دو مراسلے بھیجے تھے اور حلیفانہ طریق پر لکھا تھا کہ فوکیس اور بیوشیہ کے معاملات کا تصفیہ کرنے کی غرض سے اہل اتھنز بھی اپنی کچھ فوج روانہ کریں؛ مگر ڈموس تھنیز نے کہنا شروع کیا کہ یہ اُس کا فریب ہے اور وہ دھوکے سے اتھنزی سپاہ کو حراست میں لے لینا چاہتا تھا؛ لوگوں پر اس تقریر کا اثر ہوا اور انہوں نے کوئی فوج نہ روانہ کی بلکہ چند سفیر بھیجنے پر اکتفا کی اور فوکیس کے متعلق جو کچھ فیصلہ اُن کی مجلس نے کیا تھا صرف اُس سے فیلقوس کو اطلاع دے دی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک طرف تو انہوں نے فوکیس کا ساتھ چھوڑا اور دوسری طرف شمالی یونان کے معاملات میں حَکَم بننے کا جو موقع ملتا تھا اوسے کھو دیا اور یہ سب اس تلوّن کا نتیجہ تھا کہ کبھی تو وہ ڈموس تھنیز کے ساتھ ہو جاتے اور کبھی یوبلوس کی سی کہنے لگتے تھے؛

اُدھر ڈموس تھنیز کی یہ مخالفت دیکھی تو فیلقوس کو اتھنز پر کوئی بھروسہ نہ رہا اور اُس نے مجبور ہوکر اتھنز کے حریف تھبز سے رشتۂ اتحاد قایم کرلیا اور اسی ریاست کے ساتھ مل کر فوکیس کا قصہ پاک کیا؛ یعنی مغربی بیوشیہ کے جن شہروں پر فوکیس قابض تھا وہ پھر تھبز کے حلقۂ اتحاد میں داخل کردئے گئے اور اس کے بعد دینی مجلس منعقد ہوی اور اُس نے فوکیس کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ

(بہ استثناے شہر لیبی) علاقہ فوکیس کے تمام شہروں کو توڑ دیا جاسے۔ اور اُن کی آبادی چھوٹے چھوٹے گانوں میں منتشر کردی جائے کہ آئندہ کبھی مقدس ڈلفی کو اُن سے خطرہ نہ پیدا ہو۔ مندر کا جو کچھ سازو سامان یا روپیہ وہ اپنے تصرف میں لے آئے تھے اُس کے لئے ساٹھ تیلنت سالانہ کی قسط مقرر کردی گئی اور دینی مجلس کی رُکنیت سے فوکیس کو خارج کرکے اُس کی جگہ مقدونیہ کو شامل کرلیا گیا۔ جو گویا فیلقوس کی دینی خدمات کا صلہ اور ایک لحاظ سے اس کی سرداری کو قبول کرنا تھا؛

اس واقعے کو کچھ مدت نہ گزرنے پائی تھی کہ فیلقوس کی اُس وقعت و امتیاز کے اظہار کا موقع بھی آگیا جو اُس نے دنیائے یونان میں حاصل کرلی تھی یعنی اتفاق سے جس سال مذکورۂ بالا معاہدہ تکمیل کو پہنچا ہے وہی ڈلفی کے چہار سالہ تہوار کا زمانہ تھا اور اس میں وہاں کی دینی مجلس نے شاہ مقدونیہ ہی کو تہوار کا صدرنشین منتخب کیا؛ ایتھنز نے کشیدگی اختیار کی اور نہ اس مجلس میں شرکت کی نہ تہوار میں کوئی حصہ لیا وہاں اُس وقت فیلقوس کی مخالفت پیدا ہوگئی تھی اور اس لئے ڈموس تھینز کا دور دورہ تھا لیکن ڈموس تھینز ہو یا اس کا حریف یوبلوس، حق یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی ایتھنز یا یونان کی ضروریات کو نہ سمجھتا تھا اور ان کے معاصرین میں اگر کوئی شخص زمانے کا رنگ سمجھا تو وہ نوّے سال کا بڈھا، الیسوکراتیس جس نے علانیہ فیلقوس کو ایک تحریر بھیجی کہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اس طرح علیحدہ اور خود مختار رہنے دینا بالکل فضول ہے، وقت آگیا ہے کہ تمام یونان کو متحد کیا جائے اور وہ لوگ جنھیں اپنے شہروں میں روزگار نہیں ملتا اور جہاں تہاں

فوجوں میں نوکری کرتے پھرتے ہیں کسی نئے علاقے میں لے جاکے آباد کردئے جائیں؛ آخر میں الیسوکراتیس نے فیلقوس کو جوش دلایا کہ وہ یونان کے متحد لشکر کو لے کر نکلے اور غیر یونانی ملچھوں کو نکال کر ایک نئی دنیا آباد کرے؛

۶۔ صلح کی مہلت اور جنگ کی تیاریاں (۳۴۶ تا ۳۴۱ ق م)

یونان کی مذہبی انجمن میں وہ مرتبہ حاصل کرنے کے بعد جس کی مدّت سے آرزو تھی، فیلقوس دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہوا اور آیندہ دو سال تک اپنی حقیر بحری قوت کی ترقی، تھسالیہ کے نظم و نسق کی درستی اور بوزنطیس میں اپنا نفوذ بڑھانے میں مصروف رہا؛ تھسالیہ کی شہری ریاستوں نے اُسے اپنا آرکن منتخب کیا اور اس کے چار بڑے بڑے حصوں میں اُس نے چار صوبہ دار مامور کردئے؛ خاکنائے کورنتھ کے جنوب میں باہمی عہد و پیمان سے مسینیہ، مگالوپولس، آرگوس اور الیس کی ریاستیں اُس کے حلقہ اتحاد میں آگئیں؛ اور گو اتھنز جسے حلیف بنانا فیلقوس کا خاص مقصود تھا، ابھی تک کشیدہ رہا؛ تاہم وہ اُسے راہ پر لے آنے سے نا امید نہ ہوا تھا؛ وہاں کا جہاں دیدہ مدبر یوبلوس مقدونیہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات کو پسند کرتا تھا۔ اس کائی نیس اور فیلوکراتیس کی بھی یہی رائے تھی اور فوکیون جیسا بے غرض فوجی بھی اس طرف مایل تھا۔ اور یہ وہ ممتاز شخص ہے جو اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ بے لاگ مانا جاتا تھا اور ہر قسم کی ناجائز طمع سے پاک اور مبترا تھا۔ اس فوق العادت

دیانت داری کی ایتھنز میں بڑی قدر تھی اگرچہ اُس پر عمل کرنے کی واں بہت کم لوگ کوشش کرتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ گو **فوکیون** زیادہ سے زیادہ ایک باوضع حولدار کی قابلیت رکھتا تھا لیکن اُس کا ۴۵ مرتبہ سپہ سالاری کے عہدے پر انتخاب ہوا۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ وہ سلیم الطبع شخص تھا اور محض پُرجوش تقریریں سن کر اُس کی رائے نہ بدلتی تھی۔ اور ان سب باتوں نے مل کر اُسے اپنے سیاسی گروہ کا بہت کار آمد رکن بنا دیا تھا؛

مگر ایتھنز میں ایک شخص ایسا تھا جس نے ٹھان لی تھی کہ یہ صلح کا وقفہ محض آئندہ جنگ کی تیاریوں میں صرف کیا جائے۔ یہ ڈموس تھینز تھا، جو ہر وقت اہلِ وطن کو فیلقوس کے خلاف اشتعال دلاتا رہتا اور اپنے سیاسی دشمنوں کی بیخ کنی کے درپے ہوگیا تھا۔ وہ ایک سفارت لے کے **پلوپنی سس** گیا اور واں بھی وہ آتش زبانی دکھائی کہ ریاست مقدونیہ کو ایلچی بھیج کر شکایت کرنی پڑی۔ اسی شکایت کے جواب میں ڈموس تھینز نے وہ پرجوش تقریر کی جو دوسری "فلپک" کے نام سے مشہور ہے (۳۴۴ ق م) اس میں مقرر نے فیلقوس پر یہ اتہام لگایا ہے کہ اس کی خواہش اور کوشش ہی ایتھنز کو تباہ کردینا ہے؛ چندہی روز میں ڈموس تھینز کے شاگرد رشید **ہائی پریڈیز** نے فیلوکراتیس پر مقدمہ دایر کیا کیونکہ مقدونیہ کے ساتھ جو معاہدۂ صلح ہوا تھا اُس میں یہی شخص پیش پیش تھا؛ فیلوکراتیس نے بھاگ کر جان بچائی اور اُس کی عدم موجودگی میں اُسے عدالت نے سزا موت کا مستوجب قرار دیا؛ اس کے بعد خود ڈموس تھینز

نے اس کائی نیس پر الزام قایم کیا اور اُس معرکہ آرا مقدمے کا آغاز ہوا جس کی قدیم تاریخ میں نظیر ملنی دشوار ہے۔ دونوں طرف سے "سفیروں کی بد دیانتی"، پر تقریریں شایع ہوئیں۔ کذب و بہتان کے یہ دفتر اب تک موجود ہیں اور اسی کوڑے میں سے عہد نامۂ فیلوکراتیس کے واقعات کو چُن کر نکالنا، مورخ کا کام ہے کو ڈموس تھینیز کے اس قول کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ اس کائی نیس نے رشوت لے کر عمداً اپنے ضمیر کے خلاف رائے دی۔ کیونکہ گو غالباً اُس نے کچھ نہ کچھ روپیہ ضرور لیا تھا لیکن جس طریق عمل کا وہ موید تھا اُس کے سب سے بڑے حامی یوبلوس اور فوکیون تھے جن کی شرافت اور دیانت مسلم ہے۔ بہرحال اس کائی نیس سزا پانے سے بال بال بچ گیا۔

ادھر ملک اپیرس میں ایسے واقعات پیش آئے کہ ڈموس تھینیز کو مقدونیہ کے خلاف یونانیوں کو متحد کرنے کا جو ارمان تھا وہ ایک حد تک پورا ہوگیا۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ فیلقوس نے اپیرس کی شہزادی سے شادی کی تھی اور جب اُس کے خسر (شاہ اپیرس) نے وفات پائی اور وہاں وراثت کے متعلق جھگڑے پیدا ہوے تو خواہ مخواہ فیلقوس کو مداخلت کرنی پڑی۔ وہ اپنے برادر نسبتی الکزنڈر کا پشت پناہ بن کر چلا اور اُس کے چچا کے مقابلے میں اُسی کو تخت پر متمکن کردیا۔ اس طرح جب اپیرس مقدونیہ کا دست نگر ہوگیا تو فیلقوس کو اس راستے مغربی یونان اور خلیج کورنتھ تک بڑھنے کا موقع ملا۔ اور اُس کی نیت دیکھکر ادھر کی تمام ریاستیں ایسی خوف زدہ ہوئیں کہ نہ صرف امبراکیہ، اگرنانیہ اور اکائیہ نے بلکہ جزیرہ کرکائرا تک نے

ایتھنز کی حمایت چاہی اور اُس کے ساتھ متحد ہو گئے۔

لیکن فیلقوس نے خود ہی فیصلہ کیا کہ ابھی اس طرف زیادہ پاؤں پھیلانے کا موقع نہیں ہے اور دوسرے کرسوبلیپتیس کے تیور بگڑے دیکھکر یہ مقدونی کشور کشا تھریس کی کامل تسخیر پر کمربستہ ہوگیا جو حقیقت میں اس کی زندگی کا نہایت اہم کارنامہ ہے۔ یہ مہم دس مہینے میں سرانجام ہوی (سنہ ۳۴۲ و ۳۴۱ ق م)۔ اور فیلقوس نے اس برفانی علاقے میں تمام سردی کا زمانہ میدان جنگ میں گزارا۔ اور علالت و برودت دونوں کی تکلیف برداشت کی کیونکہ لڑائی میں وہ نہ کسی خطرے کو گردانتا تھا نہ تکلیف کو۔ تھریس کے بادشاہ کو تخت سے اُتار دیا گیا اور اس کی مملکت مقدونیہ کا ایک خراج گزار صوبہ بن گئی۔

اس فتح نے ایتھنز کے لئے خاص بحیرۂ اسود کے دروازوں پر نہایت تشویش کا سامان پیدا کردیا کیونکہ اب اُس کے علاقے فیلقوس کی حدود سے بالکل متصل تھے۔ ڈموس تھینز نے ہم وطنوں کو آمادہ کیا کہ اپنے علاقوں کی حفاظت کے لئے ڈایوپی تیس کو چند جہاز اور فوج دے کر خرسونیس روانہ کیا جائے۔ ڈایوپی تیس نہایت شیخی خورہ سردار تھا اور اُس نے جاتے ہی کارڈیا پر حملہ کیا جس سے پہلے ایتھنز کا کچھ جھگڑا ہو چکا تھا۔ مگر معاہدۂ صلح کے وقت اس ریاست کو صراحت کے ساتھ فیلقوس کا حلیف تسلیم کیا گیا تھا اور اس لئے ڈایوپی تیس کا حملہ معاہدے کی صریح خلاف ورزی تھی فیلقوس نے اعتراض کیا اور اُن کے امیرالبحر کی یہ ایسی کھلی ہوی زیادتی تھی کہ اہل ایتھنز اس فعل پر اپنی بیزاری اور بے تعلقی ظاہر کرنے پر تیار تھے

لیکن ڈموس تھینز نے اپنے آدر وہ کو بھی بچا لیا اور اُس کی تائید بھی کرا دی۔ اسی مسئلہ پر زبان کے زور سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد اُس نے وہ پر جوش تقریر کی جو گویا طبلِ جنگ کی آواز تھی اور "تیسری فلپک" کے نام سے مشہور ہے۔ (۳۴۱ ق م)

فوراً جا بہ جا ایلچی روانہ ہوئے اور خود ڈموس تھینز بحیرۂ مرمورہ کی طرف چلا کہ پرینتھس اور بای زنطہ کو مقدونیہ سے منحرف کر دے۔ اُدھر اتھنزی فوجیں جزیرہ یوبیہ میں اُتار دی گئیں اور انہوں نے اوریئوس اور ارتریا کے حکام کو جو فیلقوس کے اثر میں تھے، نکال دیا اور ان شہروں کو یوبیہ کی ایک آزاد انجمن اتحاد میں شریک کرا دیا۔ انہوں نے یہ تمام مخالفانہ کارروائیاں ایسی حالت میں کیں کہ معاہدۂ صلح میں علانیہ کوئی فرق نہ آیا تھا مگر ان سب میں پرینتھس اور بای زنطہ کی سرکشی ایسی بات تھی جسے فیلقوس کسی طرح خاموشی کے ساتھ گوارا نہ کر سکتا۔ چنانچہ تھریس کے نظم و نسق سے فارغ ہوتے ہی اُس نے پرینتھس کا بری اور بحری محاصرہ شروع کیا۔ اتھنز نے اس پر کوئی کارروائی نہ کی۔ لیکن یک بہ یک فیلقوس نے اس شہر کا محاصرہ چھوڑ کر بای زنطہ پر یلغار کی اور اُسے توقع تھی کہ وہ شہر اس اچانک حملے کا تدارک نہ کر سکے گا اور مسخر ہو جائے گا۔ بای زنطہ آبنائے باسفورس کی کنجی تھا اور اُسے خطرے میں دیکھ کر اتھنز کا الگ رہنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ وہاں سے کاریس کو جہازوں کا دستہ دے کے روانہ کیا گیا اور پھر فوکیون دوسرا بیڑا لے کے چلا کہ اس شہر کی

اعانت کی جائے۔ رودس اور خیوس سے بھی کمک آگئی تھی
اور اس جتھے کے مقابلے میں فیلقوس کو مجبوراً تھریس میں واپس
ہونا پڑا۔ ڈموس تھنیز کا ان مساعی کی وجہ سے بہت نام ہوا
اور سرکاری طور پر مجلسِ ایتھنز میں شکریہ ادا کیا گیا۔(۳۴۰ ق م)
ریاست مقدونیہ کی بحری قوت بہت کم زور تھی اور
ایتھنز کو اپنی بحری فوقیت سے فایدہ اٹھانے کا زیادہ موقع
حاصل تھا۔ لیکن وہاں جس طریق پر جہاز فراہم کئے جاتے تھے
وہ اچھی طرح کام نہ دیتا تھا، اور ڈموس تھنیز عرصے سے
اس کی اصلاح کا خواہاں تھا۔ اُن کے ہاں یہ طریقہ سترہ سال
سے رائج ہوا تھا کہ ریاست کے سوا بارہ سو متمول باشندوں پر
"جہاز داری" کا بار ڈال دیا جاتا۔ اور اگر زیادہ جہازوں کی ضرورت
ہوتی تو پانچ پانچ اشخاص کے بہت سے گروہ کردئے جاتے تھے۔
کم جہازوں کی ضرورت ہوتی تو ایک گروہ میں پندرہ پندرہ کو
شریک کرلیتے اور ہر گروہ ریاست کے واسطے ایک سہ طبقہ جہاز
فراہم کرتا تھا، مگر اس طریقے میں بڑا عیب یہ تھا کہ ہر گروہ کے
تمام شرکاء کو مساوی رقم ادا کرنی پڑتی تھی۔ اور ان میں جو لوگ
نسبتاً کم استطاعت ہوتے انہیں بھی اپنے گروہ کے دوسرے
دولت مند افراد کے برابر روپیہ بھرنا ہوتا تھا۔ اور وہ اس
بار کو اٹھا نہ سکتے تھے پس یا تو اُن کی مالی حالت بگڑ جاتی
اور یا اُس سے بھی بڑھکر ایک خرابی یہ پیدا ہوتی تھی کہ جہازوں کی
تکمیل اور فراہمی میں بہت تاخیر ہوجاتی۔ ڈموس تھنیز کو اب

ایتھنز میں اتنی قوت حاصل ہوگئی تھی کہ دولت مندوں کی شدید مخالفت کے باوجود اُس نے مذکورہ بالا طریقے میں ترمیم کرادی اور یہ نیا ضابطہ جاری ہوا کہ آئندہ ہر شہری اپنی املاک اور آمدنی کے تناسب سے جہازی مصارف برداشت کرے۔ اور اُس کی رُو سے وہ لوگ جن کی جائداد ۱۰ تیلنٹ سے زیادہ مالیت کی مشخص ہوی، مصارف جہاز کا پانچواں یا شاید پندرہواں حصہ دینے کی بجائے اب مجبور تھے کہ تنہا تین سہ طبقہ جہاز اور ایک کشتی فراہم کریں" اور ڈموس تھینیز نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ مصارف تفریح پر بھی ہاتھ ڈالا اور پہلے جس تجویز کا ضمناً ذکر کیا تھا اب درحقیقت عمل میں آگئی یعنی لوگ رضامند ہوگئے کہ یہ سرمایہ فوجی کاموں میں لگا دیا جائے۔

۷۔ جنگ شیرونیہ

جنگ کرنے کے سوا فیلقوس کے لئے اب کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ ڈموس تھینیز جو بای زنطہ کے محاصرے سے قبل محض ایک سر پھرا مقرّر سمجھا جاتا تھا اب ایتھنز کے نظم و نسق پر حاوی ہوگیا تھا۔ اور حیرت انگیز مستعدی سے معاملات ریاست کو انجام دے رہا تھا۔ اُس کے ساتھ مصالحت کا کوئی امکان نہ تھا اور جنگ لابُد نظر آنے لگی تھی۔ خود ڈموس تھینیز کی تمام امیدوں کا انحصار تھیبز پر تھا کہ اگر اس ریاست سے اتحاد ہوجائے تو ایتھنز اور تھیبز کی متحدہ سپاہ کا مقدونیہ کی یورش کو روک لینا غالباً

کچھ بڑی بات نہیں ہو

یورش کا وقت بھی کچھ دور نہ تھا۔ اور اس کا سبب کچھ عجیب پیدا ہوگیا؛ یعنی گزشتہ جنگِ مقدس کے دوران میں اہل ایتھنز نے اپنے وہ چڑھاوے دوسری مرتبہ چڑھائے جنہیں جنگِ پلاتیہ کے بعد انہوں نے دیوتا کے مندر پر چڑھایا تھا اور جن پر یہ کتبہ کندہ تھا۔ "اہائی ایران و تھبز کے مالِ غنیمت سے جو لِ کر یونانیوں سے لڑے تھے،، اہل تھبز کو موقع ملا کہ وہ اس قدیم و دائم اہانت کا بدلہ لیں اور انہوں نے اہل ایتھنز کو یہ الزام دینا شروع کیا کہ ایسی حالت میں جب کہ ڈلفی کا مندر ناپاک اہل فوکیس کے قبضے میں ہے کسی چڑھاوے کا دوبارہ چڑھانا گویا دیوتا کی توہین کرنا ہے؛ شہر امفی سا (لوکریس) کے نائبین نے اس الزام کو باقاعدہ مجلس دینی کے جلسے میں پیش کیا۔ (۳۴۰ق م) اور ایتھنز کی طرف سے اس کائی نیس نے اُس کا یہ الزامی جواب دیا کہ شہر کرلیسا کی قدیم زمینیں دیوتا کے نام پر وقف کردی گئی تھیں اور اُن پر تصرف کرنا سخت ممنوع اور موجب عذاب قرار دیا گیا تھا (ملاحظہ ہو باب سوم فصل ۷) لیکن خود لوکریس کے لوگ اُن کے بعض حصوں میں زراعت کرنے لگے ہیں؛ پھر اُسی کی تحریک پر اہل مجلس اور ڈلفی کے لوگ روانہ ہوئے کہ اُن کے کھیتوں کو پامال کردیں۔ لیکن اُن پر لوکریس والوں نے حملہ کیا جو کہ مذہب کی دوسری توہین تھی؛ ان علاقوں میں پھر ایک مذہبی جنگ برپا ہوئی مگر ڈموس تھینز کو اس کائی نیس کی کامیابی کا حسد ہوا۔ اور اس نے اہل ایتھنز کو لڑائی میں حصہ لینے سے روک دیا۔ اسی طرح تھبز بھی

الگ رہا کیونکہ درحقیقت امفی سا پر تھبز کی حمایت اور طرفداری کے طفیل ہی یہ تمام مصیبت پڑی تھی؛ ان دونوں ریاستوں کے علیحدہ ہو جانے سے مجلس دینی کی قوت کمزور ہوگئی اور آخر انہوں نے فیلقوس کو بلایا کہ اس مذہبی تنازع میں وہی اُن کا سردار ہوا۔

صدائے استعانت سُن کر فیلقوس نے ایک ساعت بھی تاخیر نہ کی اور فوج لے کر تھرموپلی سے گزرتا ہوا شمالی فوکیس میں آ پہنچا اور یہاں شہر الاٹیہ پر قابض ہو کر اس کے مسمار کردہ قلعے کو دوبارہ تعمیر و مستحکم کر لیا مقصد یہ تھا کہ امفی سا پر بڑھنے کی صورت میں اہل بیوشیہ اُس پر عقب سے حملہ نہ کر سکیں اور درۂ تھرموپلی کا راستہ کھلا رہے۔ لیکن الاٹیہ کے زمانہ قیام میں اُس نے اول تھبز کا منشا دریافت کرنے کی غرض سے ایلچی بھیجے اور اعلان کیا کہ مقدونوی فوج ایٹی کا پر حملہ کریگی۔ پس یا تو اہل تھبز حملے میں اُس کے شریک ہو جائیں اور یا کم از کم اُس کی فوجوں کے بیوشیہ سے گزرنے میں مزاحم نہ ہوں۔

ایتھنز میں جب وقت مقدونوی فوج کے الاٹیہ پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو اہل شہر ایک رات اور ایک دن تک سخت دہشت و سراسیگی میں مبتلا رہے۔ اس بُرے وقت کا چند سال کے بعد ڈموس تھینیز نے اپنی ایک تقریر میں نقشہ کھینچا ہے اور لوگوں کو اُن کے جذبات خوف و ہراس یاد دلائے ہیں۔ اور ذہین مقرر کی اسی تقریر کی بدولت' جسکے زور بیان کے مقابل کوئی خطیب دعوئے برتری نہیں کر سکتا۔ وہ واقعات تاریخ میں یادگار ہیں؛ یہ بھی ڈموس تھینیز ہی کی صلاح تھی کہ اہل ایتھنز نے دس ایلچی تھبز روانہ کئے۔ اُن کی ساری امید کا

دارو مدار اسی پر تھا کہ تھبز کو مقدونیہ سے توڑ لیا جائے۔ ایلچیوں کو ہر قسم کی رعایتیں دینے کا مجاز کر دیا گیا تھا اور ہدایت تھی کہ خود کوئی مطالبہ نہ کریں۔ اہل ایتھنز علاقہ بیوشیہ پر تھبز کی سیادت تسلیم کرنے اور قلعہ اُروپوس کے دعوے سے دست بردار ہونیکے لئے تیار تھے اور مصارف جنگ میں سے دو تہائی خود برداشت کرنیکا اقرار کرتے تھے۔ غرض اس قسم کی رعایتیں دے دے کر ایتھنز کے ایلچیوں نے جن میں ڈموس تھینز بھی شامل تھا تھبز کو اپنا رفیق و حلیف بنا لیا۔ بہ الفاظ دیگر، وہ مقصود جس کے لئے ڈموس تھینز سال ہا سال سے کوشاں تھا بالآخر حاصل ہو گیا۔

ادھر فیلقوس نے بڑھ کر امفی سا اور نوپاک توس کو فتح کر لیا اور اب واپس ہوا کہ بیوشیہ کے علاقے میں جنگ کرے۔ جس وقت وہ مقام شیبرونیہ کے قریب مغربی دروں سے اس ملک کے اندر داخل ہوا تو اُس نے اتحادیوں کی فوج کو جنگ پر تیار پایا جو تھبز کا راستہ روکے ہوئے پڑی تھی۔ فیلقوس کے پاس ۳۰ ہزار پیادہ اور دو ہزار سوار فوج تھی اور غالباً یہ تعداد حریف مقابل کی جمعیت سے کسی قدر زیادہ تھی۔

اتحادیوں کی صفیں ۲½ میل کے قریب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ میسرہ قصبۂ شیبرونیہ پر تھا اور میمنہ رود سفی سوس کے کنارے کا سہارا لئے ہوئے تھا۔ تھبز کے ہپ لیت اسی بازو پر تھے کیونکہ دستِ راست عزت کی جگہ سمجھی جاتی تھی اور اُن میں سب سے آگے "دستۂ مبارک" کی قطاریں تھیں؛ قلب میں اتحاد کے کمتر درجے کے شرکا کی فوجیں تھیں جیسے اکائیہ، کورنتھ، فوکیس وغیرہ۔ اور میسرے پر

ایتھنزی جوان تین سپہ سالاروں کے زیر علم صف آرا تھے ۔ ان سپہ سالاروں میں سب سے ممتاز اور آزمودہ کار سپاہی کاریس تھا، لیکن اُس میں کوئی خاص ذہانت نہ تھی باقی دو، لیسی کلیس اور ست راتا کلیس، بالکل نالائق سردار تھے ۔ خود ڈموس تھینیز معمولی پیادے کی حیثیت سے صف میں کھڑا تھا +

فیلقوس نے جس طریقے سے فوج کو لڑایا اس کا کچھ نہ کچھ اندازہ کرنا ممکن ہے ؛ غنیم کی فوج میں سب سے سخت مقابلہ تھبنز کے پیادوں سے درپیش تھا اس لئے اُس نے اُن کے سامنے یعنی میسرے پر مقدونوی "پرا" جمایا جس میں سپاہی لمبی برچھیاں لئے ہوے کسی قدر دُور دُور کھڑے ہوتے ہیں ؛ اسی فوج کے بازو پر زرہ پوش سواروں کی فوج تھی کہ جب تھبنز کی فوجیں تھک جائیں تو وہ اُن کو پامال کردے ۔ اس سوار فوج کا سردار نوجوان سکندر کو بنایا تھا جس کی عمر اٹھارہ برس کی تھی ؛ اپنا میمنہ فیلقوس نے عمداً کمزور رکھا تھا کہ وہ رفتہ رفتہ پیچھے ہٹے اور اپنے مد مقابل ایتھنزی سپاہیوں کو اتنی دور تک لگا لائے کہ وہ اپنے حلیفوں سے الگ ہو جائیں ۔ اس کی یہ حکمت ہمیں اپامننڈس کی جنگی چالیں یاد دلاتی ہے ۔ لیکن رسالے کو اس کام کے لئے محفوظ کر دینا کہ وہ کچھ دیر کے بعد فیصلہ کن حملہ کرے، خاص فیلقوس کی جنگی تدبیر ہے +

یہی ہوا کہ سامنے کی فوج کو ہٹتے دیکھ کر اہل ایتھنز بڑے جوش و خروش کے ساتھ دباتے چلے آئے اور ستراتا کلیس کو تو اپنے اس غلبے پر یہ زعم ہوا کہ چلّا کے کہنے لگا "چلے چلو مقدنیہ تک !" لیکن اس

عرصے میں سکندر کے سوار اہل تھیبز کی صفیں درہم برہم کر چکے تھے اور صرف دستۂ مبارک کے بہادر رفیقوں کی مایوسانہ اور آخری جدوجہد جاری تھی۔ اب فیلقوس اپنے کچھ پیادہ دستے آسانی سے دوسری طرف بھیج سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے انہیں اس طرح گھمایا کہ وہ اہل ایتھنز کے پہلو اور عقب پر آنکلے اور ان قواعد داں سپاہیوں کے متواتر حملوں نے اہل ایتھنز کو بے دست و پا کردیا۔ ان کے ایک ہزار آدمی مارے گئے۔ دو ہزار اسیر ہوئے اور باقی فرار ہو گئے اور بھاگنے والوں میں ڈموس تھینز سب سے آگے آگے تھا۔ لیکن دستۂ مبارک نے پیٹھ نہ دکھائی۔ اُس کے سرفروش سپاہی برابر لڑے گئے یہاں تک کہ سب کام آئے اور یہ انہی کی جانبازی تھی جس کی بدولت شیرونیہ کی لڑائی کو یہ مرتبہ حاصل ہوا کہ "آزادی کی راہ میں جہاد" کہلانے لگی۔

اس قول سے کہ یونان کی آزادی کا شیرونیہ کے میدان میں خاتمہ ہو گیا مغالطہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ سچ پوچھئے تو جب کبھی کسی یونانی ریاست نے غلبہ و اقتدار حاصل کیا، لازمی طور پر بعض دوسری ریاستیں نظروں سے گر گئیں، بعض دوسروں کی محتاج ہو گئیں اور بعض محکوم۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ شیرونیہ کے میدان میں اقبال نے مقدونیہ کا ساتھ دیا تھا اور یہ ریاست غیر یونانی سمجھی جاتی تھی۔ جنوبی یونان کے باشندے تھسالیہ کو بھی غیر سمجھتے تھے اور ظاہر ہے کہ مقدونیہ تو سیاسی، تاریخی، جغرافی غرض ہر اعتبار سے اور بھی بعید علاقہ تھا۔ دوسرے یہ کہ مقدونیہ کا غلبہ حقیقت میں آزاد قومی حکومتوں پر مطلق العنان بادشاہی کی فتح تھی اور اس نئے یونانی ریاستوں کی

اطاعت کو اگر شاعرانہ پیرائے میں ایک جابر کی شرمناک غلامی سے تعبیر کیا جائے تو یہ بیجا استعارہ نہ تھا؛ یہی وجہ تھی کہ جنگ شیرونیہ کی خبر نے یونان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سناٹا سا ڈال دیا۔

۸۔ یونانیوں کی شیرازہ بندی، فیلقوس کی موت

تھیبز کے ساتھ فیلقوس نے سخت سلوک کیا۔ اپنے تمام سربرآوردہ مخالفین کو اُس نے چُن چُن کے مارا یا ان کا مال متاع ضبط کر لیا قلعے میں اُس نے مقدونوی سپاہ متعین کردی اور بیوشیہ کی انجمن اتحاد توڑ کر تمام شہروں کو تھیبز کی ماتحتی سے آزاد و خود مختار کر دیا۔ اُرکومنوس اور پلاٹیہ کے قصبے جن کی فصیلیں منہدم کرادی گئی تھیں، ازسرنو تعمیر کرلے، یہ سب کچھ تو ہوا لیکن فیلقوس ایتھنز کے ساتھ حسب معمول نرمی اور ملاطفت سے پیش آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ شکست کے بعد بھی ایتھنز بے دست و پا نہ ہو گیا تھا۔ اُس کی بحری قوت موجود تھی جس نے اُسے ذلت سے بچا لیا اور اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہو کہ فیلقوس ایتھنز کے علم و فضل کا ہمیشہ ادب ملحوظ رکھتا تھا۔ دوسرے ایتھنز کی جس عملی اور دلی تائید کا وہ ابتدا سے جویا تھا، آخر کار اس کے حصول کی ایک یہ شکل نکل آئی تھی کہ اس موقع پہ اپنے شکست خوردہ دشمن کے ساتھ غیر متوقع نرمی سے کام لیا جائے۔ کیونکہ ایتھنز میں ڈموس تھینز کی حکمت عملی ناکام رہی اور اب وہاں ہر شخص اپنے

دو ہزار قیدیوں کی مخلصی اور اپنے علاقے سے حملے کی بلا ٹالنے کا خواہشمند تھا ۔ ان دونوں باتوں کے لئے فیلقوس نے آمادگی ظاہر کی کہ اگر اہل ایتھنز اپنے باقیماندہ حلیفوں سے آئندہ کوئی سروکار نہ رکھیں اور فیلقوس کے مجوزہ جدید اتحاد میں شریک ہو جائیں تو وہ ایتھنز کے قیدیوں کو بلا فدیہ چھوڑ دیگا اور اٹیکا پر پیش قدمی نہ کریگا ۔ بیرونی علاقوں کے بارے میں اُس کی شرط یہ تھی کہ اہل ایتھنز خرسونیس پر مقدونیہ کا قبضہ تسلیم کر لینگے تو قلعۂ اروپوس اُن کے حوالے کر دیا جائیگا ؛ چنانچہ فریقین میں انہی شرایط پر صلح ہو گئی ؛

اب مقدونیہ کو پلوپونی سس کی ریاستوں سے اپنی سیادت تسلیم کرانی ضروری تھی ۔ اس غرض سے فیلقوس اس جزیرہ نما میں داخل ہوا اور کسی نے اس کی مزاحمت نہ کی ۔ صرف اسپارٹہ ایسی ریاست تھی جس نے سرِ تسلیم خم کرنے سے انکار کیا اور جس طرح اپامنن ڈس کے ہاتھوں زخم کھایا تھا اسی طرح فیلقوس کے ہاتھوں لقونیہ کی تاراجی اور کچھ علاقے کے چھن جانے کا نقصان اٹھایا ؛ اسی طرح جنوب میں اپنی سطوت اور زورِ شمشیر دکھانے کے بعد شاہ مقدونیہ نے تھرموپلی کے جنوب کی تمام ریاستوں کو دعوت دی کہ کورنتھ کی مجلسِ یونانی میں اپنے اپنے وکلا روانہ کریں ۔ اور ایک اسپارٹہ کے سوا تمام ریاستوں نے اس کی تعمیل کی ؛

ریاستہائے یونان کی یہ پہلی مرکزی مجلس اتحاد کا انعقاد تھا جس کا مقام کورنتھ اور میر مجلس شاہ مقدونیہ بنا ۔ اتحاد کا مقصود ابتدا سے لوگوں کی

نظر میں تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اعلان ایک سال بعد دوسرے جلسے میں ہوا (۳۳۷ ق م) اور فیلقوس نے تمام یونان اور یونانی دیوتاؤں کی طرف سے دولتِ ایران پر فوج کشی کرنیکا مصمم ارادہ ظاہر کیا کہ ایشیا کے یونانی شہروں کو آزادی دلائی جائے اور ملیچھوں کو ان نجس افعال کی سزا دی جائے جو اُن کے اجداد سے زرکسیز کے عہد میں سرزد ہوئے تھے۔ یہ گویا باضابطہ اعلان تھا کہ یورپ و ایشیا کی دائمی کشمکش کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہونیوالا ہے۔ مجلس نے اتفاق رائے سے جنگ کی منظوری دی اور فیلقوس کو اختیارات کامل دیکر سپہ سالار منتخب کیا۔ عالم یونانی کی متحدہ افواج میں سب ریاستوں کا حصہ مقرر کر دیا گیا کہ ہر ایک کو کس قدر جنگی جہاز یا امدادی فوج دینی چاہئے۔ اس میں جنگی جہازوں کی معقول تعداد کی فراہمی اہل ایتھنز نے اپنے ذمے لی تھی +

مگر واضح رہے کہ ایسوکراتیس کو جس قسم کے اتحاد کی آرزو تھی اُس طرح یہ نئی مجلس تمام یونانیوں کو شیر و شکر نہ کر سکی۔ کیونکہ اہل یونان کو مقدونیہ کے اغراض و مقاصد میں ساتھ دینے کا نہ جوش تھا نہ اسکی سیادت و رہنمائی پر ان کا دل مطمئن ہوتا تھا۔ دوسرے اندرونی طور پر یونانی ریاستیں اسی طرح الگ الگ اور ایک دوسرے سے مستغنی تھیں۔ اُن کی باہمی اغراض میں کوئی یک جہتی نہ پیدا ہوئی تھی اور مجلس اتحاد نے جس قسم کی صلح کا عہد و پیمان لیا تھا اُسکا قیام بھی فوجی چھاونیوں کے بغیر ممکن نہ تھا۔ چنانچہ فیلقوس نے ملک میں تین باموقع مستقر بنائے تھے اور ان میں مقدونوی فوج متعین کر دی تھی۔ ان میں ایک مغربی علاقوں کی نگرانی کے لئے امبراکیہ میں تھا۔ دوسرا چالکیس میں کہ شمال مشرقی یونان کو

قابو میں رکھے اور تیسرا کورنتھ میں کہ پلوپنی سس کو سر اٹھانے نہ دے ×

اگلے موسم بہار میں (۳۳۶ ق م) جنگ کے لئے اس کی تیاریاں قریب قریب مکمل ہوگئیں اور اس نے پارمینو اور بعض سپہ سالاروں کو کچھ فوج دے کے بطور ہراول آگے روانہ کر دیا کہ دروانیال کی بحری گزرگاہ پر قابض ہو جائے اور ساحل کے دوسری جانب علاقہ ترود اور ہتھی نیہ پر بھی کسی جگہ قدم جمالے ۔ باقی لشکر کو وہ خود لے کر چلنے والا تھا ۔ لیکن کورنتھ کے کسی باشندے نے ایک موقع پر برملا فیلقوس سے کہا تھا کہ خود اپنے گھر کو تم نے بغض و فساد سے بھر دیا ہے ۔ وہ بالکل صحیح بات تھی ۔ کیونکہ ہرچند شاہ مقدونیہ سے یہ توقع رکھنی فضول تھی کہ وہ صرف اپنی بیوی کا ہو رہیگا لیکن فیلقوس کو جو مغرور و تندخو بیوی ملی تھی وہ اُس کی علانیہ بیوفائی پر صبر نہ کر سکتی تھی ۔ پھر یہ کہ خود اس بیوی کی عصمت شعاری مسلم نہ تھی اور لوگوں میں سکندر کے متعلق بھی سرگوشیاں ہوتی تھیں کہ وہ فیلقوس کے نطفے سے نہیں ہے ۔ اس خانگی فساد کی آگ اُس وقت بھڑکی جب فیلقوس مقدونیہ کی ایک دوشیزہ کلیوپیٹرا پر فریفتہ ہو گیا جو اُس کے سپہ سالار اتالوس کی بھتیجی اور اتنی عالی رتبہ شریف زادی تھی کہ اُسے حرم بنا کے رکھنا ممکن نہ تھا ۔ جذبۂ عشق سے مجبور ہو کر آخر اُس نے اولمپیاس کو طلاق دی اور اپنی دوسری شادی رچائی شادی کی ضیافت میں اتالوس نشۂ شراب سے بدمست ہو کر امرا کی طرف

مخاطب ہوا کہ صاحبو دعا کرو کہ تخت مقدونیہ کا صحیح النسب وارث پیدا ہو۔ سکندر نے اپنی ماں کی یہ توہین سنکر کہنے والے کے منہ پر جام شراب کھینچ مارا۔ اور اس پر فیلقوس نے کھڑے ہوکر تلوار کھینچ لی کہ بیٹے کے جسم میں بھونک دے۔ لیکن نشے میں لڑکھڑا کے گرا اور سکندر نے طنزاً کہا " دیکھنا یہی وہ شخص ہے جو یورپ کو طے کرکے ایشیا جائے گا اور اس وقت ایک چوکی سے دوسری چوکی تک آنے میں گرا پڑتا ہے !"

مگر اب پیلہ میں سکندر کا قیام نہ ہو سکتا تھا۔ وہ اپنی مطلقہ ماں کو اپیرس لایا اور خود لین سس تیس کی پہاڑیوں میں گوشہ نشیں ہوگیا اور جب تک خود فیلقوس نے نہ بلایا واپس نہ گیا۔ اسی عرصے میں کلیوپیٹرا کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور سکندر کی جانشینی پھر خطرے میں نظر آنے لگی۔ لیکن فیلقوس کو سب سے زیادہ خیال اسبات کا تھا کہ مظلوم اولمپیاس کے بھائی یعنی اپیرس کے طاقتور بادشاہ سے جہاں تک ہو سکے بگاڑ نہ ہو۔ اسی غرض سے اُس نے اپنی بیٹی شلہ اپیرس کو دینی چاہی اور یہ شادی فیلقوس کے ایشیا جاتے وقت بہت تزک و احتشام سے پیلہ میں ہونے والی تھی۔ مگر اولمپیاس وہ بلاسے بدتمی جسے کسی جرم کا ارتکاب کرنے میں باک نہ تھا اور اتفاق سے اس کا ذریعہ بھی آسانی سے مل گیا یعنی ایک گمنام اور ناکارہ شخص پوسے نیاس پر اتالوس نے ظلم کیا تھا اور جب بادشاہ نے دادرسی نہ کی تو پوسے نیاس خود فیلقوس کا سخت دشمن ہوگیا تھا۔ اسی شخص کو اولمپیاس نے اپنا آلہ بنایا اور خاص

بیٹی کی شادی کے دن جب کہ فیلقوس فوج خاصہ سے کسی قدر آگے آگے تاشا گاہ میں داخل ہو رہا تھا، پوسے نیاس خنجر لے کے جھپٹا اور دروازے میں فیلقوس کی لاش پھڑکنے لگی۔ خونی کو پکڑ کے لوگوں نے مار ڈالا۔ لیکن سچ پوچھئے تو اصلی قاتل اولمپیاس تھی؛

دنیا کے بڑے بڑے تاجداروں میں تاریخ نے جو نا انصافی فیلقوس کے ساتھ کی ہے کسی کے ساتھ نہ کی ہوگی۔ بیٹے کی عظمت نے جو اپنے باپ سے کہیں بڑھا چڑھا نکلا خود فیلقوس کو ماند کر دیا۔ دنیا کی آنکھوں میں سکندر کے وہ حیرت انگیز کار نامے دیکھکر خیرگی پیدا ہوگئی جو درحقیقت فیلقوس ہی کی عمر بھر کی محنت و جاں کاہی کا پھل تھے۔ دوسرے فیلقوس کے کاموں کے متعلق ہماری قریب قریب تمام معلومات کا انحصار اہل ایتھنز کی اور خاص کر ڈموس تھینز کی تقریروں پر ہے۔ اور ڈموس تھینز کا مدعائے تقریر ہمیشہ یہ ہوتا تھا کہ فیلقوس کی ہر بات میں عیب نکالا جائے۔ اس طرح اتفاقات اور اس جادو بیان حریف کی زہر چکانی کی وجہ سے جو آنے والی نسلوں کے دل و دماغ پر قابض ہے۔ اور نیز خود اپنے افعال کے نتایج کی بدولت فیلقوس کو دنیا کی تاریخ میں وہ مرتبہ نصیب نہ ہوا جو تھرلیس و یونان کے فاتح اور مقدونیہ کو مقدونیہ بنانے والے کا حق تھا؛ بایں ہمہ خود سکندر کے کارنامے فیلقوس کے کاموں کی سب سے مستند شہادت ہیں؛

فیلقوس کے ساتھ جہاں اور ناانصافیاں کی گئی ہیں انہی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اس کے زمانے کی تاریخ گویا ڈموس تھینز کی

سوانح عمری سے ہے اور اُن کے علاوہ عام حالات بہت کم جمع کئے گئے ہیں؛ اس بات سے تو ڈموس تھنیز کے سیاسی دشمنوں کے سوائے کوئی بھی انکار نہ کریگا کہ وہ سب سے فصیح مقرر اور وطن کا سچا دلدادہ تھا۔ لیکن سچ پوچھئے تو خود وہ جادو بیانی جس میں اُس نے نام پایا یونانی ریاستوں کے حق میں زہر کا حکم رکھتی تھی۔ اس میں کلام نہیں کہ آزاد قومی حکومتوں میں قوم کو ہم رائے بنانے کے لئے تقریر وخطابت سے کام لینا ناگزیر ہے خاص کر کوئی ایسا مدبر یا سپہ سالار جیسے پری کلیس، کلیون یا زینو فن اُس سے کام لیں تو وہ نہایت مبارک اور تیز کار گر آلہ بن سکتی ہے مگر جس وقت وہ ضمنی اور امدادی شے نہ رہے تو پھر خطرناک اور ضرر رساں ہتیار بن جاتی ہے۔ چنانچہ ایتھنز میں یہی ہوا کہ مقرروں نے مدبروں کی جائے لے لی اور اس گروہ میں بھی ڈموس تھنیز سب سے بازی لے گیا؛ خطابت کے یہ ماہر تقریر میں دانائی کی باتیں اور اصولِ سیاست کے متعلق نہایت پر اثر فقرے کہنے خوب جانتے تھے لیکن مقدونیہ کے شاطر کے سامنے مدرسے کے سیکھے ہوے زبانی جمع خرچ سے کچھ پیش نہ جا سکتی تھی۔ اور یہ بڑھ بڑھ کے باتیں بنانے والے بڑے بڑے کام کرنے والے کے ہاتھ میں محض طفلِ دبستاں تھے۔

*

باب ہفدہم

ایران کی تسخیر

ا۔ سکندر کی فتوحات یونان و تھریس میں

تخت مقدونیہ پر قدم رکھتے ہی (موسم گرما ۔ ۳۳۶ ق م) سکندر کو ہر طرف دشمنوں کا نرغہ نظر آیا۔ مجلس کورنتھ کے حلیف، تھریس کی محکوم اقوام اور الیریہ کے قدیم دشمن، سب کے سب فیلقوس کے مرتے ہی اٹھ کھڑے ہوے کہ اُس کا کیا دھرا کام خاک میں ملا دینے کا یہی موقع ہے۔ اُدھر کلیوپیٹرا کا باپ اتالوس ایشیا میں اپنے حقیقی نواسے کی طرف سے برسر فساد تھا؛ سکندر نے ایک ایک کرکے ان سب خطرات کا مقابلہ کیا اور سب کو مغلوب کیا +

سب سے اوّل اُس نے یونان کا رُخ کیا جہاں اہل اتھنز فیلقوس کے مرنے پر علانیہ شادمانی کر رہے تھے اور انھوں نے ڈموس تھنز

کی تحریک پر حکم نافذ کیا تھا کہ فیلقوس کے قاتل کو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے ؛ امبراکیہ نے مقدونیہ کی متعیّنہ سپاہ کو نکال دیا تھا اور تھبز نے بھی اسی قسم کی کوشش کی تھی مگر ان سب سے زیادہ قابلِ تردّد تھسالیہ کی بغاوت تھی کیونکہ وہاں کی سوار فوج، مقدونوی لشکر کا نہایت ضروری حصّہ بن گئی تھی ؛

سکندر تمپی کے درے تک بڑھا اور یہ دیکھ کر کہ اسے غنیم کی زبردست جمعیت روکے ہوئے ہے اُس نے کوہ اوسا میں زینے کاٹ کاٹ کر اپنے لئے ایک نیا راستہ تیار کرا لیا اور اسی سے چڑھ کر دوسری جانب دشمن کے عقب میں آنکلا۔ خوں ریزی کی نوبت بھی آنے نہ پائی۔ اہلِ تھسالیہ نے کان دبا کے اُسے اپنا آرکن منتخب کر لیا اور اُس نے یہاں کی بستیوں کو تمام وہی حقوق و مراعات بخش دئے جو اُس کے باپ نے انہیں عنایت کئے تھے ؛ تھرموپلی پر اس نوجوان تاجدار کو مجلسِ دینی نے بادشاہ تسلیم کیا اور اُس کی جنوب کی طرف پیش قدمی میں کوئی مزاحم سامنے نہ آیا۔ در اصل وہ اس تیزی سے بڑھا تھا کہ کسی کو سنبھلنے تک کی مہلت نہ مل سکی۔ اہلِ ایتھنز نے سفارت بھیج کر اپنے کئے کی معافی مانگی اور یونانی مجلس کا کورنتھ میں انعقاد ہوا کہ سکندر کو اُس کے باپ کی جگہ ریاست ہائے متحدہ کا سپہ سالار منتخب کیا جائے۔ (۳۳۶ ق م)

تمام یونان کی جانب سے وہ ایشیا کے حملے کے لئے اعلیٰ سپہ سالار بنایا گیا خود اُس کی بھی خواہش یہی تھی کہ مقدونیہ کا بادشاہ بنکر نہیں، بلکہ اکیلیس[۱] کا

۱۔ یہ بہم ٹرواے کا سب سے نامی یونانی سورما تھا اور شاہانِ مقدونیہ اسے اپنا مورثِ اعلیٰ بتلاتے تھے۔ مترجم

خلف سعید اور عالم یونانی کا سرگروہ بن کر دولت ایران پر فوج کشی کرے۔ مجلس اتحاد کی حلیف ریاستوں نے جو امدادی فوج بھیجی اُس کی تعداد بہت کم تھی اور اُسے سپہ سالار منتخب کرنیکے واسطے جو رائیں دی گئیں وہ بھی سب فرضی اور برائے نام کارروائی تھی' بایں ہمہ یونانی دنیا کی توسیع اور یونانی تمدن کی ترویج کا جو کام انجام دینے کے لئے قسمت نے سکندر کو چھانٹا تھا اُس کا یہ نہایت موزوں سرآغاز ہے کہ اہل یونان باضابطہ اُسے اپنا نمایندہ تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ حقیقت میں یونانی قوم کا نمایندہ ثابت ہوا +

اس اثنا میں وہ خانگی خطرات بھی جو راستے میں حایل تھے زبردستی دور کر دئے گئے۔ یعنی سکندر کی سوتیلی ماں' اس کے شیرخوار بچے اور باپ تینوں کا کام تمام ہو گیا۔ آتالوس کا تو خود سکندر کے حکم سے ایشیا میں خون ہوا مگر کلیوپیٹرا اور اُس کے بچے کی موت کا وبال اُس کی گردن پر نہیں ہے۔ یہ اُس کی ماں اولمپیاس کی کارستانی تھی جس نے انتقام کے جوش میں بچے کو خاص ماں کی گود میں قتل کرایا اور خود کلیوپیٹرا کو مجبور کیا کہ اپنی پیٹی کا آپ پھندا بنا کے اپنے تئیں سولی دے لے +

تھریس میں فساد کے آثار نمایاں تھے۔ الّیریہ سے طوفان کی آمد آمد نظر آرہی تھی۔ اور ایسی حالت میں کہ تھریس عقب میں بغاوت کے لئے تیار ہو اور مغرب کی طرف سے بھی مقدونیہ پر حملے کا خطرہ ہو' سکندر کا ایشیا پر بڑھنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ اگلے موسم بہار (۳۳۵ ق م) میں وہ شمالی تھریس کے سرکش قبایل کو زیر کرنے میں مصروف رہا

اور وہاں سے مقدونیہ کی طرف واپس چلا تھا کہ اہل الیریہ کے سرحد تک آجانیکی اطلاع ملی سکندر نہایت تیزی سے کوچ کرتا ہوا اُن کے مقابلے میں پہنچا اور پلیون کے قریب شکست دی۔ مگر جس طرح تھریس سے مراجعت کرتے ہی الیریہ کے خطرے کی اطلاع آئی تھی، اسی طرح وہ ابھی ملک الیریہ کے وسط میں تھا کہ تھبنر کی بغاوت کی خبر ملی؛

یونانی مُحبانِ وطن فیلقوس کی زندگی میں اکثر اُس کی موت کی دعائیں مانگتے تھے اور اب اُس کا نوجوان بیٹا بادشاہ ہوا تو اُس کے مرنے کی آس تکنے لگے تھے اور سکندر مقدونیہ کے باہر مصروفِ جنگ تھا کہ نہایت سرعت کے ساتھ یہ افواہ یونان میں پھیل گئی کہ مُراد برآئی، سکندر تھریس میں مارا گیا؛ ساتھ ہی تھبنر کے مفرور جنھوں نے اتھنز میں پناہ لے رکھی تھی بعجلت اپنے وطن میں واپس آئے اور مقدونیہ کا جُوا اُتار پھینکنے کا اشتعال دلانے لگے؛ مقدونوی فوج تھبنر کے قلعے کادمیہ میں متعین تھی اُس کے دو سردار جو باہر تھے گرفتار کر کے قتل کر دئے گئے اور اب اہل شہر نے خاص قلعے کا محاصرہ شروع کیا۔ تھبنر کی اس بغاوت کا حال سنتے ہی تمام یونان اُسکی پیروی پر آمادہ ہوگیا۔ محبانِ وطن کی مُردہ امیدوں میں جان پڑ گئی۔ کادمیہ کی تسخیر ایک شدنی امر نظر آنے لگی؛

یکایک خبر دینے والوں نے اہل تھبنر کے کان میں آکے کہا کہ مقدونیہ کی فوج آپہنچی اور چند ہی میل دور اُن کِسْتُوس پر مقیم ہے۔ لوگوں میں اس اطلاع سے سراسیگی پھیلنے لگی مگر اُن کے سرگروہوں نے اطمینان دلایا کہ سکندر تو مرچکا یہ ہو نہ ہو مقدونوی سپہ سالار اَنیٹی پاٹر ہے؛

لیکن در اصل وہ خاص سکندر شاہِ مقدونیہ تھا جو دو ہفتے کے اندر اندر پلیون سے اُن کِستوس آپہنچا اور اگلے ہی دن تھنبز کی شہرپناہ کے سامنے کھڑا تھا۔ سکندر نے تھبنز کو قبول اطاعت کی مہلت دینے کے لئے پہلے انتظار کیا لیکن شہر والوں نے خود پیش دستی کی اور دوسرے دن ایک معمولی لڑائی ہوتے ہوتے ساری فوج نے ہلّہ کر دیا؛ شہر فتح ہوگیا (ستمبر ۳۳۵ق م) اور فتحمندوں نے نہایت بے رحمی سے لوگوں کو تہِ تیغ کیا چنانچہ اس سے پہلے کہ سکندر اس قتل عام کے روکنے کا حکم دے ۶ ہزار جانیں تلف ہو چکی تھیں؛ دوسرے دن اُس نے مجلس کورنتھ کے حلیفوں کو جمع کیا کہ باغی شہر کی سزا تجویز کریں۔ مجلس نے فتویٰ دیا کہ شہر کو زمین کے برابر کرا دیا جائے، اُس کے باشندے لونڈی غلام بنا کے فروخت کر دئے جائیں اور کادمیہ کے قلعے پر مقدونوی فوج قابض رہے؛ اس ظالمانہ فیصلے کی تعمیل ہوئی شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی اور ان کھنڈرات میں اگر کوئی عمارت باقی رہی تو وہ پنڈار شاعر کا گھر تھا جس نے تقریبًا دو سو برس پہلے سکندر اول شاہِ مقدونیہ کی مدح میں شعر کہے تھے اور اب سکندر فیلقوس نے بہ تخصیص حکم دیا تھا کہ اُس کے قدیم مسکن کو ہاتھ نہ لگایا جائے +

تھنبز کی تباہی نے ایک طرف تو بیوشیہ کے شہروں کو اُس کے طوقِ اطاعت سے ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیا اور دوسرے سکندر کے خلاف جو شورشیں یونان کے دوسرے حصوں میں پیدا ہوئی تھیں وہ سب دب گئیں؛ ایتھنز میں یا تو چند روز پہلے تھبنز کو مدد بھیجنے کی تجویز ہوئی تھی اور یا یہ خبریں پہنچیں تو اہل شہر اپنا مشہور تہوار "ستریز" چھوڑ چھوڑ کے واپس آئے اور فورًا جلسہ کر کے ڈماڈیز کی تحریک پر یہ فیصلہ کیا گیا

کہ سفارت بھیج کر سکندر کو فتح کی مبارکباد دی جائے؛ مگر سکندر نے مطالبہ کیا کہ ڈموس تھینز اور اُس کے ساتھ کے اور لوگ جو ہمیشہ مقدونیہ کے خلاف شورش بپا کرتے رہتے ہیں اُس کے حوالے کر دئے جائیں" اُس کا یہ مطالبہ کچھ بیجا نہ تھا لیکن اہل شہر نے دوسری سفارت کے ساتھ ڈماڈیز کو پھر روانہ کیا کہ سکندر سے التجا کرے کہ ان خطاکاروں کی قسمت کا فیصلہ خود اُن کے ہم وطنوں پر چھوڑ دیا جائے؛ سکندر کو بہت خیال تھا کہ جہاں تک ممکن ہو ایتھنز کی رعایت کی جائے۔ اُس نے اپنا مطالبہ منسوخ کر دیا۔ البتہ اصرار کیا کہ فتنہ جو کاری ڈموس کو ضرور جلا وطن کر دیا جائے +

سرزمین یورپ میں تھنبر کی تسخیر سکندر کا آخری کارنامہ تھی اور اس کے بعد اُس کی تمام زندگی ایشیا میں بسر ہوئی مگر اِس ایک ہی سال کی لڑائیوں میں اُس نے جو کچھ کیا وہ اگرچہ مشرقی فتوحات کے مقابلے میں بالکل ہیچ نظر آتا ہے تاہم بجائے خود اتنا وسیع تھا کہ صرف یہی مغربی معرکے کسی سپہ سالار کا نام تاریخ میں زندہ رکھنے کے لئے کافی تھے +

۲۔ ایرانی مہم کی تیاریاں، ایران کی حالت

سکندر نے موسم سرما فوجی تیاریوں میں صرف کیا اور مدت دراز تک باہر رہنے کے ارادے سے، سلطنت کا بندوبست کرنیکے بعد موسم بہار میں تسخیر ایران کے لئے گھر سے روانہ ہوا (۳۳۴ ق م) وہ ایران کی تمام سلطنت کو فتح کر کے خود تخت پر قبضہ کرنیکی نیت رکھتا تھا۔

اس کے لئے عقب میں تھریس کی طرف سے اطمینان ہونا مقدم تھا اور یہ کام پہلے ہی تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ اب خاص ایران کی فتح میں تین منزلیں درپیش تھیں۔ اول ایشیائے کوچک اور دوسرے شام و مصر کی تسخیر اور جب یہ ابتدائی مرحلے طے ہو جائیں تو نہ صرف بہت بڑا علاقہ قبضے میں آجاتا بلکہ بابل و سوس پر پیش قدمی کرنیکے واسطے نہایت باموقع جنگی مستقر میسر آسکتے تھے کہ جہاں سے بہ اطمینان آگے لشکر کشی کی جائے؛

عدم موجودگی میں مقدونیہ کی حفاظت کے واسطے سکندر مجبور تھا کہ اپنی فوج کا معقول حصہ یہیں چھوڑ جائے۔ سلطنت کا نظم و نسق اُسنے اپنے باپ کے وزیر اینٹی پاٹر کے سپرد کیا تھا۔ اور بیان کرتے ہیں کہ روانگی سے پہلے اپنی ذاتی املاک، قلعے اور جاگیریں سب اپنے احباب و رفقا میں تقسیم کر دی تھیں اور جب پردکاس نے پوچھا کہ اپنے واسطے کیا رکھا؟ تو اُس نے جواب دیا "امید" پردکاس نے یہ سُن کر اپنا حصہ لینے سے انکار کیا اور بے ساختہ کہا کہ ہم جو تمہارے ساتھ لڑنے جاتے ہیں یہی کافی ہے کہ تمہاری امید میں شریک و سہیم رہیں"

دولتِ ایران میں استحکام و پیوستگی مفقود تھی اور اُن دنوں اُس کا فرماں روا بہت کم حوصلہ شخص تھا؛ بے شبہ شہنشاہ اردشیرِ اخوست (ارتازرکسنراوکوس) نے اپنے اسلاف کی نسبت زیادہ قوت سے کام کیا تھا مگر مخالفوں نے اُسے مروا ڈالا اور دو تین سال کی بدنظمی کے بعد دارائے ثالث (داریوش کُدمان) وارث تخت ہوا جو قدیم خاندان ہخامنش کی دُور کی شاخ میں تھا (۳۳۶ ق م)؛ اس بادشاہ میں اگر کچھ بھی قابلیت اور جنگی تجربہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ سکندر کے مقابلے میں اُسے کامیابی کے

بہت موقعے حاصل تھے۔ اول تو جنگ کی ترازو میں محض انسانوں کا جس قدر وزن دارائے ایران لاکے رکھ سکتا تھا، سکندر کی فوج اس کا پاسنگ بھی نہ تھی۔ دوسرے روپے کی اس کو کچھ کمی نہ تھی اور بے حساب دولت کا مالک تھا۔ تیسرے مصر و شام اور ایشیائے کوچک کے سواحل کی حفاظت کے لئے اس کے پاس بہت بڑا بیڑا موجود تھا۔ اور چوتھے یہ کہ گو اس وسیع سلطنت میں مرکزیت اور پیوستگی نہ تھی مگر خود اس بات کا نتیجہ یہ تھا کہ ایرانی ولایتوں میں کسی قسم کی بددلی اور سرکشی نہیں پائی جاتی تھی۔ بایں ہمہ محض ازدحام سے کچھ کام نہ چل سکتا تھا۔ جب تک کہ کوئی کام لینے والا نہ ہو اور عقل و دماغ ایسی چیز نہیں کہ روپے سے خرید لی جائے۔ اس کے علاوہ فنِ حرب میں دولتِ ایران اپنے معاصرین سے پیچھے رہ گئی تھی۔ یوم کُناکسا نے اُسے صرف ایک سبق سکھایا تھا۔ وہ یہ کہ ضرورت کے وقت کرایے کے یونانی سپاہیوں سے کام لیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ جب ایران سے لڑنے چلا تو سکندر کی فوجی تعداد ۳۰ ہزار پیادہ و ۵ ہزار سوار تھی۔ اُس کے باپ نے جو فوجی نظام قایم کیا تھا سواروں کی اتنی زیادتی اُس کی خاص جدّتوں میں داخل ہے سکندر نے اس تناسب کو قایم رکھا۔ یہ ہم پڑھ چکے ہیں کہ فیلقوس نے مقدونیہ کی قومی فوج کو تین حصوں میں ترتیب دیا تھا۔ یعنے اُس میں ایک تو پیادوں کا پرا ہوتا تھا، دوسرے نیم مسلح پیادے یا "ہی پاس پستی" اور تیسرے زرہ پوش سوار۔ سکندر کی ایشیائی مہم میں مقدونوی پرے کے ۶ دستے تھے اور اُن بڑے بڑے معرکوں میں

جنہوں نے دولتِ ایران کی قسمت کا فیصلہ کیا، یہی دستے قلب فوج میں رکھے جاتے تھے اور حلیف اور یونانی تنخواہ دار ہپ لیت (یعنی پیادوں) سے انہیں تقویت ملتی تھی۔ "ہی پاس پستی" فوج کو میمنے پر پارمینو کا بیٹا نیکانور لڑاتا تھا اور پارمنیو کا دوسرا بیٹا فلوتاس زرہ پوش مقدونوی سواروں کا سردار تھا جن کے آٹھ دستے تھے یہ ہمیشہ فوج کے میمنے پر ہوتے اور میسرے کی طرف تھسالیہ کے بے نظیر سوار رکھے جاتے تھے۔ ان بازوؤں پر نیم مسلح سوار و پیادہ فوجیں بھی مدد کے واسطے ہوتی تھیں اور ان میں مختلف اضلاع الیریہ اور تھریس و پیونیہ کے سپاہی اپنے اپنے قومی لباس میں صف آرا ہوتے تھے۔

۳۔ ایشیائے کوچک کی تسخیر

سستوس کے مقام سے بیڑے نے فوج کو ابی دوس پہنچا دیا۔ مگر خود سکندر ایشیا کے ساحل پر "اکائیانی بندرگاہ" یعنی اُس جگہ تک گیا جہاں ٹروائے کے قدیم یونانی حملہ آور آکر اُترے تھے۔ سب سے پہلے علاقۂ میسیہ کے کنارے پر کشتی میں سے وہی کودا اور ٹروائے کے میدان کو طے کرکے الیون کی پہاڑی پر چڑھا۔ کہتے ہیں کہ یہاں دیوتا کی درگاہ پر اُس نے اپنا زرہ بکتر نذر دیا اور وہاں سے کوئی قدیم زرہ جو جنگِ ٹروائے کی یادگار تھی دیوار پر سے اُتار کے خود لے آیا۔ ردّ بلا کے لئے پریام شاہِ ٹروائے کے نام کی بھیٹ دی کہ وہ اپنے دشمن نیوپتولموس کی اولاد پر عتاب نازل نہ کرے پھر اپنے جدّ امجد اکی لیس کی قبر پر پھولوں کا تاج چڑھایا اور اکی لیس کے محبوب

دوست پترِوکلس کی قبر کو سکندر کے عزیز دوست ہفیس شیان نے پھول سے سجایا۔ ٹروائے کی پہاڑی پر ان مراسم کی بجا آوری خاص طور پر قابل لحاظ ہے کیونکہ اس سے نوجوان سکندر کے وہ خیالات ظاہر ہوتے ہیں جو اس مہم پر جاتے وقت اُس کے دل میں موجزن تھے۔

اس اثنا میں شہنشاہ ایران کے والیوں نے بھی ایشیائے کوچک کی مدافعت کے واسطے ۴۰ ہزار فوج فراہم کر لی تھی۔ فوج کی سرداری کے معاملے میں ایرانی بادشاہ ہمیشہ جس قسم کی غلطی کرتے تھے وہی دارا نے کی کہ کئی کئی سپہ سالار نامزد کر دئے کہ مل کر فوج کو لڑائیں۔ ان میں ایرانی والیوں کے علاوہ ممنن باشندۂ رودس بھی شامل تھا اور ایرانی سردار اُس سے حسد کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اُس کا کہنا نہ سنا اور تہیہ کر لیا کہ جو کچھ بھی نتیجہ ہو لڑائی میں دیر نہ کی جائے۔ چنانچہ وہ اوراستیا کے میدان تک بڑھے جس میں سے گرانی کوس ندی بہ کر بحیرۂ مرمورہ میں آ گری ہے۔ اسی ندی کے بلند کنارے پر انہوں نے فوجیں آراستہ کیں (۳۳۴ ق م) کہ غنیم کو عبور کرنے سے روکا جائے اور اس میں یہ عجیب ترتیب قایم کی کہ سواروں کو عین کنارے پر آگے کھڑا کیا اور اُن کے پیچھے ڈھلان پر اپنے اجیر یونانی پیادوں کو رکھا۔ قاعدہ ہے کہ مدافعت کرنیوالے سواروں پر ہمیشہ حملہ آور سوار غالب آئیں گے۔ پس سکندر نے سمجھ لیا کہ فتح کی سب سے آسان تدبیر یہی ہے کہ اپنے سواروں کو صفِ مقابل پر ریل دیا جائے۔ فوجوں کی ترتیب اُس نے حسب دستور یہی رکھی کہ وسط میں پیادوں کا پرا جمایا اور میسرہ سپہ سالار پارمنیو کے سپرد

کر کے میمنہ اپنے زیر علم رکھا۔ پھر غنیم کے میسرے کو اُلجھانے کے لئے سب سے پہلے نیم مسلح سواروں کو ندی میں آگے بڑھایا اور اس کے بعد اپنے مقدونوی زرہ پوش سواروں کو لے کر دشمن کے قلب پر حملہ کیا۔ خود سکندر لڑائی کے گھمسان میں مصروفِ شمشیر زنی تھا اور اس پر بھی ہر طرف سے وار پڑ رہے تھے؛ مگر لڑائی نے طول نہ کھینچا اور ان بلند کناروں پر تھوڑی سی دیر کی تیز و تند کشمکش کے بعد ایرانی صف درہم برہم ہو گئی اور جب انہیں بھگا دیا تو مقدونوی پرا دریا کے پار ہو کر آگے بڑھا کہ دشمن کے یونانی پیادوں سے ہم نبرد ہو جو پیچھے کے رُخ صف آرا تھے۔ اور اِدھر ظفرمند مقدونوی سوار اُن کے بازووں پر ٹوٹ کے گرے؛

مگر اس فتح کے یہ معنی ہرگز نہ تھے کہ ایشیائے کوچک کا تمام علاقہ فتحمندوں کے قبضے میں آگیا۔ ابھی بہت سے مستحکم مقامات کو ایک ایک کر کے لینا باقی تھا۔ خاص کر ساحل کے بعض مقامات ایسے تھے جنہیں ایرانیوں کے زبردست بیڑے سے بہت کچھ امداد مل سکتی تھی اور وہ اُس کی مدد سے ناامید نہیں ہُوا تھا۔ گرانی کوس کی لڑائی کے بعد جب اُس نے مالِ غنیمت تقسیم کیا تو اُس میں سے تین سو زرہ بکتر ایتھنز بھیجے کہ قلعے میں ایتھنہ دیوی کے مندر پر چڑھا دئے جائیں اور نذر کے الفاظ یہ تھے "سکندر فرزند فیلقوس اور (بجز لکدمونیوں کے) تمام یونانیوں نے۔ ایشیا کے ملچھوں سے!"

مگر اہلِ ایتھنز کے دل سرد تھے۔ انہیں ایشیائی ملچھوں کے خلاف سکندر اور اس کے یونانیوں کی رفاقت کا کچھ شوق نہ تھا؛

اب فاتح بادشاہ جنوب کی طرف بڑھا کہ ولایت لدیہ اور اس کے پایہ تخت ساردیس پر قابض ہو جائے۔ یہاں کا قلعہ مضبوط تھا لیکن اس موقع پر بلامزاحمت اپنے خزاین سمیت حوالے کر دیا گیا۔ اس قبول اطاعت کے صلے میں اہل لدیہ کو آزادی عطا ہوئی اور پارمنیو کا بھائی اساندر یہاں کا والی مقرر ہوا۔ اس کے بعد سکندر نے آیونی شہروں کا رخ کیا جہاں یونانی جمہوریت پسندوں نے اُس کا تپاک سے خیر مقدم کیا مگر اُمرا نے ایران کا ساتھ دیا اور جہاں کہیں اُن کا اقتدار تھا وہاں ایرانی فوجیں قلعوں کی حفاظت کے لئے اندر لے لی گئیں۔ جس وقت سکندر کی فوج افی سوس کے قریب پہنچی تو اُس کی آمد دیکھتے ہی شہر والوں نے اُپنے عماید کو قتل کرنا شروع کیا۔ مگر سکندر نے شہر میں پہنچ کر اس فساد کو روکا اور وہاں جمہوری حکومت قایم کر دی۔ اس کی پیش قدمی کی دوسری منزل ملی توس یا شہر ملطہ تھی اور یہاں پہلی دفعہ اُس کی مزاحمت ہوئی۔ اس شہر کو فتح کرنے کے بعد اُس نے اپنا بیڑا منتشر کر دیا اور ساحل کے تمام مضبوط مقامات کو لے کر اندرونی علاقوں کی بحری آمد رفت مسدود کر دی۔ اس کام میں اُس کے دو سال صرف ہوے۔ لیکن اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایشیائے کوچک اور شام و مصر تینوں ملک اُس کے زیر نگیں آ گئے؛

مگر ایشیاے کوچک میں سب سے دشوار مرحلہ ہالی کرناسوس کی تسخیر تھا۔ گرانی کوس کے باقیماندہ مفرور سپاہی اور خود سپہ سالار ممنن مدافعت کے لئے یہاں آ کر جمع ہو گئے تھے۔ داراے ایران نے اب اسی شخص کو اپنے بیڑے اور سواحل کی حکومت سپرد کر دی تھی۔

اور ممنُن نے ہالی کرناسوس کے گرد گہری خندق کھود کر شہر میں بہت سا سامان رسد جمع کر دیا تھا کہ عرصے تک محصور رہ کر مقابلہ کر سکے۔ سکندر نے خندق کو پاٹ دیا اور شہر پر اپنی منجنیقیں اور بُرج قایم کر کے سنگ باری شروع کی۔ شہر پناہ میں شمال مشرقی رخ رخنہ پیدا ہو گیا۔ لیکن سکندر کو امید تھی کہ اہل شہر خود اطاعت قبول کر لیں گے۔ لہٰذا حملے سے باز رہا اور کئی دفعہ اپنے سپاہیوں کو ہلہ کرنے سے روک روک لیا۔ آخر ممنُن کو بھی نظر آگیا کہ اب مقابلہ بیکار ہے اور اس نے تہیہ کر لیا کہ شہر چھوڑ کر فوجوں کو شاہی قلعے میں ہٹا لائے جو بندرگاہ کے جزیرے پر بنا ہوا تھا۔ لیکن جانے سے قبل اُس نے رات کو شہر میں آگ لگا دی، اور اہل مقدونیہ داخل ہوئے ہیں تو ہر طرف شعلے بھڑک رہے تھے ؛

چونکہ سردی کا موسم قریب تھا اس لئے سکندر نے اپنی فوج کے دو حصے کر دئے اور ایک کو تو سپہ سالار پارمنیو کے ماتحت جاڑا گزارنے لدیہ بھیج دیا اور دوسرے حصے کو لیکر خود لیسیہ میں بڑھا۔ بعض نوجوان سرداروں کو جن کی اُسی زمانے میں شادی ہوئی تھی اُس نے وطن جانے کی اجازت دے دی لیکن حکم دیا کہ جب واپس آئیں تو اپنے ہمراہ کچھ نہ کچھ فوج ضرور بھرتی کر کے لائیں ؛ لیسیہ میں وہاں کی متحدہ ریاستوں نے سکندر کی کوئی مزاحمت نہ کی۔ اُس نے بھی وہاں کے نظامِ حکومت کو بجنسہٖ رہنے دیا اور پمفیلیہ کے ساحل سے بڑھ کر پرگی کی طرف چلا اور پسی دیہ کی پہاڑیوں میں لڑ کر اپنا راستہ نکالا۔ یہاں سے وہ ولایت افروجیہ کے بلند و مستحکم قلعہ سلینی پر پہنچا اور وہاں کچھ فوج متعین کر کے

قدیم سلطنت افروجیہ کے پایہ تخت گوردیون پر بڑھا جو رودِ سنگاریُوس کے کنارے واقع تھا؛

گوردیُون کو فوجوں کے دوبارہ آملنے کا مقام قرار دیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ سب وہاں جمع ہوگئیں (۳۳۳ ق م موسم بہار) اور مقدونیہ سے تازہ کمک بھی آگئی کہ اُن فوجوں کی جگہ لے جنہیں مفتوحہ علاقوں اور شہروں کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا؛ گوردیون کے قلعے میں وہاں کے قدیم بادشاہ گوردیوس و میداس کے محلوں کے کھنڈر باقی تھے اور سکندر گوردیوس کی وہ رتھ دیکھنے پہاڑی پر چڑھا جس کی گرہ بہت مشہور تھی۔ یعنی اُس کے جُوے کو درخت کی چھال بٹ کر جس گرہ سے باندھا تھا اُس کے سرے اس ہنر کے ساتھ چھپائے تھے کہ بالکل نظر نہ آسکتے تھے اور یہ پیشینگوئی مشہور تھی کہ جو کوئی اس گرہ کو کھول لے وہ ایشیا پر حکومت کریگا۔ سکندر نے بھی بہت کوشش کی مگر جب اس طرح نہ کھلی تو اُس نے اپنی تلوار کھینچ کر گرہ کو کاٹ دیا اور پیشینگوئی کی شرط پوری کردی؛ یہاں سے سکندر اَن کیرا کے راستے کپادوسیہ ہوتا ہوا جنوب میں تیانا پہنچا اور سلیسیہ کے پہاڑی دروں پر اچانک قابض ہوگیا۔ وہاں سے وہ طرسوس پر اتنا تیز بڑھا کہ صوبے کے ایرانی والی ارسامیس نے ایک مرتبہ بھی سامنا نہ کیا اور فرار ہوگیا؛

یہاںؔ ایک ناگہانی واقعہ پیش آیا جس سے عجب نہ تھا کہ تاریخ کا رنگ ہی بدل جائے اور سکندر کا خاتمہ ہو جائے۔ یعنی یہ کہ بہت دور تک نہایت تیز دھوپ میں سواری کرنیکے بعد وہ گدنوس چشمے کے ٹھنڈے پانی سے نہالیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاڑے سے شدید

بخار ہو گیا حتیٰ کہ طبیبوں کو جان بری کی امید نہ رہی۔ لیکن اکرنانیہ کے طبیب **فلپ** نے ایک مسہل تجویز کیا اور خود بادشاہ کے خیمے میں دوا تیار کر رہا تھا کہ کسی نے سکندر کو ایک خط لا کے دیا جس میں لکھا تھا کہ دارا نے **فلپ** کو رشوت دے کر ملا لیا ہے کہ سکندر کو زہر دیدے۔ سکندر نے دوا کا پیالہ لیتے ہیں یہ خط فلپ کو دیا اور اِدھر وہ اُسے پڑھ رہا تھا اور اِدھر سکندر نے دوا پی لی۔ اُس کا اعتماد بیجا نہ تھا۔ اسی دوا سے اُسے بہت جلد شفا حاصل ہو گئی۔

۴۔ جنگِ اِیسوس

اس عرصے میں دارائے ایران لشکرِ گراں پشت پر لئے **فرات** عبور کر چکا تھا۔ سکندر نے مقابلہ میں عجلت نہ کی بلکہ پہلے کچھ فوج دیکر **پارمنیو** کو آگے روانہ کیا کہ اُن دروں پر قابض ہو جائے جو **سیلیسیہ** اور ملکِ شام کے درمیان سرحد پر واقع ہیں۔ اور خود مغربی **سیلیسیہ** کی پہاڑی قوموں کو اپنا مطیع بنانے میں مصروف ہو گیا اور ادھر سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد مشرق میں **ایسوس** کی طرف بڑھا جو کوہِ **امانوس** کے نیچے واقع تھا۔ اسی پہاڑ کے دوسرے رُخ دارا ایک ایسے میدان میں پہنچ گیا تھا جو اُس کی کثیر فوج کو لڑانے کے لئے نہایت باموقع جگہ تھی۔ **ایسوس** سے ملک شام میں دو راستے تھے۔ ایک تو سیدھا اور دشوارگزار کوہستانی دروں کا راستہ تھا۔ اور دوسرا پھیر کھا کے ساحل ساحل **میریان دروس** تک پہنچتا اور کوہِ **امانوس** کے اوپر سے گزرتا تھا۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر سے ہم پہلے **سیروس** اور **زینوفن** کو گزرتے

دیکھ چکے ہیں۔ سکندر نے بھی اسی کو اختیار کیا اور اپنے بیمار سپاہیوں کو ایسوس میں چھوڑ کر میریان دروس تک کوچ کیا مگر یہاں ایک سخت طوفان کی وجہ سے اُسے رُکنا پڑا؛ اُدھر دارا کو روز انتظار رہتا تھا کہ سکندر پہاڑوں سے اُتر کر سامنے آئے مگر جب سلیسیہ میں تاخیر ہو جانیکی وجہ سے وہ نہ آیا تو ایرانیوں نے یقین کر لیا کہ سکندر ساحل سے آگے بڑھتے ہوئے ڈرتا ہے۔ لہذا دارا اور اُس کے مشیروں نے ارادہ کیا کہ وہ جہاں ہو خود وہیں پہنچ جائیں۔ ایرانی فوج امانوس کے شمالی دروں کو عبور کر گئی۔ اور پھر خاص سکندر کے جنگی مستقر یعنی ایسوس پہنچ کر اُس نے اُن بیمار سپاہیوں کو جو یہاں چھوڑ دئے گئے تھے طرح طرح کے عذاب دیکر جان سے مار ڈالا؛ اس افسوسناک واقعہ کا سکندر کو کچھ الزام اس لئے نہیں دیا جا سکتا کہ اُس کے خیال میں یہ بات کسی طرح نہ آسکتی تھی کہ دشمن ایسے باموقع کھلے ہوئے مقام کو جہاں کثرتِ تعداد بہت کارگر ہوتی ازخود چھوڑ دیگا اور ایسے تنگ مقام میں آجائیگا جہاں اتنے انبوہ کو پھیلانا اور لڑانا خود اُسی کے حق میں مصیبت تھا۔ حتی کہ دارا کے ایسوس پہنچنے کی خبر اتنی عجیب تھی کہ اول اول سکندر کو اس کا یقین نہ آیا اور اُس نے دیکھ بھال کے لئے ایک کشتی روانہ کی۔ پھر جس وقت تصدیق ہو گئی کہ خود دشمن نے اپنے تئیں اُس کے پنجے میں پھنسا دیا ہے تو وہ میریان دروس سے واپس ہوا اور بحری دروں کے راستے ایسوس کے تنگ میدان میں پہنچ گیا +

ایسوس کے میدان کو پی ناروس ندی نے دو حصّوں میں منقسم کر دیا ہے ۔ اسی ندی کے بلند کناروں پر ایرانیوں نے گرانی کوس کی طرح مورچے بنائے تھے اور یہاں بھی سکندر ہی نے اُن پر حملہ کیا ۔ (اکتوبر سنہ ۳۳۳ ق م) مقدونی قطاریں علی الصباح میدان میں داخل ہوئیں اور اُن کی آمد سُن کر دارا نے کچھ نیم مسلح پیادہ اور کچھ سواروں کے دستے دریا کے پار بھیج دئے کہ فوج کی صف بندی ہونے تک دشمن کو روکے رہیں ۔ سامنے کی صفوں میں سب کے سب ہپ لیت یا پیادہ نیزہ بردار تھے اور تیس ہزار اجیر یونانی بھی انہی میں شامل تھے

بایاں بازو پہاڑ کی ڈھلان تک پہنچ کر اُس کے قوس نما دامن کے سہارے اس طرح آگے بڑھا ہوا تھا کہ غنیم کا میمنہ دونوں طرف سے اُس کی زد میں آجائے؛ صفوں کی ترتیب کے بعد سواروں کو دریا کے شمال میں واپس بلا کر دست راست پر ساحل کے قریب قایم کر دیا تھا کیونکہ وہاں سواروں کے گھومنے پھرنے کے واسطے نہایت با موقع میدان تھا؛

سکندر کے بڑھتے وقت فوجوں کی ترتیب حسب معمول وہی تھی کہ بیچ میں پیادوں کا پرا اور جانب راست ہیپاس پستی یعنی نیم مسلح پیادے تھے۔ چونکہ ایرانی فوجیں پہاڑ کے دامن میں خم کھا کر بہت آگے تک پھیلی ہوئی تھیں اور اندیشہ تھا کہ سکندر کی فوج پہلو اور عقب دونوں طرف سے نرغے میں آجائیگی، لہذا سکندر نے اپنے میمنے کے سرے پر نیم مسلح سپاہیوں کی ایک اور صف جما دی تھی۔ مگر جنگ گرانی کوس کی طرح یہاں بھی دشمن کے بائیں رخ پر زرہ پوش سواروں سے حملے کا آغاز ہوا، اگرچہ اس میں کلام نہیں کہ یہ مُہم کہیں زیادہ دشوار اور سخت تھی کیونکہ یہاں دارا کے پاس تیس ہزار یونانی سپاہی موجود تھے جنہیں قدم جما کر لڑنا آتا تھا اور حملے کا خطرناک ہونا اس بات سے ظاہر ہے کہ اگر یہاں سکندر کامیاب نہ ہو تو اس کی واپسی کا راستہ پہلے ہی منقطع ہو چکا تھا؛

مگر سکندری سواروں کے دھاوے کو ایرانی نہ روک سکے۔ تاہم پیادہ فوج کے آنے میں دیر لگی اور دریا کو عبور کر کے کنارے پر چڑھتے وقت اُن کی صف بگڑ گئی خاص کر ایک مقام پر ترتیب

میں بہت خلل واقع ہوا اور دشمن کے یونانی پیادوں نے انہیں بری طرح دبانا شروع کیا۔ اگر یہ فوج پسپا ہو جاتی تو سکندر کا ظفرمند میمنہ بھی ایک پہلو سے زد میں آجاتا اور میدان ہاتھ سے جاتا رہتا۔ لیکن مقدونیہ کے پرے نے گھٹنے گاڑ دئے اور اُس وقت تک برابر اڑا رہا کہ نیم مسلح پیادے اپنے مقابل کی فوجوں کو پسپا کرنے کے بعد مدد کو پہنچ گئے اور دشمن کے پہلو پر حملہ کیا ؛

اُدھر سکندر نے حملے کے لئے وہ مقام تاکا جہاں خاص دارائے ایران ایرانی امرا کی فوجِ خاصہ کے درمیان اپنی جنگی رتھ میں کھڑا تھا۔ اس مقام پر شدید خونریزی اور گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں سکندر کی ٹانگ پر زخم آیا لیکن خود دارا نے اپنی رتھ پھیر دی اور اُس کے فرار ہوتے ہی ایرانی میسرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سپاہیوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ ساحل کی طرف ایرانی سوار دریا اُتر کر دشمن کو مارتے کاٹتے چلے آتے تھے کہ عین کامیابی کے عالم میں اُن کے کان تک بادشاہ کے فرار ہونیکا شور پہنچ گیا اور اُن کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور تھوڑی ہی دیر بعد ہم انہیں دیوانہ وار بھاگتے اور اہل تھسالیہ کو اُن کا تعاقب کرتے دیکھتے ہیں؛ ایرانی انبوہ اب امانوس کے دروں کی طرف بھاگ رہا تھا اور ہزاروں بھاگتے میں پیچھا کرنے والوں کے ہاتھ سے لقمۂ اجل ہو رہے تھے۔ خود دارا کو جان بچانے کی پڑی تھی اور بھاگتے میں اپنی ماں اور بیوی کو بھی بھول گیا تھا جو ایسوس کے لشکرگاہ میں موجود تھیں۔ پھر جب وہ پہاڑ تک پہنچ گیا۔ تو اپنی رتھ ڈھال اور شاہی چغہ بھی

چھوڑ کر ایک تیز مادیان پر سوار ہو لیا اور جس طرح ہو اجان بچا کر نکل گیا؛

غروب آفتاب تک خسروِ ایران کا تعاقب کرنے کے بعد سکندر ایرانی لشکرگاہ میں واپس آیا اور خاص دارا کے خیمے میں اُس نے کھانا تناول کیا۔ وہ کھانا کھا رہا تھا کہ قریب کے کسی خیمے سے عورتوں کے گریہ و بکا کی آواز آئی۔معلوم ہوا کہ اُس میں شکست خوردہ بادشاہ کی ماں اور اہل و عیال ہیں۔اُن سے کسی نے کہدیا تھا کہ سکندر دارا کی ڈھال اور چغہ لیکر پلٹا ہے اور یہ سمجھ کر کہ اُن کا مالک مارا گیا اُن میں کہرام پڑ گیا تھا؛ سکندر نے اپنے ایک مصاحب کو اُن کی تشفی کے لئے بھیجا کہ دارا کے زندہ بچ جانیکا یقین اور ساتھ ہی یہ اطمینان دلائے کہ اُن کا وہی لحاظ اور پاس مراتب کیا جائیگا جو شہزادیوں کے شایانِ شان ہے کیونکہ یہ لڑائی کسی ذاتی پرخاش پر مبنی نہ تھی؛ سکندر نے اس قول کی پابندی کی اور حقیقت میں شاید اُس کے کسی فعل سے اُس کے معاصرین اتنے حیران نہ ہوے ہونگے جتنے اُس فیاضانہ سلوک کو دیکھ کر حیران ہوے جو سکندر نے اپنے حریف کے اہل و عیال کے ساتھ ملحوظ رکھا؛

فتح کی یادگار میں ساحل کے شمالی حصے پر ایک شہر کی بنیاد ڈالی گئی جو اب تک سکندر کے نام پر اسکندرون کہلاتا ہے؛

اب شام کا راستہ بالکل صاف تھا، جس طرح گرانی کوس کی چند گھنٹے کی جنگ نے ایشیاے کوچک کی تسخیر آسان کردی تھی اسی طرح پی ناروس کے معرکے نے شام و مصر کا میدان صاف کردیا اور ان کی

فتح کی تکمیل میں بعض بعض شہروں کے طویل و تکلیف دہ محاصروں کے سوا کوئی کسر باقی نہ رہی؛ لیکن ان اہم نتائج کے علاوہ ایسوس کی فتح کا سب سے بڑا فایدہ یہ حاصل ہوا کہ نوجوان فاتح کی سطوت کا نقش جم گیا۔ کیونکہ اُس نے جس فوج پر غلبہ حاصل کیا وہ تعداد میں دس گُنی تھی۔ پھر یہ کہ خاص شہنشاہِ ایران لڑائی میں موجود تھا اور اتنی سخت شکست کھا کر بھاگا تھا کہ اُس کی ماں اور اہل و عیال تک دشمن کے ہاتھ میں اسیر ہو گئے تھے؛ صلح کی سلسلہ جنبانی خود دارا کی طرف سے ہوئی اور اسی نے خط میں شکایت کی کہ سکندر نے ظلم پر کمر باندھی اور بلا وجہ ایرانی علاقوں میں گھس آیا۔ پھر اُس سے درخواست کی تھی کہ خاندانِ شاہی کے قیدیوں کو واپس بھیجدے اور آخر میں معاہدۂ صلح و اتحاد پر آمادگی ظاہر کی تھی؛ اس قسم کی عاجزانہ تحریر کا سکندر نے جو سخت جواب دیا وہ یہ تھا کہ "میں نے پہلے تیرے سپہ سالار اور والیوں کو اور اب خاص تجھے اور تیرے لشکر کو میدان جنگ میں زیر کیا۔ اور دیوتاؤں کی عنایت سے تیرے علاقوں پر میرا قبضہ ہے۔ اب ایشیا کا مالک میں ہوں اور اس لئے تجھے میرے پاس آنا چاہئے۔ اگر تجھے کسی بد سلوکی کا اندیشہ ہے تو پہلے اپنے چند رفقاء کو بھیج کہ وہ اس بارے میں اطمینان حاصل کرلیں۔ تیرا خود میرے پاس آنا شرط ہے خود تیری درخواست پر تیری ماں اور اہل و عیال تجھے واپس مل جائیں گے اور جو مانگے گا وہ مراد پائیگا۔ آیندہ جب کبھی مجھے مخاطب کرے، شہنشاہِ ایشیا کے نام سے مخاطب کر اور اس طرح نہ لکھ جیسے کوئی برابر والوں کو

لکھتا ہے بلکہ جو تیری مراد ہے وہ اس طرح بیان کر جس طرح اپنے
مالک کے سامنے بیان کی جاتی ہے کیونکہ تیری ہر چیز کا مالک میں ہوں
لیکن اگر اب تک تجھے میرے مقابلے میں ملک و بادشاہی کا دعویٰ
ہے تو سامنے سے نہ بھاگ اور ٹھہر کہ ایک مرتبہ ہم اور لڑلیں اور
تو جہاں کہیں ہو میں خود وہیں پہنچتا ہوں ÷

۵۔ ملکِ شام کی تسخیر

جنگ ایسوس کے بعد ممکن تھا کہ سکندر دارا کے تعاقب
میں ایران کے اندرونی علاقوں میں بڑھا چلا جائے اور حریف کو
دوسری فوج فراہم کرنے کی مہلت ملنے سے پہلے پامال کر ڈالے
مگر سکندر نے یہ نہ کیا بلکہ اطمینان کے ساتھ باقاعدہ اور قدم قدم
بڑھنے کو ترجیح دی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے اپنی قوّتِ بازو
پر کتنا اعتماد تھا؛ جس طرح شام و مصر کی تسخیر سے پہلے ایشیائے
کوچک پر خاطرخواہ تسلط ہونا مقدّم تھا اسی طرح عراق عرب پر
پیش قدمی کرنے سے قبل مصر و شام کی تسخیر ضروری تھی۔ دوسرے
شام میں اہل فنیقیہ کے شہر اُس کا خاص مطمحِ نظر تھے؛ صور،
صیدا اور ارادوس کے یہ مشہور شہر کبھی باہم متحد نہیں ہوئے
اور تھوڑے ہی دن پہلے بغاوت کی سزا میں اردشیرِ اخوست نے
صیدا کو تاراج و خراب کر دیا تھا۔ ارادوس اور بیب لوس
اس قدیم شہر کے جانشین ہوئے تھے۔ اور اُنہوں نے سکندر
کے پہنچتے ہی اطاعت قبول کر لی۔ لیکن صُور نے مقابلہ کیا +

سکندر جنوب میں شہر صُور کی طرف بڑھا۔ یہ شہر پہاڑی جزیرے پر آباد تھا اور اُن جہازوں کے علاوہ جو اُس وقت بحیرۂ ایجین میں گشت کرنے چلے گئے تھے، اَسّی جنگی جہاز حفاظت کے واسطے موجود تھے۔ اور اپنے باموقع مقام اور ان جہازوں کے زعم پر ہی اہل شہر نے صاف جواب دے دیا تھا کہ "ایرانی ہو یا مقدونی ہم کسی کو شہر کے اندر نہ آنے دینگے"

سکندر نے اپنے مشیروں سے وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ صُور کی تسخیر نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک ایرانیوں کا سمندر پر قبضہ ہے اُس وقت تک مصر پر پیش قدمی یا دارا کا تعاقب کرنا کسی طرح قرین مصلحت نہ ہوگا۔ اور اُن کی بحری قوت چھین لینے کی صرف یہی صورت تھی کہ ساحل کے سب سے اہم بحری مقام صُور کو مسخر کر لیا جائے جس کے بعد ایرانی بیڑے کا سب سے طاقتور حصہ یعنی فینقی بیڑا مقدونیہ کے قبضے میں آ جائیگا۔ کیونکہ جب شہر ہی نہ ہوگا تو وہاں کے لوگ کس کے واسطے لڑینگے اور کس مقام کے لئے پتوار چلائیں گے۔ اسی کے ساتھ پھر مصر و قبرس کی تسخیر میں کوئی دقت یا شبہ کی گنجایش نہ رہیگی؛

اس طرح اول ہی سے سکندر یہ بات سمجھے ہوئے تھا کہ صُور کی تسخیر آیندہ فتوحات کی کنجی ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس شہر کا محاصرہ اتنا دشوار کام تھا کہ شاید سکندر کی غیر معمولی فہم و ذکاوت کو اس سے زیادہ پیچیدہ عقدہ کبھی سلجھانا نہ پڑا ہوگا۔ (جنوری تا جولائی ۳۳۲ سنہ ق م) ساحل اور جزیرے کے درمیان، جس پر چاروں طرف

نہایت بلند و مستحکم فصیل بنی ہوئی تھی، آدھ میل سے زیادہ چوڑی آبنائے تھی۔ جزیرے میں ساحل کے رخ دو بندرگاہیں تھیں ان میں سے شمالی جس کا دہانہ بہت تنگ تھا۔ بندر صیدا کہلاتی تھی اور جنوبی مصری بندرگاہ کے نام سے موسوم تھی +

۳۹۸
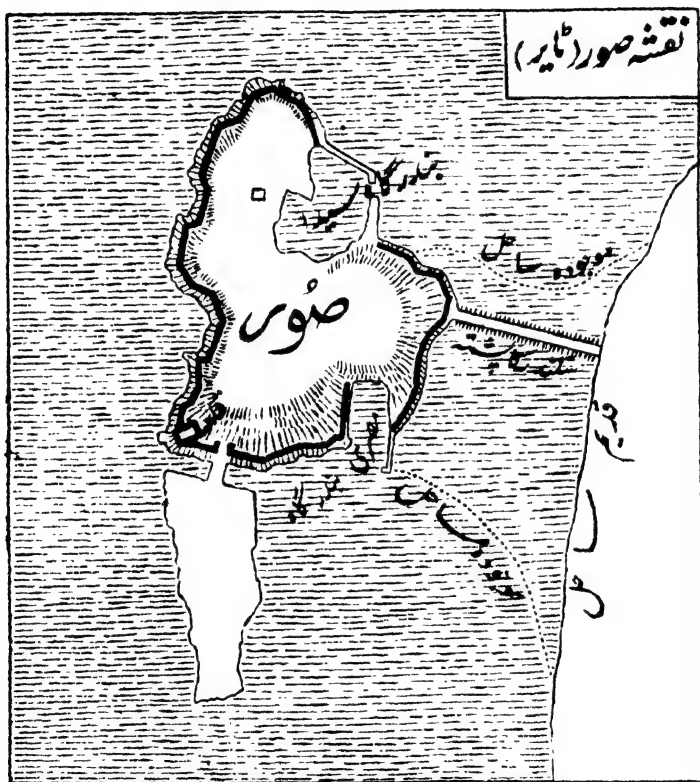
ایسے غنیم کے لئے جس کے پاس بحری قوت مقابلتہً بہت کم ہو شہر کا محاصرہ کرنے کی صرف یہی صورت ہوسکتی تھی کہ آبنائے پر پل باندھ کر جزیرے کو ساحل سے ملا دیا جائے۔ سکندر نے بلا تامل پانی میں ایک پختہ سڑک بنانی شروع کی۔ ساحل کے قریب جہانتک

پانی کم تھا پشتے کے بندھنے میں زیادہ دقّت پیش نہ آئی۔ لیکن جب وہ جزیرے کے قریب پہنچے جہاں آبنائے زیادہ گہری تھی تو اس کام میں سخت دشواریاں لاحق ہوئیں۔ دشمن کے جنگی جہازوں نے بندرگاہوں سے نکل نکل کر پُشتہ بنانے والوں پر سنگ باری شروع کی اور انہی کی حفاظت کے لئے سکندر کو پشتے پر دو برج تعمیر کرنے پڑے۔ اُن پر منجنیقیں لگا دی گئیں کہ جہازوں کی سنگ باری کا جواب دے سکیں۔ یہ برج لکڑی کے تھے اور ان کے آگے چمڑے کے پردے لگا دئے تھے کہ شہر پناہ سے جو تیر یا پتھر پھینکے جائیں اُنسے بُرج اور مزدور دونوں کا بچاؤ ہو سکے۔ لیکن صُور کے لوگ جدّت طرازی میں کسی سے کم نہ تھے۔ انہوں نے ایک آتش زن جہاز تیار کیا اور اُس میں سوکھی لکڑیاں اور آتش گیر اشیا بھریں اور ایک دن جب کہ ہوا اُن کے موافقِ منشا چل رہی تھی اس جہاز کو پُشتے کے پاس تک کھینچ لائے اور آگ لگا دی۔ اُن کی یہ تدبیر کامیاب ہوئی اور جلتے ہوئے جہاز نے بہت جلد سکندر کے بُرج اور منجنیقوں کو اپنے ساتھ لپیٹ لیا اور جلا ڈالا۔ مگر اس واقعے کے بعد سکندر نے اپنی سڑک کو اور زیادہ چوڑا کرایا تاکہ آگے بڑھانے سے پہلے اُس کی حفاظت کے لئے زیادہ برج اور منجنیقیں لگائی جاسکیں۔ اس کے علاوہ اُسے نظر آیا کہ سڑک تیار ہونیکے بعد بھی وہاں سے حملہ کرنے میں جہازوں کی مدد ضروری ہو گی۔ لہذا وہ خود صیدا گیا کہ چند جہاز جو وہاں کھڑے تھے انہیں لے آئے اُسی وقت ارادوس اور بیب لوس کے وہ بحری دستے جو بحیرۂ

ایجین میں تھے یہ سن کر کہ اُن کے شہروں نے سکندر کی اطاعت قبول کرلی' ایرانی بیڑے کا ساتھ چھوڑ کر چلے آئے اور صیدا پر سکندر سے مل گئے۔ تھوڑے ہی دن بعد قبرس کے رئیسوں نے بھی اطاعت قبول کی اور ان کے ایک سو بیس جہازوں سے سکندر کے بیڑے کو اور کمک پہنچ گئی۔ چنانچہ اب اُس کے پاس قریب قریب دوسو پچاس جنگی جہاز تھے اور صُور کے سوداگروں سے اُس کی بحری قوت کہیں زیادہ بڑھ گئی تھی ؛

اسی محاصرے کے دوران میں شاہِ شاہان یعنی دارائے ایران نے بھی ایک سفارت بھیجی اور خاندانِ شاہی کے اسیروں کے فدیے میں کثیر رقوم اور فرات کے مغرب کا سارا علاقہ حوالے کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ نیز تجویز کی کہ سکندر' دارا کی بیٹی کو اپنے عقد میں لے اور دولتِ ایران کا حلیف بن جائے اس پیام کے متعلق جب مجلس شوریٰ میں گفتگو ہوئی اور پارمینو نے کہا کہ اگر میں سکندر ہوتا تو ان شرایط کو قبول کر لیتا' تو سکندر نے جواب دیا کہ" ہاں اگر میں پارمینو ہوتا تو میں بھی قبول کر لیتا"

صیدا سے سکندر اپنا بیڑا لیکر صُور کے سامنے آیا کہ شاید اہلِ شہر بحری مقابلے کے لئے باہر نکل آئیں۔ لیکن جب انہوں نے اُس کا پورا بیڑا دیکھا اور کثرت کے سامنے اپنی کامیابی کی کوئی امید نظر نہ آئی تو بندرگاہوں میں ہٹ گئے اور انہی کے تنگ دہانوں پر اپنے سہ طبقہ جہازوں کی قطار باندھ کر راستہ روک لیا؛ ادھر سکندر نے دونوں بندرگاہوں کے گرد اپنے جہاز

پھیلا کر اُن کی آمد و رفت مسدود کر دی اور خود اپنے لشکر میں چلا آیا جہاں مصری بندرگاہ کے مقابل ساحل پر اُس کا خیمہ نصب تھا ؛

جہازوں کی مدد سے تھوڑے ہی دن میں ساحل سے جزیرے تک پُشتہ تیار اور مشرقی فصیل پر ایک زبردست حملے کا پورا سامان کر لیا گیا۔ کچھ منجنیقیں پشتے پر قایم کر دیں اور کچھ پُرانے یا بار برداری کے جہازوں میں لگا دی گئیں۔ لیکن اس رخ شہر پناہ ایک سو پچاس فیٹ بلند اور بہت چوڑے آثار کی تھی۔ حملہ کارگر نہ ہوا محصوروں نے روغنِ نفط اور آتش گیر اشیا کی بوچھار کر دی جن کے پھینکنے کے لئے انہوں نے طاقتور آلات اپنے دمدموں پر چڑھا رکھے تھے۔ غرض اس دیوار پر سب حملے ناکام رہے لیکن بندرگاہ صیدا کی طرف سے جن جہازوں نے گھیر رکھا تھا اُن پر اہلِ صُور نے جب اچانک حملہ کیا تو اُلٹا انہی کو بہت نقصان ہوا اور تھوڑی سی دیر کی کامیابی کے بعد خود اُن کا بیڑا بالکل بیکار ہو گیا۔

محاصرین اب جنوبی رخ مصری بندرگاہ کے قریب حملے کی فکر میں تھے اور یہاں اُن کی مسلسل کوشش نے آخر کار فصیل میں رخنہ ڈال دیا۔ اور اگرچہ اہلِ صُور نے حملے کو آسانی سے دفع کر دیا تاہم سکندر کو فصیل کا سب سے کمزور مقام معلوم ہو گیا اور دو دن کے بعد اُس نے ایک آخری اور بہت بڑے حملے کی تیاری کی۔ جن جہازوں میں منجنیقیں نصب تھیں انہوں نے جنوبی فصیل پر سنگباری شروع کی۔ قریب ہی دو سہ طبقہ جہازوں میں نیم مسلّح اور نیزہ بردار

پیادوں کی فوج منتظر اور تیار تھی کہ سردار ادمتوس کے ماتحت فصیل کے ٹوٹتے ہی ساحل پر کود کر شہر میں گھس جائے۔ دونوں بندرگاہوں کے سامنے جہاز متعین کر دئے گئے تھے کہ جس وقت مناسب موقع نظر آئے جبرًا بندرگاہ میں داخل ہو جائیں اور باقی بیڑے میں بھی نیم مسلح پیادے اور آلاتِ سنگباری فراہم کرکے جہازوں کو جزیرے کے چاروں طرف پھیلا دیا تھا کہ مختلف مقامات سے حملہ کریں اور محصورین کو برابر پریشان کرتے رہیں تاکہ وہ سب اُس مقام پر جمع نہ ہو سکیں جہاں کہ اصلی حملہ ہونا تھا۔ آخر فصیل میں ایک چوڑی دراڑ پڑ گئی، سہ طبقہ جہاز اُس مقام تک پہنچا دئے گئے اور پُل ڈال کر پیادوں نے دیوار پر چڑھنا شروع کیا۔ اُن کا سردار ادمتوس آگے آگے تھا اور جب وہ برچھے میں چھد کر گرا تو خود سکندر نے اس کی جگہ لی اور دراڑ کے سامنے سے مدافعین کو دھکیل دیا۔ فصیل کے ایک ایک بُرج اور دمدمے پر لڑائی ہوئی لیکن جنوبی حصّہ بہت جلد اہل مقدونیہ کے قبضے میں آگیا۔ اِدھر دوسرے مقامات سے بھی محاصرین شہر میں گھس آئے تھے۔ یعنی قبرس اور فنیقیہ کے جہازوں نے دونوں طرف کی بندرگاہوں کی زنجیر توڑ دی تھی۔ مدافعین کے جہاز بیکار ہو چکے تھے اور ساحل پر فوجیں اُتر اُتر کر شہر میں بڑھتی آتی تھیں۔ بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر صُور کے آٹھ ہزار باشندے لقمۂ اجل ہوئے اور باقیماندہ جن کی تعداد تیس ہزار کے قریب تھی (باستثناء ازمیل کو شاہِ صور) غلام بنا کر فروخت کر دئے گئے۔

صُور کی تسخیر نے ممالک مصر و شام کا سکندر کو مالک بنا دیا اور مشرقی بحیرۂ روم میں اُس کا بحری مدمقابل کوئی نہ رہا۔ جنگ اِیسوس کے بعد بھی شام و فلسطین کی جن بستیوں نے (جیسے دمشق نے) اطاعت قبول نہ کی تھی صُور کی فتح کے بعد سر تسلیم خم کردیا اور سکندر کو مصر کے راستے میں کوئی مزاحمت پیش نہ آئی حتیٰ کہ وہ سرحد کے مستحکم قلعہ غزّہ پر پہنچا جو کسی زمانے میں فلسطینیس کا صدر مقام تھا۔

غزّہ پر دارا نے اپنے معتمد علیہ خواجہ سرا باتیس کو مامور کیا تھا اور قلعہ میں طویل محاصرے کے لئے پہلے سے کافی سامانِ رسد مہیّا کرلیا گیا تھا۔ باتیس نے اپنے جنگی استحکامات کے بھروسے پر اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا اور سکندر نے چند ہفتے کے محاصرے کے بعد اسے مسخر کرلیا (ماہ اکتوبر و نومبر ۳۳۲ ق م) کیونکہ وہ دمشق و مصر کے راستے پر ایسے اہم مقام کو غنیم کے ہاتھ میں نہ چھوڑ سکتا تھا۔ قلعہ کے لینے میں سکندر نے شانے پر برچھی کا زخم بھی کھایا جو کسی کل سے گھما کر پھینکی گئی تھی۔ فتح کرنیکے بعد اس قلعے میں مقدونی فوج متعیّن کردی گئی۔

۶۔ مصر کی تسخیر

مصر و ایران کے درمیان آمد رفت کے سب راستے اب منقطع ہوچکے تھے۔ اس کی فتح میں صرف وہاں پہنچنے کی دیر تھی۔ ایرانی والی کو فاتح کی غاشیہ برداری اور نگاہِ کرم کی امیدواری کے سوا

کوئی دوسرا خیال نہ تھا۔ غالباً فراعنۂ مصر کے پایہ تخت ممفس میں پہنچ کر سکندر کی بادشاہئ مصر کا اعلان ہو گیا اور یہاں باشندوں کی تالیف قلوب کے لئے اُس نے مصری دیوتاؤں کے نام کی نذر و نیاز اور قربانیاں کیں +

ممفس سے وہ دریا دریا ساحل کی طرف کنوپس تک آیا اور وہ کام کیا کہ فی نفسہٖ اُس کا نام ہمیشہ قایم رکھنے کے لئے کافی تھا۔ یعنی جھیل ماریوتیس اور سمندر کے درمیان ایک نئے شہر کی بنیاد رکھنے کی تجویز کی اور راکوتیس کے مشرق میں وہ مقام منتخب کیا جو جزیرۂ فاروس کے بالمقابل واقع تھا۔ یہ جزیرہ ہومر کے گیتوں کی بدولت پہلے مشہور تھا۔ اور اب اُس جہازی مینار کی وجہ سے اور زیادہ مشہور ہو گیا جو یہاں بنا اور ہفت عجائبات عالم میں شمار ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ شہر سکندریہ کا نقشہ خود سکندر نے تیار کیا اور اُس کے جزیرے کو میل بھر کے قریب پشتہ ڈال کر ساحل سے ملا دیا تھا۔ اسی پشتے کی وجہ سے جزیرے میں دونوں طرف لنگرگاہیں نکل آئی تھیں ؛ یہ بات کہ اپنے سب سے مشہور شہر کی بنیاد رکھنے کے لئے بانی نے بہترین مقام منتخب کیا، سکندریہ کی بعد کی تاریخ سے بخوبی ثابت ہے۔ کیونکہ آج دو ہزار برس سے زیادہ گذرنیکے باوجود اُس کی شہرت و منزلت میں فرق نہیں آیا۔ سکندر کا منشا یہ تھا کہ یہ شہر، صُور کی بجائے مغربی ایشیا اور مشرقی بحرِروم کی تجارت کا مرکز بن جائے اور دنیا کی تجارت اسی بندرگاہ میں کھنچ آئے جہاں کوئی فنیقی سوداگر یونانیوں کا رقیب نہ ہو +

فراعنۂ مصر کے شاہی القاب میں امّن دیوتا کی نسبتِ فرزندی بھی داخل تھی اور اُن کے جانشین ہونے کی حیثیت سے سکندر نے بھی یہ لقب اختیار کیا تھا۔ مگر اس کی باضابطہ تصدیق کے واسطے ضروری تھا کہ خود امّن دیوتا سے فرزندی کی سند حاصل کی جائے۔ اسی کو لینے کے واسطے سکندر کو نخلستانِ سیوا تک سفر کرنا پڑا جہاں امّن دیوتا کی مشہور درگاہ تھی جس میں فال اور استخارے کی غرض سے دُور دُور کے لوگ آتے تھے۔ مذکورۂ بالا غرض یہ زحمت اُٹھانیکی کافی وجہ ہو سکتی ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ سکندر کے دل میں اپنی خرقِ عادت پیدائش کے متعلق بھی کوئی گمان ہو۔ بہرحال وہ ساحل ساحل پاری تونیون تک پہنچا جہاں سیرنہ کے سفیروں نے حاضر ہو کر اپنے شہر کی طرف سے اُس کی بادشاہی تسلیم کی اس شہر کے زیر نگین آجانے سے اب سلطنت مقدونیہ کی سرحد گویا قرطاجنہ کی قلمرو تک پھیل گئی۔ یہاں سے سکندر صحرا میں داخل ہوا اور اُس مصری مندر تک گیا جو یونانی دنیا میں ہمیشہ سے زئیس امّن کا مندر مشہور تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں سکندر کے دیوتا سے جو سوال و جواب ہوے اُن کا حال اُس نے کسی کو نہ بتایا اور صرف اتنا ہی بیان کیا کہ دیوتا کے جواب سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔

۷۔ جنگ گاگ مِلا اور بابل کی فتح

مصر و شام کا نیا تاجدار فصلِ بہار کے ساتھ شہر صُور میں

پہنچ گیا۔ اب تمام ساحل اور ادھر کے سمندر پر اُس کی حکومت تھی اور ایران کے خاص قلب پر پیش قدمی کرنیکا وقت آگیا تھا۔ چنانچہ اس فینقی شہر میں چند مہینے گزارنے کے بعد وہ چالیس ہزار پیادہ اور سات ہزار سوار فوج لے کر چل کھڑا ہوا اور اگست کے شروع میں تھاپسکوس پہنچا جو فرات کے کنارے واقع تھا۔ سکندر کی منزل مقصود بابل تھا اور وہیں کے لئے اُس نے وہ راہ اختیار کی جو عراق عرب کے شمال سے دجلہ کے مشرقی کنارے کنارے بابل تک پہنچتی تھی۔ اسی اثنا میں بعض ایرانی جاسوسوں سے جو سکندر کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے تھے یہ معلوم ہوا کہ دارا پہلے سے کہیں زیادہ انبوہ لیکر آیا ہے اور دریا کے دوسرے رُخ مقیم ہے کہ سکندر کا راستہ روکے۔ سکندر نے بنداب وہ کے مقام پر ہی دریا کو عبور کر لیا حالانکہ عام طور پر دریا کو اور جنوب میں شہر نینوہ پر عبور کرتے تھے۔ اتفاق سے اُسی رات چاند گہن پڑا اور لوگ متردد ہونے لگے کہ یہ فال کیسی ہے (۲۰ ستمبر ۳۳۱ ق م)۔

چند روز تک جنوب میں کوچ کرنے کے بعد سکندر کو دارا کا لشکر ملا جو بموڈس ندی کے کنارے گاگ ملا کے قریب میدان میں خیمہ زن تھا اور کہا جاتا ہے کہ اُس کی فوج میں دس لاکھ پیادہ اور چالیس ہزار سوار تھے۔ وہ رات جس کی صبح ایران کی قسمت کا فیصلہ ہونیوالا تھا ایرانیوں نے مسلح رہ کر گزاری کیونکہ اُن کی لشکرگاہ کے گرد کسی قسم کے مورچے یا استحکامات نہ تھے اور انہیں شبخون کا اندیشہ تھا۔ اور واقعی پارمنیو نے شبخون کی صلاح بھی دی تھی مگر سکندر نے اپنے سپاہیوں کی قواعد دانی اور اپنی سپہ سالاری پر جنگ کا فیصلہ ہی رکھنا پسند کیا اور

پارمنیو سے کہا کہ "میں فتح کو چوری سے حاصل نہیں کرتا"۔ دراصل اس دلیری کی تہ میں دور اندیشی اور ارادے کی پختگی مستور تھی۔ سکندر کی گفتگو کا طرز یہی تھا اور وہ خوب جانتا تھا کہ دن کے وقت کھلے میدان میں ایرانی لشکر پر فتح حاصل کی جائیگی تو اُس کی سطوت اور رعب کو ایشیا میں چند در چند بڑھا دے گی ؛

دستور کے موافق اس مرتبہ بھی خسروِ ایران صفوں کے مرکز میں تھا اور اُس کے رشتہ دار اور ایرانی فوج خاصہ اسے گھیرے کھڑی تھی دونوں طرف اجیر یونانی، ہندی دستے (مع چند جنگی ہاتھیوں کے) اور کاریہ کی نسل کے وہ سپاہی صف بستہ تھے جن کے اجداد ایشیا کے ان علاقوں میں آبسے تھے۔ قلب سپاہ کو ایک اور قطار سے قوت و وسعت دی تھی اور میسرے پر سوس اور سواحل خزر کے لوگ سو جنگی رتھوں اور باختری اور سیتھی سواروں کے پیچھے کھڑے تھے۔ میمنے پر تورانی، مازندرانی، مد، عراقی اور کوہستانِ قفقاز کے سپاہی صف آرا تھے ؛

اس لشکرِ گراں کے مقابلے میں (جس کے صرف سواروں کا شمار حریف کی کل فوج کے برابر خیال کیا جاتا ہے) صبح ہوتے ہی سکندر پہاڑی پر سے اُتر کے چلا۔ حسبِ معمول اُس کے بائیں بازو پر یونانی حلیف اور تھسالیہ کے سوار پارمنیو کے ماتحت تھے۔ قلب میں پرّے کے چھ دستے تھے اور دایاں بازو ۸ دستہ رفقا اور نیم مسلح پیادوں پر مشتمل تھا۔ اور اس کے آخری سرے پر دستۂ شاہی کا سردار کلیتوس تھا۔ اسی کی مدد کے لئے کچھ نیم مسلح تیر انداز اور نیزہ بردار بھی لگا دئے گئے تھے۔ لیکن سکندری فوج کی کل قطار اتنی چھوٹی تھی کہ غنیم کی صفیں

اُس کے دونوں طرف بہت آگے نکلی ہوئی تھیں اور جنگ ایسوس کی طرح یہاں بھی سب سے بڑا اندیشہ یہی تھا کہ کہیں وہ بڑھ کر پہلو اور عقب پر حملہ آور نہ ہوں بلکہ ایسوس میں صرف ایک بازو کے گھِر نیکا خطرہ تھا اور یہاں دونوں بازو خطرے میں تھے۔ اسی کے حفظ ماتقدم کی غرض سے سکندر نے دونوں بازؤوں کے پیچھے ایک ایک قطار اور قایم کر دی تھی کہ اگر پہلو یا عقب سے حملہ ہو تو وہ گھوم کر ہلالی صورت میں غنیم کا مقابلہ کرے۔

بڑھتے وقت سکندر اور اُس کا میمنہ صرف دشمن کے قلب سپاہ کے سامنے آگیا تھا اور تمام ایرانی میسرے کے سامنے میدان خالی رہ گیا تھا۔ اور ایرانیوں کا تمام میسرہ ایک طرف کو آگے پھیلا ہوا تھا پس سکندر دائیں کی طرف کسی قدر ترچھا چلا اور ہرچند سیتھی سوار آگے بڑھ کر اُس کے نیم مسلح سپاہیوں سے بھڑ گئے تھے تاہم وہ اپنے زرہ پوش سواروں کو اُسی رخ بڑھائے چلا گیا؛ جس میدان کو مقدونی سپاہی اب طے کر رہے تھے وہ رتھوں کے واسطے صاف کرا دیا گیا تھا۔ لہذا دارا نے انہیں روکنے کے لئے حکم دیا کہ اُن کے پہلو پر دھاوا کیا جائے۔ اِن سیتھی اور باختری شہسواروں کے حملے کو سکندر کے اجیر یونانی سپاہیوں نے بہ مشکل روکا تھا کہ جنگی رتھوں کا ریلا شروع ہوا لیکن بہت سے رتھ بانوں کو اور اُن کے گھوڑوں کو تیر اندازوں نے مار مار کے گرا دیا اور پیادوں نے اپنی صفیں اتنی کشادہ کر دیں کہ رتھیں بیچ میں سے بلا نقصان پہنچائے گڑ گڑاتی چلی گئیں۔

اب ایرانیوں کی پوری صف حملے کے لئے بڑھ رہی تھی۔ سکندر موقع کے انتظار میں تھا کہ اپنی سوار فوج سے اُن پر ٹوٹ پڑے اتفاقاً اُسے اپنے نیزہ بردار سواروں کو نیم مسلح سواروں کی مدد پر بھیجنا پڑا کیونکہ میمنہ پر اُنہیں سیتھی اور باختری دباتے چلے آتے تھے اور جب سکندری نیزہ بردار اُدھر مڑے تو جواب میں ایرانی دستے بھی اپنے ساتھیوں کی مدد کے لئے بھیجے گئے اور ان کے اُدھر ہٹنے کی وجہ سے ایرانی میسرے میں فصل پیدا ہو گیا۔ اسی کے اندر سکندر اپنے سواروں کو لئے ہوئے گھس گیا اور ایرانی صف کو بیچ میں سے دو کر دیا۔ اس طرح غنیم کے قلب کا بایاں پہلو زد میں آگیا اور اسی طرف سکندر نے ترچھے ہو کر اُس کی عقبی صفوں پر حملہ کیا۔ اِدھر پرے کے سپاہی شانے سے شانہ ملائے ہوئے ایک سیلاب کی طرح بڑھے آتے تھے اور ایرانی قلب کے دوسرے حصے سے بھڑ گئے تھے۔ سب سے قیامت خیز معرکہ اُس مقام کے گرد پڑا جہاں شہنشاہِ ایران کھڑا ہوا لرز رہا تھا، اور گاگ مِلا میں بھی وہی ہوا جو ایسوس میں واقع ہوا تھا یعنی شاہ شاہاں نے پیٹھ دکھائی اور اپنی رتھ پھیر کر بھاگا۔ اُس کے ایرانی رفیقوں نے اُس کا ساتھ دیا اور بھاگتے میں خود اپنی عقبی صفوں کو روندتے ہوئے نکل گئے۔

اُدھر پارمنیو پر بُری آبنی تھی۔ ایرانی میمنے کی آخری صفوں نے اُس کے سواروں پر پہلو یا عقب سے حملہ کر دیا تھا۔ اُس نے گھبرا کر مدد کے لئے ہرکارہ دوڑایا چنانچہ سکندر اپنے مفرور حریف کے تعاقب سے باز رہا اور پارمنیو کی طرف چلا تھا کہ راستے میں

ایرانی، تورانی، اور ہندی سواروں کی ایک بڑی جمعیت کا سامنا ہوگیا۔ یہ پسپا ہو رہے تھے لیکن صفوں میں خلل نہ آیا تھا اور ان کے ساتھ جو لڑائی ہوئی شاید تمام جنگ میں اُس سے زیادہ خوفناک خونریزی کسی مقام پر نہ ہوئی تھی۔ سواران رفقاء میں سے ساٹھ آدمی مرکر گرے لیکن فتح سکندر کو حاصل ہوئی اور وہ پارمنیو کی مدد کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن پارمنیو کو اب مدد کی ضرورت نہ رہی تھی کیونکہ تھسالیہ کے سواروں نے آخرکار سکندر کے پہنچنے سے پہلے دشمنوں کو مار کر بھگا دیا تھا اور سچ یہ ہے کہ اُن کی مردانہ شمشیر زنی اور شجاعت اس جنگ کا نہایت نمایاں کارنامہ ہے۔ انہوں نے کثیر تعداد کے مقابلے میں لڑائی کو سنبھالے رکھا اور اس قدر نا مساعد حالات میں کہ پارمنیو کو مضطربانہ مدد طلب کرنی پڑی یہاں تک لڑے کہ دشمنوں کا منہ پھر گیا۔ لڑائی سکندر کی فتح پر ختم ہوئی اور سلطنتِ کیانی کا فیصلہ ہوگیا+

سکندر کو پہلے پارمنیو کی مدد کے لئے تعاقب چھوڑ کر آنا پڑا تھا۔ فتح ہوتے ہی اُس نے دشمن کا پیچھا کرنے میں پھر دیر نہ کی اور دارائے ایران کا کھوج لیتا ہوا رات بھر مشرق کی طرف بڑھتا رہا اور صبح ہوتے ہوتے اربیل میں تھا۔ لیکن اس تگ و دو کے باوجود دارا اُس کے ہاتھ نہ آیا اور مدیہ کے کوہستانی علاقوں میں بھاگ گیا۔ اُس کے سردار آریوبرزانیس نے شکست خوردہ فوج کو لیکر جنوب میں ایران کی راہ لی اور سکندر بابل کی طرف مڑگیا+
شاید سکندر کو یقین تھا کہ اہلِ بابل اپنی مضبوط فصیلوں کے

بھروسے پر اُس کا مقابلہ کرینگے۔ مگر اُس کا اندازہ غلط نکلا۔ شہر کے قریب پہنچتے ہی جب کہ اُس کی فوج حملہ کے لئے تیار تھی، دروازے کھل گئے۔اور اہل بابل کا جمِ غفیر پیشوائی کے لئے باہر نکل آیا اور اُن کے دینی مقتدا اور عمائدین آگے آگے تھے (اکتوبر ۳۳۱ ق م) ایرانی والی مازیوس نے جو گزشتہ لڑائی میں نہایت بہادری سے لڑا تھا، اب شہر اور قلعہ حوالے کر دیا اور سکندر نے بھی یہاں وہی حکمتِ عملی برتی جو مصر میں کی تھی۔ یعنی اہل بابل کے قومی مذاہب کی جنہیں ایرانی آتش پرستوں نے ذلیل و خوار کر دیا تھا، حمایت کی۔ وہاں کے مسمار کردہ مندروں کو دوبارہ بنوایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بعل دیوتا کے حیرت انگیز مندر کی از سر نو تعمیر و تزئین کا حکم دیا جو آٹھ مناروں کے اُوپر قایم تھا اور جسے شاہ زرکسنر نے یونان سے شکست کھا کر واپس آنے کے بعد، تڑوا کر سلامیس کا غصہ یہاں اُتارا تھا۔ ایرانی صوبیدار مازیوس کو سکندر نے اپنے عہدہ پر بحال رہنے دیا۔

۸۔ سوس اور اصطخر کی تسخیر

فوج کو آرام دینے کے بعد یونانی فاتح نے ایرانی بادشاہوں کے گرمائی مقام سوس پر پیش قدمی کی (دسمبر ۳۳۱ ق م) اس شہر کے قلعے میں بے شمار زر و سیم اور قیمتی کپڑا اُس کے ہاتھ آیا۔ بہت سی دیگر گراں بہا اشیا کے علاوہ، جابر کُش ہرموڈیوس اور ارس ٹیگی تن کے بتوں کا جوڑا بھی سوس میں مل گیا جسے زرکسنر ایتھنز سے اُٹھوا لایا تھا۔ اس تاریخی یادگار کو واپس اُس کے وطن میں

بھجوانے کی سکندر کو خاص مسرت حاصل ہوئی کیونکہ اب بتوں کی قدر اور بڑھ گئی تھی +

ہرچند یہ سخت سردی کا زمانہ تھا لیکن سکندر نے جلد سوس سے کوچ کیا۔ کیونکہ سیروس و دارا کے ایرانی محلوں میں ابھی بے حساب دولت باقی تھی۔ یہ مقامات ایران کی سطح مرتفع پر واقع تھے اور نہ صرف کوہستانی علاقے میں سفر کی دشواریاں اُن کی محافظ تھیں بلکہ وہ فوج بھی راستے روکے پڑی تھی جسے گاگ ملاکے میدان سے آریوبرزانیس بچا کے لے آیا تھا۔ ان پر فتح پانا کچھ آسان کام نہ تھا۔ ایرانی اپنے کوہستانی دروں پر قدم جمائے ہوئے تھے۔ دروں کو ہلّہ کرکے فتح کرنا اس قدر دشوار تھا کہ سکندر کو اپنی عمر میں اتنی سخت مہم بہت کم پیش آئی ہوگی با ایں ہمہ اُس نے برف پوش پہاڑوں میں کوچ کیا اور اچانک پہنچ کر درے چھین لئے۔

شاہانِ ایران کے جن محلات کی طرف اب سکندر نہایت تیزی سے بڑھ رہا تھا وہ مرودشت کی وادی میں اصطخر کے قریب واقع تھے اور اصطخر کو ایرانی لوگ دنیا کا سب سے قدیم شہر سمجھتے تھے تاجداران ایران کا یہ گہوارہ اُس زمانے میں نہایت سرسبز و شاداب علاقہ تھا اور آج ویران و بے گیاہ ہے۔ یہاں کے شہر اور محلات شاہی کو ملا کر یونانی پرسی پولس کے نام سے یاد کرتے تھے اور یہ "آسمان کے نیچے سب سے زیادہ دولتمند شہر تھا"

بیان کرتے ہیں کہ سکندر کو شاہی خزانے میں ایک لاکھ بیس ہزار تیلنت نقد دستیاب ہوئے اور باقی ساز و سامان کا کیا ٹھکانا ہے کہ

اُن کے لاد کرلے جانے کے لئے اونٹوں اور خچروں کی پوری فوج درکار ہوئی تھی +

لیکن اصطخر کے چار ماہہ قیام کا سب سے مشہور واقعہ زرکسیز کے محل کی آتش زنی ہے (سنہ ۳۳۰ ق م)۔ یہ روایت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ ایک شب جب کہ سکندر اور اُس کے حاشیہ نشین خوانِ شاہی پر مصروف مے خواری تھے ایتھنز کی ایک رنڈی تائیس نے ان متوالوں کو یہ خیال سجھایا کہ یونانی مندروں کے جلانے والے اور کینہ پرور دشمن کے گھر میں آگ لگا دی جائے؛ اُس عورت کی یہ مجنونانہ تجویز گویا بارود میں شتابہ تھا جس کے سنتے ہی نشہ مے کے سرشار مشعلیں لے لے کر یکبارگی دوڑ پڑے۔ اور سب سے پہلے لوکا سکندر نے اپنے ہاتھ سے لگایا۔ تھوڑی دیر میں دیودار کے سامان میں آگ لگ گئی اور سارا محل جلنے لگا؛ لیکن اس سے پہلے کہ محل جل کر خاک ہو بادشاہ کا نشہ اُتر گیا اور اُس نے آگ بجھانیکا حکم دیا +

۹۔ دارا کی موت

اس اثنا میں ایران کا بدنصیب تاجدار چند نمک حلالوں کے ساتھ ہمدان میں مقیم تھا۔ ابھی مدیہ کی مدافعت ممکن تھی اور شمالی صوبوں کی بہت بڑی فوج اُس کے پاس جمع ہو گئی تھی دوسرے اگر ہٹنے کی ضرورت ہو تو پیچھے باختر کا مُلک موجود تھا۔ ادھر موسم بہار ابھی ختم ہونے نہ آیا تھا کہ سکندر اصطخر سے ہمدان روانہ ہوا۔ راستے میں

جب اطلاع ہوئی کہ دارا بہت بڑی فوج لئے ہمدان میں لڑنیکے لئے
تیار ہے تو اُس نے اپنی رفتار تیز کردی تھی۔ لیکن شہر کے قریب پہنچنے پر
معلوم ہوا کہ دارا نے گریز کیا اور مشرق کی طرف نکل گیا۔ ہمدان
پہنچ کر سکندر نے تھسالیہ اور یونانی حلیفوں کی فوجوں کو انعام و
اکرام دیکر رخصت کر دیا مگر جن لوگوں نے ازخود دوبارہ بھرتی ہونا
چاہا انہیں ساتھ رہنے کی اجازت مل گئی اور اس اجازت سے
بہت سپاہیوں نے فائدہ اُٹھایا۔

اب سکندر اپنی اصلی فوج لئے مارا مار مشرق کی طرف کوچ کر رہا
تھا۔ انسان یا حیوان کسی کی تکلیف و مشقت کا مطلق خیال نہ تھا
اور دارا کو گرفتار کرنے کی کو لگی ہوئی تھی۔ لیکن ایرانی تاجدار کی
اجل ایک دوسرے راستے سے گویا دبے پاؤں آرہی تھی۔ یعنی اُسکے
ہمراہیوں کو یقین ہوتا جاتا تھا کہ اقبال نے دارا کا ساتھ چھوڑ دیا۔
اور اسی لئے جب اُس نے باختر کی پسپائی جاری رکھنے کی بجائے
وہیں تھم کر پھر قسمت آزمائی کا ارادہ کیا تو اُس کے رہے سہے
یونانی نوکروں کے سوا کوئی بھی لڑنے پر آمادہ نہ ہوا بلکہ بہت سے
دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ خاندانِ کیانی کی ڈوبتی کشتی کو
اگر کوئی بچا سکتا ہے تو وہ باختر کا والی بیسوس ہے جو بادشاہ کا
رشتہ دار تھا۔ اسی یقین پر رات کے وقت دارا کو گرفتار کرلیا گیا
اور اب اُسے ایک قیدی کی حیثیت سے عجلت کے ساتھ باختر
لے چلے۔ اس واقعے نے فوج کو بے ترتیب اور منتشر کر دیا۔ اجیر
یونانی سپاہیوں نے سواحل خزر کے پہاڑوں میں شمال کی راہ لی

اور بہت سے ایرانی واپس ہو گئے کہ سکندر کی خدمت میں حاضر ہو کر اُس کے عفو و کرم کے خواستگار ہوں؛ سکندر کو جس وقت اپنے قدیم حریف کے گرفتار ہونیکا حال معلوم ہوا اور سنا کہ اب اُس کا مدمقابل بیسوس ہے تو اُس نے ارادہ کر لیا کہ جس طرح ممکن ہو پیچھا کر کے اُنہیں جا لے۔ چنانچہ فوج کو آہستہ آہستہ آنے کا حکم دیکر اُس نے صرف سواروں اور چند نیم مسلح پیادوں کو اپنے ساتھ لیا اور اس تیزی سے یلغار کی کہ نہ دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات۔ تین دن تین رات مسلسل سفر میں صرف ایک مرتبہ وہ تھوڑی سی دیر ستانے کو ٹھیرا اور چوتھے دن سورج نکلتے نکلتے تھارا پہنچ گیا۔ جہاں دولتِ ایران کا وارث زنجیروں میں جکڑا گیا تھا۔ یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ اگر اسی شدّ و مد کے ساتھ تعاقب جاری رہا تو بیسوس اور اُس کے رفیقوں نے دارا کو حوالہ کرنیکا ارادہ کر لیا ہے لہذا اب دم لینے کا موقع نہ تھا اور تعاقب کرنے والوں نے ایک رات اور سفر میں گزاری۔ تکان سے آدمی اور گھوڑے راستے میں گرے پڑتے تھے مگر سکندر برابر بڑھے گیا اور دو پہر کو ایک گاؤں میں پہنچا۔ یہاں ایک روز پہلے مفرورین نے قیام کیا تھا اور معلوم ہوا کہ اب بھاگتے والے بھی رات کو قیام نہ کرینگے سکندر نے لوگوں سے پوچھا کہ کوئی قریب کا راستہ اور بھی ہے اور انہوں نے بتایا کہ اگرچہ ایک قریب کا راستہ موجود ہے مگر اُسمیں پانی نہیں ملتا؛ سکندر نے اُسی وقت اپنے پانچ سو سواروں سے گھوڑے لے لئے اور اُن پر پیادہ فوج کے سب سے مضبوط سرداروں

اور نوجوانوں کو بٹھا کر اپنے ہمراہ لیا وہ شام کے وقت روانہ ہوئے تھے اور سورج نکلنے نہ پایا تھا کہ ۴۵ میل چل کر غنیم کے سر پر جا پہنچے اُنہیں دیکھتے ہی **بیسوس** اور اُس کے ساتھیوں نے قیدی بادشاہ کو گھوڑے پر سوار ہونیکا حکم دیا مگر جب دارا نے انکار کیا تو وہ برچھیاں مار مار کر اُسے اپنی گاڑی میں وہیں چھوڑ گئے! گاڑی کے خچر بے گاڑی بان کے اِدھر اُدھر پھرتے رہے اور راستے سے کوئی آدھ میل دور ایک گھاٹی کی طرف چلے گئے تھے جہاں ایک مقدونی سپاہی اپنی پیاس بجھانے آیا اور چشمے کے قریب اُسے خسرو ایران اپنی گاڑی میں دم توڑتا ملا۔ وہ ایک گھونٹ پانی کے لئے پیاسا تڑپ رہا تھا اور اس جان کنی میں جب سپاہی نے پانی کا پیالہ بھر کر اُس کے ہونٹوں سے لگایا تو اُسے آخری وقت بڑی تسکین ہوئی اور اُس نے اشارے سے شکریہ ادا کیا۔ سکندر نے اپنے حریف کی نعش دیکھی اور بیان کرتے ہیں کہ ترس کھا کر اپنا چُغہ اُس پر ڈال دیا (جولائی ۳۳۰ ق م) یہ بھی اُس کی خوش نصیبی تھی کہ اُسے دارا کی نعش ملی ورنہ اگر وہ زندہ گرفتار ہوتا تو سکندر اُسے غالباً قتل نہ کراتا اور ایسا قیدی اُس کیلئے ہمیشہ فکر و پریشانی کا سبب رہتا۔ نعش کو اُس نے عزت و آبرو کے ساتھ دارا کی ماں کے پاس بھیج دیا اور خاندانِ کیانی کا آخری تاجدار اپنے بزرگوں کے ہم پہلو اصطخر ہی میں دفن ہوا!

۱۰۔ سکندر کا اصولِ عمل بحیثیت ایشیائی تاجدار کے

ابتدا سے سکندر نے مفتوحہ علاقوں کے ساتھ جس روا داری کا

برتاؤ کیا تھا وہ نہ صرف فیاضی بلکہ عین مصلحت پر مبنی تھا۔ ہر ملک میں اُس نے وہاں کے قومی آئین و قوانین بدستور رہنے دئے اور صرف وہاں کے اختیارات کو تقسیم کرنے پر زور دیا کیونکہ ایرانی بادشاہوں کے ماتحت ہر صوبے کا والی وہاں کا مختار کل ہوتا تھا اور نہ صرف دیوانی نظم و نسق بلکہ مالی اور جنگی معاملات بھی اُسی کے سپرد ہوتے تھے۔ اس طریقے کو منسوخ کرنا سکندر کو ضروری معلوم ہوا کہ آیندہ بغاوت کا خطرہ نہ رہے۔ چنانچہ اُس نے اکثر مقامات پر صرف دیوانی انتظامات صوبہ دار کے ہاتھ میں رہنے دئے اور محکمہ مال اور فوج کے علٰحدہ عہدہ دار مقرر کئے جو صوبہ دار کے ماتحت نہ تھے بلکہ اپنے اپنے صیغوں کے خود ذمہ دار ہوتے تھے +

لیکن سکندر مقدونیہ سے چلا ہے تو اہل یونان کا نمایندہ کر چلا تھا اور گویا اُن ذلیل ایشیائیوں کے مقابلے میں اٹھا تھا جو محض غیر اور بیگانہ تھے۔ پس تمام یونانی اور مقدونی سپاہی جو اُس کے ساتھ تھے ایشیائیوں کو یہ سمجھتے تھے کہ قدرت نے انہیں یونانیوں کی اطاعت و غلامی کے لئے اور مشرقی ممالک کو یونانیوں کی لوٹ کیلئے بنایا ہے۔ لیکن سکندر جس قدر آگے بڑھا اُس کی نگاہ وسیع ہوتی گئی یونانی اور غیر یونانی کا تعصّب اور قومی تفریق اُس کی نظر سے غائب ہونے لگی اور اب اُس کے ذہن میں ایک ایسی سلطنت کا تصوّر پیدا ہوا جس میں مشرق و مغرب کا کوئی امتیاز نہ ہو اور حملہ آور اہلِ یورپ مغلوب ایشیائیوں پر حکومت و برتری نہ جتائیں بلکہ ایشیا اور یورپ کے ملک اور باشندے بلا تفریقِ نسل و ملّت ایک ہی

بادشاہ کو اپنا سرپرست اور حاکم سمجھیں اور وہ اُن پر کامل عدل و مساوات کے ساتھ فرمانروائی کرے؛ جنگ گاگ مِلا کے بعد ان خیالات کا عمل ظہور بھی ہونے لگا تھا۔ بعض مشرقی صوبے جیسے بابل، ایرانی والیوں کے سپرد کر دئے گئے تھے اور اب سکندر فیلقوس کا دربار بھی خالص مقدونوی دربار نہ رہا تھا۔ چنانچہ ہم نہ صرف ایشیائی درباریوں کو بلکہ ایشیائی دربار کی رسموں کو بھی رفتہ رفتہ سکندر کی مجلس میں روشناس ہوتا دیکھتے ہیں۔ ایشیا کے نئے تاجدار کے سامنے وہاں کے باشندے زمیں بوسی کرتے نظر آتے ہیں اور تھوڑے ہی دن میں سکندر اپنا مغربی لباس اُتار کر دربار میں شاہانِ ایران کا ملبوس پہنے جلوہ گر ہوتا ہے تاکہ اپنی مشرقی رعایا کی آنکھوں میں اجنبی نہ معلوم ہو ٭

---

*

باب ہجدہم

مشرق اقصیٰ کی فتوحات

۱۔ ہرکانیہ، ایریہ، باختریہ، سگدیانا

دارا کے قاتل بھاگ کر نکل گئے تھے۔ یعنی **بیسوس** باختر چل دیا اور **برزانیس**، ہرکانیہ (مازندران) بھاگ آیا۔ یہ بحیرۂ خزر کے ساحل کا علاقہ ہے اور یہاں برزانیس کو پیچھے چھوڑ کر سکندر **بیسوس** کے تعاقب میں آگے نہ بڑھ سکتا تھا لہذا پہلے اُس نے کوہستان **البرز** کو عبور کیا جو **پارتھیہ** اور سواحل خزر کے درمیان ہے۔ یہاں **تاپوری** اور **مرڈی** کے علاقوں میں جو ایرانی سردار ہٹ آئے تھے انہوں نے اطاعت قبول کی اور عنایات شاہی سے سرفراز ہوئے۔ برزانیس کی بھی جاں بخشی کردی گئی۔ اجیر یونانی سپاہیوں نے

انہی کوہستانی علاقوں میں پناہ لے رکھی تھی۔ اب اُنہوں نے بھی
اپنے تئیں سکندر کے حوالے کردیا۔ اور اُن میں سے جو لوگ اتحادِ
لورنتھ کی مجلس سے پہلے ایران کی ملازمت میں داخل ہوئے تھے
(یعنی اُس وقت جبتک کہ یونانی ریاستوں نے مقدونیہ کی سیادت
قبول نہ کی تھی) وہ آزاد کردیئے گئے مگر بعد کے سپاہیوں کو جبراً
مقدونوی فوج میں بھرتی کرلیا گیا۔
سکندر نے ہمدان سے پارمنیو کو بحیرۂ خزر کے جنوب مغرب کی
طرف روانہ کیا کہ علاقہ کالوسیہ پر قبضہ کرلے اور خود پندرہ روز
زورہ کارتہ میں ٹھہرکر فوجی نمائش اور کھیل دیکھنے کے بعد مشرق
کی طرف سوسیہ گیا جو صوبہ ایریہ کے شمال کا قصبہ تھا۔ ایرانی والی
ساتی برزنیس یہاں باریاب ہوا اور اُسے سکندر نے اپنے
عہدے پر بحال کردیا۔ اسی مقام پر خبر ملی کہ بسیوس نے اردشیر کا
نام اور شاہ شاہاں کا لقب اختیار کیا ہے اور بادشاہی سرپیچ
لگاتا ہے۔ یہ سُنتے ہی سکندر نے باختر کا رخ کیا مگر کچھ دور نہ گیا تھا
کہ خود ساتی برزنیس کے باغی ہوجانے کی اطلاع ملی اور وہ
دو دو تین تین منزلیں طے کرتا ہوا دو ہی دن میں ایریہ کے صدر مقام
ارتوکوانا کے سامنے پہنچ گیا۔ یہاں اُسے کوئی بڑی مزاحمت پیش نہ آئی
اور اُس نے جنوب کی طرف صوبہ درنگیانہ کا رخ کیا۔ اس میں
کوئی شبہ نہیں معلوم ہوتا کہ سکندر نے جو راستہ اختیار کیا وہ
وہی تھا جو اب ہرات ہوکر سیستان آتا ہے اور قرینہ چاہتا ہے
کہ ہرات ہی کے مقام پر سکندر نے اپنے نئے صوبے سکندریہ ایریون کا

مستقر اور قلعہ تعمیر کیا تھا؛ اس کے بعد ورنگیانہ کا علاقہ بھی بغیر کسی لڑائی کے سکندر کے زیر نگیں آگیا؛

سرزمین ورنگیان کے صدر مقام پروفتاسیہ میں یہ خبر سکندر کے گوش گزار ہوئی کہ پارمنیو کا بیٹا فلوتاس اُس کے قتل کی سازش کررہا ہے۔سکندر نے مقدونوی سرداروں کی ایک مجلس میں ان تمام الزامات کو پیش کیا۔ اور فلوتاس نے بھی اقبال کیا کہ بادشاہ کو قتل کرنے کی ایک سازش کا حال مجھے معلوم تھا اور میں نے اسکی کوئی اطلاع نہ دی۔لیکن اس پر صرف یہی ایک الزام نہ تھا۔ اور آخر مجلس نے اُسے مجرم قرار دیا اور وہ برچھیاں بھونک بھونک کر ماردیا گیا؛ عام اس سے کہ فلوتاس کے مجرمانہ ارادوں میں اسکا باپ شریک تھا یا نہ تھا، بیٹے کے قتل کے بعد اُس کو زندہ چھوڑنا مخدوش نظر آتا تھا لہذا فوراً ایک ہرکارہ مدیہ بھیجدیا گیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو پارمنیو کی فوج کے بعض سرداروں کو اس بوڑھے سپہ سالار کی جان لینے کا حکم پہنچادے؛ یہ سکندر کا ایک جابرانہ فعل تھا اور محض بے وفائی کے شبہ پر اُس نے اس قسم کے حفظ ماتقدّم کو جائز کرلیا حالانکہ عدالتی تحقیقات کی نوبت ہی نہ آئی اور بظاہر پارمنیو کے خلاف اُس کے پاس کوئی ثبوتِ جرم بھی نہ تھا۔

اس کے بعد سکندر نے باختر کے راستے سیدھا جانیکی بجائے چکر دیکر افغانستان کی طرف کوچ کیا کہ اس ملک کو مطیع کرتا ہوا کوہستان ہندوکش کو عبور کرجائے اور مشرق کی طرف سے دریائے سیحون کے میدانوں میں داخل ہو۔چنانچہ اُس نے جنوب میں بڑھ کے سیستان اور

بلوچستان کے علاقوں کو باج گزار بنایا۔ بلوچستان کو اُس زمانے میں گدروسیہ کہتے تھے اور یہیں کے بعض قبائل میں اُس نے موسم سرما بسر کیا۔ یہ امن پسند اور مہماں نواز قبائل اریاسپی تھے جنھیں یونانی "کریم" کے نام سے موسوم کرنے لگے؛ سکندر نے گدروسیہ کو علحدہ صوبہ بناکر پورا کو اس کا صدر مقام قرار دیا اور موسم بہار کے آتے ہی وادیٔ ہلمند کے راستے شمال مشرق کی طرف اوپر بڑھا (۳۳۰ ق م) اراکوسیہ کے علاقوں میں جو سب سے بڑا شہر اُس نے آباد کیا وہ غالباً قندھار کے مقام پر تعمیر ہوا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی شہر کا نام سکندریہ سے بگڑکر قندھار ہوگیا ہے۔ یہاں راستہ پہاڑوں کے اوپر اوپر غزنی ہوتا ہوا دریائے کابل کی بالائی گزرگاہ تک پہنچتا ہے۔ اسی سے سکندر ہندوکش کے بلند پہاڑوں کے دامن تک پہنچا تھا۔

واضح رہے کہ وہ مجمع جبال جسے بام دنیا کہتے ہیں اور جس سے ایشیا کے جنوب اور مشرق و مغرب میں، کوہستان پامیر، کوہستان ہندوکش اور کوہستان ہمالہ کے عظیم الشان سلسلے پھیلتے ہیں، قدیم یونانیوں میں ایک ہی نام یعنی کوہ قاف سے موسوم تھا۔ لیکن ہندوکش کو وہ ایک خاص اور جداگانہ نام پاروپانی سوس سے یاد کرتے تھے اور کوہستان ہمالہ کو ایماؤس کہتے تھے۔ غرض ہندوکش کے دامن میں اُس نے موسم سرما بسر کیا اور اس علاقے پر تسلّط رکھنے کی غرض سے شہر کابل سے کسی قدر شمال میں ایک اور سکندریہ کی بنیاد رکھی۔ اور اُسے "سکندریہ قاف" کا

نام دیا تاکہ اس نام کے دوسرے شہروں سے امتیاز رہے۔ فصل بہار کے آغاز میں سکندر نے کوہستان قاف کو عبور کیا اور بجائے خود یہ ایسی مہم تھی کہ ہنی بال[1] کے الپس اترنے سے کچھ ہی کم دشوار ہوگی۔ کیونکہ اس میں سکندر کے سپاہیوں کو کچا گوشت اور بناس پتی کھاکر پیٹ بھرنا پڑا تھا۔ آخر بصد مشکل وہ پہاڑ کے شمالی کنارے تک ملک باختر کے سرحدی قلعے دراپ ساکا میں پہنچے۔ اور یہاں اپنی تھکی ہوئی فوج کو آرام دینے کے بعد سکندر قلعۂ اورنوس کے راستے میدانی علاقے میں اتر کر شہر بکترا یا باختر کی جانب روانہ ہوا جو اب بلخ کہلاتا ہے۔

حملہ آور فوج کی پیش قدمی روکنے کے لئے بیسوس نے اس حصۂ ملک کو بالکل ویران و بے چراغ کردیا تھا۔ لیکن سکندر کی آمد سنتے ہی خود سیحوں کے پار اترگیا اور یہ صوبہ بھی بغیر کسی لڑائی کے دولت مقدونیہ میں شامل ہوگیا۔ مگر مقدونوی فاتح کو بیسوس کے تعاقب کی دھن لگی ہوئی تھی جو سگدیانا (سغد) میں بھاگ کر جا چھپا تھا۔ یہ وہ علاقہ ہے جو دریائے جیحون اور سیحوں کے درمیان سگد (سغد) ندی کے نام پر "سگدیانا" کہلاتا تھا حالانکہ خود یہ ندی سیحون تک پہنچتے پہنچتے ریگستان میں خشک ہوجاتی ہے۔ سکندر کو دو تین دن تک اسی تپتی زمین میں سفر کرنا پڑا اور جب وہ خستہ و مضمحل دریا کے کنارے پہنچا تو

---

[1] قرطاجنہ کا نامور سپہ سالار جس نے ہسپانیہ اور فرانس سے گزر کر کوہستان الپس کو عبور کیا اور ۲۱۸ق م میں اطالیہ پر فوج کشی کی تھی۔ مترجم

معلوم ہوا کہ مفرور حریف نے تمام کشتیاں جلا ڈالی ہیں۔ ناچار مقدونی بادشاہ کو اپنی فوج مشکوں کے ذریعے دریا کے پار اُتارنی پڑی اور یہ دقیانوسی طریقہ اب تک وسط ایشیا میں رائج ہے۔ لیکن یونانی سپاہیوں نے اس میں بھی اتنی جدّت ضرور کی تھی کہ مشکوں کو ہوا سے پھُلانے کی بجائے گھاس پھونس سے بھر لیا تھا۔ بہرحال انہوں نے **کلیف** پر دریا عبور کیا۔ اور **مراکندا** کی طرف بڑھے اور یہ پہچان لینا کچھ دشوار نہیں کہ یہ **سمرقند** کا پُرانا نام تھا۔ **سُگدیانا** کے لوگ **بسیوس** کے حلیف تھے مگر اب اُنہوں نے اپنا ملک بچانے کی خاطر اُسے گرفتار کرکے سکندر کے حوالے کردینے پر آمادگی ظاہر کی، اور سکندر نے **لاگس** کے بیٹے **ٹالمی** (بطلیموس) کو ۶ ہزار آدمی دے کر **بسیوس** کو لانیکے واسطے روانہ کیا۔ پھر سکندر کے حکم سے اس ایرانی سردار کو مشکیں باندھکر برہنہ اُس راستے پر کھڑا کردیا جدھر سے فوج گذرنے والی تھی اس رسوائی کے بعد اُس کے تازیانے لگائے اور **بلخ** میں بھیجدیا کہ آخری فیصلے کا ابھی وہاں انتظار کرے۔

یہ مقصد پورا ہونے کے باوجود سکندر نے اپنی پیش قدمی نہ روکی۔ وہ **سگدیانا** کو اپنی قلمرو میں شامل کرنیکا ارادہ کرچکا تھا اور اب یحوں کی بجائے **جیحوں** کو اپنی سلطنت کی سرحد بنانا چاہتا تھا چنانچہ **سمرقند** پر قبضہ کرنے اور فوج متعین کرنے کے بعد وہ اُسی راستے سے آگے بڑھا جسے قدرت نے گویا ازل سے ان پہاڑوں میں کاٹکر تیار کردیا ہے۔ یہ راستہ **جیحوں** کے کنارے اُس مقام پر پہنچتا ہے جہاں یہ دریا **فرغانہ** کی

برفانی وادی سے نکلتا اور خم کھاکر ترکستانی میدانوں میں داخل ہوتا ہے۔ جنگی لحاظ سے یہ مقام نہایت اہم تھا کیونکہ جنوب مشرقی ایشیا اور ملک چین کے درمیان آمد و رفت کا سب سے بڑا پھاٹک **فرغانہ** ہے جس کا کوہستانی درہ کوہ **تیان شان** کے اوپر سے شروع ہوتا ہے۔ اور اُس کا دوسرا مُنہ نیچے جاکر سرزمین **کاشغر** میں کھلتا ہے۔ سکندر کی موقع شناس نگاہ نے اسی جگہ اپنی حد قائم کرنے کا فیصلہ کیا (۳۲۹ ق م)۔ اور دریا کے کنارے "سکندریہ اسکاتی" (یعنی منتہا) نامی شہر کی بنیاد رکھی گئی جو آجکل **خجند** کے نام سے موسوم ہے۔

سکندر نے **اراکوسیہ** اور **باختریہ** کو اتنی آسانی سے فتح کرلیا تھا کہ اس کے نزدیک **سیحون** کے پار اس کا کوئی مقابلہ کرنے والا ہی نہ ہوسکتا تھا۔ لیکن جس وقت وہ اپنے نئے شہر کا نقشہ تیار کررہا تھا، یکایک **سگدیانا** کی بغاوت اور **سمرقند** میں مقدونی سپاہ کے گھِرجانے کی اطلاع ملی۔ باغیوں نے صحرائی علاقوں میں ہرکارے دوڑادئے تھے۔ اور **سیتھیہ** اور **مساگتی** کے بدوی قبائل جوق در جوق چلے آتے تھے کہ یونانی حملہ آور کو مارکر نکال دیں۔ غرض سکندر کے لئے ہر طرف سامانِ خوف وتشویش پیدا ہوگیا تھا۔ لیکن وہ نہایت دلیری کے ساتھ اوّل **سگدیانا** کے قلعوں پر حملہ آور ہوا اور دو دن میں پانچ قلعے چھین کر آگ لگادی۔ اوروں نے یہ نوبت آنے سے پہلے ہتیار رکھدئے اور وہاں کے باشندے پا بہ زنجیر لائے گئے۔

کہ سکندر کا نیا شہر بسانے میں شریک ہوں؛

اب سمرقند کو محاصرے سے نجات دلانے کا مرحلہ درپیش تھا لیکن اس طرف متوجہ ہونے سے پہلے ایک تازہ خطرہ یہ پیدا ہوگیا کہ سیتھی قبائل ہر طرف سے آکر جیحوں کے کنارے پر جمع ہونے لگے اور اس تاک میں تھے کہ اہلِ مقدونیہ، سمرقند کی طرف بڑھیں تو دریا عبور کرکے اُن کے عقب سے حملہ آور ہوں اور انھیں حیران وپریشان کرتے رہیں؛ پس جبتک دریا کا بندوبست اور ان وحشیوں کا سدِّباب نہ ہوجائے سمرقند کی طرف کوچ نہیں کیا جاسکتا تھا اسی نظر سے سکندر نے صرف ۲۰ دن کے قلیل عرصے میں سکندریہ اسکاتی کے گرد کچی اینٹوں کی دیوار چن کر بسنے کے قابل بنادیا اور پھر دریا اُتر کر ان وحشیوں سے مقابلے کا تہیّہ کیا کیونکہ وہ اس عرصے میں دوسرے کنارے پر دور تک پھیل گئے تھے اور سکندر کی فوج کو طرح طرح سے چڑاتے اور شور مچاتے تھے۔ لیکن جس وقت اس کنارے پر منجنیقیں نصب ہوگئیں تو یہ صحرائی گلہ بان اتنی دور سے سنگ وپیکان برستے دیکھکر بہت گھبرائے، اور جب اُن کا ایک شہسوار چوٹ کھاکر گھوڑے سے گرا تو وہ کنارہ چھوڑ کے ہٹ گئے اُن کا ہٹنا تھا کہ سکندر کی فوج دریا کے پار اُتر گئی اور حملہ کرکے انھیں بھگادیا؛

پھر سکندر نے اپنی سوار فوج سے صحرا میں بہت دور تک اُن کا تعاقب کیا۔ اور ادھر سے اطمینان حاصل کرکے وہ صحرا میں یلغار کرتا ہوا سمرقند پہنچا۔ اور اُسے رستگاری دلانے کے بعد

سگدیانا کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پامال کرتا ہوا نکل گیا۔ پھر جنوب مغرب کی طرف جیحوں اُتر کے غربی باختریہ کے شہر زریاسپہ میں آگیا اور یہیں اُس نے موسمِ سرما بسر کیا۔

٤١٦
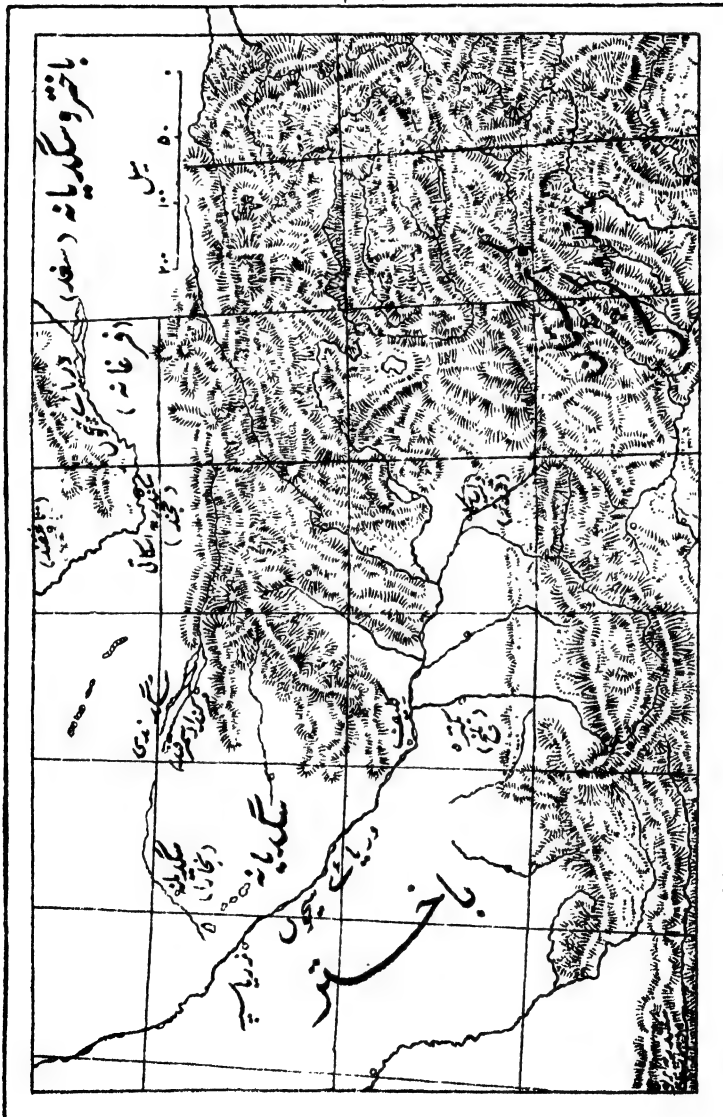
زریاسپہ میں دارا کے قاتل بیسوس کی باضابطہ تحقیقاتِ جرم کی گئی اور یہ سزا تجویز ہوئی کہ ناک کان کاٹ کر پہلے اسے ہمدان بھیجدیا جائے اور وہاں سولی دیدیجائے (۳۲۹ ق م)۔ اعضا کی یہ قطع و برید ہماری طرح قدیم اہلِ یونان کی نظر میں بھی وحشیانہ سزا تھی۔ لیکن سکندر نے سمجھ لیا تھا کہ مشرق میں حکومت کرنی ہے تو وہیں کے بادشاہوں کی شان بنانی چاہئے اور اُسی قسم کا طریقِ سیاست بھی اختیار کرنا چاہئے جس کے اہل مشرق خوگر ہیں۔ خود یونانی خیالات اُن کے دلنشین کرنے کی صورت یہی تھی کہ آدمی پہلے اُنکے رنگ میں رنگ جائے۔ پس یونانی فاتح نے ایرانی شہنشاہوں کا بھیس بھرا، انہی کے جاہ و جلال اور طمطراق کا سامان گرد وپیش جمع کیا، انہی کی طرح اپنی مشرقی رعایا سے زمیں بوسی اور غلامانہ تعظیم کرائی اور انہی کی مثل ظلِ الٰہی ہونے کا دعویٰ کرتا تھا لہٰذا اِس موقع پہ بادشاہ کے قاتل بیسوس کو جو عبرت انگیز سزا دی گئی وہ انہی ایشیائی اصول کے مطابق تھی اور سکندر نے یونانی بنکر نہیں، بلکہ دارائے ایران کا جانشین بنکر یہ فیصلہ صادر کیا تھا۔

مگر خرابی یہ تھی کہ مشرقی سلاطین کی یہ تقلید اور سکندر کا ایرانیوں کو موردِ التفات بنانا، اہل مقدونیہ کی نظر میں خار تھا۔ وہ اپنے بادشاہ کو دل سے عزیز رکھتے تھے اور اُس کی فتوحات میں حق رفاقت ادا کرنے پہ نازاں تھے۔ لیکن یہ باتیں دیکھ دیکھ

انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اب سکندر وہ سکندر ہی نہیں رہا جو گرانی کوس کی ندی کو فاتحانہ عبور کرتے وقت اُن کا سپہ سالار تھا۔ بلکہ خوشامدی ایشیائیوں پر فرمانروائی کرنے کی بدولت اُس کی حالت بالکل بدل گئی اور اس تغیر کا عملی ظہور اُسی وقت نظر آنے لگا تھا جب کہ اُس نے اپنے معتمد علیہ اور قدیم سپہ سالار پارمینیو کی جان لی ہے۔

اتفاق سے انہی دنوں ایک ناشدنی واقعے نے دل برداشتہ اہلِ مقدونیہ کا ترجمان بھی پیدا کردیا۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ جب سگدیانا میں بغاوت کی تگ و دو سُن کر سکندر کو پھر ایک مرتبہ سیحون کے پار آنا۔ اور کچھ عرصے تک سمرقند میں رہنا پڑا (۳۲۸ ق م) تو سیحون کے ان علاقوں میں فوج کے طویل قیام کا سب سے نامبارک نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے آدمیوں میں عام طور پر شراب خواری کی عادت بہ ترقی کرگئی کیونکہ گرمی میں یہاں کی خشک آب و ہوا اکثر تشنگی سے بیتاب کردیتی تھی اور اگر اہلِ مقدونیہ کو خراب پانی پی پی کر بیمار ہونا نہ تھا تو وہ شراب ہی سے اپنی پیاس بجھاسکتے تھے۔ خود سکندر اسی زمانے سے زیادہ اور بار بار پینے کا عادی ہوگیا تھا ایک رات سمرقند کے قلعے میں یہی شغلِ قدح خواری بہت رات گئے تک جاری رہا۔ بعض یونانی ادیب جو سکندر کے ہم رکاب اور جلسے میں شریک تھے، اُس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے لگے اور خود ڈایوسکوری[1] پر اُس کو ترجیح دینے لگے

[1] ڈایوسکوری یعنی زئیس دیوتا کے بیٹے کاسٹر اور پولاکس، جن کی سورما بنا کر پرستش کی جاتی تھی۔ مترجم۔

جن کی یادگار میں آج کا تہوار منایا جارہا تھا، اس کی تردید کرنے (جو یونانیوں کے مذہب میں کفر تھا) اُس کا رضاعی بھائی **کلی توس** کہ شراب کے نشے میں سرشار تھا، دفعتہً اپنی جگہ سے اُٹھا اور جب ایک دفعہ زبان کھلی تو پھر اُسی رَو میں جو جو کچھ منہ میں آیا کہتا چلا گیا۔ مثلاً کہنے لگا کہ سکندر کی یہ تمام فتوحات محض ایسے مقدونی جانبازوں کا صدقہ ہے جیسے **پارمنیو** اور **فلوتاس** تھے اور **گرانی کوس** کی جنگ میں خود میں نے اُس کی جان بچائی" یہ تقریر سُن کر سکندر طیش سے بیتاب ہو گیا اور کھڑے ہو کر مقدونوی زبان میں اپنے سپاہیوں کو آواز دی۔ لیکن اُسے نشے میں برافروختہ دیکھکر کسی نے حکم کی تعمیل نہ کی۔ **بطلیموس** (ٹالمی) اور بعض احباب نے **کلی توس** کو کھینچکر کمرے سے باہر کر دیا۔ کچھ اور لوگ سکندر کا غصّہ دھیما کرنے لگے لیکن تھوڑی ہی دیر میں **کلی توس** پھر کمرے میں داخل ہوا اور دروازے ہی سے **یوری پڈیز** کے بعض اہانت آمیز شعر چلا چلا کے پڑھنے لگا جن کا مفہوم یہ تھا کہ فوج لڑتی ہے اور نام سردار کا ہوتا ہے"۔ اب بادشاہ کو تاب نہ آئی اُس نے لپک کر ایک پہرے والے سے برچھی چھین لی اور اپنے کوکا کو بیندھ کے گرادیا! واقعے کے بعد رنج و پشیمانی کی باری تھی۔ خونی بادشاہ اپنے خیمے میں سب سے الگ پڑا ہوا، دوستوں کے قتل پر خود اپنی موت کی دعائیں مانگتا اور غم و غصہ کرتا رہا۔ اور تین دن دانا پانی سب حرام کرلیا۔

باختریہ اور **سگدیانا** کے مغربی علاقوں میں اور کچھ عرصے تک

لڑائیاں ہوتی رہیں یہانتک کہ سکندر کی فتوحات سے مرعوب ہوکر سیتھیوں نے خود اپنے سب سے ممتاز سردار سپتیامنیس کو مار ڈالا کہ سکندر کی خوشنودی حاصل ہو۔ اس کے بعد سگدیانا کے صرف جنوب مشرقی کوہستانی علاقوں کی فتح باقی رہ گئی۔ اس کے درپے وہ پہاڑی قلعہ تھا جہاں اُکسیارتیس راستہ روکے پڑا تھا اور اس کو اہلِ مقدونیہ نے رات کے وقت بہ ہزار دشواری چڑھکر فتح کیا۔ قیدیوں میں اُکسیارتیس کی جوان بیٹی رُکسانہ (روشنک) بھی تھی جس کے حسُن و تمیز نے سکندر کو اپنا والہ و شیدا بنا لیا۔ وہ جانتا تھا کہ ایک غیر یونانی امیرزادی کے ساتھ شادی اُسے اپنے مغرور ہم وطنوں میں مطعون کردے گی۔ باین ہمہ اُس نے جو ارادہ کرلیا تھا اُسے پورا کیا اور واپس باختر پہنچکر بڑی دھوم سے شادی کی۔ گویا یورپ و ایشیا کو ایک رشتے میں منسلک کردیا۔

معلوم ہوتا ہے اُسی زمانے میں یہ کوشش بھی ہوئی تھی کہ درباری مراسم و آداب سب کے لئے یکساں ہوں اور ایرانی امراء جس قسم کی تعظیم اور زمیں بوسی کرائی جاتی ہے اہل مقدونیہ کو بھی اس کا پابند بنایا جائے۔ اس بدعت کی سب سے زیادہ جس نے مخالفت کی وہ حکیم ارسطو کا بھتیجا کالس تنیس تھا جو سکندری محاربات کی تاریخ تیار کررہا تھا۔ اور اسی آزادانہ مخالفت کی وجہ سے موردِ عتاب ہوا۔ مقدونی امیرزادوں کی جو بادشاہ کی خواصی میں رہتے تھے، تعلیم و تربیت بھی کالس تنیس کے فرائض میں داخل تھی۔ اتفاق سے انہی میں ایک نوجوان ہرمولوس نامی نے

یہ حماقت کی کہ شکار میں بادشاہ سے پہلے بڑھ کر سور کو مار دیا اس بدتہذیبی کی سزا میں اس کے کئی دُرّے لگے۔ اور سواری کا گھوڑا لے لیا گیا یہ ایسی بے عزّتی تھی کہ ہرمولوس کے دل میں گرہ پڑگئی اور اُس نے بعض رفیقوں کے ساتھ مل کر سکندر کو سوتے میں جان سے مارنے کا منصوبہ کیا۔ مگر اس کی مخبری ہوگئی، سازشی گرفتار کرلئے گئے اور تمام فوج نے مل کر اُن کے لئے قتل کی سزا تجویز کی۔ ان کے ساتھ کالیس تنیس کو بھی شرکت کا الزام دے کے، سولی پر لٹکا دیا گیا۔

ابھی گرمی کا موسم ختم نہ ہوا تھا کہ سکندر نے باختر کو خیرباد کہی اور فتح ہند کے ارادے سے چل کھڑا ہوا۔ دارا کی موت کے بعد تین سال کے اندر اندر مغربی فاتح ایک طرف افغانستان اور دوسری طرف دریائے جیحوں تک تمام علاقہ فتح کرچکا تھا۔ دریائے سیحوں کے شمالی علاقے حال میں دولتِ روس نے اپنے زیرنگیں کئے ہیں۔ مگر سب سے پہلا فرنگی جس نے دو ہزار برس قبل ان علاقوں پر حملہ کیا سکندر تھا۔ اسی طرح سکندر کو شمال مغربی ہند کی فتح میں جہاں وہ مہم لے کے اب روانہ ہوتا ہے، انگریزوں پر فخرِ تقدم حاصل ہے۔

۲۔ "فتح ہند"

بلخ سے افغانستان آتے ہیں بظاہر وہ کابل کی بڑی شاہ راہ سے واپس ہوا۔ اور اس شہر کو اگر اُس نے آباد نہیں کیا

توکم سے کم اُس کا نام تو ضرور بدل کر نیکیا کردیا تھا۔ یہاں وہ وسطِ نومبر تک مقیم اور آگے بڑھنے کی تیاری میں مصروف رہا۔ اُس نے فوج کا معقول حصّہ باختریہ میں چھوڑ دیا تھا لیکن اُس تعداد سے بھی زیادہ، یعنی وہیں کے ایشائیوں کی تیس ہزار تازہ سپاہ فراہم کرلی تھی اور ہندوستان پر جس لشکر کو لےکر چلا ہے وہ کم سے کم اُس فوج سے دُگنا تھا، جس نے سات برس پہلے دردانیال کو عبور کیا اور ایشیا پر چڑھائی کی تھی؛

اس دوران میں جہاں خیمے ڈال دیئے وہیں سکندر کا پایہ تخت اور سلطنتِ مقدونیہ کا مرکز بن جاتا تھا۔گویا ایک وسیع شہر تھا جو اُس کے ساتھ وسط ایشیا کے پہاڑ اور دریا پھلانگتا چلا آتا تھا ہر شئے اور ہر طبقے کے آدمی اُس میں موجود تھے شمار، طبیب نجومی، دلّال، ادیب، شعرا، مطرب، نقال، کرتبی، منشی، متصدی، درباری مصاحب، اور عورتوں، اور غلاموں کا ایک پورا لشکر ساتھ تھا؛ دربار ایران کی تقلید میں، سکندری دربار کا بھی باقاعدہ روزنامچہ لکھا جاتا تھا اور یہ خدمت شاہی دبیر یومنیس باشندہ کاردیہ کے سپرد تھی؛

گمانِ غالب یہ ہے کہ سکندر کے ذہن میں ہندوستان کی فتح کے صرف یہ معنی تھے کہ دریائے کوفن (یعنی دریائے کابل) اور سندھ کے طاس تک تسلّط کرلیا جائے۔جزیرہ نمائے ہند کی وسعت و ہیئت کا اُسے مطلق علم نہ تھا۔البتہ یہاں کے عجائبات کے فسانے سُن سُن کر یونانی حملہ آور ہندوستان دیکھنے کے بہت مشتاق

تھے۔ وہ اس کو دنیا کا مشرقی کنارا سمجھتے تھے۔ جس کے بعد اوشانوس کا پانی آجاتا ہے۔ اور انہوں نے سُنا تھا کہ یہ نیک باشندوں کا مُلک ہے، جس میں عجیب عجیب قسم کے جانور اور درخت ہوتے ہیں اور جس میں کثرتِ زر و جواہرات سے بے حساب دولت موجود ہے؛

سکندر کے حملے کے وقت (۳۲۶ ق م) شمال مغربی ہند بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔ جہلم و سندھ کے درمیان شمالی اضلاع پر اومفیس کی حکومت تھی جس کی راج دھانی ٹکسیلا میں تھی۔ یہ شہر موجودہ راولپنڈی سے کچھ اوپر دریائے سندھ کے قریب واقع تھا۔ اسی راجہ کا بھائی ہزارے اور کشمیر کے بعض قریبی اضلاع کا حاکم تھا جہلم کے پار راجہ پورس کی طاقتور حکومت دریائے چناب تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے آگے راوی و بیاس کے علاقوں میں متعدد ریاستیں تھیں اور بعض مقامات پر اس قسم کے آزاد باشندے بھی آباد تھے جن کا کوئی بادشاہ نہ تھا، اور اُنھیں کسی انسان کے سامنے سر جُھکانا نہ پڑتا تھا۔ مگر ان ریاستوں میں باہم اشتراک یا اتحاد کی صلاحیت نہ تھی اور اس لئے حملہ آور کو کسی جتھے کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ نہ تھا۔ بلکہ بہت سی ریاستیں باہمی رقابت و حسد کی بدولت اپنے ہمسایوں کے خلاف خود اغیار کا خیر مقدم کرنے پر آمادہ تھیں۔ چنانچہ ٹکسیلا کے راجہ نے نیکیا (کابل) ہی میں سکندر کا حلقۂ اطاعت کان میں ڈالا اور ہندوستان کی فتح میں مدد کا اقرار کرلیا تھا؛

کابل کی سطح مرتفع سے پنجاب آنے کا سیدھا راستہ وہ تھا

سکندریہ
(اچھ)
سکندریہ سگدیان
دریائے ستلج
ریگستان
شمال مغربی ہند
میل
۱۰۰
۲۰۰

جو دریائے کابل کے دائیں کنارے کنارے خیبر کے مشہور درے سے
گزرتا ہے لیکن جبتک یہ ذریعہ آمد ورفت پوری طرح محفوظ نہ ہو جائے
سکندر آگے نہ بڑھ سکتا تھا اور اس غرض کے لئے کوہستان ہمالہ کی بلند
و وسیع مغربی شاخوں میں دریائے کابل کی بائیں وادیوں پر بھی تسلط کرنا ضروری ہوا۔
اغراضِ جنگ کے لئے سکندر نے اپنی فوج کو دو حصوں میں منقسم کردیا
ہفیس شیان خیبر کے درے سے دریائے سندھ کی طرف آگے
روانہ ہوا کہ دریا پر پُل بنوائے اور خود بادشاہ باقی فوج لے کے
شمال کے دشوار گزار علاقوں میں گھس گیا اور سردی کا تمام موسم
چترال کے بعید علاقے کنار اور وادی پنج کار و سوات
کی جنگجو پہاڑی قوموں سے لڑنے میں گزارا اور اتنی شدید سرمائی
جنگ کے بعد فوج کو سندھ کے بائیں کنارے پر فصلِ بہار تک
آرام لینے کا موقع دیا۔ پھر مذہبی تہوار منانے کے بعد دریا اُتر کے
ٹکسیلا آیا جہاں کے راجہ اور متعدد روساء نے نیازمندانہ حیثیت
سے بڑی شان و شوکت کے ساتھ خیرمقدم کیا۔ سندھ کے مغرب
میں جس قدر علاقے تھے اُن سب کی اب ایک علٰحدہ ولایت
یا "ست راپی" بنادی گئی اور فلپ پسر مکاتاس یہاں کا
صوبے دار مقرر ہوا۔ ٹکسیلا اور سندھ کے مشرق میں بعض
مقامات پر مقدونی سپاہ متعین کردی گئی تھی فلپ ہی ان کا
بھی سپہ سالار تھا لیکن ان سب انتظامات سے یہ بات صاف
مترشح ہے کہ سکندر اپنی سلطنت کی مشرقی حدود دریائے سندھ
کو بنانا چاہتا تھا اور اُس کے آگے نئے صوبے یا مقبوضات

حاصل کرنے کا ارادہ نہ تھا بلکہ دریا کے اِدھر صرف یہ چاہتا تھا کہ دیسی ریاستیں اُس کی باج گزار رہیں۔

اس کے بعد **سکندر** نے دریائے جہلم کی طرف کوچ کیا (۳۲۶ ق م) راجہ **پورس** نے تیس چالیس ہزار کے قریب فوج فراہم کرلی تھی اور دریا کے بائیں کنارے پر خیمہ زن تھا کہ عبور کرنے سے روکے۔ سفر میں اس ملک کی بارشوں نے بہت دقت اور تاخیر پیدا کی۔ لیکن آخرکار حملہ آور دریا کے دائیں کنارے پر آپہنچے اور سامنے کے کنارے پر اپنی آنکھوں سے **پورس** کی صف جنگ دیکھی جس کے آگے بہت سے جنگی ہاتھی کھڑے تھے اور اِس لشکر کے سامنے دریا کو اُترنے کا خیال ہی بیکار تھا کیونکہ ہاتھیوں کی بو اور چنگھاڑ کی گھوڑے تاب نہ لاسکتے تھے اور یقیناً دریا میں ڈوب جاتے۔ دوسرے کنارے کی چکنی مٹی پر پاؤں جمنا دشوار تھا۔ اور ایسی حالت میں کہ اِدھر سے غنیم تیر و پیکاں کی بوچھار کر رہا ہو کنارے پر چڑھنا نہایت مخدوش ہوتا۔ اس مقام کے قریب جہاں جہاں دریا پایاب تھا وہاں بھی راجہ کا پہرہ لگا ہوا تھا پس سکندر نے اول دشمن کو دھوکے سے حیران پریشان کرنے کی تدبیر کی اور ہر رات کو اس کے لشکر میں اس قسم کی تیاریاں ہوتی نظر آتیں کہ گویا آج یونانی ضرور دریا کو اُترنے کی کوشش کریں گے۔ ہندوستانی سپاہی بارش اور آندھی میں رات رات بھر کھڑے رہتے حالانکہ سکندر کا منصوبہ ہی کچھ اور تھا اور **پورس** کو غافل پاکر آخر اُس نے وہ پورا کرلیا۔

جس جگہ لشکر کا پڑاؤ تھا اُس سے سولہ میل اوپر جہلم نے مغرب کی طرف خم کھایا ہے اور یہاں دائیں کنارے کو گھنے درختوں نے نظر سے چھپا رکھا تھا۔ اسی جگہ دریا کے زاویے کے اندر ایک چھوٹا سا ٹاپو بنگیا ہے اور اُس پر بھی گھنا جنگل کھڑا تھا۔ اسی مقام سے سکندر نے دریا اُترنے کا قصد کیا اور کشتیوں کے الگ الگ تختے بھیجکر جنگل کی آڑ میں انھیں پھر جڑوالیا۔ ان کے علاوہ پھونس بھر بھر کر بہت سی مشکیں تیار کرالیں اور جب کام کا وقت آیا تو دور سے چکر دے کے تاکہ دشمن اُسے نہ دیکھ سکے وہ کچھ فوجیں دریا کے خم تک لے آیا اور لشکر کی حفاظت کے لئے سپاہیوں کی کافی تعداد کراتروس کے ماتحت پڑاؤ پر چھوڑی۔ مقررہ مقام پر سکندر اندھیرا ہونے کے بعد پہنچا اور اس طوفانی رات میں اپنے سامنے دریا عبور کرنے کی تیاری اور انتظام کرتا رہا۔ برسات کی وجہ سے دریا چڑھا ہوا تھا مگر صبح ہونے سے پہلے فوجوں نے اُسے عبور کرنا شروع کیا اور سکندر تیس چپو کی کشتی میں خود سب سے آگے تھا۔ دریا کے ٹاپو سے وہ بخیر و عافیت گزر گئے لیکن کنارے تک پہنچنے نہ پائے تھے کہ ہندی جاسوسوں نے اُنھیں دیکھ لیا۔ تاہم پوری فوج صحیح سلامت ندیا کے پار ہوگئی اور لڑائی کے واسطے جو سکندر کی عمر میں تیسری سب سے بڑی لڑائی تھی صف بندی ہونے لگی۔ اس مہم کو زرہ پوش سواروں کے بغیر سر کرنا تھا اور اُس کے پاس کل دس ہزار پیادے اور پانچ ہزار نیم مسلح سوار تھے جن میں ایک ہزار سیتھی تیر انداز بھی شامل ہیں۔

۴۲۷
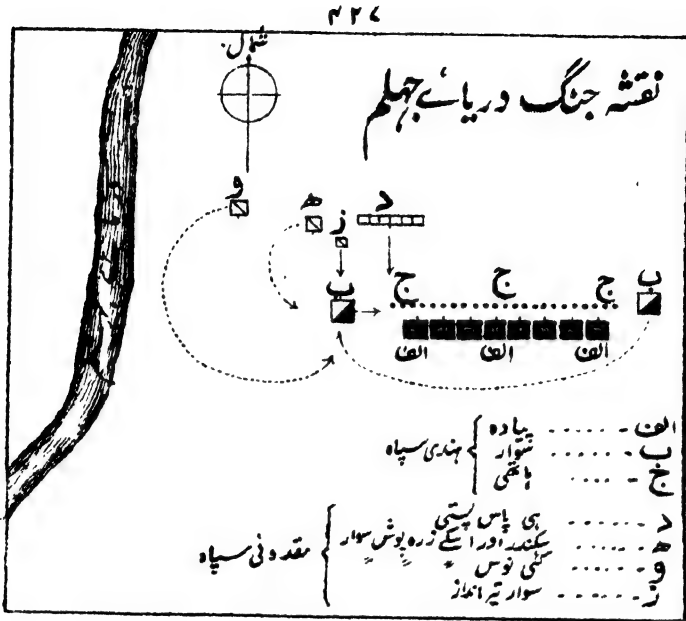
سکندر اپنے سواروں کو لیکر پورس کے لشکرگاہ کی طرف تیزی سے چلا تھا کہ خود راجہ اپنی فوج لئے مقابلے کو بڑھا اور کچھ جمعیت اپنی لشکرگاہ میں چھوڑی کہ اگر کراتروس سامنے سے دریا اُترنے کی کوشش کرے تو اُسے وہیں روک لے۔ پھر جب وہ دریا کی ریتی تک پہنچا جہاں اس کی رتھیں اور سوار بخوبی حرکت کرسکتے تھے تو اُس نے رُک کر صف جنگ درست کی اور سب سے آگے اپنے دوسو ہاتھیوں کی قطار لگائی۔ ہر ہاتھی کو بیچ میں ۳۰، ۴۰ گز فصل چھوڑ کر کھڑا کیا تھا اور اُن کے عقب میں ذرا فاصلے سے پیادے صف بستہ تھے جن کی تعداد اگر زیادہ نہیں تو کم سے کم

۲۰ ہزار تھی۔ بازوؤں پر سوار فوج تھی اور اس کا شمار شاید ۴ ہزار تھا۔ سکندر نے اپنے پیادوں کے پہنچنے کا انتظار کیا اور انھیں ہاتھیوں کے مقابل جمایا۔ لیکن سامنے سے حملہ کرنا غیر ممکن تھا۔ کیونکہ پیادہ یا سوار کوئی فوج ہاتھیوں کی صف میں گھسنے کی جرأت نہ کرسکتی تھی جو قلعے کے بُرجوں کی طرح مقابلے میں قائم اور ہندی فوج کی اصلی قوت تھے۔ پس سوا اس کے چارہ نہ تھا کہ بازوؤں کے سواروں پر حملہ شروع کیا جائے اور پیادہ فوج کے سرداروں کو حکم دیدیا گیا تھا کہ جبتک پہلو کے حملے سے غنیم کی سوار و پیادہ فوج میں انتشار نہ پیدا ہوجائے اُس وقت تک وہ اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھیں حملے کا سارا زور سکندر بائیں بازو پر ڈالنا چاہتا تھا۔ اور شاید اسکا سبب یہ تھا کہ غنیم کا یہ بازو دریا کے کنارے کی طرف تھا اور اُس تک سکندر کی وہ فوجیں جو دریا کے دوسری طرف تھیں، کسی قدر آسانی سے پہنچ سکتی تھیں۔ بہرحال سکندر نے اپنی تمام سوار فوج اسی رُخ جمع کرلی اور ایک دستے پر کینوس کو سردار مقرر کیا جس نے حسب مراد وہ جگہ حاصل کرلی کہ ہیرے کا چکر دے کے غنیم کی پشت پر حملہ کرسکتا تھا اور اگر اُدھر کوئی مدد آئے تو اُسے بیچ ہی میں روک سکتا تھا۔ پورس کے بیسرے کے سوار ابھی تک آگے پیچھے عمودی قطار میں تھے اور انھیں پھیل کر سامنے صف بنانے کا وقت نہ ملا تھا کہ سیتھی تیر اندازوں نے سیدھے بڑھ کر تیروں سے انھیں پریشان کردیا اور خود سکندر باقی سواروں کو تیراندازوں اور کینوس کے بیچ میں سے لیکر نکلا کہ غنیم کے پہلو پر

جا پڑے ۲م

پورس نے سخت غلطی یہ کی کہ خود حملہ کرنے کی بجائے دشمن کو حملے کا موقع دیا۔ اور اب مجبوراً اسے اپنے سواروں کو دائیں بازو سے سمیٹ کر بیسرے کی مدد پر لانا پڑا لیکن کئی نوس دریا کے کنارے کنارے چکر دے کے پہلے ہی آگے بڑھ آیا تھا۔ مدد کو آنے والوں پر اُس نے عقب سے حملہ کیا اور ہندی سواروں کو دو دشمنوں کے مقابلے میں دونوں طرف صف باندھنی پڑی۔ سکندر نے اس موقع پر اور دباؤ ڈالا اور وہ پسپا ہوکے اپنے ہاتھیوں کی آڑ لینے لگے۔ اُس طرف کے فیلبانوں نے یہ دیکھکر اپنے ہاتھی مقدونی سواروں پر ہُول دئے اور اُن کا رخ مُڑتے ہی مقدونی پیادوں نے پہلو سے ان ہاتھیوں پر ہلّہ کیا لیکن ہاتھیوں کی باقی قطار ابھی اپنی جگہ پر سیدھی کھڑی تھی اور جسوقت اُس نے ریلا دیا تو یونانی پیادوں کی صفوں میں کھلبلی ڈالدی اور انھیں خوفناک تندی کے ساتھ مارنا اور کچلنا شروع کیا۔ اس کامیابی سے ہندی رسالے کی پھر ہمت بندھ گئی اور اُس نے پرا باندھ کر حملہ کیا مگر مقدونی سواروں نے انھیں مار کر ہٹادیا اور وہ دوبارہ اپنے ہاتھیوں کے پیچھے چھُپنے لگے اس عرصے میں بہت سے ہاتھی زخمی ہوکر قابو سے باہر ہوگئے تھے اور بعض کے مہاوت بھی مارے جاچکے تھے لہذا اس گھمسان میں انھیں دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی اور اب وہ جدھر منہ اُٹھا صفوں کو روندتے اور کچلتے چلے جاتے تھے اور چونکہ ہندی سپاہی ہر طرف سے گھِر کر ایک تنگ جگہ میں ہاتھیوں کے ارد گرد جمع ہوگئے تھے اس لئے زیادہ نقصان انہی کو پہنچا

اس کے برعکس مقدونی سپاہیوں کو یہ موقع حاصل تھا کہ ہاتھیوں پر پہلو اور عقب سے حملہ کریں اور جب وہ اُن پر پلیں تو پیچھے کے میدان میں ہٹ کر منتشر ہو جائیں۔ آخر ہاتھی دوڑتے دوڑتے شل ہو گئے اُن کے حملوں میں وہ زور شور نہ رہا اور **سکندر** نے دشمن کو گھیر کر دبانا شروع کیا۔ پیادوں کو اُس نے شانہ بشانہ مل کر ایک قطار میں بڑھنے کا حکم دیا اور خود رسالے کی صفیں جماکر پہلو پر ٹوٹ پڑا غنیم کے سوار پہلے ہی پریشان اور بے ترتیب ہو رہے تھے۔ اس دُہرے دھکے کی تاب نہ لائے اور گھر گھر کے مارے گئے۔ پھر مقدونی پرے نے ہندی پیادوں کو ریلا دیا اور تھوڑے ہی دیر میں ان کی صفیں ٹوٹ کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔ اِدھر دریا کے دوسری جانب سے **کراتروس** اور دوسرے سرداروں نے غنیم کو مغلوب و فرار ہوتے دیکھا تو دریا کو بلا مزاحمت عبور کر آئے۔ اب **پورس** کی سپاہ کو ہر طرف شکست تھی، اُس کے اکثر جنگی ہاتھی یا مرے پڑے تھے یا بے فیلبان ادھر اُدھر بھٹک رہے تھے لیکن خود راجہ ابھی تک میدان میں ڈٹا ہوا تھا۔ بے شبہ اُس نے سپہ سالاری میں کوئی خاص قابلیت نہیں دکھائی۔ تاہم اُس کی ذاتی بہادری میں کچھ کلام نہیں کہ دارائے ایران کی طرح اُس نے لڑائی دگرگوں ہوتے دیکھکر بھی، پیٹھ نہیں پھیری۔ بلکہ جبتک دائیں شانے پر زخم نہ کھایا اُس وقت تک برابر اپنے دیو قامت فیلِ جنگی پر بیٹھا ہوا لڑتا رہا۔ زرہ بکتر سے اس کا صرف شانہ کھُلا ہوا تھا۔ اور جب یہی حصۂ جسم مجروح ہوا تو وہ ہاتھی موڑ کر چلا۔ لیکن سکندر اُس کی

مردانگی دیکھکر اتنا خوش ہوا تھا کہ اُس نے ہرکارے دوڑا کے اُسے رکوایا اور وہ کہہ سُن کے اُسے واپس پھیر لائے۔ خود فاتح نے بوڑھے راجہ سے آگے بڑھکر ملاقات کی، اُس کا مردانہ حُسن اور قامتِ بلند دیکھکر نہایت متعجب ہوا اور سوال کیا کہ اپنے ساتھ کیا سلوک چاہتے ہو؟ **پورس** نے کہا "بادشاہوں کا سا" سکندر نے کہا "یہ تو میں اپنی طرف سے کروں گا۔ لیکن تو بھی کچھ اپنی طرف سے طلب کر" **پورس** نے جواب دیا "یہ سب اُسی میں آگیا"

اور اس میں شبہہ نہیں کہ سکندر نے اپنے قیدی کے ساتھ شاہانہ برتاؤ کیا۔ یعنی نہ صرف اُس کی ریاست بجنسہ واپس کی بلکہ کچھ اور علاقہ بھی اُسے عنایت کیا۔ یہ شاہانہ بذل و کرم بہت گہری مصلحت پر مبنی تھا اور **سندھ** کے پار قیامِ امن و حکومت کی اس سے بہتر کوئی ضمانت نہ ہوسکتی تھی کہ یہاں دو متوسط درجے کی طاقتیں ہمیشہ ایک دوسرے کی رقیب بنی رہیں؛ جس حد تک قرینِ مصلحت تھا، اُس قدر قوت وہ پہلے **ٹکسیلا** کے راجہ کو دے چکا تھا اب اُسکے ہم چشم **پورس** کو ریاست واگزاشت کرکے اُس نے مزید اطمینان کرلیا کہ وہ شاہِ مقدونیہ کی اطاعت سے انحراف نہ کرسکے؛ اس کے علاوہ میدانِ جنگ کے قریب جہلم کے دونوں کناروں پر **ہفیس شیان** نے دو شہروں کی بنیاد رکھی کہ محکوم علاقوں میں فوجی چھاؤنیوں کا کام دیں۔ ان میں سے دائیں کنارے پر **بوسفالہ** سکندر کے عزیز گھوڑے کے نام سے موسوم ہوا جو غالباً لڑائی کے چند روز بعد مضمحل اور بوڑھا ہوکے اس مقام پر مرا تھا۔ دوسرے کا **نیکایا** یعنی فتح کا

شہر نام رکھا ہے ان شہروں کی تعمیر کراتروس کے حوالے کر کے سکندر
نے ڈیڑھ میل سے زیادہ چوڑے دریا چناب کو عبور کیا اور راجہ پورس
کے ہم نام بھتیجے کی سرحد میں داخل ہوا جو اُس کی آمد سُن کر فرار ہوگیا تھا
سکندر نے اس کے جنوبی اضلاع اور نیز خود مختار شہروں کی تسخیر کے لئے
ہفیس شیان کو روانہ کیا اور خود تعاقب چھوڑ کر کاتھیوں سے
لڑنے چلا جن کی نسبت اطلاع ملی تھی کہ آزاد و جنگجو قوم ہے اور
حملہ آوروں سے بغیر مقابلہ کئے نہ مانے گی۔ سکندر نے اُن کے صدر مقام
سانگلا کو لُوٹ کر کے چھین لیا۔ اور ان کا علاقہ بھی پورس کو بخش دیا
اِس طرح ملک پنجاب کے چار دوآبوں میں اگر سب سے بڑا قطعہ
جو سندھ اور جہلم کے درمیان ہے ٹیکسلا کے راجہ اومفیس کے
زیر فرمان تھا، تو جہلم و بیاس کے درمیان جو تین دوآبے ہیں وہ
سب پورس کے حوالے کردیئے گئے تھے۔

اب سکندر بڑھکر اُس مقام سے کسی قدر شمال میں پہنچا جہاں
بیاس دریائے ستلج سے مِل جاتا ہے۔ اور گو وہ خود آگے بڑھنے
اور دریائے گنگا تک ہندوستانی علاقے دیکھنے کا آرزومند تھا
لیکن قسمت نے بیاس کو اُس کی کشورکشائی کی حد بنا دیا تھا۔ اور
اس کے راستے میں ایسی روک پیدا ہوئی جس کا خیال تک نہ آیا تھا
یعنی اہل مقدونیہ سالہاسال مصائبِ جنگ برداشت کرتے کرتے
تنگ آگئے تھے۔ نامعلوم علاقوں میں پہیے کی طرح برابر لڑھکے جانے کی
اب اُن میں ہمت نہ تھی، اُن کے بہت سے ہم وطن ضائع ہوچکے تھے
اور جو باقی تھے اُن میں بھی دم نہ تھا اور وہ قبل از وقت بوڑھے

ہوگئے تھے۔ دوسرے رہ رہ کے اپنے دیس کی یاد آتی تھی اور وہ گھر کی صورت دیکھنے کے لئے بیقرار تھے۔ ساحل بیاس پر اُن کے ہاتھ سے دامنِ صبر چھوٹ گیا۔ اور سب نے مل کر ارادہ کرلیا کہ اب آگے نہ بڑھیں گے۔ سکندر نے اپنے سرداروں کو جمع کیا اور اس جلسے میں کُئی نوس نے عام جذبات کی ترجمانی کی۔ بادشاہ ناراض ہوکے اپنے خیمے میں چلا گیا۔ اور دو دن تک مقدونوی رفقا کو صورت نہ دکھائی کہ شاید اسی سے اُن کے دل نرم ہوجائیں لیکن اہل مقدونیہ پشیمان نہ ہوئے نہ اپنے ارادے سے باز آئے۔

تیسرے دن سکندر نے دریا اُترنے کی بھینٹ دی اور کہنے لگا کہ کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے گا تو میں تنہا آگے جاؤں گا مگر قربانیوں میں بُرا شگون نکلا اور ناچار اُس نے سپاہیوں کی بات مان لی۔ پھر جس وقت معلوم ہوا کہ بادشاہ نے آگے بڑھنے کا ارادہ چھوڑ دیا ہے تو اُس کے مضمحل سپاہی خوشی سے پھولے نہ سمائے اور بہت ایسے تھے جو فرطِ مسرت سے بے اختیار رونے لگے۔ انہوں نے بادشاہی خیمے کو گھیرلیا اور سکندر کو ہزاروں دعائیں دیتے تھے کہ وہ با اقبال جو آجتک کسی دشمن سے مغلوب نہ ہوا تھا آخر ایک مرتبہ اُس نے اپنے ہم وطنوں سے خود ہار مان لی ہے۔

دریا کے کنارے کوہ اولمپس کے بارہ بڑے بڑے دیوتائی بتوں کے نام پر سکندر نے اس شکر گزاری میں بارہ نہایت بلند قربان گاہیں تعمیر کیں کہ ان دیوتاؤں کے فضل سے وہ بخیر و عافیت دنیا کی حدوں کے قریب تک پہنچا۔ واضح رہے کہ سکندر کے

خیال میں جس طرح بحر اوقیانوس زمین کی مغربی حد تھا اسی طرح مشرقی حد وہ سمندر تھا جس میں دریائے گنگا جا کے مل گیا ہے۔
سکندر کو اکثر اہل الرائے مجنون بتاتے ہیں کہ اُسے محض ملک فتح کرنے کی ہوس ہوگئی تھی جو کسی طرح سیر نہ ہوتی تھی ورنہ ان فتوحات کی اور کوئی خاص وجہ یا غرض نہ تھی۔ لیکن اگر زمین کی وہی شکل ہوتی جو اُس کے ذہن میں تھی تو سارے عالم کو زیر نگیں لانے میں شاید بیس برس کافی ہوتے۔ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک اُسی کا سکہ رواں ہوتا اور دنیا کے آباد حصوں میں جابجا اپنی یونانی نو آبادیاں بسا کر ممکن تھا کہ وہ خدا کی زمین پر بالآخر ہر طرف امن و امان قائم کر دے۔ دوسرے دریائے سندھ کی طرف پیش قدمی محض ہوس ملک ستانی پر مبنی نہ تھی بلکہ ہندوستان کے ساتھ تجارت کے واسطے ضروری تھا کہ یہاں کے راستے محفوظ ہو جائیں اور سندھ تک تمام علاقہ زیر تسلط ہو جہاں پہاڑ کے وحشی قبائل کا راج تھا کہ جو جی چاہیں کریں۔ اور جب یہ علاقہ قبضے میں آگیا تو سرحدِ سندھ کی حفاظت کے لئے ضروری ہوا کہ پنجاب کو فتح کیا جائے۔ ورنہ مقدونی فاتح کی ہوسِ کشور کشائی میں دراصل تجارت کی قوی اغراض مضمر تھیں۔

اب سکندر ہفیس شیان کو ساتھ لیتا ہوا دریائے جہلم کی طرف واپس روانہ ہوا۔ ہفیس شیان نے چناب پر ایک اور شہر کی بنیاد رکھی تھی اور کراتروس نے اس عرصے میں نہ صرف جنگ کے مقام پر دو شہر تعمیر کروائے تھے بلکہ کشتیوں کا ایک بڑا بیڑا بھی بنا لیا تھا جس میں کچھ فوجیں دریا کے راستے سندھ اور سمندر تک روانہ ہونے والی تھیں۔ بیڑے پر نیارکوس (نیارکس) کو سردار

بنا دیا گیا اور باقی فوج دریا کے دونوں کناروں پر ہفیس شیان اور کراتروس کے ماتحت روانہ ہوئی؛

اس کوچ میں صرف ملّیوں کی جنگ جو قوم نے یونانیوں کا سخت مقابلہ کیا اور انہی کے لشکر کثیر کو شکست دے کے جب سکندر تعاقب میں اُن کے صدر مقام تک پہنچا تو اُس پر ایک سخت حادثہ گزرا۔ غالباً یہ شہر موجودہ ملتان کے قریب کسی جگہ آباد تھا اور سکندر نے اُسے بآسانی فتح کرلیا تو غنیم نے اپنے قلعے میں پناہ لی قلعے کے دُھس پر چڑھنے کے واسطے دو سیڑھیاں منگائی گئیں مگر اوپر سے تیر اور پتھر برس رہے تھے اور ان کا لگانا دشوار تھا۔ اس میں دیر ہوئی تو سکندر کو صبر نہ آیا اور خود ایک سیڑھی چھین کر ڈھال کی آڑ میں دُھس پر چڑھ گیا۔ اُس کی وہ متبرک زرہ جو الیون کے مندر سے لایا تھا پیوکستاس کے پاس تھی اُس نے اور ایک شخص لیوناتوس نے بادشاہ کا ساتھ دیا اور ابریاس دوسری سیڑھی لگا کے چڑھ گیا سکندر نے اوپر پہنچکر جو ہندی اس مقام پر تھے اُنھیں نیچے پھینکدیا یا مار ڈالا۔ لیکن اب ہر طرف سے محصورین نے اس پر نرغہ کیا اور وار پہ وار پڑنے لگے۔ مقدونی پیادوں نے جب اپنے بادشاہ کو دمدمے کے اوپر دشمنوں میں اس طرح گھرا دیکھا تو دیوانہ وار دوڑے اور یکبارگی اتنے آدمی چڑھنے لگے کہ دونوں سیڑھیاں بوجھ سے ٹوٹ گئیں۔ اُس وقت تک صرف تین آدمی سکندر کے ساتھ دمدمے کے اوپر پہنچ سکے تھے۔ اور اس پر دشمن کی پوری فوج کا ہجوم تھا اُس کے رفقا نے چلّانا شروع کیا کہ نیچے کود پڑو۔ مگر سکندر

اِس کے جواب میں اِدھر کودنے کی بجائے دشمن کے وسط میں سیدھا پانوں کے بل کودا۔ اور دیوار کا سہارا لے کے تنِ تنہا دشمن کے انبوہ سے لڑنے لگا جو پہچان گئے تھے کہ بادشاہ یہی ہے۔ اُن کا سردار اور چند سپاہی اُس پر جھپٹ کر چلے تھے۔ اُنھیں سکندر نے اس جسارت کی سزا میں تلوار سے کاٹ دیا اور دو کو پتھروں سے گرادیا، یہ دیکھکر باقی پیچھے ہٹ گئے اور دور ہی سے اس پر سنگ و پیکان کا مینہ برسادیا۔ اس اثنار میں اُس کے تین ساتھی فصیل کے نگہبانوں کو مار کر مدد دینے نیچے کود پڑے تھے اور ابریاس تیر میں چھد کر مرچکا تھا۔ تھوڑی دیر میں خود سکندر کے سینے پر زخم آیا اور اتنا خون بہا کہ آخر کھڑا نہ رہا گیا۔ غشی طاری ہوگئی اور اُس نے گر کر ڈھال پر سر رکھدیا۔ اس وقت پیوکستاس ٹروا سے کی مقدس ڈھال لیکر خود سینہ سپر ہوگیا اور ایک پہلو سے لیوناتوس آہنی دیر تک وار بچاتا رہا کہ اور مقدونی پہنچ گئے۔ ان کے پاس سیڑھیاں نہ تھیں لیکن چند جانباز دیوار میں میخیں گاڑ کر جس طرح بن پڑا اوپر چڑھے اور اِس بلوے کے اندر پھاند پڑے۔ ان میں سے بعض لڑتے بھڑتے قلعے کے ایک دروازے تک پہنچ گئے اور اُسے کھول دیا۔ مقدونی سپاہی جنھیں یقین ہوگیا تھا کہ بادشاہ مارا گیا، طیش و رنج سے ازخود رفتہ ہورہے تھے۔ قلعے کے اندر گھُسے تو جوان و پیر، زن و بچہ کسی متنفس کو زندہ نہ چھوڑا۔ لیکن زخم کاری ہونے کے باوجود سکندر جان سے بچ گیا تھا پھر بھی جب اس کے مرنے کی خبر اُڑی تو فوج کی اصلی جمعیت جو راوی و چناب کے سنگھم پر اس کے واپس آنے کی منتظر تھی

نہایت ہراساں اور سراسیمہ ہوگئی اور پھر اطمینان دلانے کی غرض سے
جو خطوط بھیجے گئے اُن کا بھی اعتبار نہیں کیا اور سکندر کو حکم دینا پڑا
کہ اسی بیماری کی حالت میں اُسے اُٹھا کے لے چلیں۔ چنانچہ دریاے راوی
کے راستے روانہ ہوئے اور جب لشکرگاہ کے قریب پہنچے تو سکندر نے
مسہری کی چھتری جو کشتی میں سایے کی غرض سے لگی ہوئی تھی اُتروائی
لیکن اس پر بھی سپاہی یہی شُبہہ کرتے رہے کہ شاید مسہری میں بادشاہ
کی نعش رکھی ہے۔ یہانتک کہ کشتی کنارے سے آ لگی اور اُس نے
اپنا ہاتھ ہلایا اور ساتھ ہی سارے لشکر میں خوشی کا غلغلہ بلند ہوا
اور جب کنارے پر اُتارا تو تھوڑی دیر لوگ اُسے گھوڑے پر اور
اونچا اُٹھائے رہے کہ سب اچھی طرح دیکھ لیں۔ پھر مزید اطمینان دلانیکے
لئے وہ اپنے پانوں تھوڑی دور تک چلا ؛

سکندر میں یہ بڑا عیب تھا کہ جنگ میں تلوار کی جھنکار سُنکر
اتنا جوش میں آجاتا کہ اُسے اپنے فرائضِ سپہ سالاری کا ہوش نہ رہتا تھا
اس جوشِ تہور کی بہت سی نظیریں ہیں اور اُس کے خطرناک نتائج
کی سب سے نمایاں مثال وہ ہے جو اوپر ہماری نظر سے گزری۔ اور
بے شُبہہ سپہ سالار کا جان کو اس طرح جوکھوں میں ڈالنا اپنی فوج پر
ظلم کرنا ہے ؛

ملیّوں نے کامل اطاعت قبول کرلی اور زخم سے شفا یاب
ہونے کے بعد سکندر کا بیڑا آگے روانہ ہوا۔ ہندی قبایل آتے اور
اقبال مند فاتح کے حضور میں سر جُھکا دیتے اور ہندوستان کے
خاص تحفے جیسے جواہرات، باریک کپڑا، پالتو شیر اور ببر لا لا کے

نذر کرتے تھے؛ اُس مقام پر جہاں پنجاب کے چاروں چھوٹے دریا سندھ کے ذخّار پانی میں آملے ہیں ایک نئی سکندریہ کی بنیاد رکھی گئی اور اس سے جنوب میں دوسری منزل، وہاں کے صدر شہر سُگدی میں ہوئی جو دریا کے کنارے آباد تھا۔ سکندر نے اُسے ازسرِنو یونانی بستی بنادیا اور کنارے پر کشتیوں کے لئے گھاٹ بنوائے اس شہر کا نام سُگدی سکندریہ ہوا اور ایک علیٰحدہ جنوبی ولایت کا اُسے مستقر قرار دیا گیا۔ جس کی حدود ساحلِ سمندر تک پھیلتی تھیں؛ جہاں یہ شہر بسے تھے اُن مقامات کا اب سُراغ لگانا محال ہے کیونکہ سکندر کے زمانے کے بعد سے پنجاب کے دریا کہیں کے کہیں بہنے لگے ہیں اور اس سرزمین کی صورت ہی کچھ اور ہوگئی ہے؛

سندھ کی آباد اور مرفّہ الحال ریاستوں میں شمالی ریاستوں سے ایک اہم فرق یہ تھا کہ یہاں کی حکومت میں برہمنوں کو بہت کچھ رسوخ حاصل تھا اور اسی قوم کے اثر سے سندھ کے رئیسوں نے یا تو سکندر کی کچھ پروا نہ کی اور یا اول اطاعت کرلی تو پھر چند ہی روز بعد منحرف ہوگئے یہی سبب تھا کہ وہ وسطِ گرما سے پہلے پٹیالا نہ پہنچ سکا جو بحرِ ہند کے ساحل کے قریب واقع تھا؛ اراکوسیہ میں فساد کی خبر سُن کر یہیں سے کراتروس کو معقول حصۂ فوج دیکر آگے روانہ کردیا گیا کہ درۂ بولان سے گزر کر جنوبی افغانستان کا فساد فرو کرے اور پھر خلیج فارس کے دہانے کے قریب کرمان پر سکندر سے آملے جو خود بلوچستان کے راستے ایران کا عازم تھا۔ فوج کے کچھ اور دستے جہازوں میں بھیجے گئے تھے کہ سمندر سمندر

دریائے دجلہ کے دہانے تک آجائیں، پٹالا کو بادشاہ نے یہاں وہی کام لینے کے لئے منتخب کیا تھا جو مصر میں اُس کی سب سے مشہور سکندریہ انجام دیتی تھی۔ یعنی اسے ہند کے مقبوضات میں بحری تجارت کا دروازہ اور مرکز بنانا چاہتا تھا اسی غرض سے ہفیس شیان کو حکم دیا کہ وہاں کے قلعے کے استحکامات درست کرے اور ایک وسیع بندرگاہ بنائے، پھر خود جہاز میں بیٹھکر جنوبی سمندروں کی سیر کو چلا اور پوسی ڈون (یعنی سمندر دیوتا) کو بھینٹ دی۔ اپنے جد امجد اکی لیس کی ماں اور بعض یونانی سورماؤں کے نام پر شراب سے ناوید کی رسم ادا کی اور وہ طلائی پیالہ جس سے شراب لنڈھائی تھی گھماکر موجوں میں پھینک دیا۔ یہ گویا مغرب اور مشرق اقصےٰ کے درمیان تجارت کے بحری راستے کی رسم افتتاح تھی اور خود راستے کی دریافت کا کام امیرالبحر نیارکوس کے سپرد ہوا تھا ٭

سکندر اپنے بری سفر پر موسم خزاں کے آتے ہی روانہ ہوگیا تھا لیکن نیارکوس اور اُس کے بیڑے کو اکتوبر تک انتظار کرنا پڑا کہ مشرقی بادِ برشگال کا موسم آئے تو اُن کے جہازی سفر میں سہولت پیدا ہوجائے ٭

۳- بابل کو مراجعت

سکندر کی کوئی مہم نہ اتنی خطرناک تھی نہ اتنی بے فائدہ جتنا کہ ریگستانِ گدروسیہ کا سفر، جسے آج کل مکران کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس راہ کو اختیار کرنے کی بڑی غرض یہ تھی کہ ساحل پر

جابجا کنوئیں کھودے جائیں اور سامانِ رسد کے ذخیرے فراہم کردیئے جائیں تاکہ بیڑا بخیریت منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گویا نیارکوس کا بحری اور **مکران** کا برّی سفر لازم و ملزوم مرحلے تھے اور اسی سے ظاہر ہے کہ اُس زمانے کے جہاز راں نئے سمندروں میں جاتے ہوئے کس قدر خوف کھاتے تھے کہ ایک ویران و بے گیاہ ملک سے گزرنا اتنا دشوار نظر نہ آتا تھا جتنا کہ لوگ بحری سفر سے ڈرتے تھے ؎

بہرحال شاید تیس ہزار آدمی لیکر سکندر نے اُس کوہستانی فصیل کو عبور کیا جو سندھ کو اپنے دامن حفاظت میں لئے ہوئے ہے اور **گدروسیہ** کے ریگستان میں اُترنے سے قبل قوم **اوریتی** کو مغلوب و مطیع کیا (اگست تا اکتوبر ۳۲۵ ق م) راستے کی ریت میں جہاں پاوں گڑے جاتے تھے اور بعض اوقات قدم اُٹھانا محال ہوجاتا تھا فوج بہ ہزار خرابی آگے بڑھ رہی تھی اور کہتے ہیں کہ خود بادشاہ پیادہپا اُن کے ساتھ اس تمام مشقت و مصیبت میں شریک تھا۔ آخر خدا خدا کرکے یہ ریگستان طے ہوا۔ مگر اس گدروسی سفر میں جس قدر جانوں کا نقصان ہوا وہ محارباتِ سکندری کے تمام مجموعی نقصانات سے بڑھ کر تھا ؎

شہر **پورا** میں ستانے کے بعد سکندر **کرمان** آگیا جہاں **کراتروس** اراکوسیہ کی بغاوت فرو کرنے کے بعد اُس سے آملا۔ اور چند ہی روز میں **نیارکوس** نے لشکر میں پہنچکر بادشاہ کی تشویش رفع کی۔ موسم کی خرابی نے راستے میں حرج ڈالا اور تین جہاز بھی ضایع

ہوگئے تھے لیکن سکندر کو اس بات کی بے حد خوشی تھی کہ وہ صحیح سلامت پہنچ گئے۔ اُس نے **نیارکوس** کو رخصت کردیا کہ خلیج فارس تک اپنا بحری سفر پورا کرے اور **پسی تگریس** یعنی دریائے **دجیل یا قارن** کے راستے **سوس** پہنچ جائے۔ اسی مقام تک ساحل ساحل جانے کے لئے **ہفیس شیان** نے کوچ کیا اور خود بادشاہ پہاڑوں کے راستے **اصطخر** و **پسرگدی** ہوتا ہوا آگے روانہ ہوا۔

واقعی سکندر کی مراجعت اب نہایت ضروری تھی۔ کیونکہ اُس کی سلطنت کا کوئی صوبہ ایسا نہ تھا جس کے مقدونی یا ایرانی ست راپ نے استحصال بالجبر اور ظلم وستم سے رعایا کو آزار نہ پہنچایا ہو چنانچہ ان میں سے اکثر بادشاہ کے حکم سے معزول یا قتل ہوئے اور ایک مجرم وزیر سکندر کی آمد سُن کر فرار ہوگیا۔ یہ **ہرپالوس** نامی وزیر خزانہ تھا جو پہلے **بابل** میں اپنے آقا کا خزانہ بے غل وغش اُڑاتا اور عیش کرتا رہا اور پھر ازرہ پیش بینی بہت سا روپیہ لے کے **سلیسیہ** چلا آیا اور ۶ ہزار سپاہی نوکر رکھکر اب **طرسوس** میں شاہانہ شان سے رہتا تھا۔ جب سکندر ہندوستان سے واپس پھرا تو **ہرپالوس** یہاں سے بھاگا اور یونان کی راہ لی جہاں عنقریب اس کا حال ہماری نظر سے گزرے گا۔

اپنے والیوں کو خواہ مقدونی تھے خواہ ایرانی اُن کی بداعمالی کی بلارو ورعایت سخت سزائیں دینے کے بعد سکندر نے جو تجویزیں سوچی تھیں اُن پر عمل شروع کیا۔ اُس کی فتوحات نے مشرق کی معلومات اور تجارت کے راستے صاف کردیئے تھے اور اب ممالک ایشیا

گویا بے نقاب جنوبی یورپ والوں کے سامنے تھے لیکن اُسکا مقصد صرف یہی نہ تھا بلکہ درحقیقت وہ یورپ و ایشیا کو اس طرح باہم آمیز کردینے کا آرزومند تھا کہ پھر اُن میں کوئی فرق نہ رہے اور وہ ملکر ایک جسم ہوجائیں اور اس مدعا کے حصول کی مختلف تدبیریں سوچی تھیں مثلاً ایک یہ تھی کہ یونانی اور مقدونی باشندے ممالک ایشیا میں۔ اور ایشیائی لوگ یورپ میں لے جا کے آباد کردیئے جائیں اور جب سکندر نے اقصائے مشرق میں ایسے متعدد شہروںکی بنیاد رکھی جن میں یورپ و ایشیا دونوں کے باشندے مِل جُلکر آباد تھے تو ایک حد تک مذکورۂ بالا تجویز معرض عمل میں بھی آگئی تھی۔ مشرق ومغرب کے اتحاد کی دوسری تدبیر سکندر نے یہ سوچی تھی کہ مقدونیہ اور ایران کے لوگوں میں باہم ازدواج ومناکحت کا رشتہ قائم ہوجائے۔ اور ہندوستان سے مراجعت کے بعد جب وہ سوس پہنچا تو اُس سلسلے کا بڑی شان و شوکت کے ساتھ آغاز کیا۔ خود بادشاہ نے دارا کی بیٹی استاترہ سے عقد کیا اِسی لڑکی کی بہن سکندر کے دوست ہفیس شیان سے منسوب ہوئی۔ بہت سے مقدونی سرداروں نے ایرانی امرا کی بیٹیوں سے شادی کی اور بیان کیا جاتا ہے کہ عام سپاہیوں میں بھی دس ہزار نے اُن کی تقلید میں ایشیائی عورتوں سے بیاہ کیا۔ اور ان سب کو سکندر نے بڑی دریا دلی سے انعام دیئے! یہ بات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ سکندر کی پہلی بیوی یعنی سُگدیانا کی رئیس زادی رُکسانا موجود تھی۔ اور اُس نے یہ دوسرا عقد کرکے گویا ایرانیوں کی رسم، تعدّد ازدواج کو بھی اختیار کرلیا تھا اور اس کے بعد ایک اور شاہی خاندان کی لڑکی یعنی اخوست کی بیٹی پری ساتیس (پری زادہ)

سے بھی شادی کی ۔ مگر واضح رہے کہ یہ رشتے ملکی مصلحت پر مبنی تھے ورنہ سکندر پر جنس لطیف کا جادو کبھی نہیں چلا ۔

لیکن یہ فوجی آئین کہ دونوں جگہ کے باشندوں کو کامل مساوات کے ساتھ یکساں جنگی تربیت دی جائے ، اقوام مشرق و مغرب کے باہم کرنے کا سب سے کارگر ذریعہ تھا اور اسی نظر سے دارا کی موت کے چند روز بعد ہی سکندر نے یہ انتظام کیا تھا کہ تمام مشرقی صوبوں میں وہاں کے لڑکے بھرتی کئے جائیں ۔ اور انھیں بالکل مقدونی طرز پر جنگی قواعد اور اسلحہ کا استعمال سکھایا جائے ۔ چنانچہ ہر صوبے میں یونانیوں کی باقاعدہ فوجی تعلیم گاہیں قائم کردی گئی تھیں اور پانچ سال میں ۳۰ ہزار "ملیچھ" یونانی سانچے میں ڈھل کر ایک پوری غیر یونانی فوج مرتب ہوگئی تھی کہ شہنشاہ جو حکم دے اُسے بجالائے ۔ اور جب سکندر نے انھیں شہر سوس میں طلب کیا تو انھیں دیکھکر مقدونی سپاہیوں میں بہت بد دلی پیدا ہوئی اور وہ سمجھ گئے کہ بادشاہ کا مطلب یہ ہے کہ رفتہ رفتہ اہلِ مقدونیہ کی خدمات سے مستغنی ہوجائے مقدونی رسالوں میں ایشیائی اور ایرانی باشندوں کو بھرتی کرنے کی تجویزیں مرتب کی گئی تھیں اور ان سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ فوج کی ترکیب کو بالکل بدل دینے کا ارادہ رکھتا ہے ۔

موسم بہار میں سکندر نے **سوس** کو خیرباد کہی اور **ہمدان** روانہ ہوا (۳۲۴ ق م) وہ پہلے دریائے **قارن** یا دجیل کے راستے کشتیوں میں خلیج فارس آیا اور ساحل بحر کی سیر کرتا ہوا دریائے **دجلہ** تک پہنچا ۔ جہاز رانی کو روکنے کی غرض سے ایرانیوں نے

یہاں جابجا سدّ بنادی تھی۔ سکندر نے ان سب کو تڑوایا اور راستے میں
فوج کو لیتا ہوا اوپیس آیا۔ یہاں کے قیام میں اُس نے اہل مقدونیکا
عام جلسہ منعقد کیا اور اُن کو جو سن یا زخموں کی وجہ سے لڑائی کے قابل
نہ رہے تھے رخصت کا حکم سُنایا۔ ان کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی اور
سکندر نے سب کو بہت کچھ انعام دینے کا وعدہ کیا تھا کہ پھر وہ
عمر بھر مستغنی رہیں۔ لیکن سپاہیوں کے دل میں مدت سے غبار بھرا ہوا تھا
سکندر کی یہ تقریر گویا جلتے توے پر پانی کا چھینٹا تھا، وہ مل کے
چلّائے کہ "ہم سب ہی کو رخصت کردو" سکندر چبوترے سے کود کے
غل مچانے والوں کے مجمع میں گھُس گیا اور سرہنگانِ شاہی کو تیرہ
آدمی دکھائے، جو بہت پیش پیش تھے، کہ گرفتار کرکے ان کا سر قلم
کرویا جائے، اس تشدّد نے اور سب کو دم بخود کردیا اور مجمع میں
سناٹا چھایا ہوا تھا جس وقت کہ سکندر دوبارہ چبوترے پر چڑھا
اور ایک خشمگیں تقریر میں تمام سپاہ کو رخصت کرکے اپنے محل میں
چلا آیا۔ تیسرے دن ایرانی امرا کو بلا کر تمام مناصب جلیلہ اور اہم
خدمات جن پر ابتک مقدونی سردار مامور تھے انہی غیر یونانیوں کے
حوالے کیں اور مقدونی فوجوں کے نام اور نشان چھین کر نئی ایشیائی
فوج کو دے دیئے گئے۔ مقدونی سپاہی ابتک اپنے پڑاؤ پر عجب رنج و
تذبذب کی حالت میں پڑے تھے کہ چلے جائیں یا ٹھہرے رہیں۔ مگر
انہوں نے فوجوں کے نام چھین جانے کا حال سُنا تو وہ محل کے دروازوں
پر پہنچے اور عاجزانہ اپنے ہتھیار کھول کر باریابی کی التجا کی۔ سکندر خود
باہر آیا تو دونوں فریق آبدیدہ تھے۔ انہی آنسوؤں نے دلوں کا غبار

دھو دیا۔ روٹھے ہوئے دوست مَن گئے۔ اور خوشی کے جلسوں اور قربانیوں سے عہدِ مصالحت کی تکمیل ہوئی ؛

گرمی اور موسمِ سرما کے چند روز ہمدان میں بسر ہوئے۔ یہاں سکندر کو وہ صدمہ اُٹھانا پڑا جس سے زیادہ کسی چیز کا اُسے غم نہ ہوسکتا تھا یعنی ہفیس شیان بیمار ہوا اور سات دن مرض میں اُلجھنے کے بعد وفات پائی۔ اس رنج میں تین دن سکندر نے فاقہ کیا اور تمام سلطنت میں بادشاہ کے محبوب دوست کا ماتم ہوا ؛

ختم سال کے قریب سکندر بابل روانہ ہوا اور راستے میں دور دراز کے سفیر اُس کے حضور میں حاضر ہوئے کہ اُس شہنشاہ سے دوستانہ تعلقات کا شرف حاصل کریں جو انھیں نظر آتا تھا کہ چند ہی سال کے عرصے میں آدھی دنیا کا مالک بن چکا ہے ؛ ان قوموں میں اطالیہ کے ات رسکن، ہسپانیہ کے فینقی اور قرطاجنی آباد کار اور قلطی، بحیرۂ اسوَد کے سیتھی اور افریقہ کے حبشی اور لبیانی ایلچی تھے جو اُسکی لشکرگاہ میں آئے اور باریاب ہوئے ؛

۴۔ عرب پر مہم کی تیاری اور سکندر کی وفات

نیارکوس کے بامراد بحری سفر کے بعد سے سکندر کو لَو لگی ہوئی تھی کہ جزیرہ نمائے عرب کو فتح کرے۔ کیونکہ اس علاقے کے شامل ہوئے بغیر اُس کی مشرقی سلطنت کامل نہ ہوسکتی تھی۔ لیکن یہ بھی بجائے خود ایک ضمنی فائدہ تھا ورنہ اس ریگزار کو قبضے میں لانے کا اصلی مقصد کچھ اور تھا ؛ دراصل، ہندوستان کے سفر اور

نیارکوس کی بحری سیاحت نے سکندر کے دل میں نئے نئے خیالات موجزن کر دیئے تھے۔ اب وہ عرب کے گرد جہاز رانی کی فکر میں تھا اور اُس کی نگاہ اتنی وسیع ہوگئی تھی کہ بحر روم کی طرح اس جنوبی سمندر (بحر ہند) کو بھی تجارتی جہازوں کی جولانگاہ بنانے کے منصوبے باندھ رہا تھا۔ اُسے دریائے سندھ سے دجلہ و فرات تک اور دوسرے براہ سمندر بحیرۂ قلزم کی اُن نہروں تک راستہ نکالنے کی امید ہوگئی تھی جو مصر میں آگے جاکے دریائے نیل سے مل جاتی تھیں۔ اپنی سلطنت کا پایہ تخت بھی سکندر نے شہر بابل کو بنانا تجویز کیا تھا اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ نہایت دانشمندانہ انتخاب تھا۔ لیکن اس کے لئے شہر کی حالت میں بہت کچھ تغیر کی ضرورت تھی۔ جنگی جہازوں کے مستقر کے علاوہ اُسے بحری تجارت کا بھی مرکز بنانا منظور تھا اور اسی نظر سے سکندر نے ایک بہت بڑی گودی کھدوانے کا حکم دیا جس میں ایک ہزار جہازوں کے ٹھیرنے کی گنجائش ہو۔

آخر جنوبی مہم کا سب سازوسامان مکمل ہوگیا ۳۲۳ ق م) ماہ جون کی ابتدائی تاریخوں میں نیارکوس اور اُس کے بحری رفقا کی بادشاہ کی طرف سے وداعی ضیافت کی گئی کہ اول یہ لوگ سمندر کے راستے عرب کے گرد روانہ ہونے والے تھے۔ انہی جلسوں میں دورات کی میخواری سے بادشاہ کو بخار چڑھ آیا اور دو دن کے لئے مہم کی روانگی ملتوی ہوگئی پھر اُسکی حالت اور بدتر ہوتی گئی تو سفر بھی ملتوی ہوتا رہا۔ اور اُسے لشکرگاہ سے محل میں لے آئے جہاں کچھ نیند آئی مگر بخار میں فرق نہ پڑا۔ اُسکے سردار عیادت کو آئے تو اُسکی زبان بند ہو چکی تھی۔ مرض برابر زور پکڑتا گیا اور مقدونی سپاہیوں

میں یہ افواہ پھیل گئی کہ سکندر مرگیا۔ وہ چیختے پیٹتے محل کے دروازے پر دوڑے اور پہرے والوں نے مجبور ہوکر اندر آجانے دیا۔ پھر اکہری قطار باندھ کے وہ اپنے جوان بادشاہ کے پلنگ کے پاس سے گزرے اور اگرچہ وہ بول نہ سکتا تھا مگر سر اور آنکھ کے اشارے سے ایک ایک کے ساتھ اُس نے صاحب سلامت کی! پیوکستاس اور بعض رفقا نے یہ رات سراپیس دیوتا کے مندر میں گزاری اور سوال کیا کہ اگر دیوتا کی توجہ سے شفا حاصل ہو سکے اور حکم ہو تو بیمار کو مندر کے اندر لے آئیں؛ لیکن کسی آواز نے انھیں روک دیا کہ ایسا نہ کریں اور جہاں ہے وہیں اُسے رہنے دیں! آخر اسی جُون کے مہینے میں رات کے وقت بیمار بادشاہ نے اس سے پہلے کہ عمر کے ۳۳ سال پورے ہوں، جان، جان آفریں کو سونپ دی۔

مگر اس "نا وقت موت" پر تقدیر کے تلوّن یا ناسازگاری بخت کی شکایت کا کوئی محل نہیں ہے۔ اُس کے اوصاف اور کارناموں کا قدرتی انجام یہی ہونا تھا کہ وہ عمر طبعی سے پہلے مرجائے۔ کیونکہ تیرہ برس ہی کے سن میں اُس کے اندر بہت سی عمروں کا ست جمع ہوگیا تھا اور نہ اُسے میدانِ رزم میں جان کی پروا ہوتی تھی نہ بزم شراب میں آ

۵- یونان مقدونیہ کے عہد حکومت میں

واقعاتِ عالم کی رَو ہمیں ساحلِ یونان سے بہا کے لے گئی اور اتنی مہلت بھی نہ ملی کہ وہاں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حالات پر ایک نظر ڈال لیتے جو متبائن جذبات رنج و مسرت کے ساتھ اپنے تمدن کو

ساری دنیا میں شائع ہوتا دیکھ رہی تھیں ایسوس کے کوہستانی دروں میں سکندر کی فتح اور پھر اُس کا بحری اقتدار سُن کر اکثر یونانیوں کو کان ہو گئے تھے اور مجلسِ کورنتھ نے فاتح کی خدمت میں مبارکباد اور متحدہ یونان کی طرف سے تاجِ زرّیں بھجوایا تھا۔ اور جب ایک سال کے بعد اجیس شاہ اسپارٹہ نے مقدونیہ کے خلاف پھر تلوار علم کی تو اُسے پلوپی سس کے باہر کوئی ساتھی میسّر نہ آیا۔ البتہ مگالوپلس کے سوا، تمام آرکیڈیہ، اکائیہ اور الیس کی ریاستوں کو اُس نے اپنا شریک بنا لیا تھا اور ان اتحادیوں کا بڑا مقصد یہ تھا کہ مگالوپلس کو مسخر کر لیا جائے۔ سکندر کا نائب انیٹی پاٹر تھریس کی طرف سے فرصت پاتے ہی اس محصور شہر کی مدد کے لئے جنوب میں بڑھا (۳۳۱ ق م) اور قریب ہی جو لڑائی ہوئی اُس میں آسانی سے اتحادیوں کو شکست دی۔ اجیس لڑائی میں مارا گیا اور پھر کوئی سامنا کرنے والا نہ رہا ؛

بایں ہمہ جبتک دارائے ایران زندہ رہا، اس وقت تک بہت سے یونانی دل ہی دل میں یہ امیدیں کرتے تھے کہ شاید پھر پانسہ پلٹ جائے۔ اور مقدونی جابر کے ہاتھ سے انھیں نجات ملجائے لیکن دارا کی موت نے ان امیدوں کا خاتمہ کر دیا اور سکندر کی ہندوستان سے مراجعت تک یونان میں کسی کو سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی ؛

اتیھنز کے لئے تھبز کی تسخیر اور سکندر کی وفات کے درمیان کے یہ بارہ برس خاص فراغ و خوش حالی کا زمانہ تھے۔ ریاست کا نظم و نسق دو نہایت

دیانتدار تدبیر یعنی فوکیون اور لکرگس کے ہاتھ میں تھا۔ اور ڈموس تھینز بھی اتنا محل شناس ضرور تھا کہ ان دنوں امن میں خلل ڈالنے کی بجائے اس طرزِ عمل کی تائید کرتا رہا۔ اپنے پرانے حریف اسکائی نیس (خطیب) پر جو فتح ڈموس تھینز کو حاصل ہوئی اُس پر فوکیون نے بھی غالباً حسد نہیں کیا کیونکہ یہ ذاتی معاملہ تھا اور اس کی سیاسی وقعت کچھ نہ تھی۔ واقعہ یہ تھا کہ ٹسی فن نے بنام وطنی خدمات اور خاص کر شہر پناہ کی مرمت میں فیاضانہ ذاتی روپیہ خرچ کرنے کے صلے میں ڈموس تھینز کو تاج زریں دینے کی تحریک کی کہ ریاست کی جانب سے سرِ جلسہ اُسے پہنایا جائے (۳۳۶ ق م) مجلس انتظامی نے اس کو منظور کرلیا۔ لیکن اسکائی نیس نے ٹسی فن پر قوانین جمہوریت کی خلاف ورزی کا دعویٰ دائر کیا اور عدالت کے روبرو نہایت مدلل تقریر میں ڈموس تھینز کے واقعات زندگی پر تبصرہ کیا اور دکھایا کہ یہی شخص جسے آج اس عزت کا مستحق سمجھا جارہا ہے وطن کا دشمن اور اتھینز کی تمام مصیبتوں کا اصلی سبب ہے۔ مگر ڈموس تھینز کے جواب نے جو پُرشکوہ خطابت کا بے نظیر نمونہ ہے عدالت کو مسحور کرلیا۔ اسکائی نیس کو ایک چوتھائی رائیں بھی نہ مل سکیں۔ وہ اتھینز چھوڑ کے نکل گیا۔ اور پھر سیاسی دنیا میں اُس کا کہیں نام نہیں ملتا۔

سلطنتِ مقدونیہ کے قیام ہی کو اتنے دن نہیں گزرے تھے کہ بحری تجارت کے مرکزوں میں کوئی بڑی تبدیلی پیدا ہوجاتی۔ لہذا ابھی تک اتھینز کو اس کاروبار میں بہت فروغ حاصل تھا اور ہرچند ظاہرا وہ اپنی مصالح ملکی میں امن کا حامی تھا۔ لیکن اپنی جگہ پر

اس قسم کی تیاریوں سے بھی غافل نہ تھا کہ اگر کبھی پھر موقع ہاتھ آئے تو اپنا بحری اقتدار دوبارہ حاصل کرلے؛ چنانچہ بیڑے کے اضافے اور نئے جہازی سائبان بنانے میں وہ برابر روپیہ لگاتا رہا اور بیان کیاجاتا ہے کہ اب اس کے پاس قریب قریب چار سو جنگی جہاز ہو گئے تھے یہ تمام کارگزاری لکرگس کی تھی جس نے وزیر مالیہ کی حیثیت سے بیڑے پر اتنا روپیہ لگایا۔ واضح رہے کہ اُسی زمانے میں مالی صیغوں میں بہت کچھ ردّ و بدل عمل میں آیا تھا یوبلوس کے وقت میں زر تفریح ،، کا منتظم ہی صیغۂ مال کا اعلیٰ عہدہ دار ہوتا تھا لیکن اب مصارفِ ریاست کا انتظام ہم ایک خاص وزیرمالیہ کے ہاتھ میں دیکھتے ہیں جسے لوگ چار سال کے واسطے منتخب کرلیتے تھے لکرگس اسی عہدے پر مامور تھا اور تعمیرات کا کام بھی قریب قریب تمام وکمال اسی کے اختیار میں تھا۔ اور اس صیغے میں بھی اپنی کارگزاری کی بدولت اُس کا عہدِ وزارت بہت مشہور ہوا۔ ایک تو اُس نے رودالی سوس کے جنوبی کنارے پر دوڑ کا میدان تیار کرایا. اور دوسرے لیسیانی دنگل کی از سرِنو تعمیر کی جہاں اُس زمانے میں حکیم ارسطو صبح شام ٹہل ٹہل کر اپنے شاگردوں کو درس دیا کرتا تھا اور اِسی کی وجہ سے حکما کا یہ گروہ "مشائین،، کہلاتا ہے۔ لیکن لکرگس کا سب سے یادگار کارنامہ ڈایونی سیئس کے تماشا گاہ کی ترمیم تھا۔ قلعے کے ڈھلواں پہلو پر سنگ مرمر کی زینہ نما نشستیں جو ابھی تک سلامت ہیں، ایتھنز کے اسی وزیر مالیہ نے بنوائی تھیں؛

غرض اہل ایتھنز عاقبت اندیشی کے ساتھ اپنی سود بہبود میں کوشاں اور دیوتاؤں کی نگاہِ کرم کے امیدوار تھے۔ اور اِس عرصے میں ایک مرتبہ قحط کے سوا اور کوئی آفت بھی اُن پہ نہیں آئی؛ لیکن جب سکندر سوس میں واپس آیا تو دو ایسے واقعات پیش آئے جن سے یونان کا امن معرضِ خطر میں پڑگیا۔ یعنی اول تو سکندر نے یونانی جلاوطنوں سے وعدہ کرلیا کہ اُنھیں پھر اپنے اپنے وطن پہنچوادے گا (ان خانہ بربادوں کی تعداد بھی بیس ہزار سے کچھ زیادہ ہی تھی اور پھر اُس نے سردار نکانور کو اولمپیہ کے عظیم یونانی تہوار کے موقع پر بھیجا کہ متعلقہ ریاستوں کو حکم پہنچادے کہ اپنے جلاوطن شہریوں کو واپس بلالیں۔ (۳۲۴ ق م) صرف دو ریاستوں نے اِس کارروائی پر اعتراض کیا یہ ایتھنز اور اطولیہ کے باشندے تھے جنھیں معلوم تھا کہ اگر اِس حکم کی تعمیل ہوئی تو جن لوگوں کی مال متاع اُنھوں نے غصب کررکھی ہے وہ سب واپس دینی پڑے گی۔ کیونکہ اطولیہ والوں نے ای نیادی علاقے سے وہاں کے اصلی مالکوں کو نکال دیا تھا اور اسی طرح اہل ایتھنز نے ساموس والوں کی زمینیں دبا رکھی تھیں پس اگر یہ اصلی باشندے آئے اور اُن کی املاک واپس دینی پڑیں تو پھر ایتھنزی آبادکار اس جزیرے میں نہ رہ سکتے بلکہ انھیں وہاں سے نکلنا پڑتا۔ انہی وجوہ سے اطولیہ اور

اتھینز دونوں کو بادشاہ کا حکم بجالانے سے انکار تھا اور وہ یہانتک آمادہ تھے کہ اگر ضرورت ہو تو سکندر کا تلوار سے مقابلہ کریں ؎

۶- ہرپالوس کا حشر اور یونان کی سرکشی

اُسی زمانے میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے عجب نہیں بعض وطن پرست یہ سمجھنے لگے ہوں کہ سکندر کی سلطنت بہت ناپائیدار بنیادوں پر قائم ہے ؎ ہوا یہ کہ ہرپالوس ۵ ہزار تیلنت نقد، اجیر سپاہیوں کی معقول جمعیت اور ۳۰ ہزار جہاز لے کے ایٹی کا آیا اور اُس کا خاص مدعا یہ تھا کہ اپنے آقا کے خلاف آتش فساد مشتعل کرے۔ حکومت اتھینز نے فوج سمیت ساحل پر اُترنے کی اجازت نہیں دی تو ہرپالوس ۷ سو کے قریب تیلنت لے کر تنہا اتھینز میں آگیا۔ اس کے کچھ روز بعد مقدونیہ سے اینٹی پاٹر نے اور مغربی ایشیا سے سکندر کے وزیر خزانہ فلوک سنوس نے اسکی تحویل کا مطالبہ کیا لیکن ڈموس تھینز کی صلاح سے اہل اتھینز نے یہ چال چلی کہ ہرپالوس کو حراست میں لے کر اُس کا روپیہ خود اپنے قبضے میں کرلیا اور سکندری عہدہ داروں کو جواب میں کہلا بھیجا کہ اگر خود سکندر خاص اس کام کے لئے اپنے آدمی بھیجے گا تو ہم ملزم کو حوالے کردینگے

لیکن فلوک سنوس یا اینٹی پاٹر کے مطالبے کی تعمیل سے ہمیں انکار ہے۔ اس کے بعد ہرپالوس ایتھنز سے فرار ہوگیا تھا مگر تھوڑے ہی عرصے میں اپنے کسی منچلے ساتھی کے ہاتھ سے مارا گیا ؎

وہ رقم جو ہرپالوس ایشیا سے چُرا کے لایا تھا اکروپولس (قلعہ ایتھنز) میں جمع تھی اور اس کے لئے چند امین خاص طور پر مقرر کردیئے گئے تھے جن میں ڈموس تھینز بھی شامل تھا لیکن کچھ روز بعد اچانک یہ حال کھلا کہ قلعے میں صرف ۳۵۰ تیلنت کی رقم موجود ہے۔ جتنے سربرآوردہ ارکان ریاست تھے فوراً اُن کے خلاف لوگوں میں چرچے ہونے لگے کہ قلعے میں جمع کرنے سے پہلے ہی اُنھوں نے آدھا روپیہ (یعنی ۳۵۰ تیلنت) ہرپالوس سے رشوت لیکر ہضم کرلیا ہوگا۔

مجلس آریوپاگوس میں یہ الزام پیش ہوئے تو عدالت نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ ریاست کے خاص خاص عمائد نے معقول رقمیں وصول کی تھیں اور انھیں میں ڈموس تھینز کی نسبت اُنھوں نے تحریر کیا کہ وہ بھی ۲۰ تیلنت کا حصہ دار تھا۔ ڈموس تھینز نے اس خطا کا خود اقبال کیا اور اُس کا عذر یہ بیان کیا کہ میں نے زر تفریح کے سرمائے میں ۲۰ تیلنت پیشگی بطور قرض دے دیئے تھے اور انھیں اس روپے سے وصول کرلیا۔ لیکن اعتراض یہ تھا کہ

اُسے بغیر منظوری سکندر کے روپے سے وہ قرض وصول کرنیکا جو اُس نے ریاست ایتھنز کو دیا، کیا حق تھا؟ غرض اُس پر دو الزام وارد ہوتے تھے کہ ایک تو خود روپیہ نکالا اور دوسرے اپنی تحریری اطلاع میں عمداً روپے کی صحیح تعداد اور اُمنا کی غفلت کا ذکر نظرانداز کردیا۔ اُس کی سزا میں اُسپر پچاس تیلنٹ جرمانہ ہوا اور ادا نہ کرسکنے کی وجہ سے قید میں ڈال دیا گیا۔ مگر وہ تھوڑے ہی دن میں بچکر ایتھنز سے بھاگ گیا؛

اگر سکندر زندہ رہتا تو بہت ممکن تھا کہ اہل ایتھنز اُسے رضامند کرلیتے کہ ساموس پر اُن کا قبضہ بحال رہنے دے کیونکہ وہ ہمیشہ ایتھنز کی رعایت مدِّنظر رکھتا تھا؛ لیکن جب اُس کے مرنے کی خبر پہنچی تو اول اول لوگوں نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور ڈماڈیز خطیب زور دے دے کر کہتا تھا کہ وہ اگر مرتا تو ایسی نعش کی بوہی تمام دنیا کی ناک میں پہنچ جاتی ،، مگر جب اُس کی وفات نے تمام معاملات سلطنت کو درہم و برہم کردیا تو اِس حالت میں آزادی کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا کچھ خلافِ مصلحت نظر نہ آیا اور ایتھنز نے مقدونیہ سے بغاوت کی (۳۲۳ق م) اطولیہ اور شمالی یونان کی بہت سی ریاستوں نے اُس کا ساتھ دیا اور ۸ ہزار اجیر سپاہی بھی جو سکندر کی فوج سے اُسی زمانے میں الگ ہوکر یونان پہنچے تھے ملازم رکھ لئے گئے۔ ان کے ایک ایتھنزی سردار لیوس تینیس نے

تھرموپلی پر قدم جمالئے اور جب اینٹی پاٹر جس قدر جلد ہو سکا اپنی فوجیں جمع کرکے جنوب میں بڑھا، تو اسی درے کے قریب متحدہ یونانیوں کو لڑائی میں غلبہ حاصل ہوا اور مقدونیہ کے نائب السلطنت کو لامیہ میں قلعہ بند ہونا پڑا جو تھرموپلی کے مقابل، کوہ اتھریس کی ایک چوٹی کے نیچے پہاڑی قلعہ تھا۔ اسی جگہ لیوس تینس نے اُسے تمام جاڑے گھیرے رکھا اور اس غلبے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیوشیہ کے سوا شمالی یونان کی سب ریاستیں تو پہلے ہی مقدونیہ سے بے وفائی کر چکی تھیں، اب پلوپنی سس میں بھی اُن کے بعض رفیق پیدا ہو گئے۔ اور اگر یونانیوں کی بحری قوت زیادہ ہوتی تو عجب نہیں کہ کم سے کم کچھ عرصے کے لئے انھیں اپنے مدعا میں کامیابی حاصل ہو جاتی۔ موسم بہار میں سفرلی افروجیہ کا حاکم لیوناٹس فوج لے کے آیا تو یونانیوں کو لامیہ کے محاصرے سے دست بردار ہونا پڑا اور وہ تھسالیہ میں بڑھے کہ اینٹی پاٹر سے مل جانے کے پیشتر اُس سے مقابلہ کریں، لڑائی ہوئی تو اُس میں بھی لیوناٹس زخم کھا کے مارا گیا اور دوسرے روز اینٹی پاٹر وہاں آیا اور اپنی شکست خوردہ فوجوں کو لیکر مقدونیہ میں ہٹ گیا کہ کراتروس کا انتظار کرے جو ایشیا سے آرہا تھا۔ چنانچہ اُس کے پہنچتے ہی یہ دونوں مل کر پھر تھسالیہ میں بڑھے اور کرانن کے مقام پر یونانیوں سے مقابلہ ہوا (۳۲۲ ق م) لڑائی میں فریقین کے نقصانات بہت کم ہوئے۔ اور اہل مقدونیہ کا پلہ بھاری رہا۔ ظاہر میں جنگ کا فیصلہ اس معرکے نے کیا تھا لیکن یونانیوں کے جد و جہد جاری نہ رکھ سکنے کی اصلی وجہ کرونن کی

خفیف شکست نہ تھی بلکہ یہ کہ اُن میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اور نہ کوئی ایسا سپہ سالار جس پر وہ سب کامل اعتماد کر لیتے۔ انجام یہ ہوا کہ یکے بعد دیگرے ہر ریاست اپنا معاہدۂ صلح علٰحدہ کرنے پر مجبور ہوئی۔

جس وقت انیٹی پاٹر بیوشیہ میں بڑھا اور ایٹیکا پر حملے کی تیاریاں کیں تو ایتھنز کو بھی سر اطاعت خم کرنا پڑا۔ آزاد حکومت دوبارہ حاصل کرنے کی اُس نے جو کوشش کی تھی اُس کا سخت خمیازہ بھگتنا کیونکہ سکندر کی طرح انیٹی پاٹر کے دل میں اس مدینۃ الحکما کے نام نیک اور گزشتہ روایات کی کوئی جگہ نہ تھی۔ اُسے صرف اتنا نظر آتا تھا کہ جبتک سخت گیری اور تشدد سے کام نہ لیا جائے گا اس وقت تک مقدونیہ کو ہمیشہ اسی قسم کی بغاوت کا خطرہ رہے گا جیسی کہ ابھی فرو کرنی پڑی۔ پس اُس نے تین شرطیں پیش کیں جنھیں ڈیماڈیز اور فوکیون کو چار و ناچار قبول کرنا پڑا اول یہ کہ نظامِ حکومت میں ترمیم کی جائے اور خالص جمہوریت کی بجائے سیاسی حقوق زر و مال پر مبنی ہوں۔ دوسرے بندرگاہ منوکیہ میں مقدونی سپاہ کی چھاونی بنا دی جائے۔ اور تیسری شرط یہ تھی کہ شورش کے سرغنہ ڈموس تھینز، ہیپری ڈیز اور اُن کے احباب گرفتار کر کے انیٹی پاٹر کے حوالے کر دیئے جائیں۔

واضح ہو کہ ڈموس تھینز نے جو اپنے وطن سے فرار ہو گیا تھا پلوپنی سس میں اپنی سحر بیانی کے جوہر دکھائے اور یونانی اتحادیوں کے مقاصد کی بہت کچھ حمایت کی تھی۔ انہی کوششوں کے صلے میں اُسے اہل ایتھنز نے واپس بلالیا تھا۔ مگر اب جو ایتھنز نے اطاعت قبول کی تو دا

اور دوسرے مقرر شہر سے بھاگے ہیپری ڈیز اور اس کے دو رفیقوں
نے اجی نا کے مندر ایکوس میں پناہ لی تھی وہیں سے گرفتار ہو کر
اینٹی پاٹر کے پاس لائے گئے اور اُس نے انھیں قتل کرا دیا ڈموس تھنیز
بھاگ کر جزیرہ کلوریہ کے مندر پوسی ڈن میں چھپا اور جب ہاں
اینٹی پاٹر کے ہرکارے پہنچے اور اُسے طلب کیا تو اُس نے جلّاد کے
ہاتھ میں پڑنے سے پہلے، زہر کھا لیا (اکتوبر ۳۲۲ ق م) اور ایک
روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ زہر اُس نے قلم کے نیزے میں
چھپا رکھا تھا۔

فرہنگِ اعلام

تاریخ یونان میں بعض ایسے ناموں کا انگریزی تلفظ بجنسہ اختیار کرلیا ہے جو پہلے سے مشہور و مروج تھا۔ لیکن باقی میں خفیف تغیر کو جائز رکھا ہے جس کا عام اصول ذیل کے الفاظ کا باہم مقابلہ کرنے سے ذہن میں آجائیگا اگرچہ کہیں کہیں مستثنیات بھی موجود ہیں:۔

لفظ Words	انگریزی تلفظ English Pronunciation.	اردو تلفظ Urdu Pronunciation.
Abydus.	(ابی ڈس)	ابی دوس
Achaean.	(اکائین)	اکیائی
Achaemenid.	(اکی منایڈ)	خاندان ہخامنشی
Achilles.	(اکی لیز)	اکی لیس
Aeschylus.	(اس کای لس)	اس کای لوس
Alcibiades.	(السی بیاڈیز)	الکی بیادیس
Aphrodite.	(افروڈایٹ)	افرودیت
Arbela.	(اربیلا)	اربیل
Artabazus.	(ارٹا بازس)	آرتا بازو
Assyria.	(اسیریا)	اشور

لفظ Words.	انگریزی تلفظ English Pronunciation.	اردو تلفظ Urdu Pronunciation.
Astyages.	(استیاجیز یا استیاژ)	افراسیاب
Bronze Age.	....	عصرالنحاس
Byzantium.	(بای زن ٹیم)	بای زنطہ
Chalcedon.	(کالسی ڈون)	چالکی دن
Chios.	(کیوس)	خیوس
Cithaeron.	(ستھی رون)	سیتھی رن
Croesus.	(کری سس)	کری سوس
Cyxares.	(کیاک سریز)	سیاکزار یا سیاوش
Cyprus.	(سای پرس)	قبرس
Darius.	(ڈیرئیس)	داریوش یا دارا
Delos.	(ڈی لواس)	دلوس
Delphi.	(ڈیلفی)	دلفی
Dorian.	(ڈورئین)	ڈوریانی
Elean.	(الئین)	الیانی
Elis.	(اے لس)	الیس
Eurypides.	(یوری پڈیز)	یوری پڈیز - یوری بید
Euxine.	(یوکساین)	افشین یا استود
Gaza.	(گازا)	غزہ
Halys (River).	(ہالیس)	قزل ارماق
Hellenes.	(ہل لینز)	ہلینی

لفظ Words.	انگریزی تلفظ English Pronunciation.	اردو تلفظ Urdu Pronunciation.
Helot.	(ہیلواٹ)	ہلوت
Jaxartes.	(جیکسارٹیز)	جیحوں
Lacedaemonian.	(لیسی ڈیمونیئن)	لک دمونی
Laconia.	(لیکونیا)	لقونیہ
Lysander.	(لائی سنڈر)	لیساندر
Macedonia.	(میسی ڈونیہ)	مقدونیہ
Malli (tribe)	....	مَلی
Marmora or Propontus.	(مارمورا یا پون ٹس)	مرمورہ
Memnon.	(میم نواں)	ممنُن
Miletus.	(ملے ٹس)	ملطہ یا ملی توس
Molossia.	(مولوسیا)	ملوسیہ
Naupactus.	(نوپاک ٹس)	نوپاکتوس
Nearchus.	(نیارکس)	نیارکوس
Nestor (King)	(نیسٹر)	نستور
Oxus.	(اَوِکسس)	سیحوں
Parysatis.	(پری سائیس)	پری زادہ (شہزادی)
Pasitigris.	(پاسی ٹگریس)	دریائے دُجیل یا قارن
Periander.	(پیری انڈر)	پریان در
Persepolis.	(پرسی پولس)	اصطخر
Philip.	(فلپ)	فیلغوس یا فیلقوس

*

لفظ Words.	انگریزی تلفظ English Pronunciation.	اردو تلفظ Urdu Pronunciation.
Phillippies.	(فلپکس)	فیلقوسیات یا (وہ پرجوش تقریریں جو دیموستھنیز نے فیلقوس کی مخالفت میں کی تھیں)
Phraortes.	(فرئورتیس)	فریرز
Phrygia.	(فرگیہ)	فرغیہ یا افروجیہ
Piraeus.	(پای رئیس)	پیریوس
Ptolemy.	(ٹالمی)	تولمی یا بطلیموس
Propontus.	......	مرمورہ
Rhegium.	(رھگیم)	رگیوم
Roxane.	(رکسانہ)	روشنک
Saronic (Gulf)	(سارونیک)	سارونی (خلیج)
Scythian.	(سیتھین)	اسکیتھیا یا سیتھی
Sicily.	(سسلی)	صقالیہ
Sidon.	سیڈون	سیدا
Simonides.	(سای مونی ڈیز)	سی مونی دیس
Sinope.	(سای نوپ)	اسنوف
Sophist.	(سوفسٹ)	سوفسطای
Taygetus.	(ٹے گی ٹش)	کوہِ تے گیتوس
Thessaly.	(تھسلی)	تھسالیہ
Tyre.	(ٹایر)	تایر یا صور
Trireme.	(ٹرای ریمی)	سہ طبقہ (جہاز)

*

غلط نامہ

تاریخ یونان میں ، کئی بار تصیح کے باوجود، کتابت کی چھوٹی موٹی بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں سرسری نظرثانی میں جو زیادہ نمایاں تھیں انہیں یہاں صحیح کر دیا ہے باقی نقطوں ، یا ڈ دٓ اور تٓی تے کی غلطیوں کو امید ہے کہ ناظرین خود درست کرلیں گے

مترجم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸	۳	" جنانی "	" جناتی "
۳۳	۴	ڈھکیل	دھکیل
۳۵	۶		
۵۷	۸	زرا	ذرا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۹	۴ و ۷	عہدے	عہدہ
۱۰۴	۱۰	بھاٹوں	بھائیوں
۱۰۹	۱	تینوہ	نینوہ
۱۳۷	۸	تیکٹ	ٹکٹ
۱۵۱	۵	گھڑی	گھری
۱۷۱	۱۱	پابندی کی	پابندی نہ کی
۱۸۲	آخری	گرز برداپہاڑی	پہاڑی
"	"	اس پچاس	اسے پچاس
۱۹۰	۱۷	تگیا رفتہ آباد	تگیا آباد
"	۱۹	اپنی طویل	اسی طویل
۱۹۴	۱۷	دیکھا کے	دیکھا کہ
۲۱۴	فٹ نوٹ	افسانہ باقی	افسانہ بافی
۲۲۸	۱۸	پڑا تھا	پڑا
۲۵۶	۲	متحدہ	متحد
"	۱۵	ہی	یہی
۲۸۶	۲۰	بڑے	بڑھے
۳۰۹	۱۲	کہا کے	کہا کہ
۳۳۴	۱۵	ایٹی کا قریب	ایٹی کا کے قریب
۳۵۵	۸	قایم کیا	قایم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۶۶	۱۲	سمجھای	سُجھای
۳۷۸	۹	غیض	غیظ
۴۰۱	۲۰	اتنے میں	اتنے
۴۵۴	۳	ہوا، پلوپنی سس	ہوا تو وہ پلوپنی سس
۴۵۵	۳	ذمے دار	ذمہ دار
۴۹۵	۴	دست برد	دست بردار
۴۹۹	۱۰	ہیت	ہئیت
۵۳۵	آخری	مستحکم ہیں	مستحکم مامن
۵۶۹	۷	در پر رہ	در پردہ
۵۹۱	۱۵	اہلی فولیس	اہل فوکیس
۶۰۳	۲	گانوں	گانوؤں
۶۵۲	۱۰	پہلے مشہور	پہلے سے مشہور
۶۵۵	۱۳	مد	مِدّہ
۶۵۶	۱۱	دائیں کی طرف	دائیں بازو کی طرف
۶۵۷	۹	دُور کر دیا	دو کر دیا
۶۶۰	۱	اب بتوں	اب اِن بتوں
۶۶۲	۱۰	کو لگی	لَو لگی
۶۷۸	۱ و ۲	اس کی تردید کرنے (جو یونانیوں الخ)	:- اس کی (جو یونانیوں ـ الخ) تردید کرنے
//	//	اجباب	احباب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۹۷	۷	ساحل سمندر	ساحلِ بحر
۷۱۱	۹	تیس ہزار جہاز	تیس جہاز
۷۱۲	۱۶	کی تھیں	کی ہیں
"	۱۸	حصہ دار تھا	حصہ دار ہے
۷۱۵	۵	آزاد حکومت	اور آزاد حکومت